چونکا دینے والی کہانیاں
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
2012
جنوری
PDFBOOKSFREE.PK

ادارہ
قرآن کی باتیں
8
دین و دنیا میں فلاح پانے کیلئے قرآن کی باتوں پر عمل کرنا انسانی زندگی کیلئے اہم ہے

ناصر محمود فرہاد
چمگادڑ کا خون
47
دل و دماغ پر سحر طاری کرتی ایک بھیانک .....انوکھی پراسرار اور دہشت ناک تحریر

عمران سعید
پراسرار خواب
81
حقیقت سے چشم پوشی اکثر انسان کو نقصان پہنچاتی ہے، جس کا ثبوت کہانی میں موجود ہے

عامر ملک
خلائی قانون
105
چاہت و خلوص کی ایک انمٹ کہانی جسے پڑھنے والا اچنبھے میں اپنے آپ کو محسوس کرے گا

اسلم راہی ایم اے
ملکہ مصر
16
ایک خوب صورت عورت کے حسن و عشق کا ایک تہلکہ خیز اور دلگداز دل گرفتہ داستان حیرت

اے وحید
رولوکا
52
وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

ذوالقرنین خان
گنتارا
86
قدم قدم رگوں میں لہو منجمد کرتی اور ذہن کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی خوفناک کہانی

ایم اے راحت
شہر وحشت
110
دل و دماغ کو مبہوت کرتی خوف و حیرت کے سمندر میں غوطہ زن خیر و شر کی انوکھی کہانی

علی آفاق
محبت کی قربانی
131
محبت کرنے والے بہت دل والے ہوتے ہیں جو قربان ہو کر محبت کی لاج رکھ لیتے ہیں

ایس حبیب خان
لنگڑی چڑیل
153
ایک دہشت ناک اور خوفناک شاخسانہ جس نے لوگوں کو اچنبھے میں ڈال دیا تھا

ایس امتیاز احمد
حصار
191
شجی بگھارنے اور اترانے والوں کے لئے اس کہانی میں دل گرفتہ سبق موجود ہے

محمد رضوان قیوم
آخری خراج
213
دل دہلاتا اور رونگٹے کھڑے کرتا ایک خونچکاں شاخسانہ جو کہ پڑھنے والوں کو لرزا کر رکھ دے گا

ملک فہیم ارشاد
خوشبو کا انتقام
139
لفظ لفظ اور سطر سطر دل میں سوز و گداز پیدا کرتی ایک دلفریب اور سبق آموز اچھی کہانی

ایم الیاس
چندرا دیوی
164
پر تحیر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک اچھوتی کہانی

ادارہ
قوس قزح
206
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں.....

فاروق سلیم
یقین
221
خیر و شر کے درمیان ہونے والا ایک حیرت انگیز خونی مقابلہ جو کہ لرزا کر رکھ دے گا

2012

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

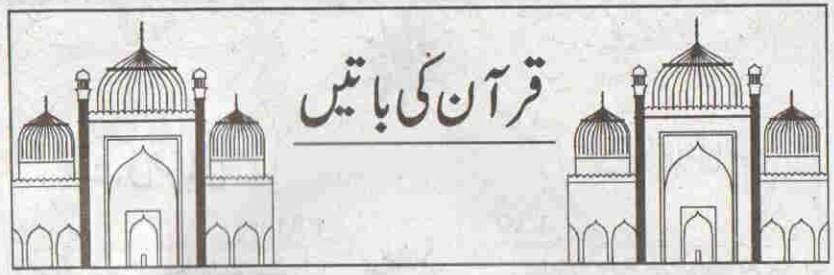

☆ لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔ (سورۃ یونس 10 آیت 57)

☆ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھیوں پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی اونچی اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنی رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ (سورۃ نحل 16 آیت 68 سے 69)

☆ اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 82)

☆ جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس کے ثواب میں حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے اس کو اس کے عذاب میں سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(سورۃ نساء 4 آیت 58)

☆ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہی ہوں کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (سورۃ زمر 39 آیت 43 سے 44)

☆ اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور سفارش پسند کرے۔ (سورۃ نجم 53 آیت 26)

☆ قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

(سورۃ قمر 54 آیت 1 سے 3)

☆ سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔

(سورۃ بقرہ 2 آیت 152)

☆ اگر تم اللہ کے شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر شناس اور دانا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 147)

☆ اور جب تمہارے رب نے تم کو آگاہ کیا کہ اگر شکوہ کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو کہ میرا عذاب بھی سخت ہے۔ (سورۃ ابراہیم 14 آیت 7)

☆ پس اللہ نے جو تم کو حلال طیب رزق دیا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (سورۃ نحل 16 آیت 114)

☆ اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تم کو بتائے گا وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے۔ (سورۃ زمر 39 آیت 7)

☆ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر واری میں سر مارتے پھرتے ہیں اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔ (سورۃ شعراء 26 آیت 224)

☆ اور ہم نے ان پیغمبر کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایان ہے۔ (سورۃ یٰسین 36 آیت 69)

☆ یہ ایک رسول کریم ﷺ کا قول ہے۔ کسی شاعر کا قول نہیں ہے مگر تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

(سورۃ حاقۃ 69 آیت 40 سے 43)

☆ تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ کر جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 137)

☆ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو۔ اور دیکھو کہ جو لوگ تم سے پہلے ہوئے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا ہے ان میں زیادہ تر مشرک ہی تھے۔ (سورۃ روم 30 آیت 42)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطوط

معزز قارئین کرام! السلام علیکم، اسلامی ہجری نیا سال شروع ہو چکا ہے اور نیا عیسوی سال کی آمد ہے۔ دونوں نئے سال آپ سب کو بہت بہت مبارک ہوں، نئے سال کے آنے پر خوشیاں ہوتی ہیں، میری دعا ہے کہ یہ دونوں نئے سال ہم تمام پاکستانیوں کے لئے خوشحالی اور امن وشانتی کا سال ثابت ہوں تاکہ ہمارا ملک خوشحال ہو، ہر طرف خوشیاں نظر آئیں، ملک سے ہر طرح کی تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں، لیکن یہ سب اسی صورت میں ہوگا کہ ہم سب یہ عہد کریں گے کہ ہماری ذات سے کسی کو بھی دکھ تکلیف نہ پہنچے، ہماری سوچ تعمیری ہو، جس کے ذمہ جو کام ہے یا پھر جو بھی جس عہدہ پر براجمان ہے اس کا ہر عمل مثبت ہو جس سے قوم وملک کی بھلائی ہو، اور قوم ملک کی بھلائی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہم اپنا ذاتی مفاد آگے آگے نہ رکھیں کیونکہ ہم ذاتی مفاد کے تحت سوائے اپنی ذات کے کسی اور کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم تمام لوگ احکام خداوندی پر عمل کرنا شروع کر دیں اور دماغ میں خوف خدا رکھیں تو ہمارا ہر عمل اور ہر قدم بہتری کا ضامن ہو جائے گا۔ بہر حال ہر آدمی کو اپنی اپنی جگہ قوم وملک کے فلاح کے لئے بغور سوچنا چاہئے اور اسی صورت سے ہم اپنے وطن عزیز کو خوشیوں کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ خیر اب ڈر ڈائجسٹ کی بات ہو جائے تو قارئین کرام! میں تمام پڑھنے والوں اور رائٹر حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ سب بہت ہی چاہت خلوص اور محبت سے ڈر ڈائجسٹ کو پسند کرتے ہیں اور اپنی اچھی اچھی تحریریں ارسال کرتے ہیں جو کہ ڈر ڈائجسٹ کی زینت بنتی ہیں۔ آپ سب کی محنت کا ہی نتیجہ ہے کہ ڈر ڈائجسٹ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ رائٹر حضرات سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ کبھی کبھار جو نقل شدہ کہانیاں ارسال کرتے ہیں اس سے اجتناب برتیں۔ لیکن ترجمہ کہانیاں ایک دو جگہ ضرور چھپ جاتی ہیں کیونکہ ترجمہ کرنے والوں کو جو کہانی اچھی لگتی ہے وہ اس کا ترجمہ پیش کر دیتے ہیں۔ لیکن ایسے حضرات کی بھی کوشش ہونی چاہئے کہ کہیں یہ کہانی کسی اور رسالے میں تو نہیں چھپی ہے۔ اکثر رائٹر حضرات کہانی تو بھیج دیتے ہیں مگر اپنا ایڈریس لکھنا بھول جاتے ہیں جس کی وجہ سے اعزازی کاپی ہم نہیں بھیج سکتے۔ میری ذاتی کوشش ہے کہ ڈر ڈائجسٹ ہر ماہ اپنی خوبیوں کو برقرار رکھے اور یہی وجہ ہے کہ چاہے آندھی آئے یا طوفان یا پھر جو بھی دگرگوں حالات ہوں۔ ڈر ڈائجسٹ مقررہ تاریخ پر آجاتا ہے۔ قارئین ایک مرتبہ میں پھر آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں آپ سب کے تعاون کے لئے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام پاکستانیوں پر اپنا فضل وکرم رکھے اور ہمارے ملک کو تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔

(خالد علی مینجنگ ایڈیٹر)

صبا محمد اسلم گوجرانوالہ سے، السلام علیکم، دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ ملا دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، ٹائٹل کا جواب نہیں، ٹائٹل ہی نہیں بلکہ شروع سے آخیر تک کی تمام تحریریں لاجواب ہیں، سب سے پہلے میری غزل شائع کرنے کے لئے شکریہ قبول کریں، اس مرتبہ ڈر کچھ لیٹ ملا۔ ہر ماہ ڈر کے لئے انتظار رہتا ہے، ہر ایک دن بہت بے چینی سے گزرتا ہے اور جب ڈر ہاتھ میں آتا ہے تو سکون ملتا ہے۔ میں سب سے پہلے غزلیں اور اشعار پڑھتی ہوں۔ اس ماہ کی تمام غزلیں اور اشعار ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ایک غزل اور قوس قزح کے لئے اشعار بھیج رہی ہوں۔ امید ہے کہ شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔

☆☆ صبا اسلم: خط لکھنے، رسالہ اور غزلوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، امید ہے آئندہ بھی ڈر ڈائجسٹ کو یاد کرنا بھولیں گی نہیں اور خط بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

ایس حبیب خان کراچی سے، امید ہے کہ ڈر کے تمام چاہنے والے خیریت سے ہونگے، سب سے پہلے اہلیان وطن کو آنے والے نئے سال کی مبارکباد! اللہ کرے کہ یہ آنے والا نیا سال ہمارے پاک وطن کے لئے امن وسلامتی اور خوشحالی کا پیغام لے کر آئے (آمین)۔ دسمبر 2011ء کا ڈر ڈائجسٹ سال کے جاتے لمحوں کو الوداع کہتا ہوا ہاتھ میں آیا اور اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، ہر کہانی اور ہر سلسلہ اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ تھا۔ رسالے کی ابتداء ''قرآن کی باتیں'' سے ہوئی جس نے ایمان کو ایک نئی تازگی دی، پھر خطوط کی چمکتی دمکتی محفل میں قدم رکھا۔ سب دوستوں کے خوب صورت خط اور تبصرے

پڑھے۔ ان میں فرزانہ عابد اور پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی کے خطوط بہت عمدہ انداز میں تحریر کئے گئے تھے۔ پھر باری آئی کہانیوں کی۔ ناصر محمود فرہاد کی ''شترو'' اس ماہ کی خاص الخاص تحریر رہی، کہانی اپنے مقامات، منظر نگاری اور انداز تحریر کی وجہ سے سب سے منفرد تھی (Excellent) میرے حساب سے اس ماہ کی نمبر ون تحریر تھی، ''قبلہ درست'' نے بھی کافی متاثر کیا اور اینڈ تک دلچسپی برقرار رکھی۔ خوب صورت تحریر تھی، ''روح کا بلاوا'' ایس امتیاز احمد صاحب نے کیا کمال لکھی، لاجواب تحریر تھی، اس کو پڑھ کر لگا کہ میں خود اس ماحول میں موجود ہوں۔ بہت ہی عمدہ تحریر تھی اور ''یقین'' آخری صفحات کا خاص تحفہ ثابت ہوئی جو کہ بہت جاندار تحریر لگی پڑھتے پڑھتے میں اس میں اتنی گم ہوگئی کہ پتہ چلا اگلے ماہ تک انتظار کرو! لو جی، اب کرنا پڑے گا، میں اپنی نئی تحریر ارسال کر رہی ہوں، رولوکا کے کتابی شکل میں آنے کا کب سے انتظار تھا! شکر ہے کہ وہ ختم ہوگیا۔ آپ کوئی خاص نمبر بھی نکالیں جیسے پہلے ہوتے تھے۔ آخر میں ڈر کے پورے اسٹاف اور ڈر کے قارئین کے لئے دعائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

☆☆ ایس صاحبہ: اللہ کرے ہمارے ملک سے خود غرض، مطلب پرست اور قوم ملک کے لئے منفی سوچ رکھنے والے وجود ختم ہو جائیں تاکہ ہر طرف خوشحالی ہو جائے، آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوتی ہے، لنگڑی چڑیل شامل اشاعت ہے، اور نئی کہانی کا شدت سے انتظار ہے، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گی۔

استو حلال کراچی سے، آخری سال 2011ء کا ڈر ڈائجسٹ ہاکر سے ملا، پڑھ کر خوشی ہوئی، میں ڈر ڈائجسٹ ایک طویل عرصے سے پڑھ رہی ہوں 2005ء میں میری ایک کہانی بھی چھپی تھی، بنام ''نفرت'' کئی ماہ پہلے میں نے ایک کہانی بھیجی تھی اور اب مزید تین کہانیاں بھیج رہی ہوں۔ امید ہے کہ یہ کہانیاں شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔ میں اور بھی دو کہانیاں لکھ رہی ہوں، مکمل ہوتے ہی ارسال کروں گی، کہانی میں کوئی کمی محسوس کریں تو پلیز اصلاح اور سنوار کر شائع کر دیجئے گا۔ ڈر ڈائجسٹ کی خوبیاں کیا تحریر کروں بلکہ صرف یہ کہنا ہی کافی ہوگا کہ ڈر ڈائجسٹ اپنی انفرادیت اور موضوع کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ شب وروز اور ترقی کرے۔

☆☆ آستر صاحبہ: ایک مرتبہ پھر ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کی کہانیاں موصول ہوئی ہیں جو تین چار صفحات پر مشتمل ہیں اور یہ کہانیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آپ صحیح طور پر زیادہ صفحات کی کہانی لکھیں ڈر کی پالیسی کے مطابق، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا، کرنٹ شمارہ ہمارے سامنے ہے، خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے، اسٹوریز کا انتخاب لاجواب رہا۔ سلسلے خوب رہے، آرٹیکلز لکھنے کا شکریہ، اعزازی کاپی ہر ماہ مل جاتی ہے۔ شکریہ، آرٹیکلز ہم آپ کو ارسال خدمت کر چکے ہیں۔ پلیز دیکھئے گا۔ مندرجہ ذیل اشعار، انتخاب، دعا ارسال خدمت ہے۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ ہماری طرف سے تمام اسٹاف کو اور ''ڈر ڈائجسٹ'' کے تمام لکھنے والے رائٹرز اور تمام پڑھنے والے دوویورز کو دعا سلام۔

☆☆ امتیاز صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوتی ہے۔ تحریریں مل چکی ہیں، اشعار شامل اشاعت ہے۔ آئندہ بھی تحریروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔

منیر احمد ساغر میاں چنوں سے، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ کچھ مصروفیت کی وجہ سے پچھلے ماہ حاضری نہیں دے سکا، دسمبر 2011ء کا شمارہ مارکیٹ سے 22 نومبر کو ہی مل گیا۔ سب سے پہلے اسلم راہی ایم اے کی تاریخی کہانی ''بہادر شاہ ظفر'' پڑھی۔ ویلڈن، کہانی پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ محمد عثمان علی کی کہانی ''گفٹ'' جسیم الدین کی کہانی ''کٹھن مراحل'' سکندر علی رضا کی ''قبلہ درست'' ''فائبر بھوت'' انور فرہاد، ایم اے راحت کی ''شہرت وحشت'' ساجدہ شاہین کی ''زہر دولت'' بہت اچھی تھیں۔ باقی کا مطالعہ جاری ہے۔ ایک گزارش ہے کہ اسلم راہی ایم اے کا ''طارق بن زیاد'' ناول بھی ڈر میں شائع کریں۔ آخر میں ڈر ڈائجسٹ کے لئے دعا گو۔

☆☆ منیر صاحب: خلوص نامہ ارسال کرنے اور کہانیوں وشاعری کی تعریف کے لئے شکریہ، آئندہ ماہ بھی آپ کے نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شرف الدین جیلانی ٹنڈو الہ یار سے، السلام علیکم، دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ پڑھ کر خوشی ہوئی، سرورق دیکھ کر خون بڑھا، غزلیات شعر وسخن میں بہت کم دوست ملے، جن میں ہمارے خطوط بھی ردی کی ٹوکری کی زینت بنے، رسالے کے صفحات میں اضافہ کردیں رسالہ جلد ختم ہوجاتا ہے لہٰذا ہمیں پرانے رسالے پڑھنے پڑھتے ہیں۔ محمد زبیر ساگر صاحب کو دیا گیا آپ کا مشورہ پسند آیا۔ کائنات بلوچ، فرزانہ صاحبہ کے تبصرے سے اتفاق کرتے ہیں اکثر ہم نے پڑھا ہے کہ لکھاری انگریزی فلموں کو دیکھ کر کچھ ردوبدل کرکے کہانی بنادیتے ہیں۔ بہت سے لکھاری ایک کہانی کو مختلف رسائل میں بھی بھیج دیتے ہیں۔ جس سے پڑھنے والا چونک پڑتا ہے۔ مگر نام بنانے کے چکر میں نقل عام ہورہی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کرے۔

☆☆ شرف الدین صاحب: خط لکھنے اور دلی کیفیت کے ابھار کے اظہار کے لئے شکریہ۔ آپ کی باتیں سو فیصد صحیح ہیں۔ آپ تمام قارئین کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا نظر کرم رکھے اور کلی صحت عطا کرے۔

حافظ محمد زید زیدی میاں چنوں سے، السلام علیکم، ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نومبر 2011ء کا شمارہ خریدا اور پڑھنے کا شرف حاصل کیا، شمارہ بہت اچھا اور بے حد لاجواب تھا۔ بہرحال یہ دیکھ کر اور پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ میاں چنوں سے میرے بہت ہی محترم اور پیارے دوست محمد عثمان علی نے اپنی نئی کہانی ''جن سان'' پر اسرار انداز میں تحریر کرکے انہوں نے ڈر ڈائجسٹ میں اپنی دلکش اور خوب صورت تحریر کو شائع کروایا۔ ان کی حوصلہ افزائی نے ہی مجھے ڈر میں محرک کیا ہے کہ میں اپنی شاعری ڈر ڈائجسٹ کو ارسال کروں، ان کے ساتھ میں ڈر ڈائجسٹ والوں کا بھی مشکور وممنون ہوں کہ ڈر میں بھی میری شاعری کو شائع کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کے ساتھ راہنمائی فرمائی، امید ہے کہ آئندہ بھی ڈر ڈائجسٹ میری چاہت قبول کرتا رہے گا۔ آخر میں ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ محمد زید صاحب: ہم آپ کے خلوص اور چاہت کی قدر کرتے ہیں اور قوی امید کرتے ہیں کہ آپ آئندہ بھی خلوص دل کے ساتھ ڈر ڈائجسٹ میں اپنی کاوشیں ارسال کرتے رہیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی کراچی سے، ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کا دسمبر 2011ء کا گلابی شادابی کا شمارہ کھل کھلاتا۔ نئے اور پرانے دلوں کو انبساط کا نئی امنگوں کا پیغام دیتا، شمع کے پروانوں کی طرح حاضر خدمت ہے۔ اردو زبان کا ماہنامہ ڈر واحد ڈر ڈائجسٹ ہے۔ جس کی کہانیاں دل دہلا دینے والی، خوف طاری کرنے والی قارئین کو ہیبت ناک سنسنی خیز مرحلے میں داخل کردیتی ہیں۔ فائن آرٹ پیپر پر سرورق پر نظر آنے والی عجیب وغریب خلقت کا شاہکار لاجواب تصویر ہوتی ہے۔

☆☆ واجد صاحب: آپ کی تازہ غزل پڑھ کر دل کو تسکین ہوتی ہے۔ آپ کا خلوص اور لگاؤ ڈر ڈائجسٹ سے قابل قدر ہے اور امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی اسی خلوص کا ثبوت دیں گے۔

مجاھد لیاقت ملتان سے، امید کرتا ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ پڑھنے والے سارے احباب خیریت سے ہوں گے، ڈر ڈائجسٹ بہت ہی اعلیٰ ہے، ہر کہانی بہت ہی زبردست ہوتی ہے، حوصلہ افزائی کے لئے بہت بہت شکریہ جو کہانیاں دل کو چھو گئیں وہ ہیں، خونی عمل، جادوئی دنیا، دلخراش چیخ اور قصور وار کون، یہ کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اس دفعہ ڈر کچھ تاخیر سے ملا، مگر پھر بھی ہم نے جلدی جلدی پڑھا تاکہ ڈر ڈائجسٹ میں ہماری بھی حاضری ہوجائے، ایک سوال ہے کہ اگر مجھے کوئی شمع بک ایجنسی سے کوئی کتاب منگوانی ہوتو کیا کرنا چاہئے، ڈر ڈائجسٹ کو اللہ تعالیٰ مزید ترقی کی منازل کی طرف رواں دواں رکھے۔

☆☆ مجاہد صاحب: دل کی گہرائی سے خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے Thanks، شمع بک ایجنسی کی جس کتاب کی بھی ضرورت ہو اس کی قیمت اور ڈاک خرچ -/50 روپے منی آرڈر کردیں تو مطلوبہ کتاب آپ تک پہنچ جائے گی۔

قدیر رانا راولپنڈی سے، دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ دیکھ کر اور پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، شروع سے آخیر تک تمام تحریریں بہت خوب ہیں، دسمبر کے شمارے میں غزلوں کی اشاعت پر مشکور ہوں، تازہ خط میں اپنے کلام کے ہمراہ راغب عثمان کیانی کا کلام بھی ارسال ہے۔ پرچے میں شامل کرکے مشکور فرمائیں۔

☆☆ قدیر صاحب: تازہ غزل اور نوازش نامہ کے لئے شکریہ، راغب صاحب کی غزل بھی شامل اشاعت ہے۔ امید ہے آئندہ

ماہ بھی شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

محمد اسحاق انجم کنگن پور سے، السلام علیکم، امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے، ڈر ڈائجسٹ کا شمارہ دسمبر 2011ء چونکا دینے والے ٹائٹل کے ساتھ ملا، اس سال کا آخری شمارہ بہت اچھا، اور اب نئے سال میں ڈر ڈائجسٹ نے اور ترقی کرنی ہے، ہماری دعائیں ڈر ڈائجسٹ کے ساتھ ہیں، تمام لکھنے والے اچھا لکھتے رہے، ہماری جانب سے نئے سال کی آمد مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ آنے والے دن پاکستان اور تمام مسلمانوں کے لئے اچھے ہوں!

☆☆ اسحاق صاحب: دل کی گہرائی سے ڈر ڈائجسٹ کی تعریف کے لئے شکریہ، آپ کو بھی نیا سال ہجری اور عیسوی مبارک ہو، آئندہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

علی آفاق کاظمی آزاد کشمیر سے، دسمبر 2011ء کا ڈر ڈائجسٹ ملا تو دل کو سکون ملا، پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا، اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، ایک انوکھی بات جو سمجھ کہ جتنا عرصہ سے ہم ڈر پڑھ رہے ہیں، ہمیں اس دفعہ شمارہ سب سے پہلے ملا ہے جو پہلے کبھی نہ ہوا یہ بات انوکھے کے زمرے میں نہیں آتی کیونکہ ڈر ہے ہی انوکھا، اور انوکھے سے انوکھیت کوئی حیرت کی بات تو نہیں، بہرحال ایک دو اشتہاروں کو پھلانگ کر فہرست میں پہنچے۔ تمام اچھے رائٹرز موجود تھے۔ پھر سلسلہ وار کہانیاں پڑھیں۔ شہر وحشت اور چندرا دیوی اچھی جارہی ہیں۔ رولوکا کی ہم تعریف نہیں کرتے کیونکہ سورج کو چراغ دکھانا عقلمندی تو نہیں ہے۔ بہرحال خوشی ہے کہ رولوکا کے پہلے دو حصے کتابی شکل میں آچکے ہیں۔

☆☆ علی آفاق صاحب: آپ کی محبت کی قربانی شامل اشاعت ہے۔ آپ اپنا مکمل ایڈریس روانہ کریں تاکہ اعزازی کاپی ارسال کی جاسکے، آپ اور مزید کہانیاں بھی بھیج دیں۔ Thanks

رانا ظفر اقبال جنڈانوالہ سے، امید ہے ڈر ڈائجسٹ کی پوری ٹیم اور تمام قارئین خیریت سے ہوں گے، کچھ ماہ سے ڈر ڈائجسٹ کی محفل میں شامل نہ ہوسکا اس کی وجہ گھریلو مصروفیات ہیں، لیکن ڈر ڈائجسٹ کا مطالعہ جاری رکھا سالگرہ نمبر میں لکھنے کی پوری کوشش کی، پر خط نہ بھیج سکا، لیکن سالگرہ نمبر کا مطالعہ ضرور کیا، ''چندرا دیوی'' ''رولوکا'' اور ''شہر وحشت'' کی قسط بہت اچھی تھیں۔ ''حسین روح'' ''انتقام کی پیاس'' اور بہت سی کہانیاں دل کو بھاگئی۔ اس کے بعد نومبر میں ''چندرا دیوی'' نے نیا رخ بدلا ''شہر وحشت'' بھی اچھی تھی۔ اس کے علاوہ ''ڈھلتا سورج'' ''رقص جنون'' اور دیگر کہانیاں بھی بیسٹ تھیں۔ دسمبر کا رسالہ انتظار کے بغیر 20 دسمبر کو مل گیا۔ ابھی پورا نہیں پڑھا لیکن جو پڑھا ہے وہ بیسٹ تھا۔ ''چندرا دیوی'' ہمیشہ کی طرح نمبر ون جارہی ہے۔ ''شہر وحشت'' بھی ٹھیک تھی۔ ''رولوکا'' اچھی رہی اور ''یقین'' بھی بہت اچھی تھی۔ باقی کا مطالعہ جاری ہے۔ بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر خط لکھ رہا ہوں۔ امید ہے حوصلہ افزائی کریں گے۔ ڈر ڈائجسٹ کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ رانا ظفر صاحب: ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور تمام گھر والوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔ خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی بھرپور تجزیہ ضرور ارسال کریں گے۔

شعیب شیرازی اسلام آباد سے، ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ دسمبر 2011ء میرے ہاتھوں میں ہے۔ اس دفعہ ٹائٹل کچھ خاص نہیں تھا۔ مگر رسالہ ملتے ہی دل باغ باغ ہوگیا۔ میری خوشی اس وقت دوبالا ہوگئی۔ جب میری نظر اپنے خط پر پڑی۔ جس خلوص کے ساتھ آپ نے ہمارا خیر مقدم کیا ہے۔ اس سے تو یہ لگتا ہے کہ ہم بھی ڈر ڈائجسٹ کا ایک رکن ہیں۔ اور برسوں سے ہم آپ کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اسی کے پیش نظر چند ایک غزلیں اور اشعار بھیج رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ شائع کرکے شکریہ کا موقع دیں گے۔ ایک کہانی بھی لکھ رہا ہوں۔ بہت جلد آپ کو ارسال کردوں گا۔ شکریہ، رولوکا نمبر 1 اور 2 کے لئے منی آرڈر بھیجا ہے منی آرڈر کے ملتے ہی اس پتے پر ارسال کردیں۔ آپ کی نوازش ہوگی۔

☆☆ شعیب صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، منی آرڈر ملتے ہی رولوکا ارسال کردی جائیں گی، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

محمد رضوان قیوم راولپنڈی سے، دسمبر 2011ء کا ڈر ڈائجسٹ اپنی تمام تر خوبیوں اور خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ دیکھ کر اور پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، شروع سے آخیر تک کی تمام تحریریں بے مثال ہیں۔ قسط وار کہانی رولوکا کا جواب نہیں، میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیال میں یہ ایسی کہانی ہے جس نے اپنے قارئین کو جکڑ رکھا ہے۔ ہر ماہ جس شدت سے انتظار رہتا ہے وہ زیر قلم لانا محال ہے۔ بس صرف دل چاہتا ہے کہ پڑھنے والا پڑھتا ہی جائے، دیگر کہانیاں بھی لاجواب ہیں اور یہ ڈرڈائجسٹ کا کمال ہے کہ ہر ماہ اتنی ساری کہانیاں ایک ہی موضوع پر شائع کرتا ہے۔ بہرحال ڈرڈائجسٹ کی تعریف میں میں یہی کہوں گا کہ سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔ ایک نئی کہانی پراسرار قتل ارسال کررہا ہوں، امید ہے شامل اشاعت کرکے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ ڈر ڈائجسٹ کے لئے شب و روز دعاگو ہوں۔

☆☆ رضوان صاحب: خط لکھنے اور ڈرڈائجسٹ کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، پراسرار قتل موصول ہوچکی ہے۔ آخری خراج شامل اشاعت ہے۔ آئندہ ماہ تک کے لئے خدا حافظ۔

فیصل عباس میاں چنوں سے، السلام علیکم، سلام مسنون کے بعد عرض دل ناداں ہے کہ خوب صورت کہانیوں کا شاہکار ڈرڈائجسٹ 25 نومبر بروز جمعۃ المبارک وصول ہوا۔ جس میں بہادر شاہ ظفر جو کہ تاریخ کے حوالے سے بہترین انتخاب تھا، امید کرتا ہوں قارئین کرام اس سے مستفید ہوئے ہوں گے، پہلے نمبر پر اسلم راہی ایم اے جو کہ میرے پسندیدہ مورخ ہیں ان کا مشکور ہوں اور اس کے علاوہ میں خالد صاحب کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے اس تاریخی داستان کو رسالے کی زینت بنایا، اور دعاگو ہوں کہ یہ رسالہ پائندہ رہے۔ قارئین کی نگاہ قدر کا محور رہے۔

☆☆ فیصل صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، خلوص نامہ پڑھ کر خوشی ہوئی اور اب امید ہے کہ آپ آئندہ بھی پرخلوص تجزیہ ارسال کرتے رہیں گے۔

محمد بشیر احمد پرواز جنڈ والہ سے، امید ہے ڈرڈائجسٹ کا پورا عملہ اور قارئین خیریت سے ہوں گے۔ کافی عرصہ بعد ڈرڈائجسٹ میں شامل ہورہا ہوں، اس کی وجہ رانا ظفر اقبال صاحب کی مصروفیات ہیں، کیونکہ میری ہینڈ رائٹنگ کچھ اچھی نہیں ہے تو میں لیٹر ظفر بھائی سے لکھواتا ہوں، اس لئے ظفر بھائی فارغ تھے تو میں نے کہا میرا خط بھی بھیج دیں۔ ڈرڈائجسٹ کا مسلسل مطالعہ جاری ہے۔ سالگرہ نمبر اور نومبر کا رسالہ تمام تر رعنائیوں سے بھرپور تھا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں، بالخصوص قسط وار اور قوس قزح کا سلسلہ اچھا تھا۔ آخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈرڈائجسٹ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔

☆☆ بشیر صاحب: خط لکھنے اور قدر کی نگاہ سے ڈرڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، ظفر صاحب بہت اچھے دل و دماغ کے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل و کرم رکھے، امید ہے آپ آئندہ بھی ڈرڈائجسٹ میں بذریعہ خط شرف ملاقات بخشیں گے۔

کامران شاہ کامی راولپنڈی سے، امید ہے کہ ڈرڈائجسٹ کی پوری ٹیم خدا کے فضل و کرم اور ہماری دعاؤں سے خیریت سے ہوگی۔ جناب میں ڈر کا نیا قاری تو نہیں ہوں بلکہ پچھلے کئی سالوں سے اس میں لکھتا رہا ہوں۔ بس کچھ مصروفیات کی بنا پر لکھنے کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا..... اب دوبارہ لکھ رہا ہوں..... امید ہے کہ آپ خوش آمدید کہیں گے اور حوصلہ افزائی کریں گے۔

☆☆ کامران صاحب: ڈرڈائجسٹ میں ایک مرتبہ پھر موسٹ ویلکم، بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے ڈرڈائجسٹ کو پسند کرتے ہوئے دوبارہ لکھا، آئندہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

بشیر احمد بھٹی بہاولپور سے، دسمبر 2011ء کے ڈر کا ٹائٹل بہت ہی خوفناک ہے۔ عجیب الخلقت مخلوق دکھائی گئی ہے۔ ڈائجسٹ کا نام ڈر ہے اس لئے ٹائٹل بھی چند ماہ سے خوفناک ڈرانے والا جلوہ گر ہورہا ہے۔ اب تو ہمارے گھر والے ٹائٹل دیکھ کر خوف کھانے لگتے ہیں۔ ڈرڈائجسٹ کا ٹائٹل اور خوب صورتی دیکھ کر پاس پڑوس کے پڑوسی بھی ڈائجسٹ پڑھنے کے لئے لیتے ہیں۔ چند ماہ پیشتر اپنے مکمل ایڈریس کے ہمراہ ایک خوفناک کہانی (خوفناک مردے) بھیجی تھی۔ جس کا اب تک کچھ نشان نہیں ملا۔ ایک مختصر کہانی (جنات کی شرارت) حاضر خدمت ہے۔ اسے ضرور شائع کریں۔ شکریہ۔

☆☆ بشیر صاحب: ڈرڈائجسٹ سے آپ کی چاہت قابل قدر ہے اس کے لئے شکریہ، آپ چند صفحات میں کہانی ختم کردیتے ہیں، یہ چند صفحات نہ ہونے کے برابر ہیں، آپ کم از کم 20,25 صفحات کی کہانی لکھیں، تاکہ ڈرڈائجسٹ کے چار پانچ صفحات ہوں گے، خیر آئندہ ماہ بھی آپ کے خلوص بھرے خط کا انتظار رہے گا۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، امید ہے ڈرڈائجسٹ کا پورا اسٹاف بخیریت ہوگا۔ ایک محفل میں جانے کا اتفاق

ہوا، وہاں ایک دوست کے پاس ماہ دسمبر 2011ء کا تازہ پرچہ دیکھ کر دل کو بڑی خوشی ہوئی، جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے یہ ایک معیاری رسالہ ہے جو مقررہ وقت پر ہمیں مل جاتا ہے۔ زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ محفل میں یاوری کا شکریہ۔ اب تک ہر ماہ آپ کو خط نہ لکھ لوں، دل کو چین نہیں آتا، آئندہ شمارہ 2012ء کا پہلا اور تازہ پرچہ ہوگا، اس سے ہمیں بہت سی توقعات وابستہ ہیں، نیا آنے والا سال ہم سب کے لئے امن اور خوشیوں سے لبریز اور پھولوں سے مہکتا ہوا ہو۔

☆☆ اسلم صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آپ کی محبت ڈرڈائجسٹ سے واقعی قابل دید ہے، اللہ تعالیٰ آپ اور تمام احباب پر اپنا فضل و کرم کرے۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔ نوازش نامہ بھیجتے رہیں۔

محمد عثمان علی میاں چنوں سے، محترم قارئین کرام! السلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ سب کو میری اور ادارہ ڈر ڈائجسٹ کی طرف سے نیا سال بہت بہت مبارک ہو، مصروفیات کی وجہ سے میں آپ سب کی محفل اور کچھ تنقیدی سوالات کی عدالت میں حاضر نہیں ہوسکا۔ اس کے لئے آپ سب سے اور ڈرڈائجسٹ سے دلی طور پر معذرت۔ گزشتہ انہی دنوں سے قارئین کی اور ڈرڈائجسٹ کی چاہت کو دیکھ کر میں نے چند چھوٹی موٹی کہانیاں تحریر کی تھیں جو کہ شائع ہوکر آپ سب کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ بہت سے قارئین جن میں سرفہرست الیس حبیب خان کراچی، ارم اعجاز کراچی، حمیرا غلام حسین کیریو کراچی، شگفتہ حسین کیریو کراچی، زیتون لاہور، کائنات بلوچ کراچی، سائرہ عبدالغفور، صبا محمد اسلم گوجرانوالہ، لاہوتی عمار، رانا ظفر اقبال جنڈانوالہ، محمد اسلم جاوید فیصل آباد، محمد اسحاق انجم لنگن پور، مریم ماہ منیر لاہور، محمد عدنان مدنی رکن پور لودھراں، جسیم الدین حیدر آباد، ایم ریاض حضرو، محمد نوید انجم سوہاوہ چکوال، جہانزیب جاوید کلر سیداں، اظہر نسیم ڈیال آزاد کشمیر، عثمان غنی پشاور، عاقب مجید احمد نز، حکیم راشد حسین مبارک پور، محمد زبیر ساگر ٹوبہ ٹیک سنگھ، محمد ابراہیم کھوکھر جھمرہ ٹی، رضیہ عارف کراچی، فرزانہ عابد لاہور، احسان نذیر بھٹی حیدر آباد اور اس کے علاوہ بہت سے قارئین شامل ہیں جن کے تعریف و تنقید پر مشتمل خطوط میں پڑھ چکا ہوں۔ سب سے پہلے تو کہانیاں پسند کرنے کے لئے آپ سب کا بے حد شکریہ اور تنقید کرنے کے لئے بھی ویری ویری تھینکس، میں قطعی ناراض نہیں ہوں، حضرو سے ایم ریاض صاحب نے خط ستمبر 2011ء میں لکھا تھا۔ تو پھر اس بار لیجئے ایم ریاض صاحب کہانی ''گفٹ'' میں انگلش ورڈز نہیں لکھے۔ بسا اوقات پڑھنے کی آسانی کے لئے میں لکھ دیتا ہوں۔ حمیرا غلام حسین کیریو صاحبہ نے پوچھا تھا کہ ''مقسوم'' کہانی میں عمران قریشی کوئٹہ کی کہانی تین طرفہ سے کاپی کی ہے۔ مگر ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔ میں نے تین طرفہ پڑھی نہیں تھی۔ آپ کا خط پڑھ کر مجھے ''تین طرفہ'' کا مطالعہ کرنا پڑا۔ اگر میں نے ''مقسوم'' لکھنے سے پہلے ہی ''تین طرفہ'' کو پڑھا ہوتا تو میں قطعی طور پر ''مقسوم'' شائع نہ کرواتا۔ ''تین طرفہ'' میں عمران قریشی صاحب نے واقعات کا سنگم جوڑا تھا اور یہ کہانی ڈر کے 2008ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی جبکہ اس کہانی کا اصل رائٹر ہنگری کا ''کیرولی کسفالدی'' ہے جو کہ 1990ء کے سن میں تحریر کی گئی تھی جس کا ترجمہ میرے عزیز شمیم رحمانی نے ذہانی صفحات پر کرکے جنوری 2000ء کے کراچی کے ایک میگزین میں شائع کروایا تھا۔ بعد میں وہ میگزین بند ہوگیا، چونکہ کسفالدی کی یہ تحریر میرے پاس موجود تھی، اس لئے میں نے اس کا از سر نو اپنے انداز میں دوبارہ ترجمہ کرکے اس کہانی کو مقسوم کا نام دیا۔ اور پھر ڈر کی زینت بنادیا جبکہ ''تین طرفہ'' میں عمران قریشی نے کرداروں کے نام اردو ٹائپ رکھ کر کہانی کو ری رائٹنگ کرکے بنام ''تین طرفہ'' میں واقعے کی صورت میں لکھ دیا۔ جس کا علم مجھے آپ کا اور ایم ریاض حضرو کے خط پڑھنے کے بعد ہوا ہے۔ جبکہ میں نے کہانی کو اسی طرح من و عن پھیلا کر شائع کروایا ہے۔ اب آپ ہی سوچ کر فیصلہ کریں کہ کیرولی کسفالدی کی کہانی مقسوم کو کس نے توڑ موڑ کر پھیلایا ہے۔ من و عن شائع کرنے سے قارئین خود بخود سمجھ جاتے ہیں کہ رائٹر نے ترجمہ کیا ہے۔ جبکہ کسی انگلش کہانی کو توڑ موڑ کر اس انداز میں شائع کروانا کہ کسی کو معلوم نہ ہوسکے۔ امید ہے کہ آپ سمیت بیشتر دوسرے قارئین بھی سمجھ گئے ہوں گے۔

☆☆ عثمان صاحب: دل کی گہرائیوں سے قارئین کی دلی تسلی کے لئے بہت بہت شکریہ، یقیناً قارئین آپ کے جواب سے مطمئن ہوجائیں گے۔ امید ہے آپ آئندہ بھی اپنے چاہنے والوں کے لئے ہر ماہ ڈرڈائجسٹ میں اپنی تحریریں اشاعت کے لئے ارسال کرتے رہیں گے۔

☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملکۂ مصر

اسلم راہی-ایم اے

یہ قدرت کی فیاضی تھی کہ قدرت نے اسے حسن و خوبصورتی سے نوازا اس نے اپنے ان چاہنے والوں کو جو تخت و تاج کے مالک نہ تھے انہیں ٹھکرادیا اور جو تخت و تاج کے مالک ملے ان کی وجہ سے وہ اذیت ناک موت سے ہمکنار ہوگئی۔

ایک خوب صورت عورت کے حسن و عشق کا ایک تہلکہ خیز اور دلگداز دل گرفتہ داستان حیرت

یونانی نسل سے تعلق رکھنے والی قلوپطرہ بلا کی حسین پرکشش اور خوبصورت تھی۔ لوگ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اسے چاہتے تھے اور مصری عوام کے اندر وہ بے حد ہر دل عزیز بھی تھی۔ جب اس کا باپ مصر کا حکمران تھا تو اسے خطرہ ہوا کہ اگر قلوپطرہ مصر کے تاج و تخت کی دعویدار بن کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کی سلطنت کے لیے ان گنت خطرات اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لہٰذا انہی خطرات کو ٹالنے کے لیے اس نے اپنی بیٹی قلوپطرہ کی شادی اس کے سگے بھائی سے کردی تھی۔

اس شادی کے بعد اس کا بھائی مصر کے تاج و تخت سے قلوپطرہ کے ہاتھوں دستبردار ہوگیا تھا، لیکن یہ بھائی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا اور مرگیا۔ اس کے بعد قلوپطرہ کی شادی اس کے دوسرے بھائی سے ہوئی، پہلے کی طرح یہ بھائی بھی اس کا شوہر بننے کے بعد مصر کے تاج و تخت سے اس کے حق میں دستبردار ہوگیا، لیکن قلوپطرہ اپنے بھائی اور شوہر کو کیونکہ پسند نہ کرتی تھی، اس نے اسے شوہر کی حیثیت سے قبول نہ کیا تھا لہٰذا دونوں بہن بھائی کے درمیان تاج و تخت کے حصول کے لیے ایک جھگڑا اندر ہی اندر کشمکش کی صورت میں اٹھ کھڑا ہوا، جس کے نتیجے میں قلوپطرہ کا بھائی غالب رہا اور تاج و تخت پر اس نے قبضہ کرلیا۔

جس طرح ایران کے لوگ اپنے حکمران کو قصرہ رومن اور اپنے شہنشاہ کو قیصر کہتے تھے۔ اسی طرح مصر میں یونانیوں کی حکومت اپنے حکمران کو بطلیموس کہہ کر پکارتی تھی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سکندر یونانی جب یونان سے نکل کر ایشیاء پر حملہ آور ہوا اور دریائے بیاس تک سارے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد وہ واپس پابل گیا تو اس سے کسی نے کہا کہ تو نے اتنے علاقے فتح کیے ہیں ایک ایسا علاقہ تو فتح کرلے تو تیری شہرت میں بے حد اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے پوچھا وہ کون سا علاقہ ہے جو فتح ہونے سے بچ گیا ہے اور جس سے میری شہرت میں اضافہ ہوگا۔ کہنے والوں نے کہا کہ وہ عرب کے صحراؤں میں مکہ نام کا ایک شہر ہے۔

چنانچہ سکندر نے فیصلہ کیا کہ تین روز بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہوگا، لیکن سکندر اعظم کی ان تین ایام کے اندر ہی موت آگئی اور مکہ پر حملہ آور ہونے کی اس کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔

سکندر اعظم کے بعد اس کی مملکت اس کے مختلف سالاروں میں بٹ گئی۔ مصر اس کے بہترین سالار

بطلیموس کے حصے میں آیا تھا۔ لہٰذا بطلیموس کی نسل ہی اب تک مصر پر حکمران تھی اور جو بھی مصر کا حکمران بنتا وہ بطلیموس کے ہی نام سے پکارا جاتا اور یہ قلوپطرہ بھی سکندر اعظم کے سالار بطلیموس کی ہی نسل سے تھی۔

جس دور میں قلوپطرہ اور اس کے بھائی اور شوہر اور مصر کے حکمران بطلیموس کے درمیان تاج و تخت کے سلسلے میں ایک رقابت اور کشمکش جاری تھی۔ انہی دنوں تین رومن سالاروں کی وجہ سے مصر کے اندر ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ ان تین رومنوں میں سے ایک جولیس سیزر دوسرا پمپی تیسرا مارک انتونی تھے۔ ان تینوں کی وجہ سے مصر میں یوں تبدیلی اور انقلاب برپا ہوا۔ قلوپطرہ اور اس کے بھائی یا شوہر کا ان قوتوں کے خلاف کیا ردعمل تھا، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

اٹلی کے اندر دو اہم سالار ہوا کرتے تھے۔ ایک کا نام سولا اور دوسرے کا نام ماریوس تھا۔ ماریوس بے چارہ انتہائی مخلص انسان تھا۔ اٹلی کے نچلے نچلے لوگوں کی طرف داری کرکے یہ بہتری کے کام کرنا چاہتا تھا، جب کہ دوسری طرف سولا کا تعلق اعلیٰ طبقے سے تھا اور وہ اعلیٰ طبقے کی ہی بہتری میں گرے ہوئے طبقے کو اوپر اٹھانے کا حامی نہیں تھا۔ چنانچہ ان حالات میں اٹلی میں ماریوس اور سولا کے درمیان طویل کشمکش شروع ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں سولا کامیاب رہا اور ماریوس بیچارہ ناکام ہوکر افریقہ کی طرف بھاگ گیا۔

اٹلی میں اس وقت افریقہ کی طرف بھاگ جانے والے ماریوس کے تین بڑے حامی سالار تھے۔ جب ماریوس، سولا کے ہاتھوں ہار تسلیم کرتے ہوئے افریقہ کی طرف بھاگ گیا تو اس کا حامی دوسرا سالار پمپی اس وقت روم میں موجود تھا یہ شخص بلا کا دلیر جہاندیدہ اور جرأت مند تھا، اس نے روم کے اسکولوں میں باقاعدہ جنگی تربیت حاصل کی تھی، اس نے مختلف جنگوں میں ماریوس کے تحت کام کرکے نا صرف یہ کہ بہت نام کمایا بلکہ اس کی بیوی بھی افریقہ کی طرف بھاگ جانے والے سالار ماریوس کی رشتہ دار تھی۔

سولا کیونکہ ماریوس کو اپنا بدترین دشمن خیال کرتا تھا لہٰذا ماریوس کے افریقہ بھاگ جانے کے بعد سولا نے پمپی کو طلب کیا۔ پمپی جب سولا کے سامنے گیا تو اس نے پمپی کو مخاطب کرکے کہا وہ کیونکہ ماضی میں ماریوس کے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔ لہٰذا سولا اس سے کسی قدر بدظن ہے، جب تک پمپی اسے اپنے یقین اور اعتماد میں نہ لے اس وقت تک وہ اس پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب میں پمپی نے اپنی طرف سے پورا یقین دلایا کہ وہ ماریوس کا حامی نہیں بلکہ وہ روما کے حکمران کی حیثیت سے سولا کو پسند کرتا ہے۔ پمپی کا یہ جواب سن کر سولا نے کہا اگر تو واقعی ماریوس کے بجائے میرا حامی ہے تو اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے قربانی دو۔

پمپی نے پوچھا میں کیا قربانی دے سکتا ہوں۔ اس پر سولا، پمپی کو مخاطب کر کے کہنے لگا اپنا اعتماد بحال کرنے کے لیے میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے اس لیے کہ تیری بیوی ماریوس کی رشتہ دار ہے اور ماریوس میرا بدترین دشمن ہے۔

پمپی جانتا تھا کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو سولا اسے نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ لہٰذا بغیر کسی سوچ بچار کے اس نے سولا کی اس بات کو تسلیم کر لیا اور اپنی بیوی کو اس نے طلاق دے کر چھوڑ دیا۔ پمپی کے اس فیصلے پر سولا بڑا خوش ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ پمپی واقعی دل و جان سے اس کے ساتھ ہے، لہٰذا اس نے پمپی کو معاف کر دیا۔

ایک تیسرا سالار بھی اس موقع پر موجود تھا نام اس کا مرقس تھا وہ بھی اندرونی طور پر ماریوس کا حامی تھا، لیکن اس نے سولا کو یقین دلا دیا کہ وہ بھی اس کا وفادار ہے۔

چوتھا سالار جو سب سے زیادہ اہم اور سولا کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا اور وہ جولیس سیزر تھا۔ یہی جولیس سیزر تھا جس نے سب سے پہلے مصر میں داخل ہونے کے بعد قلوپطرہ سے عشق کیا اور اس سے شادی کی۔

جس وقت سولا اٹلی کا حکمران بنا تو یہ جولیس سیزر بھی چونکہ افریقہ کی طرف بھاگ جانے والے سالار ماریوس کا حامی تھا۔ بدقسمتی کہ جولیس سیزر کی بیوی بھی ماریوس کی رشتہ دار تھی۔ چنانچہ دوسرے سالاروں کی طرح اٹلی کے ڈکٹیٹر سولا نے جولیس سیزر کو اپنے سامنے طلب کیا تاکہ اسے اپنے اعتماد میں لے۔ جب جولیس سیزر سولا کے سامنے پیش کیا گیا تو سولا نے اس سے پوچھا، جواب میں جولیس سیزر نے اسے یقین دلایا کہ وہ ماریوس کا نہیں بلکہ سولا کا حامی ہے۔

چنانچہ سولا نے بہت سوال کیے لیکن جولیس سیزر نے بظاہر اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ سولا کو یقین دلا دے کہ وہ اس کا دشمن نہیں، لیکن سولا کو یقین نہ آیا اس نے جولیس سیزر سے کہا کہ پمپی کی بیوی بھی ماریوس کی رشتہ دار تھی جب کہ تمہاری بیوی بھی ماریوس کی رشتہ دار ہے۔ میرے کہنے پر پمپی نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر مجھ پر اعتماد بحال کر دیا ہے۔ لہٰذا میں تمہیں بھی حکم دیتا ہوں کہ اگر تم واقعی میرے حامی ہو تو اپنی بیوی کورنیلیا کو طلاق دے دو جو میرے سب سے بدترین دشمن ماریوس کی رشتہ دار ہے۔

جولیس سیزر انتہائی دلیر انتہائی صاحب حیثیت اور بڑا جرأت مند جوان تھا۔ اس نے سولا کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ سولا کے منہ پر اس نے یہ کہہ دیا کہ حالات کچھ بھی ہو جائیں وہ اپنی بیوی کو کسی بھی صورت سولا کو خوش کرنے کے لیے طلاق نہیں دے گا۔

سولا جو ایک انتہائی درجہ کا سخت آمر تھا اس نے جولیس سیزر کی اس بات کو سخت ناپسند کیا، اس وقت تو اس نے جولیس سیزر کو جانے دیا، لیکن وہ اس طاق میں رہنے لگا کہ کوئی موقع ملے تو جولیس سیزر اور اس کی بیوی کورنیلیا، دونوں کا خاتمہ کرا دے۔ فی الفور وہ دونوں کو اس لیے قتل نہیں کرانا چاہتا تھا کہ اٹلی میں جولیس سیزر کے بہت سے حامی تھے، چنانچہ جولیس سیزر کے وہ حامی جو حکومت کے انتظامی امور میں حصہ دار تھے۔ انہوں نے جولیس سیزر کو اطلاع کر دی کہ کسی بھی وقت اچانک سولا دونوں میاں بیوی کے خلاف حرکت میں آئے گا اور دونوں کو قتل کرا دے گا۔ ان حالات میں جولیس سیزر اپنی بیوی کے ساتھ بھاگ کر سبینا شہر میں قبائلی سرداروں کے ہاں چلا گیا اور ان کے ہاں پناہ لے لی۔

اب سولا کو ایک دوسرا خطرہ اٹھا اس کا خیال تھا کہ اگر جولیس سیزر زیادہ عرصہ قبائلی سرداروں کے اندر رہا تو ہو سکتا ہے وہ قبائلی سرداروں کو اس کے خلاف بغاوت کرنے پر ابھارے اور اس طرح جولیس سیزر انتقام کی

آگ میں بھڑک کر اسے تاج و تخت سے محروم کر دے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے سولا نے روم شہر کے کچھ معززین کو جولیس سیزر کی طرف بھجوا دیا جنہوں نے اسے یہ یقین دلایا کہ وہ واپس روم آ جائے۔ سولا اس سے کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

ان لوگوں کے یقین دلانے پر جولیس سیزر اپنی بیوی کورنیلیا کے ساتھ چند دن بعد واپس روم پہنچ گیا، لیکن روم پہنچ کر پھر اس کے حامیوں نے اسے خبر دی کہ سولا پھر اس کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس بار جولیس سیزر اپنی بیوی اور اپنی بیوی کے بھائی کو لے کر جزیرہ روڈس کی طرف بھاگ گیا۔

☆.....☆.....☆

سولا کی موت کے بعد اٹلی کے افق پر تین بڑے اور دو چھوٹے سالار ایسے تھے جن کا اٹلی کے اندر بڑا عمل رہا تھا۔

پہلا بڑا سالار جولیس سیزر تھا۔ یہی جولیس سیزر تھا جس نے پہلے پہل مصر میں داخل ہو کر قلوپطرہ سے شادی کی تھی۔ دوسرا سالار جولیس سیزر کا مدمقابل اس کا رقیب اس کا انتہائی مخالف تھا۔ نام اس کا پمپی تھا اور تیسرا بڑا سالار کریسس تھا۔

جب کہ چھوٹے سالاروں میں سے ایک مارک انتونی تھا یہ جولیس سیزر کا رشتہ دار تھا اور دوسرا چھوٹا سالار لیپڈیوس تھا اور یہ دونوں بھی چھوٹے سالار جولیس سیزر کے حامی تھے۔

سولا کی موت کے بعد رومنوں نے جولیس سیزر کو طلب کیا۔ کیونکہ رومنوں کے اندر جولیس سیزر نا صرف بڑا ہر دل عزیز تھا بلکہ بہترین سالار خیال کیا جاتا تھا اور وہ چونکہ سولا کا مخالف تھا اور اس کے خوف سے اٹلی سے بھاگ کر روڈس میں جا کر اس نے پناہ لے لی تھی، چنانچہ اہل روما نے تیز رفتار قاصد جولیس سیزر کی طرف جزیرہ روڈس میں بھجوائے اور اس سے استدعا کی کہ سولا مر چکا ہے، لہٰذا وہ واپس اٹلی آ جائے۔

جب رومنوں کی سینٹ نے جولیس سیزر کو واپس آنے کے لیے پیغام بھیجا تو جولیس سیزر فوراً اپنی بیوی کورنیلیا اور اس کے بھائی نوما کے ساتھ واپس اٹلی جانے کے لیے جزیرہ روڈس سے روانہ ہو گیا۔

بدقسمتی سے سولا کے دورِ حکومت میں اٹلی کے آس پاس کے سمندروں میں بحری قزاقوں نے خوب زور پکڑ لیا تھا وہ نا صرف تجارتی جہازوں کو لوٹتے، بلکہ اٹلی، فرانس، اسپین سوئٹزرلینڈ اور ہندوستان کے رؤسا نے اپنے جہاز تیار کر لیے جب وہ ان جہازوں میں سفر کرتے تو یہ بحری قزاق انہیں بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ اس طرح ان بحری قزاقوں نے نا صرف یہ کہ بے شمار دولت جمع کر لی تھی بلکہ انہوں نے سمندر کے اندر قوت بھی پکڑ لی تھی۔

چھوٹے چھوٹے بحری بیڑے ان بحری قزاقوں کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ ایسے بحری بیڑوں کو مار بھگانے اور انہیں لوٹ لینے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

جولیس سیزر اپنی بیوی اور اس کے بھائی کے ساتھ جب جزیرہ روڈس سے اٹلی کے لیے روانہ ہوا تو تینوں کی بدقسمتی کہ راستے میں کھلے سمندر کے اندر ان پر بحری قزاقوں نے حملہ کر دیا اور تینوں کو غواء کر لیا اور ایک جزیرے کے اندر انہیں محبوس کر دیا اور ساتھ ہی ان کی رہائی کے لیے انہوں نے اٹلی کی حکومت سے ایک بھاری رقم کا مطالبہ کیا۔

اٹلی کی سینٹ کو جب خبر ہوئی کہ جولیس سیزر کو بحری قزاقوں نے اغوا کر لیا ہے بلکہ وہ بھاری رقم بھی معاوضے میں طلب کرتے ہیں تو انہوں نے فی الفور فیصلہ کیا۔ جولیس سیزر کیونکہ ان کا نامور سالار تھا اور اٹلی کے اندر ہر دل عزیز بھی تھا، لہٰذا وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بحری قزاقوں کو ان کی مطلوبہ رقم دے کر جولیس سیزر اس کی بیوی اور بیوی کے بھائی کو چھڑا لیا تاہم رومنوں کی سینٹ نے یہ عہد کر لیا کہ ان بحری قزاقوں کی سرکوبی ضرور کی جائے گی۔

جولیس سیزر جب اٹلی میں داخل ہوا تو نا صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹلی کی عوام بلکہ اٹلی کی سینٹ نے بھی اس کا بہترین انداز میں استقبال کیا اور اسے سینٹ نے ہسپانیہ کا گورنر مقرر کردیا۔ جولیس سیزر کو یہ امید نہیں تھی کہ جزیرہ روڈس سے اسے واپس بلا کر ہسپانیہ کا گورنر مقرر کردیا جائے گا۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اسے اٹلی میں رکھا جائے گا اور انتہائی اہم انتظامی امور اس کے حوالے کیے جائیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا چنانچہ سینٹ کے کہنے پر وہ ہسپانیہ چلا گیا۔

اب اس کا سب سے بڑا حریف اور دشمن سالار اٹلی میں موجود تھا، نام جس کا پمپی تھا جولیس سیزر کے ہسپانیہ کی طرف روانگی کے بعد رومن سینٹ نے پمپی کو حکم دیا کہ وہ بحری قزاقوں کے خلاف حرکت میں آئے اور سمندر میں مکمل طور پر ان کا خاتمہ کردے۔

سینٹ کے ممبران کو خدشہ تھا کہ اگر ان بحری قزاقوں کی سرکوبی نہ کی گئی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ طاقت اور قوت پکڑ جائیں گے اور سمندری سفر کو اور خطرناک بنا کر رکھ دیں گے۔ سینٹ کے حکم پر پمپی رومن بحری بیڑے کے ساتھ فوراً حرکت میں آیا۔ اپنے بحری بیڑے کو اس نے تیرہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصے پر اس نے ایک کمانڈار مقرر کیا اور اس طرح اس نے سمندر میں ہر طرف اپنے دستوں کو پھیلا دیا اور حکم دیا کہ جہاں کہیں بھی بحری قزاقوں کے جہاز نظر آئیں ان پر حملہ آور ہو کر تباہ و برباد کردیا جائے اور بحری قزاقوں کا خوب قتل عام کیا جائے۔

اس طرح پمپی کے بحری بیڑے کے تیرہ حصے چند ماہ تک سمندر کے اندر بحری قزاقوں کے خلاف جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ پمپی سارے ہی بحری قزاقوں کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس قدر کامیابی کے ساتھ بحری قزاقوں کا خاتمہ کرنے کی وجہ سے پمپی کو اٹلی میں بڑی شہرت اور عزت ملی۔ سب اس کا بے حد احترام کرنے لگے اور اس کو اپنا عظیم جرنیل تسلیم کرنے لگے۔ رومن سینٹ کے لیے بحری قزاقوں کی سرکوبی اور ان کے خلاف شاندار کامیابی پر پمپی کی بے حد تکریم ہوئی۔ پمپی کی خوش قسمتی کہ انہی دنوں مشرق میں اچانک حالات خراب ہوگئے۔

ہوا یوں کہ ایشیائے کوچک کا بادشاہ مہرداد اور آرمینیا کا حکمران ٹیگرینس دونوں اتحاد کر کے پھر رومنوں کے مقبوضہ علاقوں پر شب خون مارتے ہوئے نا صرف خوب لوٹ مار کا بازار گرم کرنے لگے بلکہ رومن مفادات کو انہوں نے بے پناہ نقصان پہنچانے کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔

رومن سینٹ کو جب یہ خبریں ملیں تو اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے رومن سینٹ کی نگاہیں پھر اپنے جرنیل پمپی پر جم گئیں۔ لہٰذا پمپی کو ایک بہترین لشکر مہیا کیا گیا اور سینٹ کی طرف سے اسے حکم ملا کہ وہ اس لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف کوچ کرے۔

آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس اور ایشیائے کوچک کے بادشاہ مہرداد کے خلاف حرکت میں آئے، ان کی سرکوبی کرے، اور انہیں شکست دے کر رومن مقبوضہ جات کو ان کے ہاتھوں سے نکالنے کے ساتھ ساتھ رومنوں کے مفادات کا تحفظ بھی کرے۔ یہ حکم ملتے ہی پمپی، جو لشکر اسے مہیا کیا گیا تھا اسے لے کر مشرق کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔

اس دوران ایرانیوں کا بادشاہ فوت ہوگیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا فرہاد سوئم اشک یازدہم کے لقب سے اشکانیوں کا بادشاہ بنا تھا۔

رومن جرنیل پمپی جب اپنے لشکر کے ساتھ مشرق میں داخل ہوا تو اس نے اپنے قاصد ایرانیوں کے نئے شہنشاہ کی طرف روانہ کیے۔ ان قاصدوں نے ایران کے شہنشاہ کو پمپی کا پیغام دیا کہ اگر وہ آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس کے خلاف رومنوں سے اتحاد کرے تو ماضی میں ٹیگرینس اور مہرداد نے مل کر جو ایرانیوں کے علاقے چھینے تھے وہ رومن ایرانیوں کو واپس دلانے میں ان کی مدد کریں گے۔ چنانچہ ایران کے نئے شہنشاہ نے رومن جرنیل پمپی کی اس پیشکش کو فوراً قبول کرلیا۔

اسی دوران ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جو رومن جرنیل پمپی اور ایرانی بادشاہ کے لیے بڑا سود مند ثابت ہوا

اور وہ یہ کہ آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس کا ایک بیٹا اس سے باغی ہو کر ایرانی مملکت میں آ گیا۔ ایران کے شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے سیاسی پناہ طلب کی، چنانچہ ایران کے بادشاہ نے آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس کے باغی بیٹے کو اپنے ہاں پناہ دے دی۔

اب رومن جرنیل پمپی اور ایرانیوں کے شہنشاہ کے درمیان یہ طے پایا کہ پمپی ایشیائے کوچک کے بادشاہ مہرداد پر حملہ آور ہونے کے لیے اس کا رخ کرے اور اسے شکست دے کر اسے اپنی شرائط منوانے پر رضامند کرے۔ جب کہ دوسری طرف ایران کے شہنشاہ کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ اپنے مرکزی شہر سے کوچ کر کے آرمینیا کے حکمران ٹیگرینس کی طرف بڑھے اور اسے شکست دینے کی کوشش کرے تاکہ بیک وقت مہرداد اور اس کے سسر آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس کو شکستیں دے کر ان علاقوں میں امن و سکون بحال کیا جائے۔

آرمینیا کے خلاف حرکت میں آنے کے لیے ایران کا بادشاہ اپنے لشکر کو لے کر اپنے مرکزی شہر دارا سے روانہ ہوا۔ اس نے ٹیگرینس کے باغی بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ جب ایران کا بادشاہ آرمینیا کی سلطنت میں داخل ہوا تو آرمینیا میں جو ٹیگرینس کے باغی بیٹے کے حمایتی تھے وہ بھی ایرانی لشکر میں آ کر شامل ہوگئے۔ اس پر ٹیگرینس کو یقین ہوگیا کہ اب جبکہ اس کے ملک کے سارے باغی اس کے بیٹے اور ایران کے شہنشاہ سے جا ملے ہیں۔ لہٰذا اگر اس نے ایران کے حکمران سے ٹکرانے کی کوشش کی تو اسے ضرور شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لہٰذا ٹیگرینس اپنے لشکر کو لے کر اپنے مرکزی شہر ارتاواسہ سے نکلا اور قریبی کوہستانی سلسلوں میں جا کر اس نے پناہ لے لی تھی، جب کہ ایک فاتح کی حیثیت سے ایران کا شہنشاہ آرمینیا کے مرکزی شہر ارتاواسہ میں داخل ہوا اور وہاں ٹیگرینس کے باغی بیٹے کو اس نے آرمینیا کا حاکم مقرر کردیا۔

ٹیگرینس کے اس طرح بھاگ جانے سے ایرانی شہنشاہ کو یقین ہوگیا کہ ٹیگرینس اب لوٹ کر نہیں آئے گا لہٰذا اس نے آرمینیا کے مرکزی شہر ارتاوالہ میں ٹیگرینس کے باغی بیٹے کو اس کے لشکر کے ساتھ چھوڑا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ آذربائیجان کی طرف بڑھا تاکہ رومن جرنیل پمپی اور اس کے درمیان جو معاہدہ ہو رہا تھا اس کے تحت وہ آذربائیجان اور ان علاقوں پر قبضہ کرلے جو ماضی میں آرمینیا کے شہنشاہ نے ایرانیوں سے چھین لیے تھے۔

چنانچہ ایران کا شہنشاہ پہلے آذربائیجان کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر کے ایرانی سلطنت میں شامل کرلیا اس کے بعد ایران کا شہنشاہ باقی ایرانی مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے تیاریاں کرنے لگا۔

ادھر آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس کو جب خبر ہوئی کہ ایران کا بادشاہ اس کے باغی بیٹے کو اس کے مرکزی شہر میں چھوڑ کر خود آذربائیجان کی طرف چلا گیا ہے تو کوہستانی سلسلوں کے گھات سے وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اپنے باغی بیٹے پر اس نے حملہ کیا اس کا بیٹا باپ کا مقابلہ نہ کرسکا اور بھاگ کر کہیں روپوش ہوگیا اس طرح ایران کے بادشاہ کے آذربائیجان کی طرف چلے جانے کے بعد ٹیگرینس پھر آرمینیا میں پھر اپنی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

دوسری طرف رومن جرنیل پمپی ایشیائے کوچک کے بادشاہ مہرداد کی طرف بڑھا۔ مہرداد کے مرکزی شہر پانٹس سے باہر مہرداد اور پمپی کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں شروع شروع میں مہرداد کا پلہ بھاری تھا لیکن جنگ طول پکڑتی گئی رومن جنگی تربیت اور نظم و ضبط کے سامنے مہرداد کی ایک نہ چلی اور جونہی جنگ مزید طول پکڑنے لگی تو اس کے لشکر کی صفوں میں ابتری اور بدنظمی پھیلنا شروع ہوگئی جس سے رومن جرنیل پمپی نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے لشکر کی تنظیم برقرار رکھتے ہوئے اس نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی اور بھیانک پن پیدا کردیا تھا۔

مہرداد نے اپنے لشکر کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اب رومنوں کے سامنے اس کے لشکر کی بدنظمی اور افراتفری واضح طور پر دکھائی دینے لگی تھی۔ آخر اس جنگ میں مہرداد کو پمپی کے ہاتھوں بدترین شکست ہوئی اور وہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر پانٹس چلا گیا تھا جب کہ رومن جرنیل پمپی اپنے لشکر کے ساتھ وہیں قیام کر کے حالات کا جائزہ لینے لگا تھا۔

اپنے مرکزی شہر پانٹس واپس جانے کے بعد مہرداد نے بڑے زور وشور سے جنگ کی تیاریاں کرنی شروع کردی تھیں۔ بہت ہی جلد اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرلیا۔ اس لشکر کے ساتھ اس نے ارادہ کیا کہ وہ گمنام راستوں سے ہوتا ہوا اٹلی کی طرف جائے گا اور اٹلی پر ایسا زوردار حملہ کرے گا کہ رومنوں کا خوب قتل عام کرے گا۔ جسے سن کر پمپی کو مجبوری کی حالت میں اس کی سرزمین سے نکل کر اٹلی کی طرف جانا پڑے گا۔

لیکن بدقسمتی سے مہرداد کا ایک بیٹا جس کا نام غارلیش تھا اس نے مہرداد کے اس مجنونانہ فیصلے کی مخالفت کی، جب مہرداد اٹلی پر حملہ آور ہونے سے باز نہ آیا تو اس کے بیٹے نے اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت کھڑا کردیا، لشکر کے اکثر حصے نے بیٹے کا ساتھ دیا۔ دوسری طرف مہرداد کو خبر ہوئی کہ اس کے زیادہ تر لشکری اس کے بیٹے کے ساتھ ہیں اور اس طرح وہ اپنے اٹلی پر حملہ آور ہونے کے ارادے کی تکمیل نہیں کر سکے گا تو اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ سب سے پہلے اس نے اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کو زہر دے کر ہلاک کردیا۔ پھر زہر کا پیالہ پی کر اپنے آپ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح رومنوں کا ایک طاقتور حریف ان کے سامنے سے آپ ہی آپ ہٹ گیا تھا۔ مہرداد کی اس طرح موت پر نا صرف یہ کہ پمپی اور اس کے لشکریوں نے جشن منایا بلکہ جب یہ خبر اٹلی پہنچی تو اٹلی کی سینٹ نے مہرداد کی موت پر تین روز تک اٹلی میں جشن منانے کا حکم دے دیا تھا۔

دوسری طرف ایران کا بادشاہ آذربائیجان پر قبضہ کرنے کے بعد دوسرے ایرانی مقبوضہ جات پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہا تھا کہ حالات نے پلٹا کھایا۔

ٹیگرینس نے اندازہ لگالیا کہ آذربائیجان پر قبضہ کرنے کے بعد اب ایران کا بادشاہ آرمینیا سے وہ علاقے بھی چھین لے گا جو ماضی میں ٹیگرینس نے ایرانیوں سے چھینے تھے۔ لہٰذا اس نے یہاں سیاست سے کام لیا، اس نے آگے بڑھ کر رومن جرنیل پمپی کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس کا شاندار استقبال کیا۔ ٹیگرینس کے اس سلوک سے پمپی بے حد خوش ہوا۔ اور ٹیگرینس سے صلح کرنے کے لیے پمپی نے چند شرائط پیش کیں، جنہیں ٹیگرینس نے بلاحیل وحجت قبول کرلیا اس طرح پمپی اور ٹیگرینس میں صلح ہوگئی، اس وقت ایران کا بادشاہ آذربائیجان سے نکل کر آرمینیا پر حملہ آور ہونے کے لیے کوچ کر رہا تھا، لیکن پمپی نے اس کی طرف قاصد بھجوا کر اسے ایسا کرنے سے منع کردیا اور ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کی کہ ایران کے بادشاہ نے بزدل قوت آرمینیا کے علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی تو پمپی اپنے لشکر کے ساتھ ایران پر حملہ آور ہوجائے گا۔

اس کے بعد آرمینیا کے شہنشاہ ٹیگرینس اور رومن جرنیل پمپی کے درمیان اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ علاقے جو کبھی ایرانیوں کے تھے اور پمپی نے وہ ایران کے شہنشاہ کو واپس دلانے کا وعدہ کیا تھا وہ علاقے پمپی نے آرمینیا کے بادشاہ ٹیگرینس کے حوالے کردیئے، جب یہ علاقے پمپی نے ٹیگرینس کو دے دیئے تو اس پر ایران کے شہنشاہ نے رومن جرنیل پمپی سے سخت احتجاج کیا۔ چنانچہ پمپی نے اس احتجاج کو ناپسند کیا اور جواب میں اس نے ایران کے شہنشاہ ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا جس کی وجہ سے ایرانیوں کے دلوں میں رومنوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی تھی۔

ایران کے شہنشاہ کے ساتھ ان اختلافات کی وجہ سے پمپی نے اب ایران پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ جب وہ اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے رہا تھا تو اس کے ایران پر حملہ آور ہونے کی خبر رومن سینٹ کو بھی ہوگئی۔ لہٰذا رومن سینٹ نے تیز رفتار قاصد پمپی کی طرف روانہ کئے اور اسے ایران پر حملہ آور ہونے سے منع کردیا۔

اس لیے کہ نا صرف رومن سینٹ بلکہ پمپی بھی جانتا تھا کہ ایرانی سلطنت پر حملہ کرنے کے بعد رومنوں کے لیے بہت مشکلات کھڑی ہوسکتی تھیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پمپی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا اور اس کی فتوحات پر پانی پھر جاتا، اس لیے اس نے خود بھی اپنا ارادہ ترک کردیا اور اپنے لشکر کو لے کر واپس چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اٹلی سے پمپی کی غیر موجودگی میں جولیس سیزر بھی حرکت میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ہسپانیہ میں بے کار اور جامد زندگی بسر کر رہا ہے۔ جب کہ اس کا حریف پمپی مشرق میں فتوحات حاصل کر کے نا صرف یہ کہ ناموری اور شہرت حاصل کر رہا ہے بلکہ وہ اٹلی میں دن بدن ہر دل عزیز ہوتا جا رہا ہے جس وقت پمپی اٹلی کے باہر مشرق میں مصروف تھا جولیس سیزر فوراً ہسپانیہ سے اٹلی میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے سینٹ کے ان ممبران کو جو اس کے حامی تھے ان سے شکایت کی کہ اسے ہسپانیہ میں پھینک کر جامد زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اس موقع پر جولیس سیزر کی خوش قسمتی کہ ان دنوں سینٹ کی ایک نشست خالی ہوگئی جس پر وہ انتخاب لڑا اور سینٹ کا ممبر بن گیا۔

سینٹ کا ممبر بنتے ہی جولیس سیزر نے اپنی کوششیں اس نقطے پر مرکوز کردیں کہ اٹلی کا جو اعلیٰ طبقہ تھا اور جو اٹلی کی ساری زمینیں ہتھیائے ہوئے تھا، اس سے فالتو زمینیں لے کر نچلے طبقے میں تقسیم کردی جائیں۔

یہ کام کرنے سے پہلے اس نے سینٹ کے بہت سے ممبران کو اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے اپنے ساتھ ملالیا، پھر زمینوں کی تقسیم کا بل سینٹ کے سامنے پیش کیا، سینٹ نے اس بل کو منظور کرلیا، لہٰذا اعلیٰ طبقے سے فالتو زمین لے کر نچلے طبقے میں تقسیم کردی گئی۔ جولیس سیزر کے اس کام کی وجہ سے نچلا طبقہ جولیس سیزر سے بے پناہ محبت کرنے لگا اور جو شہرت اور ناموری پمپی نے مشرق میں فتوحات حاصل کر کے کی تھی اس سے کہیں اچھی شہرت اور ناموری جولیس سیزر نے نچلے طبقے میں زمین تقسیم کر کے حاصل کرلی تھی۔

اتنی دیر تک پمپی بھی اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی فتوحات سے فارغ ہوکر اٹلی میں داخل ہوچکا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں جولیس سیزر نے سینٹ میں اپنے حامیوں کی تعداد خوب بڑھالی تھی۔ اب اٹلی کی صورت حال یہ تھی کہ سولا کی موت کے بعد بیک وقت تین سالار اٹلی پر حکومت کرنے لگے تھے ایک جولیس سیزر دوسرا پمپی اور تیسرا جرنیل کریسس تھا جو مال ودولت جمع کرنے کا بڑا شیدائی تھا۔

یہ تینوں جرنیل جب روم میں جمع ہوگئے تو سینٹ ایک بار پھر حرکت میں آئی اور ان تینوں کے درمیان ذمہ داریوں کو تقسیم کیا گیا۔ پمپی کو ہسپانیہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا جولیس سیزر کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ ایک لشکر لے کر شمال کی طرف روانہ ہو اور وحشی گال قبائل جو گاہے بگاہے اپنی گھاتوں، کمین گاہوں سے نکل کر رومن سرحدوں پر حملہ آور ہوتے ہیں نا صرف ان کی سرکوبی کریں بلکہ گالوں کو مار بھگائیں۔ تیسرے جرنیل کریسس کو رومن سینٹ نے ایشیاء کے اندر اپنے مفتوح علاقے کا حاکم مقرر کردیا تھا۔

سینٹ کا حکم ملنے کے بعد پمپی تو فوراً اپنے ہمنواؤں کے ساتھ ہسپانیہ روانہ ہوگیا لیکن ہسپانیہ جاتے ہوئے وہ خوش نہیں تھا، اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ ہسپانیہ میں اسے جامد اور ساکت زندگی بسر کرنا پڑے گی جس کی وجہ سے اٹلی کے اندر اس کی شہرت اور وقار میں کمی ہوتی رہے گی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہسپانیہ میں قیام کے دوران اسے کوئی مقام حاصل کرنے کے مواقع بھی بہت کم ملیں گے تاہم سینٹ کے حکم کا اتباع کرتے ہوئے ہسپانیہ میں داخل ہوکر اس نے بڑی تیزی سے حالات اپنے حق میں کرنے شروع کردیئے تھے۔

دوسری طرف جولیس سیزر ایک جرار لشکر لے کر شمال کی طرف بڑھا۔ اپنے لشکر میں اس نے اپنے نائب کی حیثیت سے مارک انتونی کو بھی شامل کرلیا تھا۔ جہاں جولیس سیزر بہترین تیغ زن اور عمدہ سالار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا وہاں اس کی طرح مارک انتونی اٹلی کے اچھے سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

جولیس سیزر اور مارک انتونی اپنا لشکر لے کر شمال کی طرف گئے، ان گالوں کا رخ کیا جو گاہے گاہے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر رومنوں پر حملہ آور ہوتے اور ان کے مفادات کو نقصان پہنچاتے تھے۔ جولیس سیزر اور مارک انتونی دونوں اس قدر خونخواری اور دلیری کے ساتھ وحشی قبائل کے خلاف حرکت میں آئے کہ گال قبائل کو پے در پے شکستیں دیں۔ یہاں تک کہ گال قبائل کو اپنے سامنے انہوں نے مکمل طور پر مطیع اور مفتوح بنا کر رکھ دیا۔

اس کے بعد جولیس سیزر نے اچانک اپنی منصوبہ بندی میں تبدیلی کی اس نے جب دیکھا کہ گالوں پر حملہ آور ہو کر اس نے انہیں اپنا فرمانبردار بنالیا ہے تو اس نے گال قبائل کے ساتھ اچھا سلوک کرنا شروع کر دیا تھا۔

وحشی گال جولیس سیزر کے اس سلوک سے اس کے ساتھ بڑے مانوس ہو گئے۔ اس سے محبت کرنے لگے اور اسے اپنے اندر جرنیل کی حیثیت سے پسند بھی کرنے لگے تھے۔

اسی دوران ان وحشی قبائل کے درمیان ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہونی شروع ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ جب جولیس سیزر گال قبائل کے اندر شہرت اور ہر دل عزیزی حاصل کرنے لگا تو اس کی یہ مقبولیت ایک گال سردار ٹورکس کو ہرگز پسند نہ آئی۔ اس نے اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے لوگوں کو جولیس سیزر کے خلاف بھڑکاتے ہوئے اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا۔ اس طرح اس نے جولیس سیزر کے خلاف حرکت میں آنے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا۔ اس دوران جولیس سیزر نے مزید مقبولیت حاصل کر لی تھی۔

یہ مقبولیت جولیس سیزر نے اس طرح حاصل کی کہ اپنے لشکر میں اس نے بہترین گال جنگجوؤں کو شامل کرنے کے بعد اٹلی کی حدود سے نکل کر پہلے فرانس کی حدود پر حملہ کیا پھر فرانس کو فتح کرنے کے بعد اس نے سوئٹزرلینڈ کا رخ کیا۔ سوئٹزرلینڈ کو بھی فتح کرتے ہوئے جولیس سیزر نے اسے رومن سلطنت میں شامل کیا۔ اس کے بعد جولیس سیزر اپنے بحری بیڑے کو حرکت میں لایا اور سمندر پار کر کے انگلستان پر حملہ آور ہوا۔

انگلستان کی اس وقت کی حکومت کو بھی اس نے اپنے سامنے زیر کر لیا۔ اس طرح یہ ساری کاروائیاں کر کے جولیس سیزر نے بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب اسے یہ خبر ملی کہ ایک گال سردار ٹورکس بغاوت پر آمادہ ہے اور اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے تو وہ انگلستان سے نکل کر بڑی تیزی سے اس گال سردار کی سرکوبی کے لیے بڑھا۔

کھلے میدانوں میں جولیس سیزر اور باغی گال سردار ٹورکس کے درمیان بڑی ہولناک جنگ ہوئی، جس میں جولیس سیزر کو فتح نصیب ہوئی اور باغی گال اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنے سردار کی سرکردگی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس باغی سردار ٹورکس نے جولیس سیزر کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد پیرس کے جنوب مشرق میں ایک قلعے میں پناہ لے لی تھی۔

لیکن جولیس سیزر نے اسے چین سے بیٹھنے نہ دیا، اس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا، اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی اس قلعے کے پاس پہنچا اور قلعے پر حملہ آور ہوا۔ ناچار باغی گال سردار ٹورکس قلعے سے نکلا، ایک بار پھر مجبوراً اسے جولیس سیزر سے مقابلہ کرنا پڑا۔ جس میں اس نے شکست کھائی۔ اس شکست کے نتیجے میں جولیس سیزر نے اس باغی سردار کا سر کاٹ کر رکھ دیا تھا اور جس قدر باغی گال اپنے سردار ٹورکس کے ساتھ تھے ان سب کا بھی اس نے خاتمہ کر دیا۔ اس طرح گال قبائل کے اندر رونما ہونے والی بغاوت کو ختم کر کے جولیس سیزر نے اپنے لیے اٹلی کے اندر ایک ہر دل عزیز سپہ سالار کی حیثیت سے میدان ہموار اور صاف کر لیا تھا۔

جب تیسرا رومن سالار کریسس بحری بیڑے میں سفر کرتا ہوا ایک خاصا بڑا لشکر لے کر ایشیاء کی طرف روانہ ہوا۔ اسے کیونکہ شام کا حاکم بنایا گیا تھا۔ لہٰذا وہ بے حد خوش تھا کیونکہ وہ دولت حاصل کرنے کا بڑا شوقین تھا اور

اسے امید تھی کہ وہ اپنے اطراف کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر ایشیاء کی ساری دولت اپنے قبضے میں کر لے گا۔ اس لیے کہ اس کا خیال تھا کہ مہرداد ششم کے خودکشی کرنے کے بعد ایشیاء میں اس کے لیے کافی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی امید تھی کہ رومنوں کا ایک سالار نام جس کا گیسی فلیوس تھا وہ پہلے سے ایک لشکر کے ساتھ ایشیاء میں موجود تھا اور اس کے ساتھ مل کر وہ ایشیاء سے دولت سمیٹنے کی کوشش کرے گا۔

☆.....☆.....☆

ادھر ایشیاء میں بھی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں۔ ایران پر نیا شہنشاہ حکمرانی کرنے لگا تھا۔ مصر کے اندر ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا وہ اس طرح کہ مصر کے پہلے حکمران بطلیموس نے اپنی سلطنت کو تقسیم سے بچانے کے لیے اپنی حسین اور خوبصورت بیٹی قلوپطرہ کی شادی یکے بعد دیگرے اس کے دو بھائیوں سے کی تھی۔ پہلے بھائی کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے قلوپطرہ کا نکاح ہو گیا، لیکن دوسرے کے ساتھ اس کا مزاج نہ ملا، دونوں میں ازدواجی علیحدگی ہو گئی گو قلوپطرہ کا بھائی بطلیموس کی حیثیت سے مصر میں حکمرانی کر رہا تھا، لیکن قلوپطرہ اندر ہی اندر امراء کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے بطلیموس کو زیر کر کے اور اسے حکومت سے علیحدہ کر کے خود مصر کی حکمران بننا چاہتی تھی۔ چنانچہ ان کوششوں میں قلوپطرہ کو خاصی کامیابی بھی ہوئی۔ ایک تو اس کی شخصیت بڑی پرکشش تھی۔ انتہاء درجہ کی حسین اور خوبصورت تھی، مصر کے جس امیر سے بھی وہ اپنے حق میں بات کرتی وہ اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتا۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اکثر مصری امراء نے جو یونانی تھے بطلیموس کے مقابلے میں قلوپطرہ کا ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ ان امراء کی حمایت سے قلوپطرہ حرکت میں آئی اور بطلیموس کو تاج و تخت سے محروم کر کے خود مصر کی حکمران بن گئی۔

ان حالات میں قلوپطرہ کا بھائی بطلیموس مصر سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے ایشیاء میں رومنوں کا جو سالار رومنوں کے علاقوں کی حفاظت پر مقرر کیا تھا اور نام جس کا گیسی فلیوس تھا اس کی طرف گیا۔ یہ وہی گیسی فلیوس تھا جس کو اپنے ساتھ ملا کر اٹلی کی طرف سے آنے والے اٹلی کے تیسرے بڑے سالار کریسس نے ایشیاء سے دولت سمیٹنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ چنانچہ قلوپطرہ کا بھائی رومن سالار گیسی فلیوس کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصر میں اپنی بہن قلوپطرہ کی وجہ سے جو حالات اسے پیش آئے تھے اس کی تفصیل اس سے کہی، ساتھ ہی اس سے التجا کی کہ وہ مصر کا تخت و تاج اسے واپس لے کر دے۔

اس کام کے صلے میں بطلیموس نے رومن سالار گیسی فلیوس کو پچیس لاکھ پونڈ کی رقم دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

یہ قیمتی پیشکش ایسی نہ تھی جسے گیسی فلیوس قبول نہ کرتا، آخر گیسی فلیوس جو اس سے پہلے اٹلی سے آنے والے اپنے بڑے سالار کریسس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کریسس کی آمد کو کوئی اہمیت نہ دی، ایک لشکر لے کر بڑی برق رفتاری سے اس نے بطلیموس کے ساتھ مصر کا رخ کیا، حملہ آور ہوا، چنانچہ اس رومن سالار نے بطلیموس کی مدد کرتے ہوئے اسے مصر کے تاج و تخت پر بحال کر دیا تھا۔ رومن سالار گیسی فلیوس یا بطلیموس میں سے کوئی بھی قلوپطرہ کے خلاف ذاتی طور پر حرکت میں نہ آسکا۔ اس لیے کہ دونوں جانتے تھے کہ مصر کے اندر قلوپطرہ بڑی ہر دل عزیز ہے اور اگر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو مصر کے اندر وہ بغاوت اٹھے گی جسے کوئی فرو نہیں کر سکے گا، لہٰذا قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس نے اپنی حکومت تو واپس لے لی تاہم قلوپطرہ پہلے کی طرح آزادی کے ساتھ مصر میں اپنی زندگی کے دن گزارنے لگی۔

رومن سالار کریسس اس وقت ایشیاء میں پہنچا جس وقت گیسی فلیوس اپنے لشکر کو لے کر قلوپطرہ کے خلاف اس کے بھائی بطلیموس کی مدد کے لیے گیا ہوا تھا۔ چنانچہ کریسس نے ایشیاء پہنچ کر کچھ مہموں کی ابتداء کی لیکن اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسی دوران اسے ایک تقویت ملی وہ یہ کہ اس کا بیٹا نام جس کا پولیس تھا وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی مدد کے لیے اٹلی سے خاصا بڑا لشکر لے کر پہنچ گیا۔ جس میں وحشی گال شامل تھے۔ اپنے بیٹے اور نئے لشکر کی آمد سے کرسیس بڑا خوش ہوا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ پہلے ایران کی مملکت پر حملہ آور ہوگا اور سکندر اعظم کی طرح ایران کو نیست نابود کر کے اور اس پر حملہ آور ہو کر اس کی ساری دولت سمیٹ لے گا۔

چنانچہ اپنے بیٹے اور نئے لشکر کو ساتھ لے کر کرسیس ایرانی علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا، ایرانی شہنشاہ نے اپنا ایک سالار نام جس کا سورنیا تھا۔ اسے مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ کرسیس اور اس کا بیٹا دونوں خوش تھے کہ ایرانی سالار سورنیا جو لشکر ان کے مقابلے پر لے کر آیا تھا وہ تعداد میں ان سے کم تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس بناء پر بھی مطمئن اور خوش تھے کہ ان کے لشکر کے اندر وحشی گال شامل ہیں۔ جو نا صرف جرأت مند اور بہادر ہیں بلکہ لڑائی کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ دونوں لشکروں کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ کرسیس اور اس کے بیٹے نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ ایرانی سالار سورنیا کو مار بھگائیں۔ گال جو بڑے وحشی خیال کیے جاتے تھے انہوں نے بھی اپنا پورا زور لگایا، لیکن ایرانی سالار سورنیا ان کے مقابلے میں ٹس سے مس نہ ہوا۔ چنانچہ ایرانیوں اور رومنوں کے درمیان شام تک ہولناک جنگ ہوئی۔ شام کے قریب ایرانی سالار سورنیا نے رومن سالار کرسیس کے بیٹے کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا یہ کٹا ہوا سر نیزے پر بلند ہونا تھا کہ رومنوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ ان کی خوش قسمتی کہ اتنی دیر تک سورج غروب ہو گیا اور جنگ اپنے اختتام کو پہنچی۔

ایرانیوں کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانے کے بعد کرسیس اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر ایک نشیبی سرزمین میں جا کے پڑاؤ کر گیا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ اگر ایرانی سالار سورنیا اس پر حملہ آور ہوا تو اس کے بچے کھچے لشکر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔ لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ایرانی سالار سورنیا سے صلح کی گفتگو شروع ہو جائے۔ چنانچہ جب اس گفتگو کا آغاز ہوا تو کرسیس سورنیا سے گفتگو کرنے کے لیے اس کے لشکر کی طرف روانہ ہوا تو راستے ہی میں کچھ ایرانی اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔ اپنے سالار کے قتل ہونے سے رومن لشکر منتشر ہو گیا۔ اس صورت حال سے ایرانی سالار سورنیا نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ بڑی شدت سے رومنوں پر حملہ آور ہوا۔ تقریباً بیس ہزار رومنوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی کے بیس ہزار دریائے فرات کے کنارے کنارے بھاگنے کے بعد واپس اٹلی کی طرف چلے گئے۔

کرسیس اور اس کے بیٹے کے مارے جانے اور رومنوں کی شکست کی وجہ سے دریائے فرات کا سارا علاقہ رومنوں سے چھن کر ایرانیوں کے تصرف میں آ گیا تھا۔ اس طرح ان علاقوں میں رومن اثر و رسوخ ختم ہو گیا۔ کرسیس کی شکست اس کے اور اس کے بیٹے کے مارے جانے کے بعد سورنیا مزید حرکت میں آ گیا۔ رومنوں کے مزید علاقے جن میں فریگیا اور کیلیکیا بھی شامل تھے۔ ان پر حملہ آور ہو کر ان پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ایرانی سالار سورنیا نے ایک طرح سے رومنوں کو ایشیاء سے نکال باہر کیا تھا۔

لیکن ایران کا شہنشاہ بڑا بدقسمت تھا۔ گو سورنیا کی اس فتح نے ایرانی سلطنت کا سر بلند کیا تھا۔ بجائے اس کے کہ ایرانی شہنشاہ سورنیا کو اعزازات سے نوازتا اس کی عزت افزائی کرتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا چونکہ ان فتوحات کی وجہ سے سورنیا کی ہر دل عزیزی میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔ لہٰذا ایران کے شہنشاہ کو خدشہ ہوا اور اسے حسد پیدا ہو گیا کہ سورنیا اگر زیادہ مقبول ہو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسے تاج و تخت سے ہی محروم کر دے۔ لہٰذا اندر ہی اندر ایرانی شہنشاہ سورنیا کے خلاف حرکت میں آیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسے کس طرح مارا اس کے متعلق تاریخوں میں کوئی خاص ذکر نہیں ملتا تاہم یہ اشارہ ملتا ہے کہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اسے کسی وقت سونے نہیں دیا جاتا تھا، اس کی یہی بے خوابی اس کی موت

کا سبب بن گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ادھر رومنوں کے سالار پمپی اور جولیس سیزر کے درمیان اندر ہی اندر ایک سرد اور طویل جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی وہ اس طرح کہ جب پمپی کو یہ خبریں پہنچیں کہ اس کے حریف اور واحد دشمن جولیس سیزر نے شمال میں صرف وحشی گال قبائل کو زیر کر کے ان کے خلاف بے پناہ کامیابیاں حاصل کی ہیں اور یہ کہ وہ گالوں کے خلاف کارروائیاں کرتا ہوا نا صرف فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں داخل ہوا بلکہ آگے بڑھ کر انگلستان کے حکمرانوں کو بھی اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا ہے۔

چنانچہ جولیس سیزر کی ان فتوحات نے چونکہ روم سے اٹلی میں بے حد ہر دل عزیز اور صاحب عزت سالار کا درجہ رکھ دیا تھا یہ ساری خبریں پمپی کو پہنچیں تو وہ فکر مند ہوا اس نے سوچا کہ اگر جولیس سیزر نے شمال میں اسی طرح اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ لوگ اسے پمپی پر ترجیح دیں گے اور آخر کار اسے اٹلی کا حکمران تسلیم کر لیں گے۔

ان خیالات نے پمپی کو چوکنا کر کے رکھ دیا تھا وہ جانتا تھا کہ جب تک وہ ہسپانیہ میں ہے اس کی زندگی محفوظ رہے گی اور یہ کہ دن بدن اس کی شہرت میں کمی ہوگی لہٰذا اس نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ اسپین سے اس نے بے شمار دولت جمع کی اور اپنے لشکر کا ایک حصہ اپنے ساتھ لیا اور کسی کو بتائے اور خبر کیے بغیر وہ اسپین سے اٹلی میں داخل ہوا۔

اسپین سے پمپی جو دولت کے انبار لے کر آیا تھا اسے اٹلی میں استعمال کرتے ہوئے اس نے لوگوں کی نظروں میں ہر دل عزیز بننے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ سب سے پہلے جو اس نے کام کیا وہ یہ کہ اس نے زمین کا ایک بہت بڑا قطعہ خریدا اور اس کے اندر ایک تھیٹر تعمیر کیا تھیٹر کو پہاڑی سلسلوں سے بھاری بھاری پتھر منگوا کر تعمیر کیا گیا تھا اور اس جیسا خوشنما اور خوب صورت تھیٹر اس سے پہلے روم میں موجود نہیں تھا۔

یہ تھیٹر اس قدر بڑا تھا کہ اس میں بیک وقت چالیس ہزار تماشائی بیٹھ کر لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ اس تھیٹر کا افتتاح بڑے شایانِ شان طریقے سے کیا گیا رومن کی سینٹ کے ممبران کو طلب کیا گیا جنہوں نے اس تھیٹر کی افتتاحی تقریب میں حصہ لیا۔ اس تھیٹر میں طنز مزاح اور کھیلوں کے علاوہ پمپی نے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ایک اور خطرناک کھیل کی ابتداء کی۔

وہ اس طرح کہ اس نے افریقہ کے جنگلوں سے بے شمار گینڈے، ہاتھی، شیر اور دوسرے درندے منگوائے ساتھ ہی اس نے ایسے شکاریوں کا بھی اہتمام کیا جو بڑی رغبت اور خوشی سے درندوں کا شکار کیا کرتے تھے جو تھیٹر اس نے تعمیر کیا اس تھیٹر کے جس حصے میں ایکٹر اپنے کارہائے نمایاں انجام سے دیا کرتے تھے اس کے ساتھ ہی اس نے ایک دوسرا بہت بڑا پلیٹ فارم تعمیر کروایا جس کے سامنے لوہے کے جنگلے نصب کر دیئے گئے یہ پلیٹ فارم اتنا بڑا تھا کہ اس کے اندر گھوڑ سوار آزادانہ طور پر اپنے گھوڑوں کو دوڑا سکتے تھے۔

لوہے کے جنگلوں سے گھرے ہوئے اس تھیٹر میں پمپی ایک خاص پروگرام کے تحت گینڈے ہاتھی شیر اور دوسرے درندے چھوڑتا اور خصوصیت کے ساتھ لیبیا سے منگوائے گئے شکاریوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرواتا یہ مقابلے گھنٹوں تک جاری رہتے اور روم کے لوگ اس سے بڑے لطف اندوز ہوتے۔

چند دن کے مقابلوں میں بے شمار گینڈے اٹھارہ ہاتھی اور تقریباً پانچ سو افریقن شیر ان لیبیا کے شکاریوں کے ہاتھوں مارے گئے لیبیا کے یہ جنگجو شکاری ایسے ہولناک اور خوف ناک تھے کہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر شیروں ہاتھیوں اور گینڈوں پر ٹوٹ پڑتے تھے گھنٹوں تک وہ ان کے ساتھ جنگ کرتے اور آخر درندوں گینڈوں اور ہاتھیوں کو ہلاک کر کے رکھ دیتے تھے ان کے ان مقابلوں سے روم شہر کے لوگ بے حد لطف اندوز ہوتے اس طرح لوگوں کے لیے یہ تھیٹر تعمیر کر کے پمپی ان میں دن بدن ہر دل عزیز اور پسندیدہ شخصیت کے طور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ابھرنے لگا تھا۔

اٹلی کی سینٹ نے بہت جلد یہ محسوس کرلیا کہ پمپی اور جولیس سیزر کے درمیان طاقت اور قوت پکڑنے کا ایک مقابلہ شروع ہوگیا ہے جو یقیناً اٹلی کے لئے تباہ کن اور نقصان دہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو رومن دو حصوں میں بٹ کر تباہ و برباد ہو جائیں گے لہٰذا رومنوں کی سینٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ پمپی اور جولیس سیزر دونوں ہی اپنے اپنے لشکریوں کی کمانداری سے دست بردار ہو جائیں اور ملک کی باگ ڈور خود سینٹ چلائے گی جس وقت اٹلی میں یہ کھچڑی پک رہی تھی اس وقت جولیس سیزر کا عزیز اور اس کا ساتھی مارک انتونی روم شہر میں موجود تھا اور وہ وہاں قیام کر کے جولیس سیزر کے مفادات کی نگرانی کر رہا تھا۔

جس وقت سینٹ نے یہ حکم دیا کہ پمپی اور جولیس سیزر دونوں ہی اپنے اپنے لشکر کی کمانداری سے دست بردار ہو جائیں تو پمپی نے خوب دولت خرچ کر کے سینٹ کے اکثر ممبران کو اپنے ساتھ ملا لیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اگر اپنے لشکر کی کمانداری ترک کر دے اور اس موقع پر کوئی قوت یا بیرونی حکمران اٹلی پر حملہ آور ہو جائے تو کون اٹلی کا دفاع کرے گا۔

لہٰذا اس پابندی سے پمپی کو معاف کر دیا گیا اور جولیس سیزر کے لیے یہ حکم جاری کیا گیا کہ وہ فوراً اپنے لشکر کی کمانداری سے دستبردار ہو جائے۔

سینٹ کا یہ فیصلہ جب ہوا تو ساتھ ہی سینٹ نے یہ بھی حکم جاری کر دیا کہ جولیس سیزر اپنے لشکر کی کمانداری سے دست بردار نہیں ہوتا تو اسے وطن دشمن قرار دے کر اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جائے اور جو بھی اس کے حمایتی اور طرف دار ہوں انہیں قتل کر دیا جائے۔

ان حالات میں مارک انتونی جو جولیس سیزر کا رشتہ دار تھا، روم سے بھاگ کر واپس شمالی علاقوں میں جولیس سیزر کی طرف چلا گیا اور روم میں ہونے والے سارے حالات سے اسے آگاہ کر دیا یہ خبریں ملنے کے بعد جولیس سیزر نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ اسے لشکر کی کمانداری ترک کر کے اپنے آپ کو روم میں بیٹھے اپنے دشمنوں کے حوالے کر دینا چاہیے تاکہ وہ اسے قتل کر دیں یا صلیب پر چڑھا دیں اس پر اس کے لشکریوں نے اسے لشکر کی کمانداری ترک کرنے سے روک دیا بلکہ لشکر کے ساتھ روم کی طرف پیش قدمی کرنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ اپنے سالاروں اور لشکریوں کے مشورے پر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ جولیس سیزر نے روم شہر کا رخ کیا تھا۔

دوسری طرف پمپی اور اس کے حمایتی سینٹ کے ممبران کو جب خبر ہوئی کہ جولیس سیزر انتہائی خونخواری کے عالم میں اپنے لشکر کے ساتھ روم کا رخ کر رہا ہے تو وہ بڑے فکرمند ہوئے۔ سب پر خوف طاری ہوگیا تھا پمپی جانتا تھا کہ وہ ان حالات میں جولیس سیزر پر قابو نہیں پا سکتا تھا اس لیے کہ اس کے لشکر کا زیادہ حصہ اسپین میں تھا چھوٹا سا لشکر اس کے ساتھ روم شہر میں موجود تھا جو وہ اسپین سے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اب اس نے دیکھا کہ اس کے حمایتی سینیٹر بھی فکرمند تھے تو وہ اور زیادہ دل برداشتہ ہوگیا جوں جوں یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ جولیس سیزر نزدیک آتا جا رہا ہے توں توں جولیس سیزر کے مخالف اور پمپی کے حمایتی سینٹ کے ممبران ادھر ادھر بھاگ کر اپنی جانیں بچانے لگے تھے۔ آخر کار پمپی بھی حرکت میں آیا اور چھوٹا سا لشکر جو وہ اسپین سے لے کر آیا اس کے ساتھ وہ روم سے اسپین کی طرف بھاگ گیا۔

روم پہنچتے ہی جولیس سیزر کو خبر ملی کہ اس کے مخالف ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں اور اس کا حلیف اور دشمن پمپی اپنے لشکر کے ساتھ اسپین بھاگ گیا ہے تو اس نے سارے اٹلی کا نظم و نسق اپنے رشتہ دار مارک انتونی کے حوالے کیا جبکہ روم شہر کی حفاظت اور انتظام اپنے دوسرے سالار لیپڈیوس کی ذمہ داری پر چھوڑا خود اپنے لشکر کے ساتھ روم سے نکل کر اسپین کی طرف روانہ ہوا۔

پمپی کو جب خبر ہوئی کہ جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ اس کا رخ کر رہا ہے تو اس نے اس کا مقابلہ

کرنے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔

جونہی جولیس سیزر ہسپانیہ کی سرزمین میں داخل ہوا پمپی اپنے لشکر کے ساتھ اس کی راہ روک کر کھڑا ہوا دونوں جرنیلوں اور لشکریوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی جس میں جولیس سیزر کا پلہ بھاری رہا۔ پمپی کو بدترین شکست ہوئی اور پمپی اپنے لشکر کے ساتھ یونان کی طرف بھاگ گیا۔

لیکن جولیس سیزر پمپی کو یوں بھاگنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا، اپنے لشکر کے ساتھ جولیس سیزر واپس روم آیا۔ صرف گیارہ دن روم میں قیام کیا اس دوران اس کی حیثیت ایک ڈکٹیٹر ایک آمر کی سی تھی لیکن اس نے بہترین اصلاحات بھی کیں۔ اس کے دشمن اور رومنوں کے پہلے حکمران سولا کے دور میں جن لوگوں کے ساتھ زیادتیاں ہوئی تھیں اس نے نا صرف ان کی خوب مدد کی بلکہ ان کی خوب حوصلہ افزائی بھی کی۔

اس کے علاوہ سینٹ کے وہ ممبران جو اس کی آمد کے خوف کی وجہ سے بھاگ گئے تھے۔ ان کے لیے اس نے عام معافی کا اعلان کر دیا جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور سینٹ کے سارے ممبران واپس آ گئے اور انہوں نے متحدہ طور پر جولیس سیزر کو اٹلی کا سربراہ تسلیم کرلیا۔

اٹلی کے حالات اپنے حق میں کرنے کے بعد اٹلی کا نظم و نسق ایک بار پھر جولیس سیزر نے اپنے دو قریبی سالاروں مارک انتونی، لیپڈیوس کے حوالے کیا اور دوبارہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلا۔

اس بار اس کا رخ یونان کی طرف تھا جہاں پمپی اٹلی پر حملہ آور ہونے کے لیے اپنے لشکر میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ کر رہا تھا۔

جولیس سیزر جانتا تھا کہ جب تک وہ پمپی کا خاتمہ نہیں کر دیتا اس وقت تک وہ چین سے اٹلی میں حکومت نہیں کر سکے گا۔ جولیس سیزر کیونکہ بلا شرکت غیرے رومنوں کا حکمران تھا لہٰذا اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کے لیے اس نے شہنشاہ یا ڈکٹیٹر کہلانے کے بجائے قیصر کا لقب اختیار کیا۔ جولیس سیزر پہلا رومن حکمران تھا جس نے قیصر کہلوانا شروع کیا اٹلی میں حالات مکمل طور پر اپنے حق میں کرنے کے بعد اس نے اپنے دونوں دستِ راست یعنی مارک انتونی اور لیپڈیوس کو روم میں ملکی امور کی نگرانی پر چھوڑا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور بڑی تیزی سے اس نے پمپی کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی۔

دوسری طرف پمپی کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ جولیس سیزر بڑی تیزی سے اپنے لشکر کے ساتھ بڑھ رہا ہے لہٰذا یونان میں قیام کے دوران اپنے لشکر میں یونانیوں کو بھرتی کرتے ہوئے اس نے اپنے لشکر کی تعداد خوب بڑھا لی تھی اس نے اپنے جاسوس بھی ادھر ادھر پھیلا دیئے تھے جنہوں نے پمپی کو یہ خبریں دیں کہ جولیس سیزر کس قدر لشکر لے کر پمپی کے مقابلے پر آ رہا ہے۔

پمپی نے جب جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ جولیس سیزر جو لشکر اس کی سرکوبی کے لیے لے کر آ رہا ہے اس سے کئی گنا زیادہ لشکر پمپی کے پاس موجود تھا یہ بات پمپی کے لیے اطمینان کا باعث تھی۔

اس کے باوجود پمپی نے اپنے تیز رفتار قاصد ایران کا شہنشاہ کی طرف روانہ کیے اور جولیس سیزر کے خلاف اس سے مدد طلب کی ایران کا شہنشاہ اس شرط پر پمپی کی مدد کے لیے آمادہ ہوا کہ ماضی میں جو علاقے ایران سے چھینے تھے وہ واپس کر دیئے جائیں گے۔

پمپی کو یقین تھا کہ یونان میں کیونکہ اس نے بہت بڑا لشکر جمع کرلیا ہے اور وہ ایران کے شہنشاہ کی مدد کے بغیر بھی جولیس سیزر کو شکست دے سکتا ہے لہٰذا اس نے ایران کے شہنشاہ کی شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا پمپی اور ایران کے شہنشاہ کے درمیان ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ نہ ہو سکا۔

ادھر جولیس سیزر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے اپنے بحری بیڑے کو لے کر یونان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اب لوگ زیادہ تر اسے جولیس سیزر کے بجائے قیصر کہہ کر پکارنے لگے تھے کیونکہ یہ رومنوں کا پہلا حکمران تھا جس نے قیصر کا لقب اختیار کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے بحری بیڑے کے ساتھ جولیس سیزر یونان کی بندرگاہ ایپریوس پر لنگر انداز ہوا ایک روز اسی بندرگاہ پر قیام کرنے کے بعد دوسرے روز وہ اپنے لشکر کو لے کر پمپی کے تعاقب میں نکلا۔ دونوں لشکر جب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تو پمپی کا لشکر تعداد میں جولیس سیزر کے لشکر سے کہیں زیادہ تھا ڈراکیوم کے مقام پر دونوں لشکروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوا اور دونوں لشکر ایک دوسرے پر ازلی دشمنوں اور بدترین رقیبوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے جنگ کے شروع ہی میں پمپی کا پلہ بھاری تھا۔ کیونکہ اس کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا ڈراکیوم کے مقام پر تھوڑی دیر تک ہولناک جنگ ہوتی رہی رومن ایک دوسرے کو کاٹتے رہے۔ یہاں تک کہ جولیس سیزر کو ڈراکیوم کے مقام پر شکست اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر وہ یونان کے جنوب مشرقی حصوں کی طرف چلا گیا تھا۔

دوسری طرف پمپی بھی جولیس سیزر سے خوف زدہ تھا۔ اس نے جولیس سیزر کو شکست دینے کے بعد اس کا تعاقب نہیں کیا وہ خوف زدہ اور ڈرا ہوا تھا کہ اگر کسی مناسب جگہ جولیس سیزر نے اچانک پلٹ کر اس پر حملہ کیا تو وہ اچانک کسی بھی موقع پر اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کر سکتا ہے لہٰذا اس نے جولیس سیزر کو اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ جانے دیا۔

پمپی کا یہی فعل اس کا یہی عمل اس کی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بن گیا۔

اس لیے کہ یونان کے جنوب مشرقی حصوں کی طرف جانے کے بعد جولیس سیزر نے پھر اپنے لشکر کو سنبھالا دیا۔ یونانیوں پر بے انتہا دولت خرچ کر کے انہیں اپنے لشکر میں شامل کیا ان کی تربیت کا کام سرانجام دیا تیاری مکمل کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر پمپی کی طرف پیش قدمی کرنی شروع کی تھی۔

دوسری طرف پمپی کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ جولیس سیزر نے نا صرف اپنی قوت بحال کر لی ہے بلکہ اس نے اپنے لشکر میں اضافہ کر لیا ہے اور اب وہ ایک بار پھر اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہے لہٰذا اس نے بھی اپنی جگہ تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔

چنانچہ پمپی جولیس سیزر کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ تھسلی کے مقام پر پڑاؤ کر گیا دوسری طرف اپنی جنگی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد جولیس سیزر نے بھی تھسلی کی طرف پیش قدمی کی۔ تھسلی کے باہر کھلے میدانوں میں ایک بار پھر پمپی اور جولیس سیزر کے درمیان ہولناک اور بڑا خون ریز معرکہ ہوا اس جنگ میں گو پمپی کے لشکر کی تعداد جولیس سیزر کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی پھر بھی جولیس سیزر نے پمپی کو بدترین شکست دی۔

اس جنگ میں شکست اٹھانے کے بعد پمپی اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ مصر کی طرف بھاگا اس کا ارادہ تھا کہ مصر کے حکمران یعنی قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس کے ہاں پناہ لے کر پھر طاقت اور قوت پکڑے اور ایک بار پھر وہ جولیس سیزر سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا پمپی کا یہ بھی ارادہ تھا کہ قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس سے مل کر وہ اپنے لشکر میں اضافہ کرے گا۔ اپنی طاقت اور قوت بڑھائے گا اور دوبارہ خم ٹھونک کر جولیس سیزر کا مقابلہ کرے گا اور ہر صورت میں اسے شکست دینے کی کوشش کرے گا۔

دوسری طرف جولیس سیزر نے دم نہ لیا اپنے لشکر کے ساتھ وہ بھی پمپی اور اس کے لشکریوں کے تعاقب میں بڑی برق رفتاری سے مصر کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

جن دنوں پمپی جولیس سیزر کے آگے بھاگتا مصر میں داخل ہوا۔ ان دنوں بطلیموس کو اپنی بہن قلوپطرہ پر پورا عبور تھا۔ اس لیے کہ ماضی میں اس نے ایشیاء میں مقیم رومن جرنیل سے مدد لے کر قلوپطرہ کے حامی امرا کو اپنے سامنے زیر کر لیا تھا لیکن قلوپطرہ کی خواہش حکمرانی ابھی تک گئی نہیں تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ مصر پر ایک ملکہ کی حیثیت سے حکمرانی کرے۔ وہ کیونکہ بلا کی حسین

اور خوب صورت تھی لہٰذا امراء اور عام لوگوں میں اس کی خوب صورتی بھی اس کی ہر دل عزیزی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

چنانچہ جب پمپی اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگ کر مصر میں داخل ہوا تب قلوپطرہ کا بھائی بطلیموس بڑا پریشان ہوا۔ اسے یہ خدشہ ہوگیا تھا کہ اگر دونوں رومن سالار مصر میں ایک دوسرے سے ٹکرائے تو مصر کی بڑی تباہی اور بربادی ہوگی۔ اسے یہ بھی خبر ہوئی تھی کہ پمپی جولیس سیزر سے شکست کھانے کے بعد مصر میں داخل ہوا ہے اور یہ کہ جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری سے پمپی کا تعاقب کرتے ہوئے مصر کا رخ کیے ہوئے ہے۔ یہ صورتِ حال قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس کے لیے بڑی تکلیف دہ اور خوف ناک تھی جس وقت پمپی مصر میں داخل ہوا تو قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس نے پہلے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ اس لیے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً پمپی اپنے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا تاہم اندر ہی اندر بطلیموس اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا اسے خبریں پہنچ چکی تھیں کہ یونان میں تھسلی کے مقام پر جولیس سیزر نے پمپی کو بدترین شکست دی ہے پمپی بھاگ کر اس کے پاس آیا ہے اور جولیس سیزر اس کے تعاقب میں لگا ہوا ہے لہٰذا پہلے اس نے پمپی کی خوب آؤ بھگت کی لیکن اس نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی تھی کہ جونہی جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ مصر میں داخل ہوگا وہ پمپی کا سر کاٹ کر اسے طشت میں رکھ کر جولیس سیزر کے سامنے پیش کرے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا بطلیموس پہلے پمپی کی خوب دیکھ بھال کرتا رہا اس کی خوب تواضع کی جس سے پمپی بے حد خوش ہوا اور جب جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ مصر میں داخل ہوا تب اچانک بطلیموس حرکت میں آیا اور اس نے پمپی کا سر کاٹ کر جولیس سیزر کے سامنے پیش کر دیا تھا بطلیموس کی اس کارگزاری سے جولیس سیزر بے حد خوش ہوا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے مصر میں قیام کر لیا۔ اب کوئی قوت اور کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اس کے لیے خطرہ بن سکتی لہٰذا اپنے لشکر کے ساتھ چند روز مصر میں قیام کر کے اپنے لشکریوں کو آرام فراہم کرنا چاہتا تھا اس کے بعد وہ واپس روم جانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا اس لیے کہ اس قیام کے دوران قلوپطرہ کے سلسلے میں ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہوئی۔

ایک روز جولیس سیزر مصر کے قصر میں بطلیموس سے ملاقات کر کے نکلا تو اچانک محل کے ایک حصے میں اس کی ملاقات حسین اور خوبصورت قلوپطرہ سے ہوئی جونہی جولیس سیزر نے قلوپطرہ کو دیکھا وہ اسے دیکھتا رہ گیا قلوپطرہ کا قد کاٹھ اس کا حسن اس کی خوبصورتی ایسی تھی کہ ہر دیکھنے والا اس کی خوب صورتی میں محو ہو کر رہ جاتا تھا چنانچہ جب مصر کے قصر میں پہلی بار جولیس سیزر اور قلوپطرہ کا آمنا سامنا ہوا اور قلوپطرہ نے دیکھا کہ رومن جرنیل جولیس سیزر بڑی محویت بڑے انہماک سے اسے دیکھے جا رہا ہے تو وہ پہلی بار بولی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں مصر کی شہزادی قلوپطرہ ہوں شاید آپ مجھے جانتے ہوں گے اگر نہ جانتے ہوں گے تو کم از کم میرا نام ضرور سن رکھا ہوگا۔“

اس پر جولیس سیزر چونک کر بولا۔ ”میں نے تمہارا نام بھی سن رکھا ہے اور تمہیں جانتا بھی ہوں تمہارے حسن تمہاری جان لیوا اداؤں اور تمہاری خوبصورتی کی تعریف جو میں نے اس سے پہلے سن رکھی تھی تم اس سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی ہو۔ اس پر قلوپطرہ بڑی اعتنائی سے کہنے لگی۔ ”میں نے اپنی ان خوبیوں کا کبھی جائزہ نہیں لیا شاید ایسا ہی ہو جیسا تم کہہ رہے ہو۔“

قلوپطرہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جولیس سیزر کو یوں لگا جیسے وہ کسی نئی اور انوکھی دنیا میں کھو گیا ہو قلوپطرہ کی نیلی آنکھیں برق گراتی تھیں اور موج پر زاں میں مقید عکس کی طرح دکھائی دیتی تھیں اس کی کشادہ جبیں بلند قامتی اس کی شخصیت میں بے پناہ اضافہ کرتی تھی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے وہ جولیس سیزر کے سامنے حشر انگیزی کی صورت میں کھڑی تھی جولیس سیزر جب کافی دیر تک توجہ اور انہماک سے اس کی طرف دیکھتا رہا تو قلوپطرہ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے تم کیا دیکھتے ہو۔" اس پر جولیس سیزر چونک کر بولا اور کہنے لگا۔

"تیری شخصیت ایسی ہے کہ ہر دیکھنے والا اس میں ڈوب کر رہ جاتا ہے اور وہ اپنی ذات تک کو فراموش کر دیتا ہے۔" اس پر قلوپطرہ بولی اور کہنے لگی۔

"شاید تمہیں خبر ہوگی کہ مصر کی حکومت کے سلسلے میں میرے اور میرے بھائی کے درمیان اختلافات ہیں۔" اس پر جولیس سیزر بولا اور کہنے لگا۔

"شاید وہ صرف تمہارا بھائی نہیں تھا بلکہ شوہر بھی ہے۔" اس پر قلوپطرہ جھٹ سے کہنے لگی۔ "کبھی وہ شوہر تھا اب صرف وہ میرا بھائی ہے اس کے ساتھ جو شوہر کا تعلق تھا میں نے منقطع کر دیا ہے اب وہ صرف میرا بھائی ہے میرے اور اس کے درمیان جو اقتدار کا تنازعہ چل رہا ہے وہ ابھی تک حل طلب ہے۔" جواب میں جولیس سیزر پھر بولا اور کہنے لگا۔

"تمہارے بھائی بطلیموس سے مل کر اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے تم دونوں بہن بھائی کے درمیان حکومت کے سلسلے میں فیصلہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن اب تمہیں دیکھ کر میں اپنے ارادے کو تبدیل کر چکا ہوں پہلے فیصلہ شاید تمہارے بھائی کے حق میں جاتا لیکن اب میرے سارے فیصلے تمہارے حق میں جائیں گے مصر کی حکومت کے سلسلے میں جو تنازعات چل رہے ہیں اس کے فیصلے تمہاری مرضی اور منشاء کے مطابق ہوں گے۔"

جولیس سیزر کا یہ جواب سن کر قلوپطرہ خوش ہوگئی پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"کیا میں کبھی کبھی آپ سے مل سکتی ہوں۔"

اس پر جولیس سیزر بولا اور کہنے لگا۔

"کبھی کبھی کیوں تم ہر وقت میرے ساتھ رہ سکتی ہو اور اس کے لیے عنقریب میں تم سے ایک سنجیدہ گفتگو کروں گا۔"

جولیس سیزر کی یہ گفتگو اور باتیں سن کر قلوپطرہ خوش ہوگئی تھی پھر وہ اس سے اجازت لے کر اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی اس طرح ان کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجے میں جولیس سیزر نے قلوپطرہ سے شادی کرلی تھی۔

اس وقت مصر میں قلوپطرہ اور اس کے بھائی کے درمیان حکومت کا جو تنازعہ چلا آ رہا تھا اس سلسلے میں پہلے ہی بے پناہ ہنگامے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اب حالات مزید خراب ہونے شروع ہوگئے اس لیے کہ قلوپطرہ کے حامیوں نے جب دیکھا کہ جولیس سیزر نے قلوپطرہ سے شادی کرلی ہے تب وہ یہ امید رکھنے لگے کہ جولیس سیزر قلوپطرہ کے بھائی بطلیموس کو معزول کر کے قلوپطرہ کو مصر کا حکمران بنا دے گا اس لیے کہ قلوپطرہ اب اس کی بیوی ہے لیکن جولیس سیزر نے ایسا نہیں کیا اس موقع پر سکندریہ میں کچھ ہنگامے بھی ہوئے۔ کچھ لوگوں نے بغاوت اور سرکشی کے آثار کھڑے کرنے کی کوشش کی لیکن ان پر حملہ آور ہوکر جولیس سیزر نے انہیں دبا دیا اور ان ہنگاموں کے درمیان سکندریہ کا کتب خانہ جو اس وقت دنیا کا بہترین کتب خانہ اور عجائب گھر خیال کیا جاتا تھا تباہ و برباد ہوگیا تھا۔ ان جنگوں اور بلووں میں سکندریہ کے کتب خانے اور عجائب گھر کی تقریباً چار لاکھ کتابیں جل کر راکھ ہوگئی تھیں تاہم اپنے لشکر کے ساتھ جولیس سیزر نے نا صرف سکندریہ میں اٹھنے والی بغاوت اور سرکشی کو دبا دیا بلکہ قلوپطرہ اور اس کے بھائی کے درمیان کچھ اس طرح اس نے صلح صفائی کرا دی کہ دونوں مل کر تاج و تخت کے مالک بنے رہیں اور مصر پر حکومت کرتے رہیں اس طرح چند ماہ تک جولیس سیزر نے قلوپطرہ کے ساتھ قیام کیا۔

دراصل جہاں قلوپطرہ جولیس سیزر کی بیوی تھی وہاں وہ بطلیموس کا بھی بڑا شکر گزار تھا اس لیے کہ بطلیموس نے اس کے بدترین دشمن پمپی کا سر کاٹ کر اسے پیش کیا تھا لہٰذا اس نے بطلیموس اور قلوپطرہ دونوں بہن بھائیوں ...ں سے کسی کی بھی طرف داری نہیں کی اور دونوں میں صلح ...فائی کرا دی۔

پھر ایسا ہوا کہ رومن سینٹ نے جولیس سیزر کو واپس طلب کرلیا۔ اس لیے کہ ایشیائے کوچک کا حکمران ...اور رومنوں کا ہمسایہ تھا وہ رومن مقبوضہ جات پر حملہ آور ہوکر رومن مفاد کو نقصان پہنچانے لگا تھا سینٹ کا یہ حکم ملتے ہی جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوگیا قلوپطرہ اب کیونکہ اس کی بیوی تھی لہٰذا قلوپطرہ کو بھی وہ اپنے ساتھ مصر سے روم لے گیا۔

چنانچہ واپس جانے کے بعد جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا ایشیائے کوچک کے حکمران اور اس کے لشکر کا سامنا ذیلہ کے مقام پر جولیس سیزر سے ہوا اس وقت اس کی بیوی قلوپطرہ اس کے ساتھ لشکر میں موجود تھی۔ اس ہولناک جنگ میں جولیس سیزر نے ایشیائے کوچک کے حکمران کو بدترین شکست دی اور اسے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنالیا باغیوں کو کچلنے کے بعد جولیس سیزر اٹلی کے مرکزی شہر روم میں داخل ہوا اور اپنی نئی بیوی قلوپطرہ کے ساتھ اس نے وہاں رہائش اختیار کرلی تھی۔

ان ہی دنوں جبکہ جولیس سیزر اپنی بیوی قلوپطرہ کے ساتھ روم میں قیام کیے ہوئے تھا اٹلی میں کیپوا کے مقام پر باغیوں کا ایک بہت بڑا گروہ اٹھ کھڑا ہوا اور ...ہوں نے رومن سینٹ اور حکمران طبقے کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی یہ باغی مسلح ہوکر روم شہر کی طرف ...ھے جولیس سیزر پھر ان کے خلاف حرکت میں آیا ان کا ...ی صفایا اور قلع قمع کر کے رکھ دیا۔

روم میں جہاں جولیس سیزر کے حمایتی تھے وہاں ...س کے مخالف اور پمپی کے بھی ہمنوا تھے چند ہی دنوں بعد ...ولیس سیزر کے لیے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اور ... کہ روم اور ہسپانیہ سے پمپی کے حمایتی لشکری اور ... جنگجو صلاح مشورہ کرنے کے بعد افریقہ میں جمع ... شروع ہوگئے اور پھر ایسا ہوا کہ پمپی کا چچا اور ایک ... جرنیل کیٹو خفیہ طور پر افریقہ پہنچ گئے اور افریقہ میں ... ہونے والے لشکریوں کو منظم کرنے لگے تھے۔ یہاں

حفاظت......!

ہم عمل کا بیج بوتے ہیں اور عادت کا پھل کاٹتے ہیں۔ ہم عادت کا بیج ڈالتے ہیں اور کردار کا پھل کاٹتے ہیں۔ اچھی عادات تو زیادہ تر خود ضبطگی، ایثار نفس یا خود انکاری پر منحصر ہوتی ہے لیکن بری عادات گھاس پھوس کی طرح خود رو ہوتی ہیں اور نیکی کے پودوں کی نشوونما میں رکاوٹ بنتی رہتی ہیں۔

جب کوئی شخص پچیس سال کا ہوجاتا ہے تو اس میں کسی نئے تغیر یا نئی تبدیلی کی توقع محال ہوتی ہے۔ کیونکہ جو عادات اس میں رچ بس گئی ہوتی ہیں وہ اسے اپنا راستہ تبدیل کرنے سے روکتی ہیں۔

کسی دانشور نے کیا عمدہ بات کہی ہے۔ "اپنی عمر کے پہلے بیس سالوں کی اچھی طرح حفاظت کرو اور امید رکھو کہ آنے والے بیس سال تمہاری حفاظت کریں گے۔"

(ایس امتیاز احمد۔ کراچی)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک کہ نوبت اس حد تک پہنچ گئی کہ افریقہ میں پمپی کا چچا اور رومن جرنیل کیٹو نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرلیا۔ لہٰذا وہ اس قابل ہوگئے تھے کہ کسی بھی وقت جولیس سیزر اور رومن سینٹ کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتے تھے۔

سینیٹ کو جب اس خطرے کی خبر ہوئی تو اس نے جولیس سیزر کو ان باغیوں کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا۔ ان ہی دنوں قلوپطرہ کے ہاں جولیس سیزر کا ایک بیٹا پیدا ہوا، چنانچہ قلوپطرہ کی حالت دیکھتے ہوئے جولیس سیزر نے اپنے بیٹے اور قلوپطرہ دونوں کو مصر کی طرف روانہ کردیا اور خود باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے لشکر کو لے کر افریقہ کی طرف روانہ ہوا۔

پمپی کے چچا اور جرنیل کیٹو نے اپنی طرف سے کوشش کی کہ افریقہ کے رہگزاروں میں جولیس سیزر کو بدترین شکست دیں، لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ الٹا جولیس سیزر نے ان دونوں کو بدترین شکست دی اس جنگ میں پمپی کا چچا مارا گیا۔ جب کہ اس کا جرنیل یوتیکا شہر کی طرف بھاگ گیا۔ جولیس سیزر کو کیٹو کا تعاقب کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس لیے کہ یوتیکا پہنچ کر کیٹو اپنی شکست کی وجہ سے بڑا دل برداشتہ ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے خودکشی کرتے ہوئے خود ہی اپنا خاتمہ کرلیا۔

افریقہ میں جولیس سیزر کی ان فتوحات کی خبریں جب روم پہنچیں تو لوگوں نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ فی الفور سینٹ کا اجلاس طلب کیا گیا اور اس اجلاس میں جولیس سیزر کو دس سال کے لئے اٹلی کا ڈکٹیٹر مقرر کردیا گیا۔ اس کے علاوہ سینٹ نے متفقہ طور پر جولیس سیزر کی ان فتوحات کی وجہ سے اٹلی کے اندر چالیس دن تک خوشی کا جشن منانے کا حکم دیا۔ مندروں اور بت خانوں میں جولیس سیزر کے لیے دعائیں کی گئیں اس کے علاوہ جولیس سیزر کو قوم کے باپ کے لقب سے بھی نوازا گیا۔

اس کے علاوہ رومنوں نے اپنے ایک مہینے کا نام بدل کر جولیس کے نام پر رکھ دیا۔ بعد میں یہی نام جولیس سے بدل کر جولائی بن گیا۔ اس کے علاوہ روم کی سینٹ نے جولیس سیزر کے لیے ایک انتہائی خوبصورت وزنی اور بہترین سونے کی کرسی بنائی اور اس کرسی کو سینٹ کے ایک بڑے ہال میں رکھا گیا تاکہ جب کبھی بھی جولیس سیزر سینٹ کے اجلاس کی صدارت کیا کرے تو سونے کی اس کرسی پر بیٹھا کرے۔

یہ فتوحات حاصل کرنے کے بعد جولیس سیزر جب افریقہ سے روم میں داخل ہوا تو اس کا فقید المثال استقبال کیا گیا لوگوں کے اس استقبال سے جولیس سیزر بڑا متاثر ہوا اس نے اہل شہر کی دعوت کا انتظام کیا۔ تیس ہزار بڑے بڑے میز اس دعوت کے اہتمام کے لیے اکٹھے کیے گئے اور پھر جولیس سیزر نے شہر کے لوگوں کی دعوت اور ضیافت کا اہتمام کیا۔

فتوحات حاصل کرنے اور اس قدر شہرت پانے کے بعد جولیس سیزر نے مزید شہرت پانے کے لیے کچھ کام کرنے کی ابتدا کی وہ کچھ اس طرح کہ سب سے پہلے اس نے جس قدر فتوحات حاصل کی تھیں ان سب علاقوں کے اندر رومن قواعد اور ضوابط نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ دوسرا بڑا کام جو اس نے کیا وہ ایک شاندار کلینڈر تھا جو اس نے خود تیار کروایا تھا۔

جولیس سیزر نے پہلے جو کلینڈر اٹلی میں رائج کیا اس کے مطابق سال تین سو پینتالیس دنوں کا شمار کیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ شمار سورج کے گرد زمین کی گردش کے عین مطابق نہ تھا۔ لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کبھی سال اور کبھی دو سال بعد کلینڈر میں کچھ دنوں کا اضافہ کردیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے بہت سی دشواریاں اور خرابیاں پیدا ہوجاتی تھیں۔

جولیس سیزر نے جو کلینڈر تیار کیا اس میں ان خرابیوں اور کوتاہیوں کو دور کیا اس نے کلینڈر کو تین سو پینسٹھ اور چھ گھنٹے کا قرار دیا۔ یہی کلینڈر پورے یورپ میں سن پندرہ سو بیاسی تک رائج رہا۔ یہاں تک کہ سن پندرہ سو بیاسی میں پوپ گریگوری نے جولیس سیزر کے کلینڈر میں تبدیلیاں کرکے اسے پہلے سے بہتر بنایا۔ لہٰذا اٹلی میں سن پندرہ سو بیاسی سے جولیس سیزر کے کلینڈر

کے بجائے پوپ گریگوری کا کلینڈر نافذ کردیا گیا تاہم انگلستان میں سترہ سو باون تک جولیس سیزر ہی کا کلینڈر رائج رہا، حتیٰ کہ سن سترہ سو باون میں اور اس کے ایک ماہ بعد امریکہ میں بھی جولیس سیزر کے کلینڈر کے بجائے پوپ گریگوری کا کلینڈر نافذ کردیا گیا۔

بہر حال ان فتوحات کی خوشی میں اپنی رعایا کو بہترین تفریح مہیا کرنے کے لیے جولیس سیزر نے اور بہت سے مفاد عامہ کے کام بھی سرانجام دیئے۔

افریقہ میں پمپی کے چچا اور اس کے نامور جرنیل دونوں کو زیر کرنے اور بغاوت کو فرو کرنے کے کچھ عرصہ بعد تک جولیس سیزر روم میں قیام کرکے بہترین اصلاحات نافذ کرتا رہا جب وہ نیا کلینڈر بھی جاری کرچکا اور اپنی مرضی کے مطابق اصلاحات بھی نافذ کرچکا تب ان نے پارتھیا پر حملہ کرکے اسے بھی رومنوں کا باج گزار بنانے کا تہیہ کیا۔ پارتھیا دراصل ایران ہی کی مملکت کو خیال کیا جاتا تھا اور جولیس سیزر پارتھیا پر حملہ آور ہونے کے لیے اپنے لشکر کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ اس کے مخبروں نے اسے یہ اطلاع دی کہ اسپین میں پمپی کے بیٹے نے رومن حکومت کے خلاف بغاوت کھڑی کردی ہے۔

اپنے آخری ایام میں پمپی کیونکہ اسپین چلا گیا تھا۔ وہ اپنے اہل خانہ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ پمپی کے بیٹے کی بغاوت کو ختم کرنے کے لیے جولیس سیزر نے یکے بعد دیگرے کئی لشکر اٹلی سے اسپین کی طرف روانہ کیے۔ لیکن جو بھی لشکر اٹلی سے اسپین کی طرف گیا پمپی کے بیٹے نے اسے بدترین شکست سے دوچار کیا۔

ان شکستوں سے رومن حکومت کی عزت اور وقار کو دھچکا لگا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے جولیس سیزر نے خود ایک لشکر لے کر اسپین جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ خود پمپی کے بیٹے کی اس بغاوت کا خاتمہ کرے۔

اب جولیس سیزر کے لیے دوہری مصیبت تھی، وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی قلوپطرہ اور اس کا بیٹا بڑی بے چینی سے مصر میں اس کے منتظر ہوں گے، لیکن یہاں اس کی جان بغاوتوں سے ہی نہیں چھوٹتی تھی۔ آخر کار ایک بہت بڑا لشکر لے کر جولیس سیزر اسپین کی طرف روانہ ہوا۔

یہاں پر پمپی کے بیٹے کو بھی خبر ہوگئی کہ جولیس سیزر خود ایک بڑا لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس نے بھی جولیس سیزر کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں مکمل کرلی تھیں اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ جبرالٹر سے چند میل دور مندا نام کے کھلے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوگیا تھا۔

جولیس سیزر کو بھی اس کے جاسوسوں نے خبر دے دی تھی کہ پمپی کا بیٹا جبرالٹر سے چند میل دور مندا کی کھلی وادیوں میں پڑاؤ کرکے جولیس سیزر کا انتظار کررہا ہے۔ لہٰذا جولیس سیزر نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ انہی میدانوں کا رخ کیا تھا۔

یہاں تک کہ جولیس سیزر اپنے لشکر کے ساتھ مندا کے میدانوں میں داخل ہوا اور پمپی کے بیٹے کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کرلیا۔

دوسرے روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کا سامنا کرنے کے لیے اپنی صفیں درست کیں۔ مندا کے میدانوں میں پمپی کے بیٹے اور جولیس سیزر کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ جس میں آخر کار جولیس سیزر کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ مندا کے ان میدانوں میں پمپی کے بیٹے کے تیس ہزار لشکری مارے گئے اور باقی اس کے ساتھ شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے جولیس سیزر نے بڑی تندہی اور خوش اسلوبی سے پمپی کے بیٹے اور اس کے لشکریوں کا تعاقب کرکے ان کا خوب قتل عام کیا۔

پمپی کا بیٹا اسپین سے نکل کر افریقہ کی طرف چلا گیا اور گمنامی اختیار کرلی۔ جب کہ اس کے لشکر کی اکثریت کا جولیس سیزر نے خاتمہ کردیا۔ باقی لوگ ادھر ادھر بکھر کر بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوسکے۔ پمپی کے بیٹے کو اسپین میں شکست دینے کے بعد جولیس سیزر نے چند ماہ اسپین میں قیام کرکے وہاں کے حالات کو درست کیا۔ پھر واپس روم پہنچا۔

پہلے افریقہ میں پمپی کے چچا اس کے بعد ہسپانیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پمپی کے بیٹے کی بغاوت نے جولیس سیزر کو چوکنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ محتاط ہوگیا تھا۔ اب اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ اسے بھی روم میں اپنے خاندان کے افراد کو منظم کرنا چاہئے تاکہ اس کے بعد اس کا خاندان حکومت کرتا رہے اور ایسا نہ ہو اس کی موت کے بعد اس کے دشمن روم پر حکمران ہوں اور اس کے خاندان کا خاتمہ کرکے رکھ دیں۔

اپنے ان ارادوں کے تحت جولیس سیزر حرکت میں آیا، اس نے اپنے بھتیجے آکٹویوس کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ جولیس سیزر کا یہ بھتیجا اس سے پہلے کوئی اتنی متحرک زندگی بسر نہیں کررہا تھا۔ لیکن اسے اپنا جانشین مقرر کرنے کے بعد جولیس سیزر نے زندگی کے ہر شعبے میں اسے رہنمائی کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ اس طرح جولیس سیزر کی راہنمائی میں اس کا بھتیجا آکٹویوس بڑی تیزی سے رومنوں کی نگاہوں میں عزت اور وقار حاصل کرتا چلا گیا تھا۔

اسپین میں پمپی کے بیٹے کی بغاوت کو فرو کرنے سے پہلے جولیس سیزر نے پارتھیا پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن پمپی کے بیٹے کی بغاوت کی وجہ سے وہ اس مہم پر روانہ نہ ہوسکا۔ اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس مہم پر اپنے بھتیجے کو بھیجے تاکہ پارتھیا میں فتوحات حاصل کرکے رومنوں کے اندر ناموری اور شہرت حاصل کرلے۔

اس مقصد کے لیے جولیس سیزر نے اپنے بہترین لشکریوں کو اپنے بھتیجے کے ہمراہ کیا اور آکٹویوس کو سمجھایا کہ اگر وہ پارتھیا اور اس کے اطراف میں فتوحات کا سلسلہ پھیلا دے تو پھر وہ رومنوں کے اندر ہر دل عزیزی اختیار کرجائے گا۔ اس کے بعد وہ اٹلی کا بادشاہ بننے میں کامیاب ہوجائے گا۔ جولیس سیزر کی ساری باتیں آکٹویوس کے دل میں بیٹھ گئی تھیں لہٰذا اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ لشکر لے کر پارتھیا کی طرف روانہ ہوا۔

دوسری طرف جولیس سیزر کے مخالف اور پمپی کے رشتہ دار اور اس کے حامی بھی حرکت میں آئے ہوئے تھے۔ جہاں جولیس سیزر اپنے اہل خانہ کی بہتری کے لیے مشغول تھا۔ وہاں پمپی کے چاہنے والے بھی اس کا خاتمہ کرنے کے درپے تھے۔ جولیس سیزر کو کئی بار اس کے چاہنے والوں اور مخبروں نے اطلاع دی کہ وہ بھی بھی اپنے حفاظتی دستوں کے بغیر ادھر ادھر نہ جایا کرے۔ اس لیے کہ پمپی کے حامیوں سے اسے خطرہ ہے۔

لیکن وہ اس کی پرواہ نہ کیا کرتا تھا۔ ایک روز جب سینٹ سے خطاب کرنے کے لیے سینٹ ہال کی طرف جارہا تھا تو سینٹ ہال کے باہر جہاں پمپی کا پتھر کا مجسمہ نصب تھا ابھی وہ وہیں تک پہنچا تھا کہ کچھ لوگ اس کے اردگرد جمع ہوگئے یہ سب باغی اور سازشی تھے۔ انہوں نے جولیس سیزر کو اس طرح گھیر لیا جیسے وہ جولیس سیزر کے ہمدرد اور شیدائی ہوں۔ پھر کچھ لوگ جولیس سیزر سے لپٹ گئے اور پے در پے خنجر کے وار کرکے اس کا خاتمہ کردیا۔ آناً فاناً یہ قاتل شہر میں بکھر گئے اور اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ جولیس سیزر کی موت کے بعد گو اس کے حامی جرنیل مارک انتونی اور لیپڈیوس نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن اب دیر ہوچکی تھی۔ قاتل جولیس سیزر کا خاتمہ کرنے کے بعد روم شہر سے فرار ہوچکے تھے۔ اس طرح جولیس سیزر کا پمپی کے حامیوں نے خاتمہ کردیا اور جولیس سیزر کی موت کی اطلاع مصر میں اس کی بیوی قلوپطرہ کو بھی کردی گئی تھی۔

جولیس سیزر کی موت کے وقت اس کے دونوں ساتھی اور نامور جرنیل مارک انتونی اور لیپڈیوس روم شہر کے اندر موجود تھے۔ جولیس سیزر کے مارے جانے کے بعد یہ دونوں جرنیل حرکت میں آئے اور بڑی تیزی اور سرعت سے روم اور اس کے گردونواح میں پھیلے ہوئے لشکریوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کردیا۔ دوسری طرف جولیس سیزر کا بھتیجا آکٹویوس جو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پارتھیا کی فتح کے لیے روانہ ہوا تو راستے ہی میں اسے اپنے چچا جولیس سیزر کے قتل کی خبر ملی۔ لہٰذا واپس مڑا اس کا ارادہ تھا کہ فوراً اٹلی پہنچ کر حکومت کی ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے، دوسری طرف مارک انتونی اور لیپڈیوس بڑے تیز و چالاک تھے۔ وہ بھی حکومت پر قبضہ کرنے کے چکر میں تھے۔ ہر کوئی اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگا تھا۔

مارک انتونی اور لیپڈیوس کو جب خبر ہوئی کہ جولیس سیزر کا بھتیجا اپنے لشکر کے ساتھ روم کی طرف پیش قدمی کررہا ہے اور یہ کہ وہ اٹلی کا حکمران بننے کا خواہش مند ہے تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے اور آکٹویوس کی راہ روکنے کے لیے آگے بڑھے۔

کھلے میدانوں میں آکٹویوس کا لشکر جب مارک انتونی اور لیپڈیوس کے متحدہ لشکر کے سامنے نمودار ہوا تو لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کرلیا، اس موقع پر لیپڈیوس نے بڑی مہارت اور بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا۔ اس نے اپنے قاصد جولیس سیزر کے بھتیجے آکٹویوس کی طرف بھجوائے اور اسے دعوت دی کہ جنگ کا کوئی فائدہ نہیں، ہمیں چاہئے کہ باہم گفتگو کرکے اپنے معاملات کو طے کرلیں۔ آکٹویوس فوراً اس پر تیار ہوگیا۔ لہٰذا تینوں جرنیل باہم بیٹھ کر اپنے معاملات طے کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

تینوں جرنیلوں میں کافی دیر تک صلاح مشورہ ہوتا رہا۔ پھر تینوں اس امر پر متفق ہوگئے جس طرح ماضی میں رومنوں کے معاملات تین جرنیلوں پمپی، جولیس سیزر اور کریسس متحد ہوکر چلاتے رہے ہیں اسی طرح انہیں بھی متحد ہوکر رومنوں کے معاملات کو چلانا چاہئے۔

یہ مسئلہ طے ہونے کے بعد اسپین یعنی ہسپانیہ لیپڈیوس کے حوالے کیا گیا سسلی سارڈینیا اور افریقہ پر آکٹولوس کا تسلط قائم کردیا گیا جبکہ اٹلی کے شمال میں ان علاقوں پر جن میں فرانس سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ بھی شامل تھے مارک انتونی کا اقتدار قبول کرلیا گیا تھا۔ تینوں جرنیل اس بات پر متفق ہوگئے تھے کہ اٹلی کے معاملات کو بہرحال تینوں صلاح مشورہ کرتے ہوئے چلائیں گے اس طرح تینوں جرنیل اپنے اپنے علاقوں کی طرف اپنے اپنے لشکر لے کر چلے گئے تھے۔

اٹلی میں اب تین حکمران حکومت کررہے تھے ایک مارک انتونی جو ان دنوں فرانس سوئٹزرلینڈ اور انگلستان کی سرزمینوں کی طرف تھا دوسرا آکٹویوس افریقہ میں قیام کیے ہوئے تھا اور تیسرا لیپڈیوس ان دنوں ہسپانیہ کے نظم و نسق کو درست کررہا تھا۔ ان تینوں نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے روم کے اندر اپنے اپنے دشمنوں کی فہرستیں تیار کرنا شروع کردی تھیں ان تینوں نے صلاح مشورہ کیا کہ روم کے اندر جس قدر بھی ان کے دشمن ہیں ان کا خاتمہ کردیا جائے تبھی وہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اٹلی پر حکومت کرسکتے ہیں۔

لہٰذا دن رات فہرستیں تیار کرنا شروع کی گئیں اور روم کے اندر ان تینوں نے اپنے اپنے دشمنوں کا قتل عام کرنا شروع کردیا تھا۔ قتل کیے جانے والے ان لوگوں کی فہرستوں میں ان تینوں جرنیلوں کے رشتہ دار بھی اپنے اپنے دشمنوں کا نام لکھوانے لگے لوگوں کا خوب قتل عام کیا گیا اس طرح تینوں نے مل کر ایک طرح سے اٹلی میں اپنے ذاتی دشمنوں کا خاتمہ کردیا تھا۔

مارک انتونی لیپڈیوس اور آکٹویوس کی ان مصروفیات سے فائدہ اٹھا کر جولیس سیزر کے دو قاتل نام جن کے بروٹس اور کیسیوس تھے وہ بھی حرکت میں آچکے تھے وہ دونوں جولیس سیزر کو قتل کرنے کے بعد روم سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور ایشیاء کی طرف چلے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے ہوئے دن بدن اپنے ساتھیوں اور جمعیت میں اضافہ کرنا شروع کردیا تھا۔ روم سے بھاگتے ہوئے یہ اپنے ساتھ دولت کے انبار بھی لے گئے تھے جنہیں خرچ کرکے انہوں نے اپنے لشکر بھی تیار کرنا شروع کردیئے تھے۔

پھر جب مارک انتونی، آکٹویوس اور لیپڈیوس نے روم کے اندر اپنے دشمنوں کا قتل عام شروع کیا تو بہت سے لوگ اپنی جانیں بچا کر ایشیاء میں بروٹس اور کیسیوس کی طرف بھاگنا شروع ہوگئے اٹلی کے اندر جس قدر باغی تھے وہ بھی خوف زدہ ہوکر ان دونوں جرنیلوں سے جا ملے اس طرح ایشیاء میں ان دو جرنیلوں نے بہت بڑا لشکر تیار کرلیا تھا جب انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اب وہ اپنے لشکر کو تربیت بھی دے چکے ہیں اور اب ان کے لشکر اس قابل ہیں کہ وہ اٹلی پر حملہ آور ہوکر روم پر قبضہ کرسکیں تو انہوں نے ایشیاء سے اٹلی کی طرف کوچ کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جولیس سیزر کے دونوں قاتل جرنیلوں نے جب یورپ کی طرف پیش قدمی کی تو مارک انتونی اور آکٹویوس دونوں بڑے پریشان اور فکر مند ہوئے۔ آکٹویوس فوراً افریقہ سے نکل کر یورپ میں آیا اپنے لشکر کو بھی وہ اپنے ساتھ لیتا آیا۔ دوسری طرف مارک انتونی بھی اپنے لشکر کے ساتھ فرانس اور سوئٹزرلینڈ سے روم پہنچ گیا دونوں جرنیلوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا پھر وہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ بروٹس اور کیسیوس کی راہ روکنے کے لیے روم سے کوچ کر گئے۔

مارک انتونی اور آکٹویوس نے اپنے جاسوس دور دور تک پھیلا دیئے تھے تاکہ دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتے رہیں۔ انہی کی فراہم کردہ خبروں کی روشنی میں مارک انتونی اور آکٹویوس نے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ بحرا تیجیس سے نو میل دور فلپی نام کے قصبے کے قریب پڑاؤ کرلیا تھا۔ دوسری طرف باغی سردار بروٹس اور کیسیوس بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس شاہراہ پر پیش قدمی کررہے تھے جو ایشیاء سے یورپ کی طرف آتی تھی یہ شاہراہ فلپی نام کے قصبے کے قریب ہی سے گزرتی تھی۔

بروٹس اور کیسیوس کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ مارک انتونی اور آکٹویوس اپنے لشکر کے ساتھ فلپی نام کے قصبے کے قریب پڑاؤ کرکے ان کا انتظار کررہے ہیں لہٰذا وہ بھی اپنی پوری تیاریوں سے پیش قدمی کررہے تھے۔

دونوں باغی جرنیل جب فلپی نام کے قصبے کے قریب پہنچے تو اس وقت سورج طلوع ہوچکا تھا ان دونوں نے آتے ہی اپنی پوری ارادی قوتوں کے ساتھ مارک انتونی اور آکٹویوس کے لشکر پر حملہ کردیا تھا۔ بروٹس اپنے لشکر کے ساتھ آکٹویوس کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔ جب کہ کیسیوس انتہائی بھیانک انداز میں مارک انتونی پر حملہ آور ہوا۔ دوسری طرف مارک انتونی اور آکٹویوس بھی بروٹس اور کیسیوس کے متوقع حملے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ لہٰذا انہوں نے بھی دونوں کے خلاف ہولناک جنگ کی ابتدا کردی تھی۔

ہر کوئی ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے اپنی تلوار کو فتح نصیب کرنے کی فکر میں تھا۔ فلپی نام کے اس قصبے کے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکر ایک دوسرے پر اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہو رہے تھے۔

مارک انتونی شروع ہی میں اپنے مد مقابل کیسیوس پر بھاری اور حاوی ثابت ہوا تھا۔ کیسیوس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح مارک انتونی کو اس جنگ میں شکست دینے میں کامیاب ہوجائے، لیکن مارک انتونی کا دشمن کے خلاف جنگ کرنے کا انداز جولیس سیزر جیسا ہی تھا۔ مارک انتونی نے اپنے لشکر کو مختلف حصوں اور دستوں میں تقسیم کررکھا تھا اور باری باری اس کے حکم پر وہ لشکر کے حصے اور دستے پہلو اور پینترے بدل بدل کر مختلف سمتوں سے دشمن پر حملہ آور ہوتے جارہے تھے۔

اس طرح ایک مشینی انداز میں مارک انتونی کے لشکری بار بار دائیں بائیں آگے پیچھے ہٹتے ہوئے دشمن پر ضربیں لگا رہے تھے۔ ایک دستہ ہٹتا تو اس کی جگہ دوسرا دستہ اور نمودار ہوتے۔ اس طرح مارک انتونی نے اپنے دشمن کیسیوس کے سامنے اپنے لشکریوں کا ایک حلقہ ایک چکر باندھ کر رکھ دیا تھا۔ کیسیوس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ وہ اس موقع پر مارک انتونی سے اپنا دفاع کس طرح کرے کہ اسی حلقہ در حلقہ سامنے آنے اور پیچھے ہٹنے کے دوران مارک انتونی نے کیسیوس کے لشکر کا گھیراؤ کرلیا۔

کیسیوس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ نا صرف یہ کہ اس حلقے کو توڑے بلکہ انتونی کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کردے، لیکن اس وقت تک مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ کیسیوس کے لشکر پر بری طرح چھا چکا تھا اور پھر اس نے چاروں طرف سے کیسیوس اور اس کے لشکر کا قتل عام شروع کردیا تھا۔

دوسری طرف آکٹویوس کی حالت مارک انتونی سے مختلف تھی، مارک انتونی جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا وہ جولیس سیزر کے ساتھ بھی کام کرتا رہا تھا اور جنگ کے سارے طریقوں سے واقف تھا۔ ویسے بھی وہ جنگ میں

کی خونخوار بھیڑیے اور لومڑی کی طرح حرکت میں آنے والا تھا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں آکٹویوس کو اتنا وسیع تجربہ نہیں رکھتا تھا۔

جولیس سیزر نے مرنے سے پہلے اپنے اس بھتیجے کو مشرق پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک لشکر دے کر بھیجا تھا۔ لیکن اس لشکر کے ساتھ جولیس سیزر کی موت کی وجہ سے آکٹویوس کو روم واپس جانا پڑا۔ لہٰذا وہ جنگ کا کوئی خاص تجربہ نہیں رکھتا تھا جس بناء پر بروٹس نے آکٹویوس کے لشکر کے خلاف ایسی ہولناک اور خوفناک جنگ کی ابتداء کی کہ شروع ہی میں آکٹویوس نے محسوس کرلیا کہ اگر جنگ زیادہ دیر جاری رہی تو بروٹس ضرور اسے شکست دینے میں کامیاب ہوجائے گا۔ تاہم اس موقع پر آکٹویوس نے بڑی دانشمندی فہم و فراست سے کام لیا، اب اس نے اندازہ لگایا کہ بروٹس اسے شکست دینے میں کامیاب ہوجائے گا تو اس نے اپنے لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ پسپا ہونا شروع کیا، جس طرف مارک انتونی دشمن کے خلاف جنگ کررہا تھا۔ آکٹویوس پیچھے ہٹتے ہٹتے مارک انتونی کے لشکر سے جا ملا۔ دوسری طرف مارک انتونی نے دیکھا کہ بروٹس آکٹویوس کو شکست دے کر پسپا کرنے کے درپے ہے تو وہ فکر مند ہوا۔ اگر بروٹس آکٹویوس کو شکست دینے میں کامیاب ہوگیا تو اپنے لشکر کے ساتھ وہ اپنے ساتھی کیسیوس کی مدد کے لیے پہنچ سکتا تھا۔ اس طرح بروٹس اور کیسیوس دونوں مل کر آکٹویوس کے بعد مارک انتونی پر بھی مصیبت اور اذیت بن کر نازل ہوجائیں گے۔

انہی خطرات اور خدشات کے تحت مارک انتونی نے کیسیوس کے لشکر کا گھیراؤ اور قتل عام جاری رکھا، ساتھ ہی اس نے اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کرکے آکٹویوس کی مدد کے لیے بھی روانہ کردیا۔ اس طرح مارک انتونی کے لشکر کا ایک حصہ آکٹویوس کے لشکر میں شامل ہوا تو اس سے اس کے لشکر کے حوصلے بلند ہوگئے اور انہیں ایک طرح سے تقویت ملی۔ لہٰذا انہوں نے دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملے شروع کردیئے۔ مارک انتونی کے وہ لشکری جو آکٹویوس کے ساتھ آکر ملے تھے، ان کے حوصلے پہلے ہی بلند تھے۔ اس لیے کہ وہ اس سے پہلے کیسیوس کے لشکریوں کا قتل عام کررہے تھے۔ اب انہوں نے اپنا وہی انداز جاری رکھا تھا اور بروٹس کے لشکر کے اندر گھس کر ان کا قتل عام کرنے لگے۔ اس سے بروٹس کے لشکریوں کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ پیچھے ہٹنا شروع ہوگئے۔

اتنی دیر تک مارک انتونی نے اپنے مد مقابل کے لشکر کو مکمل طور پر شکست دے دی تھی۔ کیسیوس کے لشکر کی اکثریت مارک انتونی نے موت کے گھاٹ اتار دی تھی اور بہت کم لشکری اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے، جب کہ مارک انتونی نے کیسیوس کو بھی میدانِ جنگ میں موت کی نیند سلا دیا تھا۔ کیسیوس اور اس کے لشکریوں کا خاتمہ کرنے کے بعد مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ انتہائی خونخواری اور خوفناک انداز میں حرکت میں آیا۔ وہ اپنے ساتھی جرنیل آکٹویوس کی مدد کے لیے بڑھا۔ اس وقت تک آکٹویوس اور بروٹس کے درمیان جنگ اپنے عروج پر تھی۔ عین اس موقع پر مارک انتونی بھی اپنے لشکر کے ساتھ آکٹویوس کے ساتھ آن ملا۔ جس کی بناء پر بروٹس کے لشکر کے اندر فوراً پسپائی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ پھر ایسا ہوا کہ آکٹویوس اور مارک انتونی نے بروٹس کے لشکر کو دو سمتوں سے گھیر لیا اور کیسیوس کی طرح اس کے لشکر کا بھی قتل عام شروع کردیا۔ اس طرح بروٹس کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بروٹس بھی جنگ میں لڑتے لڑتے مارک انتونی کے لشکریوں کے ساتھ مارا گیا۔ اس طرح مارک انتونی اور آکٹویوس نے نا صرف یہ کہ اس بغاوت کو فرو کردیا بلکہ انہوں نے جولیس سیزر کے دونوں قاتلوں بروٹس اور کیسیوس سے جولیس سیزر کے قتل کا انتقام بھی لے لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

فلپی کے مقام پر بروٹس اور کیسیوس کو شکست دینے کے بعد مارک انتونی اور آکٹویوس نے آپس میں ایک صلح نامہ طے کیا۔ اس صلح نامے نے اٹلی کے اندر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انقلاب برپا کردیا اور وہ یہ کہ فلمی میں بروٹس اور کیسیوس کو شکست دینے کے بعد مارک انتونی اور آکٹویوس یہ خیال کرنے لگے تھے کہ صرف ان دونوں نے اٹلی کی حفاظت کی ہے اور تیسرے جرنیل لیپڈیوس نے جو اس وقت اسپین میں تھا اٹلی کی حفاظت کے لیے کوئی حصہ نہیں لیا۔ لہٰذا دونوں جرنیلوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد لیپڈیوس کو قطعی طور پر نظر انداز کردیا۔ سلطنت اور مقبوضہ جات کو از سر نو آپس میں تقسیم کیا۔ اس نئی تقسیم کے باعث اٹلی سے باہر سارے مشرق کا حکمران مارک انتونی کو تسلیم کرلیا گیا۔ جب کہ مارک انتونی نے اٹلی سسلی اور شمال میں گال قبائل کے سارے علاقے آکٹویوس کی حکمرانی میں دے دیئے تھے جب کہ تیسرے جرنیل لیپڈیوس کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے ہسپانیہ ہی میں پڑا رہنے دیا گیا تھا۔

اس معاہدہ کے تحت آکٹویوس اپنے لشکر کے ساتھ واپس اٹلی چلا گیا۔ جب کہ مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف بڑھا۔

دوسری طرف مصر کی ملکہ قلوپطرہ کو بھی اپنے شوہر جولیس سیزر کے مارے جانے کی خبر ہوچکی تھی اور اسے یہ بھی خبریں مل چکی تھیں کہ اب آکٹویوس اور مارک انتونی کے درمیان معاہدہ ہوچکا ہے۔ جس کے تحت مشرق کا حکمران مارک انتونی ہوگا۔

قلوپطرہ شاید جولیس سیزر کے بعد اب مارک انتونی کو پسند کرنے لگی تھی۔ اس لیے کہ وہ اس سے پہلے بھی روم میں مارک انتونی سے کئی ملاقاتیں کرچکی تھی۔ قلوپطرہ کے مارک انتونی کو پسند کرنے کی دو وجوہات تھیں۔

ایک یہ کہ مارک انتونی جولیس سیزر کا رشتہ دار تھا اور دوسرے یہ کہ مارک انتونی جولیس سیزر ہی کی طرح دلیر بہادر اور جنگجو جرنیل تھا۔ حد سے بدترین حالات میں بھی وہ حوصلہ ہارنے والا نہیں تھا، چنانچہ قلوپطرہ کو جب خبر ہوئی کہ مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوچکا ہے تو قلوپطرہ نے مصر سے نکل کر شاندار انداز میں مارک انتونی کا استقبال کرنے کا ارادہ کیا۔

اس کے لیے قلوپطرہ نے ایک بہترین اور نئے بحری جہاز کا انتخاب کیا، جس کے اندر انتہائی خوبصورت لڑکیاں رکھی گئی تھیں جو نا صرف یہ کہ اس جہاز کے چپو چلاتی تھیں، جو خالص چاندی کے بنے ہوئے تھے بلکہ اس جہاز کے اندر یہ لڑکیاں قلوپطرہ کا دل بہلانے کے لیے موسیقی اور رقص کا بھی اہتمام کرتی تھیں۔

جہاز کے اندر قلوپطرہ کا دل خوش کرنے کے لیے ہر وقت خوشبوئیں بکھیری جاتی تھیں، اس حالت میں قلوپطرہ سفر کرتی ہوئی طرسوس کے مقام پر مارک انتونی سے جاملی۔

مصر کی ملکہ قلوپطرہ جب مارک انتونی کے پاس پہنچی تو مارک انتونی اس سے مل کر بے انتہا خوش ہوا۔ چنانچہ دونوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی اور اس گفتگو کے دوران مارک انتونی کو جب یہ احساس ہوا کہ قلوپطرہ تو اسے دل کی گہرائیوں سے پسند کرنے لگی ہے تو وہ قلوپطرہ کے حسن، اس کی خوبصورتی میں ایسا کھو گیا کہ ہر چیز کو بھول گیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی ہر دل عزیز بیوی نام جس کا فرویہ تھا اسے بھی فراموش کرگیا۔ جسے وہ دل و جان سے پسند کرتا تھا۔ ان حالات کے بعد مارک انتونی نے مصر کی ملکہ قلوپطرہ سے شادی کرلی اور ملکہ کے ساتھ وہ مشرق میں دادِ عیش دینے لگا تھا۔

اس طرح مارک انتونی قلوپطرہ کے ساتھ قیام کیے رہا اس دوران قلوپطرہ کے بطن سے مارک انتونی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اس دوران روم میں ایک تبدیلی رونما ہوئی اور وہ کچھ اس طرح کہ مارک انتونی کو یہ خبریں ملنے لگیں کہ آکٹویوس اسے ہر چیز سے محروم کرکے اکیلا اٹلی اور اس کے مقبوضہ جات کا واحد حکمران بننا چاہتا تھا۔

مارک انتونی کو جب یہ خبریں ملیں تو وہ بڑا برہم ہوا، لہٰذا اس نے اپنے دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے گا اور آکٹویوس کو اپنے سامنے زیر کرکے وہ اٹلی اور اس کے مقبوضہ جات کا واحد حکمران

ذمہ دار ہوگا۔

دوسری طرف آکٹویوس کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ مارک انتونی اس کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف کوچ کرچکا ہے۔ اس موقع پر مارک انتونی کی بیوی اور مصر کی ملکہ قلوپطرہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے آکٹویوس نے بھی اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا تھا اور برنڈیوسم شہر کے پاس آکر اس نے پڑاؤ کرلیا تھا۔ مارک انتونی کو بھی آکٹویوس کی نقل و حرکت کے متعلق ساری خبریں مل رہی تھیں۔ لہٰذا اس نے بھی ان میدانوں کا رخ کیا، جہاں آکٹویوس اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ چنانچہ اپنے لشکر کے ساتھ مارک انتونی آگے بڑھا اور آکٹویوس کے لشکر کے سامنے جانمودار ہوا۔ آکٹویوس برنڈیوسم میں محصور ہوگیا۔

شہر کے پاس پہنچتے ہی مارک انتونی نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ آکٹویوس نے اپنی طرف سے محاصرے کو توڑنے کی پوری کوشش کی۔ پے در پے مارک انتونی کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ہوئے اسے پسپا ہونے پر مجبور کیا، لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔

آکٹویوس نے جب دیکھا کہ وہ کسی طرح بھی مارک انتونی کو برنڈیوسم شہر کا محاصرہ ترک کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا تب اسے اپنی طاقت اور قوت کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے جان لیا کہ اگر یہ محاصرہ طول پکڑ گیا تو یقیناً مارک انتونی اس شہر کو فتح کرلے گا اور اس شہر کی فتح کے بعد اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہوجائیں گے اور پھر وہ ایک کے بعد دوسرا شہر فتح کرتا ہوا اٹلی کے مرکزی شہر روم میں داخل ہوگا۔ اور اسے تاج و تخت سے ہمیشہ محروم کرکے رکھ دے گا۔ ان خدشات کے پیش نظر آکٹویوس نے مارک انتونی سے صلح کی گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔

قاصدوں کے ذریعے مارک انتونی اور آکٹویوس کے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ آکٹویوس نے مارک انتونی کو یہ پیشکش کی کہ وہ نا صرف یہ کہ مارک انتونی کو بھاری رقم ادا کرے گا بلکہ اسے کچھ لشکری بھی مہیا کرے گا جو مشرق میں انتونی کی فتوحات کا دائرہ بڑھانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ اس کے علاوہ آکٹویوس کی ایک بہن تھی نام اس کا اوکٹاویا تھا۔ یہ اٹلی میں اپنی خوبصورتی اپنے حسن اور اپنی جسمانی ساخت کی کشش کی وجہ سے بے حد مشہور اور نامور تھی۔ آکٹویوس نے مارک انتونی کو یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ اس کے خلاف جنگ بند کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اپنی بہن اوکٹاویا کی شادی بھی مارک انتونی سے کردے گا۔

مارک انتونی نے آکٹویوس کی ان شرائط کو قبول کرلیا دونوں جرنیل اپنے لشکر کے ساتھ روم شہر پہنچے۔ وہاں مارک انتونی کی شادی آکٹویوس کی بہن اوکٹاویا سے کردی گئی۔ چند ماہ تک انتونی نے روم ہی میں قیام کیا اور اپنی نئی شادی کا وہ جشن مناتا رہا۔ اس سے پہلے ہی مارک انتونی نے جنگ کے خطرات کے پیش نظر اپنی بیوی قلوپطرہ اور اپنے بیٹے اور بیٹی کو واپس مصر روانہ کردیا تھا۔ روم میں قیام کرنے کے بعد مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف چلا گیا۔ اس کے چند ہی دن بعد مغرب میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور وہ اس طرح کہ رومن جرنیل پمپی کا ایک اور بیٹا نام جس کا سیکٹوس تھا۔ یہ جولیس سیزر کے قتل میں شامل خیال کیا جاتا تھا۔ جولیس سیزر کے قتل کے بعد یہ سیکٹوس بھاگ کر افریقہ چلا گیا تھا۔ وہاں یہ اندر ہی اندر کام کرتا رہا اور لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد اس نے خوب قوت پکڑی اور ایک بہت بڑا لشکر بھی تیار کرلیا۔ افریقہ سے نکل کر آخر وہ سسلی میں داخل ہوا، وہاں بھی اس نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اس طرح افریقہ اور سسلی میں بظاہر آکٹویوس ہی کی حکومت تھی، لیکن اندر ہی اندر لوگ سیکٹوس سے ڈرتے ہوئے اس کا کہا ماننے لگے تھے۔

یوں طاقت اور قوت پکڑنے کے بعد یہ سیکٹوس حرکت میں آیا اور اٹلی کے لیے اس نے افریقہ اور سسلی سے اناج کی ترسیل بند کرادی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روم میں اناج مہنگا ہوگیا اور آہستہ آہستہ اناج کی کمی کی وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ سیکٹوس نے ایسا دو وجوہات کی بناء پر کیا تھا۔

اول یہ کہ اٹلی کی حکومت پر اپنی اہمیت جتانا چاہتا تھا۔ افریقہ اور سسلی سے اناج بند کر کے اس نے اٹلی کے حکمرانوں پر ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ان کے مقابلے میں وہ بھی کوئی طاقت اور قوت رکھتا ہے اور ایسا کرنے کے لیے دوسری وجہ یہ تھی کہ ہر شخص چونکہ جولیس سیزر کا قاتل خیال کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اناج بند کر کے اس نے ایک طرح سے اٹلی کی حکومت کو یہ تنبیہ بھی کی تھی کہ جولیس سیزر کے قاتل کی حیثیت سے اس کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تو وہ اس طرح اناج بند کر کے اٹلی میں رہنے والے لوگوں کو بھوکوں بھی مار سکتا ہے۔

آکٹویوس کسی بھی صورت پمپی کے بیٹے سیکٹوس کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے خطرہ اور خدشہ ہو گیا تھا کہ اگر اس نے پمپی کے بیٹے کے ساتھ جنگ کی ابتدا کی تو ہو سکتا ہے پمپی کے بیٹے کے ہاتھوں اسے شکست ہو جائے اور اگر یہ جنگ کسی نتیجے کے بغیر بھی ختم ہو گئی تب بھی سیکٹوس افریقہ اور سسلی سے اناج بند کر کے اٹلی میں رہنے والے لوگوں کو بھوکوں مار سکتا ہے۔ یہ کارروائی بھی آخر آکٹویوس کی شکست پر منتج ہو گی۔

اس صورتِ حال کے تحت آکٹویوس نے سیکٹوس کے ساتھ صلح صفائی کی گفت و شنید کی آخر کار آکٹویوس اور سیکٹوس کے درمیان صلح ہو گئی اور وہ کچھ اس طرح کہ آکٹویوس نے پمپی کے بیٹے سیکٹوس کو پانچ سال کے لیے افریقہ اور سسلی میں لشکریوں کا کماندار تسلیم کر لیا اور دوسرے یہ کہ آکٹویوس نے سیکٹوس کی اس کمانداری کو تقویت پہنچانے کے لیے روم سے ایک خاصی بڑی رقم بھی اسے فراہم کر دی تھی۔

دوسری طرف مارک انتونی اس وقت اپنی حسین اور خوبصورت بیوی قلوپطرہ کے ساتھ مصر میں مقیم تھا۔ اسے جب آکٹویوس اور سیکٹوس کے اس معاہدے کی خبر ہوئی تو اسے پھر بڑا غصہ آیا۔ وہ اس بات پر بڑا برہم تھا کہ سیکٹوس کے ساتھ کوئی معاہدہ طے کرتے وقت اس کے ساتھ کوئی صلاح مشورہ نہیں کیا گیا۔

دوسرے یہ کہ سیکٹوس کیونکہ جولیس سیزر کا قاتل تھا۔ لہٰذا اسے کسی بھی صورت میں افریقہ اور سسلی میں لشکریوں کا کماندار تسلیم کر کے اس کی مدد نہیں کرنی چاہتی تھی۔ مارک انتونی نے ان دو امور پر بار بار آکٹویوس سے وضاحت طلب کی۔ لیکن جب آکٹویوس نے اس کوئی مناسب جواب نہ دیا تو مارک انتونی پھر اپنے لشکر کے ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف بڑھا تا کہ آکٹویوس اور سیکٹوس دونوں کی سرکوبی کرے۔

دوسری طرف آکٹویوس کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ مارک انتونی مشرق سے ایک جرار لشکر لے کر مغرب کی طرف کوچ کر چکا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے لشکر کو تیار کر اور ٹرنٹوم شہر کے باہر آ کر خیمہ زن ہوا۔ آکٹویوس کسی بھی صورت مارک انتونی سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنے لشکر کے ساتھ ٹرنٹوم آ کر اس لیے خیمہ زن ہوا تھا کہ مارک انتونی اسی راستے سے روم کا رخ کر رہا تھا وہاں پڑاؤ کر کے آکٹویوس اس کے استقبال کا اہتمام کر چاہتا تھا اور جو غلط فہمیاں ان میں تھیں انہیں وہ رفع کر چاہتا تھا۔ اس لیے کہ مارک انتونی اب اس کا دور کا رشتہ دار نہ رہا تھا بلکہ اس کا قریبی رشتہ دار تھا۔ کیونکہ مارک انتونی اس کی ہر دل عزیز بہن اوکٹاویا کا شوہر بھی تھا۔

اپنے لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے مارک انتونی ٹرنٹوم شہر کے قریب پہ تو اپنے لشکر کے ساتھ چند یوم تک صلاح مشورے کر رہا اور اس دوران مارک انتونی کی بیوی اور آکٹویوس بہن اوکٹاویا نے بہترین کردار ادا کیا۔ اس نے دونو کے درمیان صلح کرا دی۔ پھر دونوں نے پمپی کے سیکٹوس سے نبٹنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا۔ اس لشک کماندار ایک جرنیل اگریپا کو مقرر کیا گیا تھا۔ اگیر لشکر لے کر روم سے روانہ ہوا۔ پہلے اس نے سسلی میں پمپی کے بیٹے سیکٹوس کو شکست دی۔ سسلی میں شکست کھانے کے بعد سیکٹوس نے سسلی خالی کر دیا اور اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ وہ افریقہ کی طرف بھاگ گیا

وہاں جا کر پھر اس نے اپنی طاقت اور قوت مستحکم کرنی شروع کر دی۔ لیکن رومن جرنیل اگیریپا سسلی سے نکل کر اس کے تعاقب میں افریقہ پہنچا۔ وہاں بھی اگیریپا اور پمپی کے بیٹے سیکٹوس کے درمیان ایک ہولناک جنگ ہوئی، جس میں سیکٹوس کو بدترین شکست ہوئی اور یوں سیکٹوس نے آکٹویوس اور مارک انتونی کے لیے جو خطرات کھڑے کیے تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ اگیریپا سے شکست کھانے کے بعد پمپی کا بیٹا سیکٹوس اپنی جان بچا کر بھاگ گیا اور کہیں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

انتونی اور آکٹویوس کے درمیان ساری غلط فہمیاں رفع ہو چکی تھیں۔ دونوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ آنے والے پانچ سال کے لیے دونوں پہلے سے حاصل شدہ اپنے اپنے علاقوں کے اندر پر امن رہیں اور ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اس صلح کی خوشی میں مارک انتونی نے ایک سو بیس بحری جنگی جہاز آکٹویوس کو مہیا کیے تا کہ آنے والے دنوں میں روم کے خلاف اگر کوئی بغاوت کرے تو وہ ان ایک سو بیس جنگی جہازوں کے ساتھ دفاع کر سکے جواب میں آکٹویوس نے مارک انتونی کو عمدہ قسم کے سواروں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر مہیا کیا تا کہ اس لشکر کی مدد سے وہ ایرانیوں کے خلاف حرکت میں آئے اور اپنی طاقت اور سلطنت میں وسعت اور قوت پیدا کرے یہ معاہدہ ہونے کے بعد آکٹویوس حسب معمول اٹلی ہی میں رہ کر حکومت کرتا رہا جبکہ مارک انتونی اٹلی سے نکلا اور مصر میں اپنی بیوی قلوپطرہ کی طرف چلا گیا تھا۔

مصر میں قلوپطرہ کے پاس قیام کے دوران مارک انتونی نے ایرانی مملکت پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا اس نے اپنے قاصدوں کے ذریعے ایرانی مملکت کے حالات جاننے کے بجائے اپنے تیز رفتار قاصد آرمینیا کے نئے حکمران ارتاواسہ کی طرف روانہ کیے اور اس سے کہا کہ ایران پر حملہ کرنے کے لیے مارک انتونی کو کمک فراہم کرے۔

ارتاواسہ رومنوں سے خائف تھا اس لیے اس نے وعدہ کیا کہ وہ سات ہزار پیادہ اور چھ ہزار سوار ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لیے رومنوں کو مہیا کرے گا آرمینیا کے حکمران ارتاواسہ کا یہ جواب سن کر مارک انتونی بے حد خوش ہو گیا تھا پھر وہ ایران پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک لاکھ لشکر کو عمدہ قسم کی تربیت دینے لگا اس کے ایک لاکھ کے لشکر میں ساٹھ ہزار پیادہ رومن دس ہزار گال اور گرجستانی سوار اور تیس ہزار رومن تھے یہ تیزی سے حملہ آور ہونے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

مارک انتونی کو فوائد حاصل کرنے کے لیے ایران کی مملکت پر فی الفور حملہ آور ہونا چاہیے تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لیے کہ وہ قلوپطرہ کے حسن اور خوبصورتی میں ایسا محو تھا کہ اکثر و بیشتر وہ اس کے پاس سے اٹھتا ہی نہیں تھا لہٰذا اس نے وقت ضائع کیا اور بڑی تاخیر سے اپنے ایک لاکھ کے لشکر کو لے کر ایران کی طرف روانہ ہوا اس وقت تک ایرانی شہنشاہ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تیاریاں کر لی تھیں۔

آرمینیا کے حکمران ارتاواسہ نے مارک انتونی اور اس کے لشکریوں کا پر جوش خیر مقدم کیا تھا اور انتونی کو مشورہ دیا کہ اس وقت ایرانی لشکر دریائے فرات کے کنارے جمع ہے اور آذربائیجان کا حکمران ان کے ساتھ ہے اس لیے مارک انتونی کو آذربائیجان پر حملہ کر دینا چاہیے۔

مارک انتونی نے ارتاواسہ کے اس مشورے کو پسند کیا اور اس کے مشورے کے مطابق اس نے آذربائیجان کا رخ کیا خود تو وہ بڑی تیزی سے آذربائیجان کے دارالحکومت پراسپا کی طرف بڑھا اور حکم دیا کہ فوجی دستے محاصرے کے آلات جو تین ہزار چھکڑوں پر لدے ہوئے تھے اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔

مارک انتونی کا خیال تھا کہ وہ پراسپا شہر پر اچانک حملہ آور ہو کر اسے ختم کرے گا لیکن اس کا خیال درست نہ ہوا یہاں اسے مجبوراً محاصرے کے آلات کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔

دوسری طرف ایران کا شہنشاہ بھی غافل نہیں تھا وہ فرات کا کنارہ چھوڑ کر دشمن کے پیچھے پیچھے ہو لیا ایران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شہنشاہ کو خبر پہنچ چکی تھی کہ مارک انتونی کے محاصرے کے آلات اس کے پیچھے پیچھے جارہے ہیں تو وہ اپنے لشکر کو لے کر ان پر حملہ آور ہوا جس قدر رومن سامان لے کر جارہے تھے ان سب کو ایرانی شہنشاہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان رومنوں کی تعداد لگ بھگ دس ہزار تھی اس طرح محاصرے کے سارے آلات پر ایرانی شہنشاہ نے قبضہ کرلیا۔

اس صورتِ حال سے رومن سخت پریشان ہوئے ادھر آرمینیا کے حکمران ارتا واسہ کو جب ایرانیوں کے ہاتھوں رومن لشکر کی تباہی کی خبر ملی تو اسے خطرہ ہوا کہ کہیں رومنوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں شکست نہ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو رومنوں کو شکست دینے کے بعد ایرانی اس پر حملہ آور ہو کر اسے بھی نیست و نابود کرنے کی کوشش کریں گے لہٰذا وہ اپنا لشکر لے کر الگ ہوگیا اور آرمینیا واپس چلا گیا۔

مارک انتونی نے جب محسوس کیا کہ پراسپا کو فتح کرنا آسان نہیں اور یہ کہ محاصرے کے آلات پر دشمن کا قبضہ ہوگیا ہے اور خوراک باقاعدہ مہیا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے پراسپا کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کردیا اب اس کے سامنے صرف دو ہی صورتیں تھی۔

اوّل یہ کہ اردمیا کے علاقے کی چراگاہوں کی طرف نکل جائے اور اپنے لشکر کو محفوظ کرے دوئم یہ کہ وہ تبریز کے کوہستانی دامن میں جا کر پناہ لے اور اپنے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کرے لیکن اردمیا کے چراگاہوں میں پہلے ہی ایرانی پہنچ کر قبضہ کر چکے تھے اس لیے مارک انتونی نے تبریز کے کوہستانی سلسلوں کا رخ کیا۔

ایرانیوں کو جب خبر ہوئی کہ مارک انتونی نے اپنے لشکر کے ساتھ تبریز کے کوہستانی سلسلوں کا رخ کیا ہے تو انہوں نے رومنوں کا پیچھا کیا اور تیسرے روز رومن لشکر کے اردگرد انہوں نے گھیرا ڈال لیا تین ماہ تک ایرانیوں نے رومنوں کو گھیر کر ان کا قافیہ تنگ کیے رکھا۔

وہاں سردی کی شدت تھی رومنوں کو خوراک اور پانی میسر آنے کی بڑی دشواری تھی جس کی وجہ سے ان کے تقریباً آٹھ ہزار لشکری لقمۂ اجل بن گئے۔

یہاں سے مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ جوں توں کر کے نکلا اور دریائے اراکسا کے کنارے جا پہنچا اس طرح دریا کو پار کر کے وہ ایرانیوں کی دسترس سے محفوظ ہوگیا تو دوسری طرف ایران کے شہنشاہ نے بھی اب رومنوں کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہی غنیمت جانا کہ دشمن ایران کی حد سے نکل چکا ہے رومن لشکر ایرانیوں کی دسترس سے تو باہر ہوگیا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ کسی گرم علاقے میں پہنچتا ان کے آٹھ ہزار اور لشکری راستے کی صعوبتیں اٹھاتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر گئے۔

بددلی کے باوجود مارک انتونی مایوس نہیں ہوا وہ کسی نہ کسی طرح یہ مہم شروع کرنا چاہتا تھا اس لیے فوری وجہ یہ پیدا ہوئی کہ آذربائیجان کا حکمران ایرانی شہنشاہ سے ناراض ہوگیا۔ اس لیے کہ اس سے مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں ناانصافی ہوئی تھی چنانچہ اس نے ایران کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیا اس وقت تک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ مصر پہنچ چکا تھا اور اپنی محبوبہ قلوپطرہ داد عیش دیتے ہوئے دن گزار رہا تھا۔

ان حالات میں آذربائیجان کے حکمران نے سکندریہ شہر میں انتونی کے پاس اپنے سفیر بھجوائے اور ایرانیوں کے خلاف اس نے مدد طلب کی مارک انتونی ایسے موقع کی تلاش ہی میں تھا چنانچہ اس نے آذربائیجان کے حکمران کی مدد کرنا قبول کرلیا اپنے لشکر کے ساتھ وہ مصر سے نکلا اور آرمینیا کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ وہ سب سے پہلے آرمینیا کے حکمران ارتا واسہ کو سزا دینا چاہتا تھا اس لیے کہ گزشتہ جنگ میں ارتا واسہ ایرانیوں کے خوف سے مارک انتونی سے علیحدہ ہوگیا تھا۔

دوسری طرف آرمینیا کے حکمران ارتا واسہ کو بھی خبر ہوگئی کہ مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کررہا ہے لہٰذا اس کی آمد سے قبل ہی اس نے

اپنی جنگی تیاریوں کو مکمل کرلیا آرمینیا کے مرکزی شہر کے باہر آرمینیا کے حکمران ارتا واسہ اور مارک انتونی کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی اس جنگ میں ارتا واسہ کو شکست ہوئی اور مارک انتونی کو فتح نصیب ہوئی۔

اس فتح کے نتیجے میں مارک انتونی نے آرمینیا میں اپنے لشکر کے ساتھ خوب لوٹ کھسوٹ کی اور وہاں اپنے فوجی دستے متعین کر کے واپس مصر چلا گیا۔

دراصل اسے ایران کی طاقت اور قوت کا احساس ہوگیا تھا اور وہ ایران کے ساتھ ٹکراتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

دوسری طرف ایرانی حکمرانوں نے مارک انتونی کی ان ساری کارروائیوں کو جو اس نے اب تک کی تھیں ناپسند کیا جب مارک انتونی اپنے لشکر کے ساتھ واپس چلا گیا تو ایرانی شہنشاہ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اس نے رومنوں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا تہیہ کیا پہلے اس نے سیڈیا کا رخ کیا اور وہاں کے لشکر کو شکست دے کر ایران کے شہنشاہ نے آرمینیا کا رخ کیا آرمینیا میں مارک انتونی نے جس قدر رومن دستے مقرر کیے تھے انہیں بھی ایران کے شہنشاہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ کو گرفتار کرلیا اس طرح ایرانی شہنشاہ نے آرمینیا کو رومنوں کے تسلط سے نکال کر ایک بار پھر آزاد قرار دے دیا تھا۔

ایران کا شہنشاہ اب لگاتار رومن مفادات کو نقصان پہنچا رہا تھا کہ آرمینیا میں اس نے رومنوں کا خوب قتلِ عام کیا سیڈیا کی حکومت جو رومنوں کی ہمنوا تھی اس پر بھی حملہ آور ہو کر اسے زیروزبر کر کے رکھ دیا تھا اس طرح مشرق کے ان علاقوں میں ایرانی شہنشاہ کی قوت کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔

دوسری طرف مارک انتونی کی یہ حالت تھی کہ ان سارے حالات کی خبریں اس تک پہنچ رہی تھیں لیکن وہ مصر میں سکندریہ کے اندر اپنی بیوی قلوپطرہ کے ساتھ دادِ عیش دیتا رہا قلوپطرہ نے نہ جانے اس پر کیا سحر کیا جادو کردیا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اب اس سے جدا ہونے کے متعلق سوچ نہ سکتا تھا اپنے اس قیام کے دوران انتونی نے قلوپطرہ سے وعدہ کیا کہ عنقریب وہ روم میں آکٹویوس کے خلاف حرکت میں آئے گا اسے وہ بدترین شکست دے گا اور سارے رومن علاقوں کا مرکزی شہر قلوپطرہ کے شہر سکندریہ کو قرار دے گا۔

چنانچہ مارک انتونی کی یہ باتیں اور خبریں اٹلی میں بھی پہنچنا شروع ہوگئیں اس وقت تک آکٹویوس اٹلی میں بڑی شہرت اور قوت حاصل کرچکا تھا لہٰذا ان باتوں کو سہارا بناتے ہوئے آکٹویوس نے رومن عوام اور سینٹ کے ممبران کو مارک انتونی کے خلاف کرنا شروع کردیا تھا۔

چنانچہ ان حالات کے تحت سینٹ کے ممبران نے مارک انتونی کی طرف تیز رفتار قاصد بھجوائے اور اسے حکم دیا کہ وہ قلوپطرہ کو چھوڑ کر فی الفور واپس روم آئے لیکن مارک انتونی نے قلوپطرہ کو چھوڑنے سے بھی انکار کردیا اور واپس روم جانے سے بھی اس نے انکار کردیا جس کے جواب میں سینٹ نے مارک انتونی اور قلوپطرہ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔

اس اعلان جنگ کے نتیجے میں جب رومن لشکر کو تیار کیا گیا تو رومن بری افواج کا سپہ سالار خود آکٹویوس مقرر ہوا جبکہ بحری بیڑے کا کمانڈر ایگریپا کو بنایا تھا جبکہ ایک اور سالار میتاس کو آکٹویوس کی غیر موجودگی میں اٹلی میں رکھا گیا تاکہ وہ اٹلی میں رہ کر نظم و نسق پر نگاہ رکھے۔

اس طرح آکٹویوس اپنے بری لشکر اور ایگریپا اپنے بحری بیڑے کے ساتھ مارک انتونی اور قلوپطرہ کی سرکوبی کے لیے مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف مارک انتونی اور قلوپطرہ کو بھی خبریں مل گئی تھیں کہ رومنوں کا بحری بیڑہ ایگریپا کی سرکردگی میں اور بری لشکر آکٹویوس کی سرکردگی میں ان کی طرف بڑی تیزی سے پیش قدمی کررہا ہے لہٰذا وہ دونوں میاں بیوی حرکت میں آئے اور آکٹویوس اور ایگریپا کا مقابلہ کرنے کے لیے مغرب کی طرف بڑھے۔

اس سے پہلے مارک انتونی نے یہ کام کیا کہ اپنی بیوی اوکٹاویا جو کہ آکٹویوس کی بہن تھی اسے طلاق بھیج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی تھی۔ مارک انتونی کی اس حرکت سے رومنوں کے دلوں میں اس کے خلاف اور نفرت پیدا ہوگئی دوسری طرف آکٹویوس اور زیادہ شدت کے ساتھ مارک انتونی کے خلاف حرکت میں آنے پر تل گیا تھا۔

یونانیوں کے شمالی ساحل کے قریب ساموس اور لوکاس نام کے جزیروں کے آس پاس دونوں لشکریوں کا مقابلہ ہوا ایک طرف مارک انتونی اور قلوپطرہ کا بحری بیڑہ تھا دوسری طرف ایگریپا کا بحری بیڑہ تھا دونوں قوتیں آپس میں ٹکرائیں اس موقع پر قلوپطرہ اپنے شوہر مارک انتونی کے پہلو با پہلو حصہ لے رہی تھی۔

جنگ کے دوران قلوپطرہ کو یہ خوف اور خدشہ پیدا ہوا کہ اگر جنگ میں اسے اور مارک انتونی کو شکست ہوئی تو رومن اسے گرفتار کر کے اٹلی لے جائیں گے اور اسے بدترین موت ماریں گے اس خیال کے آتے ہی قلوپطرہ چوری چھپے ایک تیز رفتار جہاز میں بیٹھی اور میدان جنگ چھوڑ کر مصر کی طرف بھاگ گئی۔

مارک انتونی کو جب پتا چلا کہ اس کی محبوبہ قلوپطرہ جنگ کے نتائج سے گھبرا کر میدانِ جنگ چھوڑ کر مصر بھاگ گئی ہے تو اس نے بڑی حماقت اور بیوقوفی کا مظاہرہ کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ میدان جنگ میں موجود رہتا اور اپنے لشکریوں کے حوصلے اور ان کے فتح مندی کا باعث بنتا اس نے جنگ میں اپنے لشکر کی راہنمائی اور راہبری کرنے پر قلوپطرہ کی محبت کو ترجیح دی چنانچہ وہ بھی میدانِ جنگ سے نکلا اور ایک دوسرے جہاز میں بیٹھ کر قلوپطرہ کے پیچھے پیچھے مصر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

قلوپطرہ نے مارک انتونی پر کچھ سحر کر دیا تھا کہ مارک انتونی اس سے علیحدہ اور جدا رہنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا لہٰذا میدانِ جنگ کو وقت کے حوالے کرتا ہوا مارک انتونی تیز رفتار جہاز میں بیٹھ کر قلوپطرہ کے پیچھے پیچھے سکندریہ کی طرف چلا گیا۔

مارک انتونی کے اس فیصلے کا یہ نتیجہ نکلا کہ بحری جنگ میں رومن جرنیل ایگریپا نے مارک انتونی کے بحری بیڑے کو بدترین شکست دی جبکہ خشکی پر مارک انتونی کے لشکر کو آکٹویوس کے ہاتھوں شکست اور پسپائی نصیب ہوئی۔ اس طرح یونان کے شمال میں ساہس اور لوکاس جزیروں کے آس پاس مارک انتونی کے خلاف آکٹویوس کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ اس فتح کے بعد آکٹویوس نے اپنے جرنیل ایگریپا کو بحری بیڑے کے ساتھ اٹلی واپس بھیج دیا جبکہ وہ خود مارک انتونی اور قلوپطرہ کے خلاف فیصلہ کن انداز میں حرکت میں آنے کے لیے آگے بڑھا اور سوریا شہر کے قریب اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

اس دوران مارک انتونی اور قلوپطرہ نے اپنے کچھ قاصد آکٹویوس کی طرف روانہ کیے اور اس کی ہمدردی اور حمایت حاصل کرنا چاہی۔ لیکن آکٹویوس نے کسی بھی طرح ہمدردی کا مظاہرہ اور ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر قلوپطرہ کو مزید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر آکٹویوس نے اپنے لشکر کے ساتھ مصر کی طرف پیش قدمی کی اور مارک انتونی کو شکست ہوئی تو آکٹویوس اس کا بڑا برا انجام کر کے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

لہٰذا ایک رات اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر ایک بحری جہاز تیار کیا اس کا ارادہ تھا کہ مصر سے صحرائے عرب کی طرف بھاگ جائے گی اور اپنی زندگی کے باقی دن گمنامی میں بسر کر دے گی لیکن اس کے اس ارادے کی خبر مارک انتونی کو ہو گئی اور مارک انتونی نے اسے صحرائے عرب کی طرف بھاگ جانے سے روک دیا اس کے بعد ایسا ہوا کہ دونوں میاں بیوی نے رونما ہونے والے حالات سے مایوس ہو کر خودکشی کر لی تھی اس طرح قلوپطرہ اور اس کا شوہر مارک انتونی اپنے انجام کو پہنچے۔

☆☆☆

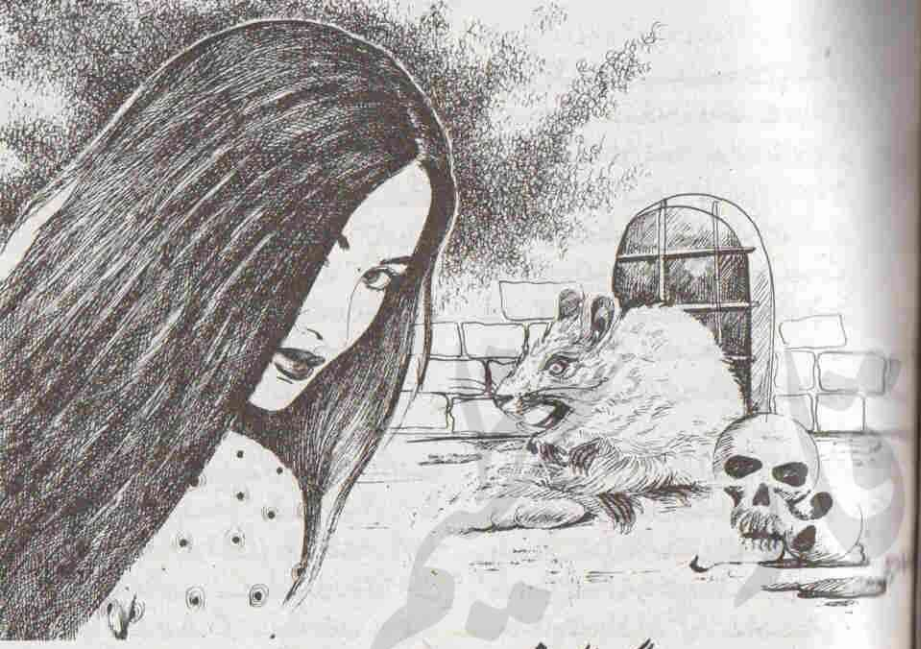

چمگادڑ کا خون

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

سپر اسٹور کے ایک الماری میں اچار جام اور جیلی کے بوتل پڑے تھے۔ منیجر چند منٹ پہلے ہی دیکھ کر گیا تھا مگر جب وہ دوبارہ اس جگہ واپس آیا تو الماری کے قریب ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی اس نے منیجر سے کچھ کہا جسے سن کر منیجر حواس باختہ ہوگیا.....

دل و دماغ پر سحر طاری کرتی ایک بھیانک.....انوکھی پراسرار اور دہشت ناک تحریر

سیاہ لباس میں ملبوس وہ منحنی سی بوڑھی عورت عموماً بدھ کے روز سہ پہر کے وقت اپنی الو جیسی چھوٹی چھوٹی کالی آنکھوں سے چیزوں کو گھورتے ہوئے اس شاپنگ اسٹور میں نظر آجاتی تھی۔ اس کے چہرے پر سب سے نمایاں چیز اس کی طوطے جیسی مڑی ہوئی ناک تھی اور وہ ہر بدھ کو اپنے معمول کے مطابق ٹھیک وقت پر اس اسٹور میں نمودار ہوتی۔

وہ ہمیشہ اپنی خریداری کے بدلے نقد رقم ادا کرتی، اس نے کبھی بھی کریڈٹ کارڈ یا چیک استعمال نہ کیا تھا لہٰذا اسٹور انتظامیہ نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ اس کا اتا پتہ اور شناخت دریافت کی جاتی۔ اس کی شخصیت اتنی عجیب اور منفرد تھی کہ خریداری کرنے کے بعد جب وہ ادائیگی کرنے کے لئے کیش کاؤنٹر پر آتی تو کیشیئر اس کی طرف براہ راست دیکھنے سے اجتناب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے، ہمیشہ نظر چرا جاتے۔ صرف اس وقت جب وہ اپنے پرس میں سے رقم نکال رہی ہوتی تو وہ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ لیتے۔ اگر کبھی غلطی سے کسی کی نظر اس کی نظر سے مل جاتی تو اس کو اپنا دماغ گھومتا محسوس ہوتا۔ وہ جب بھی خریداری کے لئے آتی ایک ہی شکوہ کرتی۔ ''کاش اس اسٹور کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس کے گاہک کیا خریدنا چاہتے ہیں۔''

سنیل ایک تجربہ کار سیلز مین تھا اور وہ گزشتہ چھ ماہ سے اس اسٹور میں کام کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ اس بڑھیا کو دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں مسکراتا۔ ایک روز جب وہ بڑھیا اپنے سامان کی ٹرالی ایک کونے میں روک کر خود سامان اٹھا کر اسٹور سے باہر جانے لگی، سنیل مزاحیہ انداز میں اپنے ساتھی ملازم سے بولا۔ ''مجھے تو یہ بڑھیا کم اور پرانی فلموں کی جادوگرنی زیادہ لگتی ہے، مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ واپس جانے کے لئے یہ کوئی سواری استعمال نہیں کرے گی بلکہ ابھی اپنا جادوگرنیوں والا جھاڑو نکالے گی اور اس پر بیٹھ کر اڑ جائے گی۔''

اٹھائیس سالہ رام گوپال اس اسٹور کا نوجوان منیجر تھا جو تھوڑا عرصہ پہلے ہی ایک بڑے شہر سے یہاں ٹرانسفر ہوا تھا۔ اس کی شہرت ایک نہایت سخت گیر منیجر کی تھی اور وہ اس اسٹور کو بھی ایک ڈکٹیٹر کی طرح چلا رہا تھا۔ اس کو ڈسپلن کا خبط تھا۔ اس نے بڑھیا کے متعلق سنیل کی یہ بات سن لی۔ الفاظ سنتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا اور وہ سنیل کو شانے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے چیخا۔

''بہت ہو چکی..... میں تمہیں گاہکوں سے مذاق اور ان کی تحقیر کی اجازت نہیں دے سکتا بے شک وہ بڑھیا عجیب ہے..... مگر قابل عزت ہے۔''

سنیل نے شرم سے سر جھکا لیا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''مجھے افسوس ہے مسٹر گوپال میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

گوپال نے غصیلی نگاہوں سے اس کو گھورا اور بولا۔ ''آئندہ ایسی حرکت نہ ہو..... اب جاؤ اور اپنا کام کرو۔''

سنیل چپ چاپ وہاں سے کھسک لیا۔

گوپال نے دیکھا بڑھیا اسٹور کے باہر کھڑی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کھنکھار کر پھر خاموشی سے واپس اپنے دفتر کی طرف چلا آیا۔

ایک ہفتے بعد گوپال اسٹور کے پچھلے حصے میں خشک مچھلیوں کے ڈبوں کو ترتیب سے رکھوا رہا تھا کہ کسی نے اس کا کندھا آہستگی سے تھپتھپایا۔ مڑ کر دیکھا تو وہی طوطے کی ناک والی عجیب بڑھیا کھڑی تھی۔

''کیا تم یہاں کے منیجر ہو؟'' بڑھیا نے اطمینان سے پوچھا۔

گوپال کی نظر اس کے عجیب ناک پر جم گئی جو کسی رس بھرس کی طرح لال اور پھولی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس پر سے اپنی نظر ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی سحر کا شکار ہو رہا ہے۔ اس نے اپنی اس حالت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بڑھیا کی بات کا جواب دینا چاہا تو ہکلا کر رہ گیا۔

''ہاں..... ہاں..... میں ہی ہوں۔''

''نوجوان!..... کیا تم..... میرے لئے مینڈک کے پنجوں کے کچھ ڈبوں کا بندوبست کر سکتے ہو؟''

اس کی ناک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے گوپال بمشکل اس کی بات سن پایا۔ جب اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے تو وہ پوچھنے لگا۔

''کیا..... کیا کہا آپ نے.....؟''

''نوجوان میں پوچھ رہی تھی کہ کیا تم میرے لئے مینڈک کے پنجوں کا بندوبست کر سکتے ہو؟'' بڑھیا نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر دوبارہ پوچھا۔ گوپال اپنی سوچوں کو مجتمع نہیں کر پا رہا تھا، اس کو بس وہی پھولی ہوئی ناک نظر آ رہی تھی۔ اس کا ذہن جیسے مسمریزم کا شکار ہو رہا تھا اس لئے وہ کوئی جواب نہ دے پایا اس نے دوبارہ بڑھیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اس اسٹور پر میری ضرورت کی ہر چیز میسر اور

مہیا نہیں ہے۔ لگتا ہے مجھے اپنی خریداری کے لئے کسی اور اسٹور کا انتخاب کرنا پڑے گا۔'' بڑھیا نے مایوسی سے سر ہلایا اور راہداری میں واپس مڑ گئی۔

''خدایا..... وہ جتنی بدصورت ہے اتنی ہی خبطی بھی ہے۔'' گوپال نے سوچا۔

جونہی گوپال کا دماغ اس کے اپنے قابو میں آیا، اس کو اپنے رویے پر حیرت ہوئی اور وہ اس بڑھیا کے پیچھے لپکا، جو ڈبہ بند خوراک والے سیکشن کی طرف مڑ گئی تھی اور اب ایک شیلف کے سامنے رک کر اپنی پسند کی چیزیں اور ڈبے اٹھا کر اپنی ٹرالی میں رکھ رہی تھی۔ اس نے مڑ کر ایک نظر گوپال پر ڈالی اور کیش کاؤنٹر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

گوپال چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا حتیٰ کہ ادائیگی کے بعد وہ باہر کی طرف چل دی۔

گوپال مڑا اور اس شیلف کے سامنے جا کھڑا ہوا جہاں سے اس بڑھیا نے خریداری کی تھی۔ وہاں چٹنیوں اور اچار وغیرہ کے کین جار اور ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ وہ جھک کر ان پر چپکے لیبل پڑھنے لگا۔ ایک لیبل پر نظر پڑتے ہی اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''یہ کیا مذاق ہے.....'' وہ تقریباً چیخ اٹھا۔

ایک چھوٹے کین پر لکھا تھا ''خشک چمگادڑ کا خون.....''

ایک دوسرا جار عجیب قسم کے پیلے رنگ کے محلول سے بھرا ہوا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے ذرے تیر رہے تھے اور اس پر لکھا تھا۔ ''چھپکلی کی آنکھیں.....''

یہ سب ڈبے اچار کے ڈبوں کی طرح ہی تھے اور ایک بہت ہی مشہور کمپنی کے تیار کردہ تھے۔ مگر اس سے پہلے ان پر یہ لیبل تو لگے ہوئے نہیں تھے۔ اس نے ان پر لکھے الفاظ بلند آواز میں دہرانے شروع کر دیے۔ ہر ایک پر مختلف نام درج تھا۔ ''مینڈک کی زبان، چوہے کی کریم۔ مکڑے کے جالے کا سوپ، بھنے ہوئے ٹڈے.....'' کیا واہیات نام تھے۔

گوپال اسٹور کے کسی ملازم کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ سب کسی کا مذاق ہے۔ مگر آس پاس کوئی نہ تھا، وہ وہاں بالکل تنہا کھڑا تھا۔

غصے سے وہ کیش کاؤنٹر کی طرف لپکا، وہاں سے مائیک اٹھایا اور تقریباً چیختے ہوئے پکارا..... ''مادھو یہاں آؤ.....''

مادھو، اچار چٹنیوں کے سیکشن کا انچارج کا نام تھا، گوپال کی دھاڑ سنتے ہی وہ گھبرا گیا اور پریشانی کے عالم میں بھاگم بھاگ کیش کاؤنٹر پر پہنچا۔

''خیریت..... مسٹر گوپال..... آپ ٹھیک تو ہیں نا.....؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟'' گوپال تلملا اٹھا۔

''آپ مائیک میں بری طرح چلا رہے تھے۔'' وہ نوجوان دھیمی مگر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

گوپال نے اپنے آس پاس دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ اسٹور میں موجود گاہک اور اسٹور کے دوسرے ملازمین اسی کی طرف متوجہ ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اس نے اپنے تاثرات درست کیے اور مادھو کو بازو سے پکڑ کر اس شیلف کی طرف مڑ گیا جہاں سے اس بڑھیا نے خریداری کی تھی اور اب وہاں عجیب و غریب لیبل والے کین اور جار پڑے ہوئے تھے۔

''مجھے بتاؤ اس کا کیا مطلب ہے؟..... یہ اس شیلف میں کیا واہیات چیزیں پڑی ہیں اور یہ کہاں سے آئی ہیں.....؟'' گوپال نے اپنی آواز دباتے ہوئے غصیلے انداز میں مادھو سے پوچھا۔

مادھو تھوڑا سا آگے بڑھا اور اس نے جھک کر شیلف میں جھانکنا شروع کر دیا پھر مڑ کر منیجر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر الجھن نمایاں تھی۔

''کیا ہوا سر.....؟ یہاں تو سب ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے..... یہ دیکھو.....'' گوپال آگے بڑھا ایک ڈبے پر جھپٹ کر اسے اٹھا لیا، لیکن اب وہاں صرف عام سے اچار اور کیچپ کے ڈبے تھے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے شیلف میں ادھر ادھر ہاتھ مارے، وہ پریشان تھا کہ عجیب ناموں کے لیبل والے ڈبے کہاں گئے۔ یہیں تو اس نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر اب تو وہاں اسٹور کی عام روزمرہ کی چیزیں پڑی تھیں۔

گوپال کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اسے ہر چیز گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا مسٹر گوپال.....؟" مادھو نے پریشان ہو کر پوچھا۔

ہاں..... نہیں..... ہاں..... مادھو میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے آفس میں کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے، مجھے تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے، اگر کسی کو میری ضرورت ہو تو بلا لینا....." منیجر کا رنگ اڑ چکا تھا وہ مڑا اور لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے دفتر کی طرف چلا گیا، مادھو اسے سہارا دے رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اگلے چند روز ہر کسی نے گوپال کے رویے میں تبدیلی کو محسوس کیا۔ اس کا غصہ کہیں گم ہو چکا تھا اور اس کا لہجہ بھی اب پہلے جیسا پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ اس کی زبان پر گویا تالا لگ گیا تھا کسی سے زیادہ بات نہ کرتا اور اگر بولتا بھی تو عموماً اس کے جملے بے ربط ہوتے اور وہ سارا دن شیلفوں کے درمیان گھومتا اور کچھ تلاش کرتا رہتا۔

اگلے بدھ کو گوپال اپنے دفتر کی کھڑکی میں کھڑا اسٹور کا معائنہ کر رہا تھا کہ اسے پھر وہی طوطے کی ناک والی بڑھیا اسٹور میں داخل ہوتی نظر آئی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ایک سیکشن کی طرف بڑھی تو گوپال بھی پھرتی سے اپنے دفتر سے نکلا اور اس بڑھیا کے پیچھے لپکا، وہ بڑھیا دھیرے دھیرے چلتی اور ٹرالی دھکیلتے ہوئے اچار، چٹنیوں والے حصے میں داخل ہو گئی۔ گوپال بھی دبے پاؤں اس کے عقب میں تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچا تو بڑھیا ایک کین اٹھا چکی تھی اس کی پشت گوپال کی طرف تھی اور نظریں ڈبے پر جمی ہوئی تھی مگر اسے نجانے کیسے احساس ہو گیا اور وہ گوپال کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"کیا تم جانتے ہو..... چمگادڑ کا خون کھانے کا ذائقہ بڑھا دیتا ہے.....؟"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟" گوپال بوکھلا کر ایک دم آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے ڈبہ چھین لیا جس پر لکھا تھا۔ "خشک چمگادڑ کا خون۔"

اس بار ثبوت اس کے ہاتھ میں تھا اب اس کو بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ خوشی اور جیت کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی اس نے ڈبے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور زوردار آواز میں چیخا..... "مادھو....."

منیجر کی چیخ سنتے ہی مادھو گرتا پڑتا، گولی کی رفتار سے اس کے پاس پہنچا۔ "یس مسٹر گوپال.....؟"

گوپال کے چہرے پر فتح کی خوشی تھی اس نے خشک چمگادڑ کے خون والا ڈبہ مادھو کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"دیکھو..... یہ ہے وہ چیز جس کے متعلق میں تمہیں اس دن بھی بتا رہا تھا اور تم مان نہیں رہے تھے..... یہ چیز ہمارے اسٹور میں آئی کہاں سے.....؟"

مادھو نے ڈبے کو غور سے دیکھا اور پھر اسے واپس منیجر کو تھما دیا اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوف تھا۔

"سر اس کین کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟..... یہ تو ایک عام سا فالسے کی چٹنی کا کین ہے۔"

"کیا مطلب.....؟" منیجر چیخ اٹھا اور کین کو ہوا میں لہراتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ چمگادڑ کا خون ہے۔ اس بڑھیا نے بھی مجھے یہی کہا ہے..... خود ہی پوچھ لو اس بڑھیا سے۔"

"کس بڑھیا سے سر.....؟" مادھو نے حیرت سے پوچھا۔

گوپال نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا پھر اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔ چند لمحے پہلے جس بڑھیا کے ہاتھ سے اس نے چمگادڑ کے خون والا کین پکڑا تھا وہ اب گدھے کے سر سے سینگ کی طرح کہیں غائب ہو چکی تھی اور اس وقت صرف وہ اور مادھو دونوں وہاں اس شیلف کے پاس کھڑے تھے۔

"کہاں گئی وہ.....؟" گوپال نے چلا کر

کہا۔

"کون.....؟" مادھو کے لہجے میں حیرت تھی۔

گوپال نے قہر آلود نظروں سے اس بری طرح سے مادھو کو گھورا کہ بیچارہ سہم کے رہ گیا۔

"وہ طوطے جیسی ناک والی چڑیل، جادوگرنی بڑھیا، کہاں ہے؟" گوپال بری طرح چیخ رہا تھا۔

مادھو خوف کے مارے الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ "میں نہیں جانتا آپ کس کے بارے میں بات کر رہے ہیں جناب؟....." پھر وہ ایک دم پلٹا اور وہاں سے بھاگ لیا۔

گوپال جھنجھلا گیا اور مڑ کر دوبارہ اس شیلف کا جائزہ لینے لگا مگر اب وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہ تھا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ ایک دم مڑا اور بیرونی دروازے کی طرف دوڑتے ہوئے چلانے لگا۔ "اس بڑھیا کو روکو..... وہ باہر نہ جانے پائے....."

اسٹور میں موجود تمام گاہک اور ملازمین خوف زدہ ہو گئے تھے اور ڈر کر ادھر ادھر سمٹنے لگے۔ گوپال مسلسل چلا رہا تھا۔

"دیکھو..... کہاں ہے وہ بڑھیا..... اسے بھاگنے مت دینا۔"

مادھو، سنیل اور دوسرے بہت سے لوگ گوپال کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے انہوں نے بمشکل تمام اس کو تھاما اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس کے آفس میں لے گئے۔

☆.....☆.....☆

گوپال کو ایک نفسیاتی اسپتال میں بغرض علاج داخل کروا دیا گیا۔ وہ ہر وقت بڑھیا، جادوگرنی اور چمگادڑ کا خون جیسے الفاظ بڑبڑاتا رہتا۔ اس کی ذہنی حالت کے پیش نظر اسٹور کے مالکان کو اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے اس کو ملازمت سے بھی برخواست کر دیا تھا اور اس کی جگہ ایک مقامی شخص کو جو پہلے ہی سے اس اسٹور میں ایک اور عہدے پر کام کر رہا تھا ترقی دے کر منیجر مقرر کر دیا۔

اگلے بدھ کو طوطے کی چونچ جیسی ناک والی وہ بڑھیا اپنے مقررہ وقت پر ایک بار پھر اسٹور میں داخل ہوئی۔ نئے منیجر نے اسے اچار چٹنیوں کے سیکشن کی طرف جاتے دیکھا تو وہ اس کے پیچھے لپکا اور اس بڑھیا کو پکارتے ہوئے کہنے لگا۔

"رام رام..... چندرا!..... کیا حال ہے تمہارا؟"

"کیسے ہو تم ایشمت!..... اور تمہاری نئی ملازمت کیسی جا رہی ہے؟....." بڑھیا نے کھلکھلا کر پوچھا۔

"بہت عمدہ..... بہت مزا آ رہا ہے، تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے....." ایشمت کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ "میرا مقصد پورا ہو گیا ہے..... یہ انسان بھی اس دھرتی پر عجیب چیز ہے جانتا ہے مگر مانتا نہیں ہے۔"

"بے وقوف ہیں یہ..... ان کو بھی اپنی خوراک میں چمگادڑ کا خون شامل کرنا چاہئے۔ یہ کھانے کا ذائقہ بڑھاتا ہے تم تو جانتے ہی ہو نا....." بڑھیا بولی تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

نئے منیجر نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ "میں خود یہی چاہتا ہوں اور میرے پاس اور بہت سے اچھے آئیڈیاز ہیں آس پاس کو بدلنے کے لئے۔"

"کیا تمہارے اسٹور میں خار پشت کا پاستہ ہے؟" بڑھیا کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"یقیناً....." نئے منیجر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا..... "اور اس کے ساتھ ساتھ موٹے خرگوش مار کی خشک کھوپڑی، سبز گھونگے کی جیلی اور زہریلے سیب بھی دستیاب ہیں۔"

"واہ مزا آ گیا....." چندرا ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

اس نے منیجر کا بازو تھاما اور آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ "شام کو گھر آنا، میں نے تمہارے لئے بندر کے مغز کی کھیر بنائی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

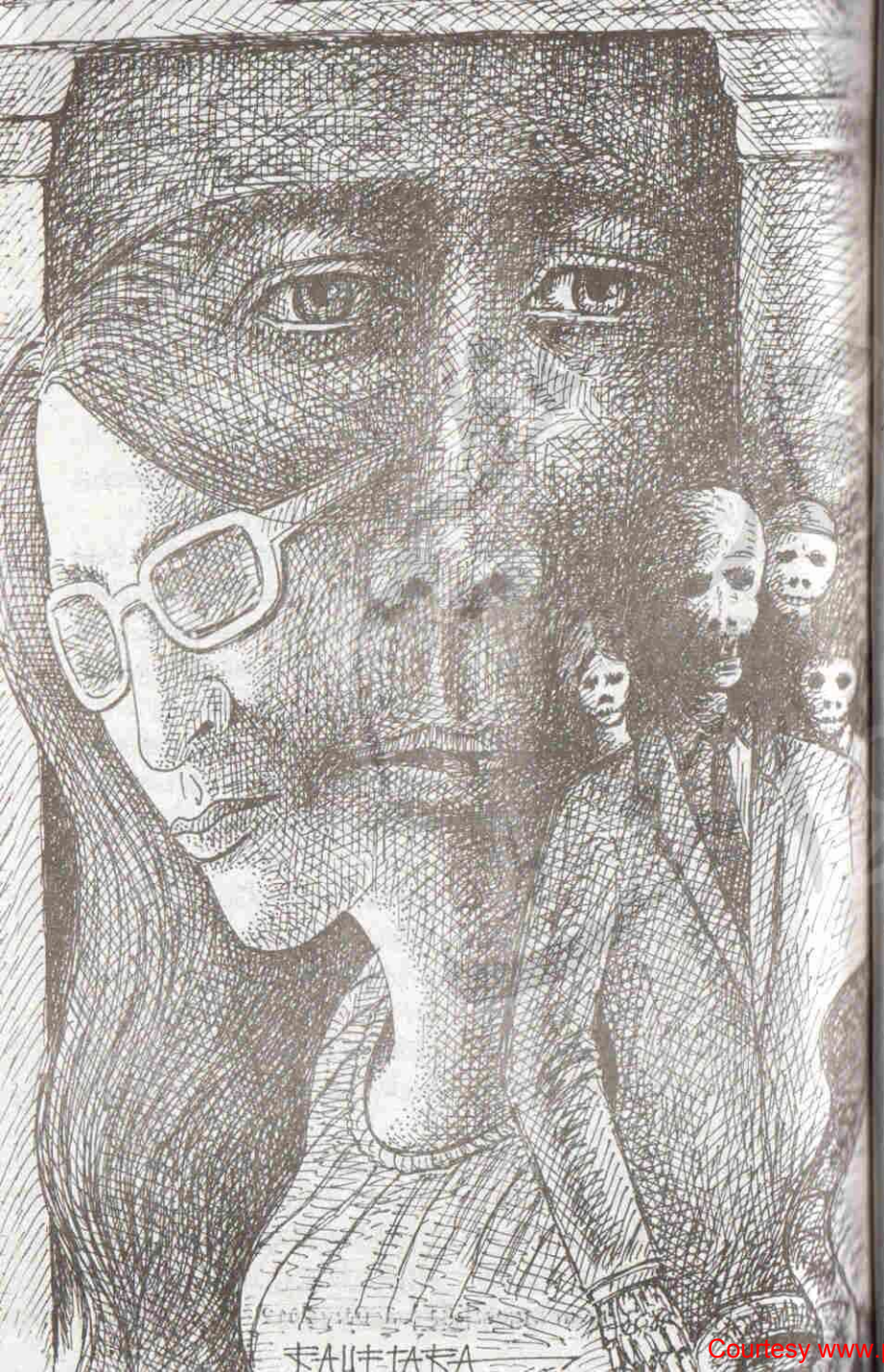

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر:80

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

وہ کافی دیر تک چودھویں کے چاند کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اوپر کو اٹھایا اور سیدھی انگلی چاند کی طرف کئے رکھی کہ اچانک اس نے اپنی انگلی ٹیڑھی کر لی اور معنی خیز مسکراہٹ سے مسکراتا ہوا چھت سے نیچے اتر گیا۔ اس نے رات کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملوادی تھی۔ کھانا کھاتے ہی دونوں باپ بیٹی بے ہوش ہو گئے، اس نے آدھی رات کے وقت لڑکی کو اپنے آدمیوں سے اٹھوالیا اور ساتھ ہی باپ کو بھی۔ لڑکی اس کے کمرے میں پہنچادی گئی اور پھر اس نے لڑکی کی عزت لوٹ لی اور لڑکی کے شور مچانے پر لڑکی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ صبح کے وقت باپ بیٹی دونوں کی لاشیں ایک کھائی میں کٹی پھٹی ملیں اور اس واقعہ کا سارا الزام نامعلوم لٹیروں پر ڈال دیا گیا۔ راجندر نے پونم کے ساتھ بھی ایسا ہی ظلم کیا۔ پونم کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھانے کے بعد موت سے ہمکنار کر دیا۔ اس کی ساتھی چاندنی کی عزت سے راجندر کے کارندے کھیلتے رہے اور پھر چاندنی کو بھی مار دیا گیا۔ دونوں کی لاشیں بوری میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں۔ پونم اور چاندنی کی آتماؤں کو شنکر داس اپنے ساتھ آتما حویلی میں لے گیا۔ شنکر داس نے رولوکا کو بتایا کہ ہم نے راجندر کی آتما کو بھی اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ میرا مشورہ ہے۔ مہا پرش تمہیں کہ تم راجندر کے پریوار سے ہٹ جاؤ، نہیں تو تمہیں نقصان ہوگا۔ اس حرامی، ظالم اور پاپی راجندر نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا۔ سنیل کو ہر حال میں مرنا ہے لیکن تم نے میری بات بھی ماننی ہے کہ تم آتما حویلی میں ضرور آؤ، تمہیں آتما حویلی میں آنا پڑے گا ہم دکھیاری آتماؤں کا حال جاننے کے لئے تمہیں ہمارے راستے سے ہٹنا پڑے گا نہیں تو ہم تمہیں عبرت کا نشان بنا دیں گے۔ میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ اگر سنیل اور اس کے پریوار کو بچا سکتے ہو تو بچالو۔ رولوکا رعب دار آواز میں بولا۔ شنکر داس میں تمہارا چیلنج قبول کرتا ہوں اور میں کل آتما حویلی میں ضرور آؤں گا اور اگر تم میں ہمت ہے تو سنیل کو مزید تکلیف دے کر دیکھو، کل میں آتما حویلی میں آؤں گا..... میرا انتظار کرنا۔

(اب آگے پڑھیں)

رولوکا مہیش سے بولا۔ ”آپ لوگ کسی قسم کی بھی فکر نہ کریں، میں نے سنیل پر سوار شنکر داس کی آتما سے وعدہ کر لیا ہے اور میں کل آتما حویلی ضرور جاؤں گا، میرے ساتھ آپ، سنیل، آپ کے پتا اور تین افراد بھی چلیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ان تمام آتماؤں سے آخری مرتبہ بات چیت ہوگی۔“

باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ سنیل کسمسا کر اٹھ بیٹھا، وہ اپنی آنکھیں مسلنے لگا اور پھر بولا۔ ”بھیا! مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے کچھ کھانے کو دیں۔“ یہ سنتے ہی مہیش نے کمرے میں موجود ایک شخص سے بولا۔

”جلدی سے جا کر سنیل کے لئے کھانا لے آؤ۔“

رولوکا آگے بڑھا اور سنیل سے بولا۔ ”اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ کوئی فکر کی بات نہیں اوپر والے نے چاہا تو کل کے بعد تمہاری طبیعت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہو جائے گی۔ میں نے اپنے دماغ میں اٹل فیصلہ کر لیا ہے کہ کل ان تمام آتماؤں سے فیصلہ کن بات ہوگی، اگر وہ سب مان گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ .....“ اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”بھگوان کرے ایسا ہی ہو، حکیم صاحب آپ ہمارے لئے بھگوان کے کسی اوتار سے کم نہیں ہیں، میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ہماری نسل رہتی دنیا تک اور پھر جب بھی ہم جنم لیں گے آپ کا احسان مانتے رہیں گے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم سارے خاندان والے سسک سسک کر مر جاتے، کوئی ہمارا نام لیوا باقی نہ بچتا۔ کیا آپ کل تک یہیں رہیں گے، میں آپ کے لئے مہمان خانہ کھلوا دیتا ہوں۔"

"نہیں میں رک نہیں سکتا، میں چلا جاؤں گا اور کل وقت مقررہ پر آجاؤں گا، یہ میری ڈیوٹی ہے آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

رولوکا سے مہیش بولا۔ "جیسی آپ کی خوشی۔"

"اچھا تو پھر مجھے اجازت دیں اور حویلی کے باہر تک مجھے چھوڑ دیں۔" رولوکا بولا۔

"مہیش بابو، مہیش بابو، شرفو چاچا آئے ہیں، بہت گھبرائے ہوئے اور پریشان لگ رہے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بھی نکل رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ مجھے ترنت مہیش بابو سے ملنا ہے۔" دروازے پر باہر کھڑے ہیں۔" ایک ملازم نے آکر بتایا۔

یہ سن کر رولوکا نے مہیش سے پوچھا۔ "شرفو چاچا کون ہیں اور کیا بات ہے کہ بہت پریشان ہیں؟ تم ان سے فوراً ملو اور اگر کوئی تکلیف میں ہیں تو ان کی مدد کرو، یہی انسانیت ہے، جو دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ تو اوپر والا اس کی مدد کرتا ہے۔"

"شرفو چاچا، دراصل ان کا نام تو شرف الدین ہے مگر گاؤں والے انہیں شرفو چاچا کہتے ہیں کافی عمر رسیدہ ہیں، چلئے آپ کو باہر چھوڑتا ہوں اور پھر ان سے بھی پوچھتا ہوں کہ کیا بات ہے؟ وہ بھی باہر دروازے پر کھڑے ہیں، آپ کے سامنے ہی میں ان سے حال احوال معلوم کر لیتا ہوں کہ کیا مسئلہ ہے؟" مہیش نے رولوکا سے کہا۔

"ٹھیک ہے چلو۔" رولوکا مہیش کے ساتھ حویلی کے مین دروازے سے باہر آگیا۔

جب دونوں باہر آئے تو مہیش کو دیکھتے ہی ایک عمر رسیدہ شخص جو کہ شرف الدین تھے۔ مہیش کا ہاتھ پکڑ کر گڑگڑانے لگے تو مہیش بولا۔ "چاچا خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔"

"مہیش بابو کل رات سے اچانک سعیدن کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے، وہ اپنے آپے میں نہیں ہے اور اول فول بک رہی ہے، کئی بار باہر بھاگنے کے لئے زور لگا چکی ہے لہٰذا ہم نے اسے رسیوں سے باندھ رکھا ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ اس پر کوئی ضدی جن سوار ہوگیا ہے۔ وہ مردانی آواز میں بولنے لگی ہے۔ میری پھول سی بچی کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے، کل اپنی سہیلیوں کے ساتھ آم کے باغ میں گئی تھی۔ وہاں سے واپسی پر وہ گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

مسجد کے مولوی صاحب کو میں بلا کر لے آیا تھا۔ مولوی صاحب نے پانی پر دم کر کے اس پر چھڑکا تو وہ مزید بپھر گئی اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں، غصہ کی وجہ سے اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اس کے بال ایسے کھڑے ہوگئے جیسے بال نہ ہوں بلکہ لمبے لمبے تنکے ہوں، اور آگے بڑھ کر مولوی صاحب کو گلے سے پکڑ لیا اور جھٹکے دینے لگی۔

ہم نے بہت زور لگا کر مولوی صاحب کو اس کی گرفت سے چھڑایا، اگر ہم نہیں چھڑاتے تو شاید مولوی صاحب کو اس نے گلا گھونٹ کر مار دینا تھا۔

پھر گرجدار مردانی آواز میں بولی۔ "مولوی فوراً یہاں سے بھاگ جا نہیں تو تجھے موت کے گھاٹ اتار دوں گا، تیری ہمت کیسے ہوئی کہ تو مجھے ہٹانے کے لئے آگیا۔ میرا تعلق قوم جنات سے ہے۔ یہ لڑکی مجھے پسند آگئی ہے میں کسی صورت بھی اسے نہیں چھوڑ سکتا، یہ کل شام کے وقت آم کے باغ میں گئی تھی، اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے، مجھے اس کے بال بہت اچھے لگے، اور پھر جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو اس کی خوبصورتی اور معصوم شکل دیکھ کر میں اپنا حواس کھو بیٹھا، یہ مجھے بہت اچھی لگی، مولوی جس راستے آیا ہے چلا جا نہیں تو تیری خیر نہیں۔"

یہ سنتے ہی مولوی صاحب فوراً چلے گئے اور جاتے جاتے بولنے لگے۔ "شرف الدین یہ معاملہ میرے بس کا نہیں آپ کسی پہنچے ہوئے کو بلا لیجئے گا۔"

"مہیش بیٹا تم سنیل کو دلی لے گئے تھے کسی حکیم صاحب کے پاس، میں نے سنا ہے کہ سنیل پر جو روح سوار تھی اب اس نے بولنا شروع کر دیا ہے اور اب سنیل کی طبیعت میں ٹھہراؤ آگیا ہے، میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ دلی والے عامل صاحب واقعی قابل ہیں، جن کی وجہ سے اتنے سالوں سے جس روح نے پریشان کر رکھا تھا اس سے کوئی بھی منہ نہیں کھلوا سکا لیکن دلی والے عامل صاحب نے اس کا منہ کھلوا دیا، مہیش بیٹا تم مجھے ان کا پتا بتا دو تاکہ میں دلی چلا جاؤں۔

دلی کوئی دور تو نہیں، تین گھنٹے کا راستہ ہے، بیٹی کا معاملہ ہے اور وہ بھی جوان بیٹی، میں عامل صاحب کے آگے گڑگڑاؤں گا تو یقیناً میرے بڑھاپے پر ترس کھاتے ہوئے ضرور میری سنیں گے۔"

شرف الدین کی باتیں سن کر مہیش نے رولوکا کی طرف دیکھا تو رولوکا نے اپنا سر ہلا دیا۔ رولوکا کی رضا مندی دیکھ کر مہیش بولا۔ "چاچا دلی والے عامل صاحب یہی ہیں جو میرے برابر میں کھڑے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ شرفو چاچا فوراً ہی رولوکا کے پاؤں پر جھک گئے تو رولوکا نے جھٹ ان کا کندھا پکڑ کر انہیں اوپر اٹھایا اور بولا۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

شرف الدین نے رولوکا کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھوں میں نمی لاتے ہوئے بولے۔ "جناب میرے بڑھاپے پر رحم کھاتے ہوئے میری مدد کریں، نہیں تو میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ جوان بیٹی کا مسئلہ ہے، میں تو زندہ درگور ہو جاؤں گا، یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ آپ یہیں پر مل گئے، میں دعا کے سوا کچھ اور تو نہیں دے سکتا، میں تاحیات احسان مند رہوں گا، اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔

آپ کی بہت مہربانی، چل کر میری بچی کو دیکھ لیں، اور اس اذیت ناک مصیبت سے چھٹکارا دلوا دیجئے۔"

رولوکا بولا۔ "آپ پریشان نہ ہوں، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں، مہیش تم بھی میرے ساتھ چلو، یہ بھی نیکی کا کام ہے، اچھا ہے کسی کی مصیبت میں کام آنا۔"

مہیش بولا۔ "چلئے میں چلتا ہوں، یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ آپ مل گئے، نہیں تو شرفو چاچا بہت پریشان ہوتے، بھگوان جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔" مہیش نے اپنے ساتھ اپنے دونوں ملازموں کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں بھی ساتھ ساتھ سب سے پیچھے چلنے لگے۔

چند منٹ میں یہ لوگ شرفو چاچا کے گھر پہنچ گئے۔ کیونکہ گھر زیادہ دور نہیں تھا، تیسری گلی میں تھا۔ وہاں پر لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔

شرفو چاچا کا بڑا بیٹا آگے بڑھا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "بابا سعیدن گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ اور گھر سے نکلتے ہی نہ جانے اتنی جلدی کس طرف گئی کہ نظر نہیں آئی ہم اس کے پیچھے ہی گھر سے نکلے تھے مگر اچانک ایسا لگا کہ اسے زمین نگل گئی ہو،

جس رسی سے اسے باندھا گیا تھا اچانک ساری رسیاں ٹوٹ کر ٹکڑوں کی شکل میں نیچے گر گئیں جیسے کہ کسی نے انہیں کاٹ دیا ہو۔ ہم نے سارا علاقہ چھان مارا ہے مگر کہیں بھی سعیدن کا پتا نہیں لگ رہا ہے۔"

یہ سنتے ہی شرف الدین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا اور حسرت بھری نگاہوں سے رولوکا کی جانب دیکھا تو رولوکا نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھ کر بولا۔ "آپ گھبرائیں نہیں، میں ابھی دیکھتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے، اور آپ کی بچی کس طرف گئی ہے؟ آپ کی بچی اپنے آپے میں نہیں ہے، وہ چونکہ ان دیکھی طاقت کے زیر اثر ہے، اور وہی طاقت اسے کسی طرف لے گئی ہے۔ آپ سکون سے بیٹھ جائیں اور بیٹھک کھول دیں تاکہ ہم بھی بیٹھ جائیں۔"

شرف الدین نے فوراً کہا اپنے بیٹے سے۔ "بیٹا بیٹھک کا دروازہ اندر جا کر کھول دو۔" یہ سنتے ہی بیٹا اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرف گیا اور فوراً ہی بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی شرف الدین نے رولوکا سے کہا۔ ”جناب تشریف لائیں، مہیش بیٹا تم اور یہ تمہارے بندے بھی اندر چل کر بیٹھیں۔“ یہ لوگ بیٹھک میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس جگہ کھڑے لوگ باہر ہی کھڑے رہے۔

کمرے میں دری بچھی تھی۔ رولوکا ایک طرف کو نے میں بیٹھ گیا اور پھر اس نے کمرے میں موجود شرف الدین، ان کا بیٹا مہیش اور اس کے دونوں ملازموں کو بھی بیٹھنے کا کہا تو وہ لوگ بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ رولوکا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا سر بھی ہلاتا رہا، ایسے کہ وہ شاید کسی سے ہم کلام ہو۔

اس حالت میں رولوکا نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر کو کیا اور شہادت کی انگلی سے اوپر ایک دائرہ سا بنایا اور پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ”تم فوراً جاؤ اور اپنے ساتھ جتنے بھی کارندے چاہو لے جاؤ۔“ رولوکا نے جاگتے الو کو خفیہ پیغام دیا تھا کہ فوراً جاؤ اور اپنے ساتھ جتنے خفیہ کارندے درکار ہیں لے جاؤ، اور لحہ لحہ کی خبر مجھے دیتے رہو۔“

رولوکا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بولا۔

”شرف الدین صاحب وہ بہت ضدی اور سرکش جن ہے، اس کی ضد اور نافرمانی کی وجہ کر اس کے قبیلہ والوں نے اسے قبیلہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ وہ بھٹکتا پھر رہا تھا، اسے کہیں اطمینان کی جگہ نہیں مل رہی تھی اور وہ آم کے باغ میں مقیم تھا کہ آپ کی بچی اس کی نظروں میں آ گئی۔ آپ گھبرائیں نہیں، میں نے اپنے کارندوں کو ڈیوٹی پر لگا دیا ہے۔

وہ کم بخت آپ کی بچی کو لے کر اپنے قبیلہ میں چلا گیا ہے، قبیلہ میں اس کے اپنے کچھ ہم خیال ساتھی موجود ہیں اور انہوں نے اسے پناہ دے دی ہے، اس معاملے کی خبر قبیلہ کے سردار کو نہیں ہے۔ آپ کی بچی واپس آ جائے گی، فکر نہ کریں۔“

رولوکا یہ بول کر مہیش کی طرف متوجہ ہوا۔ مہیش تمہیں تھوڑی سی تکلیف کرنی ہوگی، جب تک یہ معاملہ ٹھیک نہیں ہو جاتا تمہیں ہمارے ساتھ ہی ٹھہرنا ہے اور اپنے ان دونوں ملازموں کو بھی روکے رکھو، ان کی بھی ضرورت پڑے گی۔“

مہیش بولا۔ ”حکیم صاحب آپ کا حکم سر آنکھوں پر، آپ کے حکم پر میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں، جب تک میری یا میرے ملازموں کی ضرورت ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ حکم کریں، ہم ویسے بھی شرف چاچا کی بہت عزت کرتے ہیں، میں ہی کیا گاؤں کا ہر فرد شرف چاچا کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔“

”اس وقت دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ تقریباً ساڑھے تین چار بجے تک حل ہو جائے گا۔“

رولوکا شرف الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ ”شرف الدین صاحب جتنی جلدی ہو سکے ایک عدد گرم روٹی پکوائیں اور پھر اس روٹی پر دونوں طرف گھی اچھی طرح لگوا دیں، جب گھی لگ جائے تو فوراً میرے پاس لے آئیں۔“

یہ سنتے ہی شرف الدین فوراً گھر کے اندر گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے چند منٹ میں مطلوبہ روٹی لا کر رولوکا کے سامنے پلیٹ میں رکھ دی۔

رولوکا نے ایک چھری منگائی اور پھر روٹی کے چار ٹکڑے کر دیے۔ اور شرف الدین کے بیٹے سے بولا۔ ”گاؤں کی مسجد سے ہٹ کر جو بڑا درخت ہے اس کے پاس ایک خارش زدہ لہولہان کتا بیٹھا ملے گا، کتے کے جسم پر مکھیاں بھنک رہی ہوں گی، وہ بہت خونخوار انداز میں دیکھے گا اور بھونکتے ہوئے تم لوگوں کی طرف لپکے گا مگر کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر روٹی کا ایک ٹکڑا اس کے پاس پھینک دینا۔

روٹی کا ٹکڑا قریب گرتے ہی وہ آپے سے باہر ہو کر اتنا بھونکے گا کہ جیسے زمین و آسمان دہلنے لگیں مگر تم لوگ گھبرانا نہیں۔ وہ روٹی کو منہ نہیں لگائے گا اور پھر تھوڑی دیر میں وہ اپنے جسم پر بیٹھتی مکھیوں کو بھگانے میں

لگ جائے گا اور جب وہ چند منٹ کے لئے شانت ہو جائے تو روٹی کا دوسرا ٹکڑا اس کے پاس پھینک دینا۔

روٹی کا دوسرا ٹکڑا ابھی اپنے قریب گرتا دیکھ کر وہ تم لوگوں کی طرف بھونکتے ہوئے دوڑے گا مگر تھوڑی دور آ کر پھر اپنی جگہ پر پلٹ جائے گا۔ اور مٹی میں لوٹ لگانے لگے گا۔

پھر اپنی خونخوار نظروں سے تم لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش ہو جائے تو روٹی کا تیسرا ٹکڑا بھی اس کے قریب پھینک دینا۔ اس مرتبہ وہ کچھ زیادہ ہی خونخوار انداز میں تم لوگوں کے بہت قریب آ جائے گا مگر قریب آتے آتے وہ پھر پلٹ جائے گا۔ گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔

تم تین آدمی اس عمل میں شریک ہونا اور تینوں اپنے ساتھ سائیکل رکھنا یعنی تم تینوں الگ الگ سائیکلوں پر جانا۔

روٹی کے تیسرے ٹکڑے کو بھی وہ منہ نہیں لگائے گا، اس کے بعد روٹی کا چوتھا ٹکڑا اس کے سامنے پھینک دینا۔ روٹی کا چوتھا ٹکڑا پاس گرتے ہی وہ اس ٹکڑے کو منہ میں دبا کر ایک طرف سرپٹ بھاگنا شروع کر دے گا۔

تم تینوں اپنی اپنی سائیکلوں پر فوراً اس کے پیچھے لگ جانا۔ وہ اپنی پوری رفتار سے ویرانے کی طرف بھاگتا چلا جائے گا۔ بس تم لوگوں نے اس کا پیچھا کرنا ہے۔

ویرانے سے باہر چند درختوں کا ایک جھنڈ ملے گا۔ وہ ایک درخت کے قریب جا کر روٹی کو اس جگہ رکھ دے گا اور بہت ہی بپھرے ہوئے انداز میں درخت کے قریب زمین کو اپنے دونوں پنجوں سے کھرچنا شروع کر دے گا۔ اس کا انداز ناقابل یقین حد تک جارحانہ ہوگا۔ اور پھر اپنے پنجوں سے مٹی میں ایک گڑھا کھود کر اس گڑھے میں سما کر غائب ہو جائے گا۔

تم لوگوں نے تھوڑی دوری پر ٹھہر کر یہ سب دیکھنا ہے۔ کچھ بولنا نہیں ہے صرف کھڑے ہو کر اس طرف دیکھتے رہنا ہے۔ تھوڑی دیر تک ہم بھی تم لوگوں کے پاس آ جائیں گے۔“

ان تینوں نے اپنی اپنی سائیکل لے کر رولوکا کے سامنے کھڑے ہو گئے تو رولوکا نے چاچا شرفو کے بیٹے کو روٹی کے چاروں ٹکڑے دے دیئے اور بولا۔ ”اب تم تینوں اس جگہ فوراً پہنچو اور جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرنا۔ گھبرانا بالکل بھی نہیں۔ کہا تم لوگوں کو بہت زیادہ ڈرائے گا لیکن تم لوگوں کے قریب نہیں پہنچے گا۔ تھوڑی سی محنت تو ہے مگر نتیجہ حسب منشا نکلے گا۔ اب تم لوگ فوراً روانہ ہو جاؤ۔“

رولوکا کی بات سنتے ہی وہ تینوں اپنی اپنی سائیکلوں پر روانہ ہو گئے۔ ان تینوں میں ایک تو شرفو چاچا کا بیٹا اور باقی دو مہیش کے ملازم تھے۔

مہیش نے اپنے دونوں آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ”دیکھو چاہے جان چلی جائے مگر کسی طرح غفلت نہیں برتنا اور نہ ہی تم لوگوں سے شکایت ملے۔“

مہیش کی باتیں سن کر ان دونوں نے اپنے سینے کو ٹھونک کر کہا۔ ”مہیش بابو آپ کی بات ہماری جان سے زیادہ عزیز ہے، آپ فکر نہ کریں جیسا آپ نے کہا ہے ہم ویسا ہی کریں گے۔“

تینوں کے جانے کے بعد رولوکا مہیش سے بولا۔ ”مہیش اب تم اپنے گھوڑا گاڑی والے کو بلا لو تاکہ اس میں بیٹھ کر ہم بھی چلیں۔ بگھی میں ہم تینوں جائیں گے یعنی میں تم اور شرف الدین۔“

رولوکا کی بات سننے کے بعد مہیش تو گھوڑا گاڑی والے کو بلانے چلا گیا۔ شرف الدین اپنی جگہ پر سر جھکائے بیٹھے رہے اور رولوکا کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

پڑھائی کے درمیان رولوکا اپنا سر بھی ہلاتا جاتا تھا اور ساتھ ہی دائیں ہاتھ کی انگلی سے کچھ اشارے بھی کرتا رہا۔

دراصل رولوکا اپنے نادیدہ خفیہ کارندوں کو اس مقام تک بھیج دیا تھا جہاں کہ وہ ضدی جن اپنے قبیلہ میں شرف الدین کی بیٹی سعیدن کو لے گیا تھا۔

تھوڑی دیر میں مہیش آ گیا اور بولا۔ ”حکیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب میں بگھی والے کو لے آیا ہوں، آپ تشریف لے چلیں۔'' رولوکا بولا۔ ''ابھی نہیں تھوڑی دیر میں یہاں سے چلیں گے۔ یعنی جب وہ کتا روٹی کا ٹکڑا لے کر اس مقام کی طرف بھاگے گا جہاں اسے پہنچنا ہے۔ اور اس کے پیچھے وہ تینوں بھی جائیں گے۔ ابھی تم خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔''

مہیش ایک طرف ہو کر کونے میں بیٹھ گیا۔ بگھی والا باہر بگھی کے پاس ہی موجود رہا۔ گاؤں کے لوگ آہستہ آہستہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے کیونکہ رولوکا کے کہنے پر مہیش نے سب کو کہہ دیا تھا کہ ''آپ لوگ اپنے گھر چلے جائیں کیونکہ ابھی کئی گھنٹے لگیں گے۔ لیکن یہ پکی بات ہے کہ جس طرف سعیدن گئی ہے، وہ ہمیں ایک جگہ مل جائے گی، اور ہم اسے ساتھ لے کر آجائیں گے۔''

رولوکا بدستور اپنی آنکھیں بند کئے مصروف عمل رہا۔ کوئی پون گھنٹہ بعد اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بولا۔ ''مہیش اب چلنے کی تیار کریں۔'' رولوکا، شرف الدین اور مہیش کمرے سے باہر نکلے اور باہر آ کر بگھی میں بیٹھ گئے تو رولوکا نے ایک طرف بگھی والے سے چلنے کو کہا۔ ''بھائی گھوڑوں کو زیادہ تیز نہیں بھگانا، بس نارمل رفتار سے چلنا اور جب میں کہوں تو تیز بھگانا۔''

بگھی والا بولا۔ ''جی حضور! آپ کی مرضی کے مطابق گھوڑے چلتے رہیں گے۔ بگھی میں دو گھوڑے جتے ہوئے تھے جو کہ اپنے کوچوان کے اشارے پر اس طرف چلنے لگے جس طرف کوچوان نے اشارہ کیا تھا۔

روٹی لے کر جانے والے رولوکا کی بتلائی ہوئی جگہ جو کہ گاؤں کی مسجد کے قریب تھی۔ جب وہ تینوں اس درخت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ واقعی ایک کتا خارش زدہ بیٹھا تھا۔

کتے کی حالت بہت ہی دیگر گوں تھی۔ پورے جسم پر خارش تھی جسے کتا بہت بری طریقے سے اپنے منہ اور پنجوں سے کھجا رہا تھا۔ کھجانے کی وجہ سے اس کے جسم سے کئی حصے سے خون رس رہا تھا۔ ان تینوں کو اپنے سے تھوڑی دوری پر دیکھ کر اس نے گلا پھاڑ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ اس کی خونخوار آنکھیں دیکھ کر وہ تینوں دہل کر رہ گئے مگر انہیں پتا تھا کہ کتے کی یہ سب گیدڑ بھبکی ہے۔ کیونکہ رولوکا نے انہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔

شرفو چاچا کا بیٹا کمال نے فوراً ہی روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کے قریب پھینک دیا۔ ٹکڑے کا کتے کے قریب گرنا تھا کہ کتا آپے سے باہر ہو گیا اور غیض و غضب کی حالت میں بھونکنے لگا۔ وہ درخت کے سائے میں بیٹھا تھا۔ کتے کا بھونکنا اس زور کا تھا کہ قرب و جوار دہلتا ہوا لگنے لگا۔ اس کتے کی جسامت اور ڈیل ڈول عجیب طرح کا تھا، وہ عام کتوں سے بالکل الگ نظر آیا تھا۔ بے شمار مکھیاں اس کے جسم پر بھنک رہی تھیں اور وہ کھجا کھجا کر مکھیوں کو بھگانے کی کوشش کرتا مگر مکھیاں کہاں بھاگنے والی تھیں۔

کتے کی حالت ایسی تھی کہ کوئی بھی اس طرف سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ہر کوئی اس سے گھن کھاتے ہوئے اس کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ سے خون رستا نظر آ رہا تھا۔ پورے جسم پر خارش کی وجہ سے بال نہیں تھے جسم تو جسم بلکہ سر کے بال بھی اڑ چکے تھے۔

ان تینوں نے اپنی زندگی میں زخم اور خارش زدہ ایسا کتا نہیں دیکھا تھا۔ اس کتے کو دیکھ کر انہیں گھن بھی آ رہی تھی مگر حالات ہی ایسے تھے کہ اس سے تھوڑی دوری پر ٹھہرنا لازمی تھا۔

بھونکتے بھونکتے جب وہ ذرا شانت ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو کمال نے روٹی کا دوسرا ٹکڑا اس کے قریب پھینک دیا۔ روٹی کا دوسرا ٹکڑا قریب گرنا تھا کہ وہ بھونکتے ہوئے تیر کی طرح ان کی طرف بڑھا مگر آدھے راستے تک آتے آتے اس کی رفتار سست پڑ گئی اور پھر وہ اس جگہ کھڑے ہو کر بے تحاشہ بھونکتا رہا۔ اور پھر وہ درخت کے نیچے آ گیا مگر اس کی غضب ناک نظریں ان تینوں پر جمی رہیں۔ وہ چند منٹ بھوں بھوں کرتا رہا پھر بھوں بھوں کرنا چھوڑ کر شانت ہو گیا۔

رولوکا کے کہنے کے مطابق کمال نے روٹی کا

دوسرا ٹکڑا اس کے سامنے پھینک دیا۔ اب تو وہ غضبناک طریقے سے بھونکتے ہوئے ان کی طرف تیزی سے دوڑا۔ اس کا انداز اتنا خطرناک تھا کہ وہ تینوں ایک لمحہ کے لئے تو واقعی خوف کھا گئے، ان کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے مگر پھر جب انہیں خیال آیا کہ اس کا یہ انداز صرف انہیں بھگانے کے لئے ہے تو وہ اپنی جگہ ڈٹے رہے۔

کتا ان کے قریب آتے آتے اچانک ٹھٹک کر رک گیا جیسے کہ کوئی نادیدہ قوت نے اسے پکڑ لی ہو۔ وہ ایک جگہ کھڑے کھڑے خونخوار انداز سے بھونکتا رہ گیا اور پھر چند منٹ بعد اپنی جگہ پر چلا گیا، لیکن اپنی جگہ درخت کے نیچے جا کر جارحانہ انداز میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں مکھیوں نے اسے پریشان کرنا شروع کیا تو وہ اپنے جسم سے مکھیوں کو بھگانے میں لگ گیا۔ مکھیوں کو بھگانے کا اسکا عمل چند منٹ جاری رہا پھر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

کمال نے موقع غنیمت جان کر روٹی کا چوتھا ٹکڑا اس کے قریب پھینک دیا۔

ٹکڑے کا اس کے قریب گرنا تھا کہ اس نے وحشت ناک انداز میں ان تینوں کی طرف دیکھا اور پھر روٹی کے ٹکڑے کو منہ میں دبا کر ایک طرف کو بھاگنا شروع کر دیا۔

ان تینوں نے جب یہ دیکھا تو اپنی اپنی سائیکل پر سوار ہو کر اس کے پیچھے اپنی سائیکل کو بھگانے لگے۔ اس کتے کی دوڑ اتنی تیز تھی کہ وہ تینوں سائیکل بھگا بھگا کر بہت جلد ہانپنے لگے مگر مجبوری تھی، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق، پوری جسمانی طاقت لگا کر کتے سے تھوڑے فاصلے پر سائیکل کو دوڑاتے رہے۔

کتا سرپٹ ایک طرف کو بھاگتا جا رہا تھا، شدت کی گرمی، سورج سر پر، ان تینوں کی حالت بہت بری ہونے لگی مگر ہر حال میں اس کتے کے پیچھے لگے رہنا تھا۔ اور وہ تینوں جان توڑ کوشش کرتے ہوئے اس کے پیچھے لگے رہے۔

کتا گاؤں کے حدود سے نکل کر ویرانے کی طرف بھاگنے لگا مگر وہ تینوں بھی اس کے پیچھے لگے رہے۔ ویرانے سے تھوڑی دوری پر درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ کتا ایک درخت کے پاس جا کر رک گیا اور اس نے روٹی کا ٹکڑا زمین پر رکھ کر اپنے پنجوں سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا۔ وہ بہت تیزی کی حالت میں اپنے پنجوں سے زمین کی مٹی کو ادھر ادھر ہٹانے لگا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک چھوٹا سا گڑھا کھود ڈالا، پھر اس نے روٹی کے ٹکڑے کو منہ میں دبایا اور گڑھے میں اتر گیا۔ گڑھے میں اسے اترتا تھا کہ وہ اچانک غائب ہو گیا۔ وہ کہاں گیا، کیا ہوا؟ گڑھا اتنا زیادہ گہرا نہیں تھا کہ وہ غائب ہو جاتا پھر اس گڑھے میں کوئی ایسا بڑا سوراخ بھی نہیں تھا کہ وہ اس سوراخ میں گھس گیا ہو۔

چند منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ ان تینوں نے دیکھا کہ ایک بگھی بہت تیزی سے اس طرف آ رہی ہے جب بگھی بہت قریب آ گئی تو انہوں نے دیکھا کہ بگھی میں رولوکا، مہیش اور شرفو چاچا تھے۔ بگھی ان کے قریب آ کر رک گئی تو سب سے پہلے بگھی پر سے رولوکا نیچے اترا۔ پھر مہیش اور شرفو چاچا اترے، سب سے آخر میں بگھی والا بھی اتر گیا۔

لیکن بگھی والے سے رولوکا بولا۔ ''بھائی صاحب آپ بگھی لے کر یہاں سے کچھ دور چلے جائیں، وجہ یہ ہے کہ آپ کے دونوں گھوڑے تھوڑی دیر تک بدکتے رہیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گھوڑے اپنے آپے سے باہر ہو جائیں، اس لئے ضروری ہے کہ آپ بگھی کو اس جگہ لے جائیں، رولوکا نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ بگھی والا بے چوں چراں بگھی پر بیٹھا اور گھوڑوں کا رخ اس طرف کر دی جس طرف رولوکا نے اشارہ کیا تھا۔ بگھی کا اپنی جگہ پر جانا تھا کہ رولوکا نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ تینوں جو سائیکل پر آئے تھے اور شرفو چاچا، مہیش اور رولوکا نے دیکھا کہ اچانک ایک بہت زوردار بگولا ایک طرف سے اڑتا ہوا، اس طرف آ رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رولوکا بولا۔ ’’آپ لوگ گھبرانا نہیں اور اپنی جگہ ڈٹے ہوئے کھڑے رہیں۔‘‘

بگولا قریب سے قریب تر ہوتا رہا، اور پھر اس جگہ آ کر چکرانے لگا جس جگہ پر کتے نے گڑھا کھودا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بگولا چکراتا ہوا گڑھے میں اترنے لگا۔ اور چشم زدن میں گڑھے میں پورے کا پورا غائب ہوگیا۔

بگولا کا گڑھے میں اترنا تھا کہ باہر کی ہوا تیز ہوگئی، جھکڑ چلنے لگے گرد و غبار اڑنے لگے مگر وہ گرد و غبار ان لوگوں سے دور ہی دور رہے جہاں کہ وہ چھ آدمی کھڑے تھے۔ رولوکا بدستور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ گرد و غبار میں اس قدر مٹی اڑ رہی تھی کہ چاروں طرف کی کوئی بھی چیز نظر نہیں آتی تھی، چند منٹ میں گرد و غبار اڑنا بند ہوگیا۔ پھر اچانک ایک تیز سیٹی نما آواز گونج گئی۔

سیٹی کی آواز کا گونجنا تھا کہ رولوکا نے منہ میں نہ جانے کیا پڑھ رہا تھا کہ اس نے پڑھنا بند کردیا۔ اس کے بعد اس جگہ چاروں طرف دھندسی چھا گئی۔ اور جب دھند چھٹی تو ان لوگوں نے دیکھا کہ درخت کے قریب ایک باریش بزرگ کھڑے ہیں۔ ان کا چہرا نورانی تھا، اور چہرے پر رعب و دبدبہ بہت تھا۔ سر پر انہوں نے عمامہ باندھا ہوا تھا۔ ان کی آنکھوں کی چمک کافی زیادہ تھی۔ لمبا قد اور جبہ پہن رکھا تھا۔ ان کی آواز سنائی دی۔ ’’شفیق مہربان ہمدرد اور روحانیت کے ماہر میرے قریب آئیں۔‘‘

رولوکا چلتا ہوا ان بزرگ کے قریب گیا اور با ادب تھوڑا سا جھک کر آداب بجالایا۔ بزرگ زیر لب مسکرانے لگے۔ بزرگ کے قریب اور بھی کئی سفید داڑھی والے لوگ کھڑے تھے۔

بزرگ بولے۔ ’’آپ کا پیغام مجھ تک پہنچ گیا تھا۔ اور میری خواہش تھی کہ میں بالمشافہ آپ سے ملاقات کروں، میں آپ کے اندر چھپی مخفی قوت کا قائل ہوگیا ہوں۔ اگر آپ چاہتے تو غصہ کی حالت میں بہت کچھ کر سکتے تھے مگر آپ نے بردباری کا ثبوت دیا ہے۔

آپ کا جس مقصد کے لئے میرے پاس پیغام پہنچا تو میرے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، میرے قبیلہ کا وہ بدکردار، نافرمان اور خوف خدا نہ رکھنے والا جن ہے جس نے یہ گھٹیا اور بدکرداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارا قبیلہ باایمان اور خوف خدا رکھنے والا ہے۔

اس کی نافرمانی اور بدکرداری کی وجہ سے ہم نے اسے اپنے قبیلہ سے نکال دیا تھا۔ مگر مجھے اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں اگر اسے اس وقت نار جہنم کردیا ہوتا تو آج مجھے اور میرے قبیلہ والوں کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔ اس بدبخت نے ندامت سے ہمارا سر جھکا دیا۔ جب میں نے سنا کہ وہ ایک آدم زادی کو اٹھا کر لے آیا ہے تو میں کانپ کر رہ گیا۔ میں نے سوچا کہ میں اپنے خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے کس طرح جوابدہ ہوں گا۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب سے میں اس قبیلے کا سردار بنا ہوں اس وقت سے لے کر آج تک سوائے اس مردود کے کسی اور نے آدم زاد کے ساتھ نازیبا حرکت یا پھر کوئی بدسلوکی نہیں کی ہوگی، میں اپنے قبیلہ والوں کی ہر وقت خبر گیری کرتا رہتا ہوں۔

لیکن چونکہ میں نے اسے قبیلہ بدر کردیا تھا لہٰذا قبیلہ کا کوئی بھی جن اس سے رابطے میں نہیں رہتا تھا۔ لیکن آج مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ اس کے چند ہمدرد اور خیر خواہ جن اب بھی اس قبیلہ میں موجود ہیں جو کہ اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بغیر میری اجازت کے اس نانجار کو قبیلہ میں پناہ دی۔

جب مجھے اس کا علم ہوا کہ مردود نے ایک معصوم اور پاک دامن آدم زادی کو اپنے نفس شیطانی سے مجبور ہو کر اٹھا کر لایا ہے اور جنہوں نے اسے قبیلہ میں پوشیدہ کیا تو میں نے فوراً ہی حکم دیا کہ ان سب کو گرفتار کرلیا جائے۔ اسے ملا کر مزید چار جن ہیں جو کہ اس کا ساتھ دیا۔

میں ہر وقت خدا سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا رہتا ہوں کہ یا خدا اگر میری ذات یا میری نگہداشت سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوگئی ہو نادانستگی میں تو مجھے معاف کردے۔

ہمارا قبیلہ مسلمان ہے اور ہم سب شریعت کے پابند ہیں۔ میں نے قبیلہ میں یہ عام اعلان کرا رکھا ہے کہ کسی کی بھی ذات سے کسی آدم زاد کو ذرہ برابر بھی تکلیف نہ پہنچے۔ کیونکہ آدم زاد کے پاس اتنی قوت نہیں کہ وہ ہمیں دیکھ سکیں مگر ہم تو آدم زاد کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے نادانستہ طور پر بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

میں اور میرا پورا قبیلہ آپ سے معافی کا طلبگار ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس مردود کی غلطی کی وجہ سے ہمیں معاف کردیں گے، آپ کی بچی ہمارے پاس حفاظت خیر خیریت سے موجود ہے۔ میں نے اس کی ذہنی صلاحیت کو سلا دیا ہے تاکہ وہ ہمیں اور قبیلہ والوں کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو جائے اور ایسا ہو جاتا کیونکہ ایک عام انسان اور قوم جنات میں فرق ہوتا ہے۔‘‘

پھر ان بزرگ نے اپنے قریب کھڑے ہوئے دو کو کچھ اشارہ کیا تو وہ گڑھے کی طرف بڑھے اور پھر گڑھے میں غائب ہوگئے۔

بزرگ کی پھر آواز سنائی دی۔ ’’محترم میں نے اس مردود اور اس کے چار ساتھیوں کو آپ کے سامنے لانے کا حکم دے دیا ہے اور وہ جیسے ہی سامنے آئیں گے تو میں آپ سب کے سامنے انہیں عبرتناک سزا دوں گا تاکہ ان کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روئے زمین پر سے ختم ہو جائے، تاکہ وہ آئندہ کسی اور آدم زاد کو تکلیف نہ پہنچا ئیں۔ وہ لوگ معافی تلافی کے لئے بہت گڑ گڑائیں گے مگر انہیں معاف کر کے چھوڑ دینا بہت فاش غلطی ہوگی کیونکہ ایسے نفسانی خواہشات کے غلام اپنی عادتوں سے مجبور ہوتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ بعد اوروں کو اپنے ساتھ ملا کر کوئی اور بڑا نافرمانی اور بدکرداری کا کام کر گزرتے ہیں۔‘‘

اتنے میں کئی لوگ پانچ افراد کو پکڑ لائے۔ ان پانچوں کو زنجیر میں جکڑا گیا تھا، ہاتھ پاؤں اور گردن میں بھی موٹی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ ان کو لا کر سامنے کھڑا کردیا گیا۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔

بزرگ کی آواز آئی۔ ’’اپنی زبان سے تم لوگ ایک لفظ بھی نہیں نکالنا کیونکہ تمہارا جرم ناقابل معافی ہے۔‘‘ اور پھر ایک کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولے۔ ’’اس نافرمان اور بدکردار نے یہ جرم کیا ہے۔ اور آج اس کی وجہ سے میں شرمندہ ہوں اور ساتھ ہی ہمارا سارا قبیلہ بھی شرمندہ ہے۔ اس بدذات نے یہ بھی نہ سوچا کہ میرے قبیلہ اور میرے اہل خانہ پر کیا گذرے گی، آج میں اس کا اور اس کے ساتھیوں کا وجود اس دنیا سے ختم کردیتا ہوں۔‘‘ یہ بول کر بزرگ نے ان پانچوں کو چند قدم کے فاصلے پر کھڑا کرا دیا اور پھر انہوں نے نہ جانے کیا پڑھ کر اپنی شہادت کی انگلی پر پھونک مار کر انگلی کو ان کی طرف کردیا۔

انگلی کا ان کی طرف ہونا تھا کہ ان کے جسموں میں آناً فاناً آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ان پانچوں کی چیخیں قرب و جوار کو دہلانے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پانچوں جل کر راکھ کی شکل اختیار کر گئے۔ نہ جانے اس آگ میں کتنی حدت اور زور تھا کہ آگ نے چند منٹ میں ہی انہیں جلا کر بھسم کردیا۔

بزرگ کی آواز سنائی دی۔ ’’محترم! ان کا وجود اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، ایک مرتبہ پھر میں اور اپنے قبیلہ کی جانب سے آپ سے معافی طلب کرتا ہوں، آپ ہمیں معاف کردیں اور اپنی بچی کو لے جائیں جو کہ ہمارے پاس خیر و عافیت سے موجود ہے۔‘‘

بزرگ نے اشارہ کیا تو ان میں سے ایک اس گڑھے میں اتر گیا اور پھر چند منٹ بعد نظر آیا تو دو کہار ایک ڈولی اٹھائے ہوئے درخت کی اوٹ سے نمودار ہوئے۔ اور بزرگ کے اشارے پر انہوں نے ڈولی کو رولوکا کے قریب رکھ دیا۔

’’عزت مآب قابل ہستی!‘‘ بزرگ نے رولوکا کو مخاطب کیا۔ ’’اس ڈولی میں آپ کی بچی موجود ہے۔ ہمارے غائب ہوتے ہی اسے ہوش آجائے گا اور پھر یہ تمام سابقہ حالات کو بھول جائے گی، اس کے ساتھ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نافرمان اور بدکردار نے جو سلوک کیا تھا۔ اب میں چلتا ہوں ایک بار میں پھر معافی طلب کرتا ہوں، آپ ہمیں معاف کردیں۔

میرا ایمان ہے کہ صوم وصلوٰۃ اور شریعت کے پابند جنات کسی آدم زاد کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن کبھی کبھار کوئی بدکردار کوئی غلط قدم اٹھا لیتا ہے تو جنات برادری اسے قرار واقعی سزا دیتی ہے۔ اور یہ صرف مسلمان جنات میں ہوتا ہے۔ آپ لوگ آگے بڑھیں اور اپنی بچی کو سنبھال لیں، ہم رخصت ہوتے ہیں خدا حافظ۔"

اتنے میں اس جگہ گہری دھند چھا گئی جہاں بزرگ اور ان کے ہمراہ چند جنات کھڑے تھے۔ جب دھند چھٹی تو انہوں نے دیکھا کہ اب اس جگہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

رولوکا بولا۔ "شرف الدین صاحب آپ آگے بڑھ کر اپنی بچی کو ڈولی سے نکال کر بگھی میں بٹھادیں۔"

شرف الدین آگے بڑھے اور ڈولی میں جھانکا تو اس میں سعیدن موجود تھی۔ وہ اپنے والد کو دیکھتے ہی بولی۔ "بابا آپ اور میں کہاں ہوں، یہ جگہ اور یہ ڈولی کیسی؟"

شرف الدین بولے۔ "بیٹا باہر نکلو۔" اور انہوں نے سعیدن کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈولی سے باہر نکالا۔

سعیدن ڈولی سے جب باہر نکلی تو اپنے بھائی مہیش، دو بندے اور پھر رولوکا کو دیکھ کر چونک پڑی، اور پھر ویران جگہ۔ وہ سب کو اور قرب وجوار کو دیکھ کر حیران و پریشان ہونے لگی اور بولی۔ "بابا یہ جگہ اور پھر آپ لوگ، ہم یہاں کیسے پہنچے اور بات کیا ہے؟"

شرف الدین بولے۔ "بیٹا بس ہم کہیں اور جارہے تھے کہ اس جگہ ٹھہر گئے، خیر اب اس جگہ جانے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ بیٹا چلو گھر چلتے ہیں، یہ حکیم صاحب ہیں میرے جاننے والے اور مہیش بابو کو تو تم جانتی ہی ہو اور یہ دونوں مہیش بابو کے ملازم ہیں اور بھیا کمال الدین۔"

رولوکا کے اشارے پر مہیش نے بگھی والے کو قریب بلالیا تو بگھی میں رولوکا، مہیش، شرف الدین اور سعیدن بیٹھ گئے تو کوچوان نے گھوڑوں کو اشارہ کیا تو گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے گاؤں کی طرف۔ وہ تینوں افراد جو اپنی اپنی سائیکلوں پر یہاں تک آئے تھے وہ اپنی سائیکلوں پر واپسی کے لئے چل پڑے۔

پورے راستے سعیدن ہونقوں کی طرح قریب جوار کو دیکھتی رہی مگر زبان سے کچھ بولی نہیں۔ پون گھنٹہ گذرے ہوں گے کہ بگھی گاؤں میں داخل ہوئی۔

بگھی اور بگھی میں چاچا شرفو اور سعیدن کو دیکھ کر سارا گاؤں جیسے امنڈ آیا۔ چاچا شرفو کے گھر کے باہر لوگوں کا ایک ہجوم لگ گیا۔ ہر آدمی اچنبھے میں تھا اور اشارے کنائے میں رولوکا کی تعریف کررہا تھا اور ساتھ ہی رولوکا کو دعائیں بھی لوگ دے رہے تھے۔

رولوکا بگھی سے نیچے اتر گیا پھر شرفو چاچا نے ہاتھ پکڑ کر سعیدن کو بھی بگھی سے نیچے اتار لیا اور سعیدن کو گھر میں جانے کا کہا۔

رولوکا اور مہیش ایک طرف کھڑے تھے، جلد ہی شرفو چاچا نے بیٹھک کھلوائی، مہیش اور رولوکا کو بیٹھک میں بٹھایا۔

سعیدن کی اماں اور دو بہنیں گلے مل کر رو پڑیں۔ انہیں روتا دیکھ کر سعیدن حیران و پریشان اور اچنبھے میں تھی۔ شرفو چاچا فوراً گھر میں آئے، انہیں رولوکا نے یہ کہہ کر بھیجا تھا۔ "سعیدن سے سوال جواب نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے بتایا جائے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا، اس کی حالت کیسی ہوگئی تھی بلکہ بالکل بھی فی الفور اس واقعہ کا اس سے ذکر نہ کیا جائے۔"

شرفو چاچا نے اپنی بیوی کو ایک طرف بلا کر سختی سے منع کردیا کہ "سعیدن سے اس واقعہ کا بالکل بھی ذکر نہ کیا جائے کیونکہ عامل صاحب کا یہی حکم ہے۔" بیوی سے یہ بول کر شرف الدین بیٹھک میں آئے اور رولوکا کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے، ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

رولوکا نے شرف الدین کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "شرف الدین صاحب، جو ہونا تھا وہ ہوگیا اس میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ سب اوپر والے کی مہربانی ہے کہ میں بروقت اس جگہ موجود تھا۔ اوپر والا جو چاہے ہوسکتا ہے، اوپر والا کبھی اپنے بندوں کو تکلیف نہیں دیتا، بلکہ انسان کا اپنا عمل ہوتا ہے، اگر انسان احتیاط برتے اور اپنے حدود میں رہے تو اس کا نقصان نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ پریشانی سے دوچار ہوتا ہے،

اب آپ اس واقعہ کو لے لیں کہ جوان لڑکیوں کے کھلے سر اور کھلے بال گھر سے نکلنے کے لئے بڑے اور بزرگوں نے منع کررکھا ہے کیونکہ بہت سی نادیدہ قوتیں جو کہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں وہ پھرتی رہتی ہیں اور خاص کر وقت زوال اور مغرب کے وقت تو بالکل بھی لڑکیوں کو باہر یا چھت پر جانا نہیں چاہئے۔ بلکہ جوان لڑکیوں کو پھول گجرے اور خوشبو سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ خوشبو اور پھول وغیرہ کا استعمال جو لڑکیاں کرتی ہیں وہ نادیدہ ہستیوں کی نظر میں اکثر آجاتی ہیں۔

میں ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں۔ پچھلے ماہ بیس تاریخ کو میں حکیم وقار کے ساتھ مطب میں بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ باریش بہت ہی گھبرائے ہوئے آئے اور آتے ہی حکیم وقار کا ہاتھ پکڑ کر روہانسی آواز میں بولے "حکیم صاحب میں بہت پریشان ہوں، آپ کچھ کریں میری بچی پر کوئی جن سوار ہوگیا ہے۔

میں آپ کی شہرت سن کر آیا ہوں، بہت آس و امید سے، خدا کے واسطے میری مدد کریں۔"

حکیم وقار بولے۔ "جناب میں تو دواؤں سے علاج کرتا ہوں یہ میرے بھائی حکیم کامل ہیں جو کہ ہوائی چیزوں کا علاج کرتے ہیں۔"

یہ سن کر وہ حضرت میری جانب متوجہ ہوئے اور جھٹ میرا ہاتھ پکڑ کر بولے۔ "کامل صاحب میری مدد کریں جوان بچی کا معاملہ ہے، اس کا ہم نے رشتہ بھی طے کردیا ہے، اگر ان لوگوں کو پتہ چلے گا تو طرح طرح کی باتیں بنیں گی اور خدانہ کرے وہ لوگ....."

اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ان کا مقصد تھا کہ اگر لڑکی کے سسرال والوں کو اس واقعہ کا پتہ چل گیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ رشتہ ہی ختم کردیں۔

خیر میں نے حکیم وقار سے کہا۔ "حکیم صاحب میں ان حضرت کے ساتھ چلتا ہوں۔ جا کر دیکھوں کہ معاملہ کیا ہے۔ میں دو گھنٹے تک آتا ہوں، پھر ساتھ ہی کھانا کھائیں گے، اس وقت صبح کے دس کا وقت تھا۔ میں ان حضرت کے ساتھ ان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بچی ایک طرف خاموش پڑی تھی۔

میں نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تو وہ غضبناک طریقے سے اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کی آنکھوں سے دہشت ٹپکنے لگی، آنکھوں میں خون اتر آیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سر کے سارے بال ایسے کھڑے ہوگئے کہ وہ جیسے بال نہ ہوں بلکہ جھاڑو کے لمبے لمبے تنکے سر پر لگے ہوں۔

اس کی بھاری اور گونجدار آواز کمرے میں گونجی۔ "اوئے تو کیوں آیا ہے، یہاں سے فوراً چلا جا نہیں تو میں تیرا ٹیٹوا دبادوں گا۔ تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میرا تعلق قوم جنات سے ہے۔ جا..... چلا جا..... ورنہ تیری خیر نہیں۔"

وہ حضرت جو مجھے لے کر گئے تھے وہ سکتے کی حالت میں بت بن کر کھڑے تھے، کمرے میں اور بھی ان کے دو بھائی اور دو پڑوسی موجود تھے۔ سب کی حالت لڑکی کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر بڑی غیر ہورہی تھی۔ "نکل جا یہاں سے۔" بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

وہ حضرت میری طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے تو میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "گھبرائیں نہیں، اوپر والے پر بھروسہ رکھیں۔"

میں نے لڑکی پر سوار جن کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ اچھی بات ہے کہ آپ کسی کو پریشان کررہے ہیں، کیا اوپر والا یہ اجازت دیتا ہے کہ کوئی طاقتور کسی کمزور اور مظلوم کو تکلیف پہنچائے، میں مانتا ہوں کہ آپ طاقتور ہیں اور یہ گھر والے آپ کے مقابلے میں بہت کمزور ہیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی اگر آپ اس ---- سے چلے جائیں، اور اگر ایسا آپ نے نہیں کیا تو پھر....." اور میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ورنہ کیا..... تو میرا کیا کرلے گا..... ارے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی خیر منا اور یہاں سے چلا جا۔ میں اس لڑکی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

میں پارک میں موتیا کے جھنڈ کے نیچے محوِ خواب تھا کہ اس نے مجھے ٹھوکر ماری، اور پھر اس پر سے پھول توڑنا شروع کردیا، پھول اور کلیوں کو یہ توڑتی رہی، میں نے نظر انداز کیا مگر بدستور کئی مرتبہ اس نے ٹھوکر ماری تو میں نے غصے کی حالت میں اسے گھور کر دیکھا تو پھر اس کا حسن اور دلکشی دیکھتے ہی میں اپنا دل پکڑ کر رہ گیا، اس کی خوبصورتی اور حسن نے مجھے متاثر کردیا۔

میں اپنا غصہ بھول کر اس پر فریفتہ ہوگیا۔ میرا دل میرے قابو میں نہیں رہا اور میں اس کے ساتھ لگ گیا۔ اور خاص طور سے اس کے لمبے بالوں نے تو مجھے جکڑ لیا ہے، میں کسی طور اس سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ تو خود ہی بتا کیا کوئی شخص اس کا حسن دیکھ کر اپنا دل قابو میں رکھ سکتا ہے، میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تو چلا جا..... مجھے تنگ نہ کر ..... ورنہ تو پچھتائے گا۔"

یہ بول کر وہ چند سیکنڈ خاموش رہا پھر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں جو کہ ہماری طرف بڑھیں، چنگاریوں کو دیکھ کر کمرے میں موجود لوگ گھبرا کر میرے پیچھے ہوگئے اور کونے میں دبک گئے۔

چنگاریاں جیسے ہی میرے قریب آئیں تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ چنگاریوں کی طرف کردیا وہ چنگاریاں واپس پلٹ پڑیں اور پھر اس کی آنکھوں میں پیوست ہوگئیں۔

چنگاریوں کا آنکھوں میں پیوست ہونا تھا کہ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگی۔ اس کی حالت بہت غیر ہونے لگی اور پھر چند منٹ بعد وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

دوبارہ مردانہ آواز سنائی دی۔ "میں نے اپنے کئی دوست اور خاندان والوں کو پیغام بھیج دیا ہے، وہ لوگ میری حفاظت اور تیری تباہی کے لئے آنے ہی والے ہیں، اب تیرا بچنا محال ہے، لیکن اگر تو چاہے تو بچ سکتا ہے اس صورت میں کہ یہاں سے فوراً بھاگ جا اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔"

پھر میں بولا۔ "تو کیا مجھے بے وقوف سمجھتا ہے، ارے جب میں یہاں آیا تھا تو سارے انتظامات کر کے آیا تھا، میں سمجھ گیا تھا کہ تو کس کس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے دکھائے گا۔ اس گھر میں قدم رکھنے سے پہلے میں نے اپنے کارندوں کو چاروں طرف پہرے پر لگا دیا ہے۔ تیری مدد کو آنے والے کچھ نہیں کرسکتے، وہ اپنی خیر مناتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ میں نے تجھے پیار و محبت سے سمجھایا بلکہ تیرے حق میں شائستہ زبان استعمال کی مگر تو نے خود کو طرم خان سمجھتے ہوئے مجھ پر وار کیا۔

کیا یہی شرافت ہے کہ ایک تو چوری اور پھر سینہ زوری، تو نے کمزوروں پر اپنی طاقت کا دھونس جمایا، کیا تو نہیں سمجھتا کہ جوان لڑکی پر کسی جن کا سوار ہونا اس لڑکی کی زندگی اذیت ناک بن جاتی ہے، لوگ اس سے خوف کھا کر دور بھاگتے ہیں، اسے ہر کوئی اپناتے ہوئے ڈرتا ہے۔

کسی جن کو کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی آدم زاد کو تکلیف پہنچائے، اکثر نافرمان جنات یہ بھول جاتے ہیں کہ اوپر والے نے سیر پر سوا سیر پیدا کر رکھا ہے۔

اگر تو طاقتور ہے تو اپنے برابر والے سے ٹکرا کر دیکھ کہ وہ تیرے چھکے چھڑا دے گا۔"

میری بات سن کر وہ بولا۔ "ارے اس نے مجھے مجبور کیا اگر یہ مجھے ٹھوکر نہ مارتی تو مجھے کیا پڑی تھی کہ میں اس کی طرف متوجہ ہوتا۔ لیکن پھر میں اپنے دل و دماغ سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ ہوگیا۔ میں اب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں، میں اسے چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کا نام بھی خوشبو ہے۔

میری مدد کے لئے میرے اپنے چل پڑے ہیں، بس وہ پہنچنے ہی والے ہیں۔ پھر تو اپنا انجام سوچ لے، تیرا انجام بہت بھیانک ہوگا۔"

اس کی باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ اچانک آسمان پر کالے بادل چھا گئے، اور پھر جھکڑ چلنے لگے،

دیکھتے ہی دیکھتے جھکڑ نے آندھی کی شکل اختیار کرلی۔

میں سمجھ گیا تھا کہ اس کے چاہنے والے آچکے تھے، میں نے فوراً اپنے کارندوں کو خفیہ طریقے سے ہدایات کردی کہ ان کو قریب نہ آنے دینا" اور میرے کارندے اس معاملے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔

اس کے چاہنے والوں نے بہت زور لگانا شروع کردیا۔ ان کی ذات سے جو آندھی چل رہی تھی اس نے طوفانی شکل اختیار کرلی۔ آندھی میں ایک خوفناک اور گونجدار آواز شامل تھی جسے سن کر لوگوں کے دل دہل جائیں اور پھر اس کے بعد بڑے بڑے اولے گرنے شروع ہوگئے۔

وہ بولا۔ "دیکھ لے میرے مددگار آگئے ہیں اور اب تیری خیر نہیں۔"

اس کی بات سن کر میں بولا۔ "اپنے حمائتیوں کو بول کہ اپنا سارا زور لگا دیں، کہیں دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔ اگر یہ کم ہیں تو اور بھی زیادہ بلا لے۔ تیرے مددگار تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتے، اپنا سامنہ لے کر واپس چلے جائیں گے اور ہمیشہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اگر تو شروع میں ہی میری بات مان لیتا تو تیرے حق میں اچھا تھا، اب تو یہ سمجھ لے کہ "تنگ آمد بجنگ آمد"۔"

میری بات سن کر اور حالات دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا۔

آندھی اتنی خطرناک تھی کہ ایسا لگتا تھا کہ پورے گاؤں کو تہس نہس کر کے رکھ دے گی۔ اس گھر کی یہ حالت تھی کہ اب پورا گھر زمین بوس ہوجائے گا۔

میں بخوبی جانتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا، آندھی چل رہی تھی، اولے برس رہے تھے بارش کے ساتھ، آسمان پر کالے بادل امنڈ امنڈ کر آرہے تھے کڑاکے کی بجلی اودھم مچا رہی تھی۔

وہ ساری چیزیں صرف دکھاوے کی تھیں، حقیقت سے ان کا کوئی بھی واسطہ نہ تھا۔ ان حالات اور واقعات کا گاؤں والوں کو کوئی علم نہ تھا۔ وہ تو صرف اس گھر میں موجود لوگوں کو پتہ چل رہا تھا۔

چند منٹ بعد لڑکی نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور مجھے خونخوار نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر اس کے منہ سے مردانہ آواز نکلی۔ "اب بول تو کیا چاہتا ہے، لیکن یہ نہ بولنا کہ میں اس لڑکی کو چھوڑ کر چلا جاؤں، تو کب تک اس کا پہرہ دے گا، بہر حال جیت میری ہی ہوگی۔ ایک وقت آئے گا کہ تو تھک جائے گا اور پھر تھک ہار کر چلا جائے گا۔ اب تو اپنی خواہش بتا، لیکن لڑکی کو چھوڑنے کا مجھ سے نہ کہنا۔"

میں اس کی باتیں سن کر بولا۔ "اچھا تو اپنا نام بتا، تیرا نام کیا ہے؟"

وہ بولا۔ "میرا نام شمران ہے، اور تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے قبیلے اور برادری کے مطابق شمران کا مطلب زور آور ہوتا ہے۔"

میں بولا۔ "شمران تجھے یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ کوئی بھی تیری مدد کے لئے تجھ تک نہیں پہنچ سکتا، اور پھر تجھ میں کتنی طاقت اور زور ہے کہ تو میرا مقابلہ کرسکتا ہے، یہ تو بالکل حقیقت ہے کہ تجھے اس لڑکی پر سے ہٹنا ہے، کسی صورت بھی تو لڑکی کے ساتھ نہیں رہ سکتا، اگر تو میری بات مان کر چلا گیا ہوتا تو اس میں تیرا فائدہ تھا۔

تو اگر اپنی مدد کے لئے اپنے پورے قبیلے کو بھی بلا لے تو وہ سب تیری مدد نہیں کرسکتے اور نہ میرا بال تک بیکا کرسکتے ہیں اور نہ ہی اب اس لڑکی کا تو کچھ کرسکتا ہے۔ اب تو چاروں طرف سے اپنی ضد کی وجہ سے شکنجے میں جکڑ چکا ہے۔ تیرے فرار کی ساری راہیں مسدود ہوگئی ہیں۔

خیر اب بھی میں تجھے ایک آخری موقع دیتا ہوں کہ اگر تو اپنی بقا چاہتا ہے تو قسم اٹھا کر بتا کہ آئندہ تو کبھی اس لڑکی، اس خاندان یا پھر اس گاؤں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا، اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کرے گا کہ اپنی رہتی زندگی تک کسی آدم زاد کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ آدم زاد کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔ تو میں تجھے جانے دوں گا، بول کیا یہ شرطیں منظور ہیں؟"

وہ بولا۔ "میں جان تو دے سکتا ہوں مگر اس لڑکی کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر تجھ میں طاقت ہے تو زور لگا کر دیکھ،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اپنی حفاظت ضرور کروں گا۔ جنات بار بار نہیں بولتے۔"

میں نے کہا۔ "اپنی ضد چھوڑ دے، مجھے تیری بیوقوفی پر افسوس ہو رہا ہے، تو ضد میں آ کر اندھا ہو گیا ہے، تیری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔ میری بات مان لے ورنہ پچھتائے گا۔"

مگر وہ بہت ضدی تھا بلکہ نا سمجھ بھی، اس نے میری باتوں پر غور نہیں کیا، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اپنی دونوں بڑی انگلیوں پر پھونک ماری اور اپنے چاروں طرف ایک گول دائرہ کھینچ دیا۔ اس کی نظر میں بلکہ میری نظر میں بھی وہ حصار بہت مضبوط تھا۔ ایسا مضبوط کہ عام اور چھوٹے موٹے عامل اسے توڑ ہی نہیں سکتے۔ میری نظریں دیکھ رہی تھیں کہ ایک دودھیا دیوار اس کے گرد کھڑی ہو گئی۔

جب اس نے حصار کھینچ لیا تو مجھ سے مخاطب ہوا۔ "دیکھ لے میری طاقت، اب اگر تجھ میں طاقت ہے تو، تو میرا یہ حصار توڑ کر دکھلا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرا تو نے یہ حصار توڑ دیا تو میری موت یقینا ہے، اور اگر تو نے میرا حصار نہ توڑ سکا تو تیری موت یقینا ہے۔"

اس کی بات میں واقعی وزن تھا، کیونکہ جنات کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور حصار نہیں ہوتا، اور ایسا حصار کوئی عام جنات نہیں کھینچ سکتا، جو بہت زور آور، طاقتور اور روحانیت سے واسطہ رکھتا ہے بلکہ جو جنات عامل ہوتے ہیں وہی یہ حصار کھینچتے ہیں اور اپنے سامنے والے عامل کو ناکوں چنے چبوا دیتے ہیں۔ اور اس صورت میں، یا تو عامل کی موت ہو جاتی ہے یا پھر وہ سرکش ضدی جن موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔"

حصار میں مقید ہو کر وہ خاموش ہو گیا اور مجھ پر نظریں گاڑ دیں۔ میں بھی خاموش ہو گیا اور پھر میں نے ذہنی طور پر اپنے استاد اور اپنے بڑوں سے رابطہ کر لیا۔

میرے استاد کی روح نے مجھے بتلایا کہ فلاں عمل کو یاد کرو، وہ عمل تمہاری حفاظت کرے گا اور اس ضدی جن کا کام تمام ہو جائے گا، گھبراؤ بالکل بھی نہیں، ہر حال میں اس جن پر تم ہی بھاری رہو گے اور تمہاری جیت ہو گی۔

کیونکہ تم حق کے لئے کوشش کر رہے ہو، ہمیشہ حق کی فتح ہوئی ہے اور ناحق پسپا ہو جاتا ہے۔" اور پھر استاد کی روح سے میرا رابطہ منقطع ہو گیا۔

اب میرے دماغ سے ہر طرح کا اندیشہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اس عمل کا سہارا لیا جس کے متعلق استاد کی روح نے بتایا تھا۔

میں نے منہ ہی منہ میں وہ عمل پڑھنا شروع کر دیا۔ عمل جب ختم ہوا تو میں نے اپنے سیدھے ہاتھ کی بڑی انگلی پر پھونک ماری اور انگلی کا رخ اس حصار کی جانب کر دیا۔ میری انگلی سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکل کر حصار کی جانب بڑھنے لگیں۔

انگلی سے نکلی ہوئی شعاعوں کا اس دودھیا حصار جسے اس جن نے اپنے گرد کھینچ دیا تھا، ٹکرانا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا، دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ میرے کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے،

جو کچھ بھی ہو رہا تھا یہ صرف میں اور وہ جن ہی محسوس کر سکتا تھا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ صرف مجھے دیکھ رہے تھے، انہیں صرف اتنا معلوم تھا کہ میں خاموش بیٹھا کچھ پڑھ رہا ہوں، یا پھر وہ لوگ وہ باتیں سن رہے تھے جو باتیں میں اس جن سے کر رہا تھا۔

جن کا کھینچا ہوا حصار پاش پاش ہو چکا تھا۔ جب حصار ختم ہو گیا تو اس جن کی حالت بڑی غیر ہونے لگی، اسے ذرہ برابر بھی یقین نہیں تھا کہ میں اس کا کھینچا ہوا مضبوط حصار توڑ دوں گا۔ وہ ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگا کیونکہ جن شعاعوں کی وجہ سے حصار میں دھماکہ ہوا تھا، اب وہ شعاعیں اس کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں۔

ان شعاعوں کا اس کے جسم میں پیوست ہونا تھا کہ وہ تڑپتا ہوا، لڑکی کا جسم چھوڑ کر ایک طرف کرب و اذیت کی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ اس کی جو حالت ہو رہی تھی اسے دیکھ کر مجھے بھی دکھ ہوا کہ کاش! وہ شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں میری بات مان لیتا تو اپنی جان سے نہ جاتا۔

اب وہ کسی صورت بھی نہیں بچ سکتا تھا، اب اس کی موت یقینی تھی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اچانک اس کے جسم میں پیوست شعاعوں کی وجہ سے اس کے گرد ایک سرخ دیوار قائم ہوگئی، اب وہ اس سرخ دیوار میں قید ہو چکا تھا۔ وہ تکلیف سے تڑپنے لگا، اس کی تکلیف نا قابل برداشت ہونے لگی تھی۔ تکلیف کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابل پڑی تھیں، کبھی وہ اپنا پیٹ پکڑتا تو کبھی اپنی گردن اور پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے دباتا۔

سرخ شعاعوں کی دیوار آہستہ آہستہ اس کے گرد تنگ ہوتی جارہی تھی۔ جوں جوں دیوار تنگ ہورہی تھی اس کی تکلیف اور بے چینی میں اضافہ ہورہا تھا۔

میں اگر جلدی کرتا تو وہ دیوار فوراً اسے جلا کر خاکستر کردیتی مگر اس طرح آگ کے شعلے زیادہ بھڑک سکتے تھے جس سے لڑکی کو بھی کوئی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے سب سے پہلے اسے لڑکی سے جدا کر کے الگ کھڑا کردیا تھا۔

میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں اور سارا معاملہ نظروں کے ذریعہ اختتام پذیر ہورہا تھا۔ اس کی آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی، اب وہ بولنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

اچانک مجھے اپنے جاگتے الو اور دیگر کارندوں کی طرف سے سگنل ملا کہ اس کے مددگار جو اس کی مدد کو آئے تھے ان کا کہنا ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں، اور وہ اسے لے کر چلے جائیں گے اور وہ اس کی گارنٹی بھی دے رہے ہیں کہ وہ آئندہ اس طرف کا سوچے گا بھی نہیں۔

لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اتنی دیر ہو چکی تھی کہ اب ان شعاعوں پر قابو نہیں پایا جاسکتا تھا۔ اب وہ چند گھڑی کا رہ گیا تھا۔

پھر شعاعوں کی اس سرخ دیوار نے اسے جکڑ لیا تو وہ جل کر خاکستر ہوگیا۔ ایک ہلکا سا شعلہ لپکا اور اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اس کے وجود کی راکھ کو میرے کارندے فوراً ایک برتن میں سمیٹ کر غائب ہوگئے۔

شعلہ لپکتے ہوئے کمرے میں موجود لوگوں نے بھی ایک لمحے کو دیکھا تو وہ سب چونک پڑے اور انہوں نے اپنی نظریں مجھ پر مرکوز کردیں۔

لڑکی بیٹھے بیٹھے اچانک فرش پر نڈھال ہو کر گر پڑی، وہ ہوش وحواس میں نہیں تھی۔ اسے اپنا کوئی ہوش نہ تھا۔ فرش پر لڑکی آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اب معاملہ بالکل صاف ہو چکا تھا۔ کسی قسم کا کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا۔

میں نے لڑکی کے والد کو کہا۔ ”آپ بچی کو اٹھا کر اندر لے جائیں، اب یہ ہر طرح کے خطرے سے باہر ہے، اب اس جن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ جب تک اپنی نیند سوئے سونے دینا، اسے جگانا نہیں، یہ خود بخود جاگے گی۔ اور آئندہ خیال رکھئے گا کہ یہ پھولوں کے باغ میں نہ جائے اور نہ ہی مغرب یا مغرب کے بعد چھت پر جائے، اور میرا مشورہ یہ بھی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کی شادی کردیں تو یہ اس کے حق میں اچھا ہوگا۔“

اس کے والد اور بھائی نے پہلے اس پر ایک چادر ڈالی اور پھر اسے سہارا دے کر گھر کے اندر لے گئے۔ میں نے ابھی تک گھر کے باہر جو حصار کھینچ رکھا تھا اسے توڑا نہیں تھا۔ میرے کارندے سگنل دے رہے تھے کہ اس جن کے ساتھی اس کی موت پر زار و قطار بین کررہے ہیں۔ اور ان کا انداز بپھرا ہوا ہے۔ ان کے ارادے اچھے نہیں۔

تھوڑی دیر بعد مجھے پھر پیغام ملا کہ ان کا کوئی ایک باریش بزرگ آیا اور اس نے وہاں پر موجود جنات سے کہا۔ ”اب کیا کررہے ہو، تم لوگ واپس چلو، میری نظر میں سراسر قصور مرنے والے کا ہے۔

آدم زاد نے بہت کوشش کی کہ شمران اپنی ضد چھوڑ دے اور راہ راست پر آکر لڑکی سے علیحدہ ہو کر اپنی راہ لے، مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، غلطی بھی اس کی تھی اور پھر اس نے اپنی مدد اور آدم زاد کو نیست و نابود کرنے کے لئے تم لوگوں کو طلب کرلیا۔

خفیہ طور پر میں نے بھی اسے شروع میں وہنی

لہروں کے ذریعے پیغام بھیجا تھا کہ ”شمران اپنی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دو، تم قصوروار ہو، تم اس آدم زاد سے ہار جاؤ گے، تمہیں اس کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں۔ تم نے جو اپنے دوست احباب سے مدد طلب کی ہے تو تمہارے مددگار تمہاری مدد نہیں کرسکتے۔

یہ آدم زاد شفیق مہربان ہمدرد اور اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والا ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور جنات قبیلہ کی عزت ہے کہ تم اس سے معذرت کرلو اور اپنی ضد چھوڑ دو، میں قبیلہ کا سردار ہوں مگر اس نافرمان نے میری بات بھی نہیں مانی، اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہا، اس کے دماغ میں تھا کہ میں عامل ہوں، اور ”شاما“ حصار پر دسترس رکھتا ہوں۔ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ”شاما“ حصار عامل جنات کے لئے بہت طاقتور ہوتا ہے۔ مگر خدا نے آدم زاد کو بھی بہت طاقت بخشی ہے۔

ہمارا تعلق چونکہ مسلمان جنات سے ہے اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور انسان کے تصرف میں دنیا کی ہر شئے کو دے دیا ہے۔

بچو! دکھ مجھے بھی بہت ہے کہ شمران اگر ضد نہ کرتا تو آج اپنی موت کے انجام کو نہیں پہنچتا۔ چلو واپس اور یہ ہم تمام قبیلہ والوں کے لئے سبق ہے کہ ضد اور انا کے چکر میں خود اپنا نقصان ہوجاتا ہے۔“ بزرگ سردار کے کہنے پر وہ جنات واپس چلے گئے۔

لڑکی کے والد نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور روہانسی آواز میں بولے۔ ”کامل صاحب آپ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے اور میں کیا میری نسل بھی آپ کا احسان مند رہے گی، ہم آپ کے لئے شب و روز دعا گو رہیں گے، جس طرح آپ لوگوں کی بھلائی کررہے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہوسکتی ہے۔“

ان لوگوں نے مجھے بہت روکا، خاطر تواضع کے لئے بولا مگر میں نے منع کردیا اور واپس دلی مطب میں آ گیا۔ حکیم وقار مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اور بولے۔ ”اور سناؤ کیا بنا اس جنات کا جس کی سرکوبی کے لئے گئے تھے۔“

میں نے جواب دیا۔ ”حکیم صاحب! بہت ہی ضدی تھا، اس کا کہنا تھا کہ ”یہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگی اور میں اس کی خوبصورتی اور حسن پر مرمٹا ہوں، میں کسی صورت اس لڑکی کو نہیں چھوڑ سکتا۔“

میں نے اسے بہت سمجھایا، ہر طرح سے منت سماجت کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، وہ اتنا اڑیل تھا کہ اس نے جان دے دی مگر اپنی ضد نہیں چھوڑی۔ مجبوراً مجھے اس کے خاتمہ کے لئے انتہائی قدم اٹھانا پڑا، اور وہ اپنی موت سے ہمکنار ہوگیا۔“

حکیم وقار میری بات سن کر بولے۔ ”خیر چلو کھانے کا وقت بھی ہوگیا ہے، ضدی اور ہٹ دھرم ہمیشہ اپنا نقصان کرلیتے ہیں۔“

تو شرف الدین صاحب دراصل یہ واقعہ بتانے کا میرا مقصد یہ ہے کہ انسان اگر احتیاط برتے تو وہ ٹھیک ٹھاک اور خوش وخرم رہتا ہے۔ جن باتوں سے بزرگوں نے منع کر رکھا ہے اسے گرہ میں باندھ لینی چاہئے اور حتی الامکان کوشش ہونی چاہئے اور ان باتوں کو ذہن سے نکال نہیں دینا چاہئے۔ اگر وہ لڑکی اپنے بڑوں کا کہنا مانتی تو وہ شام کے وقت کھلے بال کی حالت میں باغ میں نہ جاتی اور پھر پھول نہ توڑتی۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنی پریشانیوں کا سارا دارومدار قسمت پر ڈال دیتے ہیں۔ اپنا عمل نہیں دیکھتے کہ ہم خود کیا کررہے ہیں۔

بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غلطیاں بڑے کرتے ہیں اور بھگتنا چھوٹوں کو پڑتا ہے۔ کبھی کبھی تو بڑوں کی دانستہ غلطیوں کا خمیازہ نسل در نسل دوسرے بھگتتے ہیں۔ لہٰذا بڑوں کو اور چھوٹوں کو بھی اپنے عملی اقدام پر نظر رکھنی چاہئے۔

یہ بھی لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ تو میری نظر میں جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ سراسر غلطی پر ہوتے ہیں۔

شرف الدین صاحب، مہیش کے خاندانی مسئلے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی لے لیجئے۔ مہیش کے بڑے نے فاش غلطی کی اپنی نفسانی خواہشات کے لئے، وہ تو اپنی جان سے چلے گئے مگر افسوس در افسوس کہ ان کی غلطیوں کی سزا ان کے بعد کی نسل بھگت رہی ہے۔ اس چکر میں یہ لوگ تباہ برباد ہو گئے، پل پل کا چین و سکون ختم ہو کر رہ گیا، کئی جانیں ضائع ہو گئیں پھر بھی اس فیملی کو سکون نہیں مل رہا ہے۔

یہ تو اوپر والے کی مہربانی ہے کہ مہیش کی ملاقات مجھ سے ہو گئی۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس خاندان کی جان چھوٹ جائے، اس آتما سے جو سنیل پر سوار ہے، اب میرا مہیش سے یہی کہنا ہے کہ آئندہ اپنی نسل کو اور خود بھی یہ کوشش کرنا کہ تمہاری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، بلکہ اپنے لئے ایک سنہرا اصول بنا لینا، مصیبت زدہ اور ضرورتمندوں کے کام کرنا، یہی انسانیت ہے، اور اسی میں انسان کی اپنی بھلائی ہے۔

ضد ہٹ دھرمی اور من مانی سے خود کو نقصان ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی لوگ برے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور بددعائیں دیتے ہیں۔

اچھے کردار باعمل لوگ مر بھی جاتے ہیں تو لوگ ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ کیا فائدہ کہ چند روزہ زندگی کے لئے انسان دنیا میں برے کام کرے، لوگوں کا دل دکھائے، زور زبردستی دھوکہ دہی اور قتل و غارت گری سے مال بٹورے۔ مال و دولت کو کوئی بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا ہے، سارا مال اسباب اور دھن دولت یہیں چھوڑ جاتا ہے اور خود گناہوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے جاتا ہے، دانشوروں نے صحیح کہا ہے کہ ''سامان سو برس کا ہے، اور پل کی خبر نہیں۔''

خیر باتیں تو بہت ہیں، ساری زندگی انسان باتیں کرتا ہے اور باتیں ختم نہیں ہوتیں۔ اب مجھے اجازت دیں، میں چلتا ہوں، اوپر والے کے آگے سر جھکاتے رہنا، اسی میں اپنی ذات کی بھلائی ہے۔''

شرف الدین نے رولوکا کا ہاتھ پکڑا اور چوم کر بولے۔ ''حکیم صاحب میں آپ کا یہ احسان تا زندگی نہیں بھولوں گا۔ خدا نے آپ کو ہمارے لئے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا۔ کاش! آپ ہمیں خدمت کا موقع دیتے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا، خیر میں آپ کے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔''

رولوکا بولا۔ ''شرف الدین صاحب اب میں چلتا ہوں، آپ اوپر والے کا شکر ادا کرتے رہیں۔''

رولوکا نے شرف الدین اور ان کے بیٹے سے مصافحہ کیا اور مہیش کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

باہر آ کر مہیش سے رولوکا بولا۔ ''مہیش اب میں چلتا ہوں، کل تم سنیل اور اپنے پتا کو تیار رکھنا آتما حویلی چلنا ہے، اپنے ساتھ چار پانچ ملازموں کو بھی لے لینا، میں کوشش کروں گا کہ کل ہی آتما حویلی کا معاملہ اپنے انجام کو پہنچ جائے، اور سنیل کی جان کے ساتھ تمہارے خاندان کی جان بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پنڈت شنکر داس اور دیگر تمام آتماؤں سے تم سب کی جان چھوٹ جائے۔

''میں اپنے وقت مقررہ پر پہنچ جاؤں گا، تم لوگ تیار رہنا، اب مجھے اجازت دو، میں چلتا ہوں۔''

مہیش بولا۔ ''حکیم صاحب میں آپ کو اکیلے نہیں جانے دوں گا، میں نے بگھی والے کو بلا لیا ہے، وہ دیکھیں سامنے ہی بگھی کھڑی ہے، آپ برائے مہربانی انکار نہ کریں، یہ میری خوشی اور خواہش ہے کہ آپ بگھی پر جائیں، اور میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، آپ کو مطب پر اتار کر ہم واپس آ جائیں گے۔ میری خوشی کی خاطر، میری یہ بات رکھ لیں۔ چلئے بگھی تیار کھڑی ہے۔''

مہیش کی باتیں سن کر رولوکا بولا۔ ''مہیش تم فکر نہ کرو، میں چلا جاؤں گا، جب میں آ سکتا ہوں تو چلا بھی جاؤں گا، تم خواہ مخواہ تکلیف اٹھاؤ گے، خیر چلو آج میں تمہاری بات رکھ لیتا ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔'' یہ بول کر رولوکا مسکرانے لگا۔ اور پھر چلتے ہوئے دونوں بگھی کے قریب پہنچ گئے۔ دونوں بگھی پر سوار ہو گئے تو کوچوان نے گھوڑوں کو اشارہ دیا تو گھوڑے تیز چلنے لگے۔

مہیش بگھی والے سے بولا۔ ''راموگھوڑوں کو تیز چلاؤ کیونکہ شام سے پہلے پہلے واپس بھی آنا ہے۔ کیونکہ

مہیش صاحب کی اچھا ہے کہ ہم شام سے پہلے اپنے گھر واپس آ جائیں۔''

مہیش کی بات سن کر کوچوان نے گھوڑوں کو چابک سے اشارہ دیا تو گھوڑے ایسے ہو گئے جیسے کے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔

گھوڑوں کی تیز رفتاری دیکھ کر رولوکا بولا۔ ''بھئی گھوڑے بہت شاندار ہیں، انہیں چابک کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اشارہ پاتے ہی اپنے مالک کی مرضی سمجھ چکے ہیں اور اسی لئے ہوا سے باتیں کرنے لگے ہیں۔''

گھوڑے تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ آدھے راستے میں درختوں کا ایک جھنڈ پڑتا تھا۔ جب گھوڑے ان درختوں کے پاس پہنچے، درخت سڑک سے کنارے لگے تھے کہ دونوں گھوڑے زور سے ہنہنائے اور اچانک رک گئے۔ گھوڑوں کو دیکھ کر کوچوان بھی بد حواس ہو گیا تھا۔ اس نے گھوڑوں کو چابک سے اشارہ کیا مگر گھوڑے آگے بڑھ کر نہیں دے رہے تھے۔

''رامو کیا بات ہے، گھوڑے کیوں رک گئے؟'' مہیش نے پوچھا۔

''اجی یہ تو میرے سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے، لگتا ہے گھوڑوں کو کوئی ہوائی چیز نظر آ گئی ہے، اس وجہ سے گھوڑے اچانک رک گئے ہیں، کیونکہ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب گھوڑوں کو کوئی ہوائی چیز نظر آ جائے۔'' کوچوان بولا۔

یہ سن کر مہیش رولوکا کی طرف دیکھنے لگا۔ رولوکا کی آنکھیں بند تھیں لہٰذا مہیش نے رولوکا کو مخاطب نہیں کیا۔ اتنے میں رولوکا نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مسکرانے لگا، اس نے اپنی گردن بگھی سے باہر نکال کر ایسے دیکھنے لگا جیسے اس نے کسی خاص شئے کو دیکھ لیا ہو، پھر وہ بگھی سے نیچے اتر گیا۔

مہیش بھی بگھی سے اترنے لگا تو اس نے مہیش سے کہا۔ ''مہیش تم بگھی میں ہی بیٹھے رہو، میں دیکھتا ہوں معاملہ کیا ہے؟''

رولوکا کی بات سن کر مہیش بولا۔ ''اچھا جی!'' کہہ کر بگھی میں ہی بیٹھا رہا۔ رولوکا نے کوچوان سے کہا ''تم بھی اپنی سیٹ پر بیٹھے رہو، اور ذرا دھیان سے گھوڑوں کی لگام میں کھینچے رکھنا، اس لئے کہ یہ کہیں بدک نہ جائیں۔''

کوچوان بولا۔ ''ٹھیک ہے جی! میں نے ویسے بھی لگام کھینچ رکھی ہیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے اس لئے اسی طرح گھوڑے روک گئے ہیں۔''

بگھی سے نیچے اتر کر رولوکا نے اپنی نظریں درختوں کے گرد گاڑ دیں، کئی منٹ تک وہ ٹکٹکی باندھے اس طرف دیکھتا رہا۔ بگھی سے درخت تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھے۔ رولوکا نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر اس پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور اس مٹی کو درختوں کی طرف ہاتھ گھما کر پھینک دی۔

چند منٹ بعد ایسا لگا کہ جیسے درختوں کے قریب بھونچال آ گیا ہو، سارے درختوں کی بڑی چھوٹی ساری شاخیں ایسے ہلنے لگیں جیسے کہ کوئی بہت ہی زور دار طوفان آ گیا ہو، درختوں کے پتے جھڑ جھڑ کر زمین پر گرنے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گرد و غبار کا ایک زبردست طوفان نظر آیا۔

مہیش اور کوچوان تو درختوں کی حالت اور گرد و غبار کا طوفان دیکھ کر سکتے کی حالت میں آ گئے، ان دونوں کے دل دھڑکنے لگے کیونکہ انہوں نے یہ سب اچانک دیکھا تھا۔

رولوکا نے جیسے ہی مٹی اس طرف پھینکی تھی تو درختوں کی ایسی حالت ہو گئی تھی اور پھر گرد و غبار کا طوفان چشم زدن میں نظر آیا تھا۔ کوچوان نے پوری طاقت سے گھوڑوں کی لگام کھینچ رکھی تھیں۔ کیونکہ اگر گھوڑوں کی لگام ڈھیلی ہوتیں تو اب تک گھوڑے بدک کر کسی طرف بھی سرپٹ بھاگ چکے ہوتے اور اس صورت میں بگھی کو ناقابل تلافی نقصان ہو جاتا۔ ایسے حالات میں اکثر گھوڑے بدک جاتے ہیں۔ کوچوان نے بتایا۔

رولوکا نے زمین سے اور مٹی اٹھائی اپنی مٹھی میں لے کر اس پر بھی کچھ پڑھ کر درختوں کی جانب پھینک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔ چند لمحے بعد اس سے بھی کہیں بڑھ کر جھکڑ چلنے لگے جو پہلے چل رہے تھے۔ اب کی بار تو ان درختوں میں بجلی بھی کڑکنے لگی تھی۔

درختوں کے جھنڈ میں بہت ہی وحشت ناک، دہشت ناک اور خوفناک دل دہلا دینے والا منظر رونما تھا۔ یہ دیکھ کر رولوکا کوچوان کی طرف مڑا، اور ہاتھ کا اشارہ کیا کہ تم لوگ اپنی جگہ بے فکر رہو، گھبرانے اور خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پانچ منٹ تک درختوں کے پاس بہت ڈراؤنا منظر رونما ہوتا رہا۔ اسے دیکھ کر رولوکا نے ایک مرتبہ پھر زمین سے مٹھی میں مٹی اٹھائی اور اس پر بھی کچھ پڑھ کر درختوں کی جانب پھینک دی۔ چند لمحے بعد اس مرتبہ ان درختوں پر ایک تیز کڑکتی ہوئی روشنی پڑی اور پھر اس روشنی نے کئی درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اچانک سارے درختوں میں زور دار شعلے بھڑک اٹھے، شعلے ایسے تھے کہ جیسے آسمان سے باتیں کر رہے ہوں۔ جب یہ منظر رونما ہوا تو رولوکا واپس بگھی کے پاس آ گیا اور کوچوان سے بولا۔ ”گھبراؤ نہیں، بس تم گھوڑوں کی لگامیں کھینچے رکھو، چند منٹ میں سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، بس دیکھتے جاؤ۔“

پھر رولوکا بگھی پر چڑھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مہیش ابھی تک اچنبھے کی حالت میں خاموش بیٹھا تھا۔ ”کیوں بھئی! کیا خوف محسوس ہو رہا ہے؟“

رولوکا کی بات سن کر مہیش چونک پڑا اور بولا۔ ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”بالکل کوئی بات ہے تم ڈر رہے ہو، ڈرو نہیں! میں موجود ہوں ناں۔ قطعی گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ سب بس نظروں کا دھوکہ ہے۔ درخت پر چند بھٹکی ہوئی روحیں تھیں اور اس وجہ سے گھوڑے بہنہاتے ہوئے رک گئے تھے میں نے ان کا صفایا کر دیا ہے، اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ چند منٹ میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، ویسے تو ان سب کا کام ہو گیا ہے اور پھر میرے کارندے پہرے پر ہیں، میں نے ان کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ گھبراؤ نہیں کچھ بھی نہیں ہوگا، اور یہ بھی اس لئے ہوا کہ میں ساتھ ہوں۔

مجھے دیکھ کر ان روحوں نے اپنی موجودگی ظاہر کی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں روحوں کا مسکن ہوتا ہے، اس جگہ سے کوئی عامل، یا پہنچا ہوا گذرتا ہے تو ان روحوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے، ان کی بے چینی بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے اسے روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وجہ یہ کہ اس عامل کے ساتھ پوشیدہ طور پر اس کی نگہبان طاقتیں ہوتی ہیں۔“

چند منٹ بعد درختوں پر بھڑکتے ہوئے شعلے بالکل بجھ گئے تو رولوکا کوچوان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ”بھئی گھوڑوں کو آگے کی طرف بڑھاؤ، خطرے کی کوئی بات نہیں، اب گھوڑے آرام سکون سے آگے چلتے رہیں گے۔“

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ کوچوان نے چابک سے گھوڑوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ دیا تو دونوں گھوڑے آرام اور سکون سے آگے کی جانب بڑھنے لگے۔ جب بگھی درختوں کے قریب پہنچی تو کوچوان سے رولوکا بولا۔ ”چند منٹ کے لئے گھوڑوں کو روکو۔“

رولوکا کی بات سن کر کوچوان نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ دیں تو گھوڑے رک گئے۔ گھوڑوں کے رکتے ہی رولوکا بگھی سے نیچے اترا، اور بابلند آواز میں بولا۔ ”آج سے تم سب کا مسکن ان درختوں سے ختم ہو گیا، اب آئندہ ان درختوں پر آنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تم سب کا بہت نقصان ہوگا، کسی کو بھی آتے جاتے پریشان نہ کرنا، اور جو تم سب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس پر قائم رہنا۔ میں اپنے کارندوں کا پہرہ لگا کر جا رہا ہوں، میرے کارندے تم سب کی خبر گیری رکھیں گے۔“ اس کے بعد رولوکا بگھی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اور کوچوان سے بولا۔ ”ذرا تیز گھوڑوں کو لے چلو۔ تھوڑا وقت زیادہ ہو گیا ہے۔“

کوچوان نے گھوڑوں کو تیز رفتاری کا اشارہ دیا تو دونوں گھوڑے، بہت تیز سرپٹ بھاگنے لگے۔ اور پھر

ایک گھنٹہ تک حکیم وقار کے مطب کے سامنے جا کر رک گئی۔ رولوکا بگھی سے اتر گیا اور مہیش سے بولا۔ ”مہیش اب تم واپس جاؤ، راستے میں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، بے خوف ہو کر جاؤ، میں چائے پانی کے لئے روکتا مگر وقت زیادہ ہو رہا ہے لہٰذا جلد از جلد گھر پہنچو۔ میں صبح وقت مقررہ پر تمہاری حویلی کے دروازے پر پہنچ جاؤں گا، ٹھیک صبح کے ساڑھے دس بجے، تم سب تیار رہنا کیونکہ آتما حویلی میں جلد از جلد پہنچنا ہے، میں نے پنڈت شنکر داس کی آتما سے وعدہ کیا ہے۔“

مہیش نے ہاتھ جوڑ کر رولوکا کو نمسکار کیا اور کوچوان سے بولا۔ ”رامو واپس گاؤں چلو۔“ مہیش کی بات سنتے ہی رامو نے گھوڑوں کو واپسی کے لئے موڑا اور اشارہ دیا تو دونوں گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

مہیش دل ہی دل میں ایشور سے پرارتھنا کرنے لگا۔ ”ایشور تمہارا شکر ہے کہ تم نے ہمیں ایک مہان شکتی شالی پرش سے ملوا دیا، یہ تمہارا ہی کام ہے ورنہ اتنے سالوں سے ہم مصیبت میں پڑے تھے، ورنہ جانے اور کب تک ہمارا سکھ چین غارت ہوتا رہتا، ایشور تم سب کی سنتے ہو، کاش ہم بہت پہلے تمہارے آگے ماتھا ٹیک دیتے تو اتنی مصیبت نہ جھیلتے، ہم لوگوں کی باتوں میں پڑ کر ادھر ادھر بھاگتے رہے، اور جب ہم نے تمہارے آگے اپنا ماتھا ٹیکا تو تم نے صحیح راستہ دکھلا کر شکتی دان سے ملوا دیا۔“

پھر شام سے کافی پہلے ہی بگھی گاؤں میں داخل ہو گئی، اور حویلی کے مین گیٹ پر رک گئی۔

رولوکا بگھی سے اتر کر مطب میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حکیم وقار اپنی کرسی پر براجمان ہیں اور ان کے سامنے میز پر چائے کا کپ پڑا تھا۔ ملازم نے چند لمحہ پہلے ہی چائے لا کر رکھی تھی۔ رولوکا کو دیکھ کر حکیم مسکرانے لگے اور بولے۔ ”اچھے وقت پر آئے ہو، لو اور چائے پیو۔“

حکیم وقار نے ملازم کو آواز دے کر ایک کپ اور چائے لانے کا کہا۔ رولوکا ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تو حکیم وقار گویا ہوئے۔ ”اور سناؤ! مہیش کی حویلی میں گئے تھے کیا بنا!“

حکیم وقار کی بات سن کر رولوکا مسکرانے لگا اور بولا۔ ”وہاں کا منظر تو بہت ہی عجیب تھا، شنکر داس کی آتما جو کہ سیل پر سوار ہے اس نے تو ظلم و زیادتی اور شکایت کا پورا پنڈولا کھول دیا، مہیش کے دادا نے اپنی رعایا اور دیگر لوگوں پر بھی بہت ظلم کیا تھا۔ ڈاک بنگلہ میں جو بھی خوبصورت لڑکی ٹھہرتی تھی پہلے تو وہ اس سے ہمدردی اور اپنائیت کا جھانسہ دے کر اپنے ریسٹ ہاؤس میں بلاتے تھے اور جب وہ لڑکی ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر ریسٹ ہاؤس میں چلی جاتی تو اس کی عزت لوٹ لیتے تھے۔

اور جو لڑکی ان کے جھانسے میں نہیں آتی تھی تو وہ اس لڑکی کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور پھر آخر کار اس لڑکی کو کسی نہ کسی بہانے اغواء کرا کر اس کی عزت لوٹ کر اسے موت سے ہمکنار کر دیتے تھے۔ گاؤں میں دیگر لوگوں کی ماں بہنوں کی عزت بھی پامال کر دیتے تھے، جو بھی ان کے خلاف اپنی زبان کھولتا تو اسے بھی موت کا مزا چکھا دیتے تھے۔

ایک کے بعد ایک روح آن دھمکتی تھی اور اپنے پر بیتے ہوئے ظلم و زیادتی کی کہانی سنانے لگتی تھی۔ سب کے ساتھ انہوں نے اس قدر ظلم کیا کہ ان کی داستان سن کر آدمی دہل جاتا ہے، تمام روحوں کی کہانی اتنی طویل ہے کہ آدمی سنتے سنتے تھک جائے اور پھر اپنا دل پکڑ کر رہ جائے۔

پنڈت شنکر داس کی روح سرغنہ بنی ہوئی ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ ان سب نے مل کر مہیش کے دادا کی روح کو بھی اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔

مہیش کے دادا کو بھی شنکر داس اور دیگر کئی روحوں نے مل کر مارا تھا۔ اور جب ان کی موت ہو گئی تو سب نے مل کر ان کی روح کو اپنے قبضے میں کر کے قیدی بنا لیا۔ اس وقت سے لے کر ابھی تک ان کی روح اسی حویلی میں قید ہے، جس میں تمام روحوں نے اپنا مسکن بنا رکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، چونکہ وہ حویلی روحوں کا مسکن بنی ہوئی ہے لہذا قرب وجوار کے لوگوں نے اس حویلی کو آتما حویلی کا نام دے دیا تھا۔

حویلی کے اردگرد بلکہ جہاں حویلی قائم ہے اس کے قرب و جوار میں بھی آبادی نہیں ہے، اس طرف جاتے ہوئے لوگ خوف کھاتے ہیں اور پھر جو بھی بھولا بھٹکا اس طرف چلا جاتا ہے تو حویلی کی روحیں جو کہ حویلی کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں وہ سب اس شخص کا نقصان کر دیتی ہیں۔

اس حویلی میں سینکڑوں روحیں رہتی ہیں، تمام مرنے والوں کو بے دردی سے مارا گیا اور پھر انہیں گڑھا کھود کر مٹی میں دبا دیا گیا یا پھر انہیں دریا برد کر دیا گیا۔

تمام کی تمام روحیں بہت ہی غضبناک حالت میں بپھری ہوئی ہیں، وہ کسی بھی صورت اس خاندان کو چھوڑنے سے انکار کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سب اس نسل کو سسکا سسکا کر ماریں گے۔ اور اب ان کا نشانہ سنیل ہے۔

اگر ان روحوں کو روکا نہیں گیا تو کسی بھی وقت وہ سب سنیل کو مار دیں گی اور پھر سنیل کے بعد کسی اور کا نمبر ہوگا۔

میں بہت ہی شش و پنج میں ہوں کہ کیا قدم اٹھاؤں کہ مہیش کی پوری فیملی بچ جائے اور پھر ان روحوں کو بھی آزادی مل جائے، وہ سب اس حویلی کو چھوڑ دیں۔ لیکن جب تک وہ سب کی سب حویلی مین ایک جگہ رہیں گی اس وقت تک وہ سب مل کر پورے علاقے میں اور علاقہ سے باہر بھی اودھم مچاتی رہیں گی۔

سنیل کو بچانا بہت ضروری ہے، میں نے وعدہ کرلیا ہے کہ چاہے مجھے جتنی بھی محنت کرنی پڑے میں جان توڑ کوشش کر کے ان آتماؤں سے مہیش کی فیملی کی جان بچاؤں گا۔ آپ میرے حق میں دعا کریں کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔"

یہ سن کر حکیم وقار بولے۔ "میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میں تو ہر نماز میں آپ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں کیونکہ آپ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے کوشاں ہیں۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈال کر خطرناک سے خطرناک بھٹکی ہوئی روحیں، ظالم بھوت چڑیل اور پھر سر پھرے جنات سے لوگوں کو چھٹکارا دلاتے ہیں۔

آپ کے سامنے میں تو اپنے آپ کو بہت ہی ہیچ سمجھتا ہوں کیونکہ میں تو دواؤں کے پیسے لے لیتا ہوں مگر آپ راہ خدا میں مسلسل خدمت کئے جا رہے ہیں اور کسی سے ٹکا پیسہ بھی نہیں لیتے بلکہ اگر کچھ لگتا ہے تو اپنے پلے سے لگا دیتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی دے، حوصلہ ہمت دے تاکہ آپ شب و روز انسانیت کی خدمت کریں۔"

اتنے میں ملازم چائے کا دوسرا کپ لے آیا۔ اس نے میز پر رکھا اور چلا گیا تو حکیم وقار نے کہا۔ "چلیں چائے پئیں۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

چائے پینے کے درمیان بھی ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد ایک ملازم آیا اور اس نے اطلاع دی کہ "ایک مریض کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی ہے۔" یہ سنتے ہی حکیم وقار اپنی کرسی سے اٹھ گئے تاکہ مریض کو دیکھ سکیں۔

حکیم وقار سے رولوکا بولا۔ "چلئے آپ کے ساتھ میں بھی چلتا ہوں، دیکھوں کہ اس مریض کو کیا تکلیف ہے؟ میں اکیلا اس جگہ بیٹھ کر کیا کروں گا۔ بولتے ہیں ناں کہ ایک سے دو بھلے اچھے ہوتے ہیں۔"

رولوکا بھی اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور حکیم وقار کے ساتھ مریض کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔

رولوکا اور حکیم وقار دونوں مریض کے کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مریض کی حالت بہت ابتر تھی، مطب کے کئی کمروں میں مریض ٹھہرے ہوئے

تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دور دراز سے آئے ہوئے مریض کو دو تین دن کے لئے حکیم وقار مطب میں ٹھہرا لیتے تھے اس لئے کہ دور دراز کا کوئی بھی مریض آ جا نہیں سکتا تھا۔

مریض کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر کو ابلی پڑی تھیں، اس کا چہرا ایسا نظر آتا تھا کہ جیسے چہرے پر ہلدی مل دی گئی ہو، مریض نے رولوکا کو بھرپور نظروں دیکھا اور پھر چونک گیا، اس کے چونکنے کا عمل بہت ہی عجیب تھا جسے حکیم وقار نے بھی محسوس کیا۔

رولوکا نے بھی مریض پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں تو مریض کے پورے وجود میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مریض کسمسانے لگا۔ رولوکا نے مریض پر سے اپنی نظریں ہٹائیں نہیں۔

مریض نے فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں تو حکیم وقار نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا لیکن مریض نے اپنی آنکھیں نہیں کھولیں، حکیم وقار نے کئی مرتبہ اس کا نام لیا اور بولے۔ "مختار اپنی آنکھیں کھولو، بتاؤ کیا تکلیف ہو رہی ہے! چلو شاباش آنکھیں کھولو اور مجھے بتاؤ اپنی تکلیف کے متعلق تاکہ میں دوا کھلاؤں، دوا کھاتے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

مگر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس نے حکیم وقار کی بات سنی نہیں ہو۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ بس کچھ بھی نہیں یعنی میں ٹھیک ہوں۔

رولوکا آگے بڑھا اور اس نے مریض کی کلائی پکڑ لی اور دو تین مرتبہ اس کے ہاتھ کو ہلایا تو مریض غصے کی حالت میں اپنی آنکھیں کھول دیں اور جیسے پھنکارتے ہوئے اپنی ناک سے بہت زور سے سانس باہر کو نکالی، اور رولوکا کو قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا۔ تو رولوکا نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اور بولا۔ "اچھا خیر! سو جاؤ! ہم چلے جاتے ہیں۔"

حکیم وقار نے ملازم سے کہا۔ "آب شفا لا کر اسے پلا دو، ذرا جلدی لانا۔" ملازم دوڑتا ہوا گیا اور چند منٹ میں آب شفا لے آیا۔ حکیم وقار مریض سے بولے۔ "چلو اٹھ کر یہ پی لو، اس سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

رولوکا حکیم وقار سے بولا۔ "چلیں، ہم چلتے ہیں، جب تک میں یہاں رہوں گا تو یہ آب شفا نہیں پیئے گا، ہمارے جاتے ہی یہ ملازم کے ہاتھ سے پی لے گا۔" اور ایسا ہی ہوا۔ رولوکا اور حکیم وقار جیسے ہی کمرے سے نکلے تو مریض نے آب شفا پی لیا۔

حکیم وقار کے کمرے میں آ کر دونوں کرسی پر بیٹھ گئے، حکیم وقار نے رولوکا سے پوچھا۔ "بھئی معاملہ کیا ہے مریض نے آپ کو دیکھتے ہی چونک کیوں گیا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں اور پھر اس نے آب شفا بھی نہیں پیا۔" رولوکا افسردہ لہجے میں بولا۔ "حکیم صاحب، اس پر بہت سخت کالا جادو کیا گیا ہے، اور یہ کافی دنوں سے جادو کا شکار ہے، جادو کرنے والے نے بہت سخت عمل کیا ہے، اور اب اس کا توڑ ممکن نہیں۔ عمل اس کے نس نس میں سرایت کر گیا ہے، اس عمل کا پیر بہت ظالم اور خطرناک ہوتا ہے، وہ بہت آہستگی سے اپنا کام کرتا ہے، مطلوب کو مرض میں مبتلا کر کے مریض بنا دیتا ہے، مریض کے جسم کا خون آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتا ہے۔ اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ مریض موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اس عمل کا پیر چوبیس گھنٹے مریض کے جسم پر قابض رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے دیکھتے ہی وہ چونک گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا مریض کسی بھی عامل سے نظریں نہیں ملاتا اور اگر غلطی سے اس کی نظر عامل پر پڑ بھی جائے تو فوراً اپنی نظریں پھیر لیتا ہے۔

آپ کل صبح ایسا کریں کہ اسے تھوڑی بہت دوا دے کر چلتا کر دیں اور یہی اس کے حق میں بہتر ہوگا، کیونکہ میرے خیال میں اب یہ دو تین دن ہی جی پائے گا، تیسرے دن یہ موت کے منہ میں چلا جائے گا، اگر یہ یہاں رہا تو بہت ہی پیچیدہ مسئلے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

حکیم وقار نے کہا۔ "اگر کچھ ہو سکتا ہے تو آپ کچھ کر دیں، اس پر جو جادو کیا گیا ہے، اس کا کسی صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو توڑ ہوگا، اگر کسی کی زندگی بچتی ہے تو یہ بھی نیکی کا کام ہے۔"

"حکیم صاحب اب وقت گزر چکا ہے، اگر ایک فیصد بھی چانس ہوتا تو میں سنبھال لیتا، جب کسی انسان کے جسم میں خون ہی نہ ہو تو، وہ بھلا کیسے جی سکتا ہے۔ اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہے، دل اور جگر کے اردگرد جو رگیں ہیں، صرف انہی میں خون دوڑ رہا ہے، اس کے علاوہ سارے جسم میں دوران خون ختم ہو چکا ہے اور اس لئے جسم کی ساری رگیں سکڑ گئی ہیں۔ اب علاج ممکن نہیں رہا۔ آپ کل صبح پہلی فرصت میں دوا وغیرہ دے کر چھٹی کر دیں۔"

حکیم وقار بولے۔ "ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا۔"

رولو کا بولا۔ "اچھا اب میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں، کل صبح مجھے بھی مہیش کے گاؤں جانا ہے، میں نے آتما حویلی کے لئے وعدہ کر لیا ہے، آپ دعا کرنا کہ کل ہی مہیش والا معاملہ ٹھیک ہو جائے۔" یہ بول کر رولو کا نے حکیم وقار سے مصافحہ کیا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

رولو کا اپنے کمرے میں آ کر بستر پر بیٹھ گیا، اس کا ذہن بہت ہی الجھا ہوا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ آتما حویلی میں مقید روحوں کا خاتمہ کر دیا جائے یعنی ان روحوں کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے، اس کی خواہش تھی کہ سب سے پہلے پنڈت شنکر داس کی روح راہ راست پر آ جائے تو دیگر بھی راہ راست پر آ جائیں گی۔ کیونکہ شنکر داس کی ہی روح سب کی نگراں تھی اور تمام روحیں اس کے قابو میں تھیں۔

یہ کام اتنا آسان بھی نہیں تھا کیونکہ رولو کا اکیلا تھا اور مدمقابل کئی سو روحیں تھیں، سب کو بیک وقت شکنجے میں جکڑنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

لیکن رولو کا نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ان بد روحوں سے مہیش فیملی کی جان چھڑا کر رہوں گا۔

رولو کا اپنے کمرے میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں سے والی رابطہ کرنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ زیادہ دیر نہیں لگی کہ اپنے استاد کی روح سے اس کا رابطہ ہو گیا۔ اس نے ذہنی لہروں کے ذریعہ استاد سے مشورہ کرنے لگا کہ "کل آتما حویلی میں پنڈت شنکر داس اور اس کی ساتھی جو سینکڑوں روحیں ہیں ان سے میرا واسطہ پڑے گا، اور میں نے حق کے لئے قدم اٹھایا ہے، ایک ایسا خاندان جو کہ ایک طویل عرصہ سے ان روحوں کے ظلم و زیادتی کا شکار ہو رہا ہے۔

استاد میں آپ سے مدد کا طلبگار ہوں، میری تو کوشش ہوگی کہ وہ تمام روحیں سکھ شانتی سے راہ راست پر آ جائیں اور اگر انہوں نے میری بات نہیں مانی تو ان کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے؟"

استاد کی روح نے جواب دیا۔ "گھبراؤ نہیں، ہم اور ہمارے بڑے بھی تمہارے ساتھ ہیں، تم کوشش تو یہی کرنا اور انہیں سمجھانا کہ جو ہونا تھا ہو گیا، ان کے بڑوں نے غلطیاں کیں اور وہ اب اس دنیا میں نہیں۔ اس شخص کی روح بھی تمہارے پاس قید ہے، اور تم لوگ ایک طویل عرصہ سے اسے اذیت دے رہے ہو، اور ابھی تک تمہارے پاس قید ہے، اور تم لوگ ایک طویل عرصہ سے اسے اذیت دے رہے ہو، اور ابھی تک تمہارا انتقام پورا نہیں ہوا، چلو ہم مانتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ پورا پریوار تمہارے انتقام کا بھینٹ چڑھ کر ختم ہو جائے گا، پھر تمہیں کیا ملے گا، اس کے بعد تم پھر کسی سے انتقام لو گے۔

اسے سمجھانے کے باوجود وہ تمام روحیں اور خاص طور سے پنڈت شنکر داس کی روح نہ مانے تو بس پھر تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل پیرا ہو جانا۔

میں کالا باری کے ویرانے میں موجود جنات قبیلہ کے سردار سے رابطہ کرتا ہوں تا کہ وہ تمہاری مدد کو حاضر ہو جائیں، اور مجھے امید ہے کہ وہ یقیناً میری بات مان کر تمہاری مدد کو آئیں گے، تم کسی قسم کی فکر مت کرو۔ تم میرے جواب کا انتظار کرو۔"

پھر چند منٹ تک استاد کی روح کا رابطہ رولو کا سے منقطع ہو گیا۔ یعنی استاد کی روح نے کالا باری کے

ویرانے میں موجود جنات کے قبیلہ کے سردار سے رابطہ میں لگ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی استاد کی روح نے خوشخبری سنائی کہ "جنات قبیلہ کے سردار نے میری بات مان لی ہے اور وہ تمہاری مدد کے لئے سینکڑوں جنات روانہ کر دے گا، اس کا کہنا ہے کہ "آپ نے کیوں تکلیف کی اگر آپ کا شاگرد رولو کا بھی ہم سے رابطہ کرتا تو میں بخوشی اس کی مدد کے لئے اپنے جنات نوجوانوں کو بھیج دیتا، میں اسے جانتا ہوں، کئی مواقع پر ہم نے اسے دیکھا ہے۔"

"بہرحال تم گھبراؤ نہیں اور بے خوف و خطر آتما حویلی جاؤ۔ میرا ابھی مشورہ ہے کہ شنکر داس کی روح اور پھر تمام دیگر روحوں سے مشورہ کرنا کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور راہ راست پر آ جائیں۔ تم ہر طرح کی کوشش کر لینا سمجھا کر اور اگر وہ نہ مانیں تو پھر مجبوراً ان کے وجود کے خاتمہ کے لئے انتہائی قدم اٹھا دینا۔"

استاد کی روح نے دلاسہ دیا تو رولو کا مطمئن ہو کر اپنی آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بالکل بے فکر ہو چکا تھا کہ استاد کی روح نے بھی فیصلہ کن بات کر دی تھی کہ پہلے شنکر داس کی آتما اور دیگر آتماؤں کو ضد چھوڑنے کے لئے مشورہ دینا اور اگر وہ سب اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہیں تو پھر ان کے خلاف انتہائی قدم اٹھا دینا کہ ان کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

رولو کا صبح سویرے اٹھ گیا اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد حکیم وقار کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر ناشتہ کے بعد تھوڑی دیر گپ شپ کرتا رہا اور پھر پونے دس بجے وہ حکیم وقار کے پاس سے مصافحہ کرنے کے بعد اٹھ گیا اور بولا۔ "حکیم صاحب میں اب مہیش کے گاؤں جانے کی تیاری کرنے جا رہا ہوں، آپ میرے حق میں دعا کریں کہ اس مسئلے میں میں کامیاب ہو جاؤں۔"

حکیم وقار بولے۔ "میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میں ہر نماز میں آپ کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتا ہوں، آپ جائیں، اللہ حافظ۔"

رولو کا اپنے کمرے میں آ گیا اور پھر اس نے مہیش کے گاؤں کا تصور کر کے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر پلک جھپکتے ہی وہ گاؤں کی حدود پر کھڑا تھا۔

وہ چلتا ہوا گاؤں میں داخل ہوا، اور مہیش کی حویلی کی طرف چلنے لگا، چند منٹ میں وہ حویلی کے پاس پہنچ گیا۔ حویلی کے پہریداروں نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور خیر خیریت دریافت کرنے لگے۔ اسی اثناء میں مہیش حویلی کے اندر سے مین دروازے پر آیا تو رولو کا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور گلے سے لگ گیا۔

"حکیم صاحب آپ نے کل کہا ہوتا تو میں صبح ہی صبح بگھی روانہ کر دیتا، خیر آپ کس لاری سے آئے، آنے میں کوئی تکلیف تو نہ ہوئی۔"

رولو کا بولا۔ "ایک لاری آ رہی تھی میں اس پر بیٹھ گیا اور پھر آرام سکون سے لاری نے مجھے بڑی سڑک پر اتار دیا، اور اب میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"حکیم صاحب آپ کا بہت بہت دھنے واد، اس کا اجر تو آپ کو بھگوان ہی دیگا، آپ ہمارے لئے کشٹ اٹھا رہے ہیں، مرتے دم تک ہم آپ کا احسان نہیں بھولیں گے۔" مہیش بولا۔

"مہیش میاں اس میں احسان والی کوئی بات نہیں۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے، اگر میری کوشش سے آپ لوگوں کی اذیت ناک تکلیف سے جان چھوٹ جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر انسانیت کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے، یہ تو اوپر والے نے بھی فرما رکھا ہے کہ کسی کی مصیبت کے وقت آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنی چاہئے۔ خیر اب تم لوگ چلنے کی تیاری کرو کیونکہ یہاں سے اب فوراً نکلنا ہے۔ اپنے پتا، سنیل اور پانچ بندوں کو ساتھ لے لو، کیونکہ تمہارے ملازموں کی اس جگہ ضرورت پڑ سکتی ہے۔" رولو کا نے مہیش سے کہا۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ اس جگہ تین گھوڑا گاڑیاں آ گئیں اور پھر آتما حویلی جانے والے افراد حویلی کے گیٹ پر جمع ہو گئے۔ تو رولو کا بولا۔ "آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ بگھی میں بیٹھ جائیں۔"

ایک بگھی پر مہیش کے ملازم، دوسری پر سنیل اور اس کے پتا سوار ہو گئے جبکہ تیسری بگھی پر رولوکا اور مہیش سوار ہو گئے۔

رولوکا جس بگھی میں موجود تھا وہ بگھی سب سے آگے تھی، درمیان میں سنیل والی بگھی اور سب سے آخیر میں ملازموں کی بگھی تھی۔ پندرہ منٹ میں ہی تینوں بگھی ایک ویران حویلی سے کچھ دور پہنچ کر رک گئیں۔

مہیش بولا۔ "حکیم صاحب یہی آتما حویلی ہے۔"

سب سے پہلے رولوکا بگھی سے اترا، تو اس نے اپنی نظروں سے دیکھا کئی سو نادیدہ قوتیں حویلی کے اوپر فضا میں اور حویلی کے اردگرد موجود تھیں۔ وہ سب جنات تھے جو کہ وقت ضرورت رولوکا کی مدد کے لئے آن پہنچے تھے، انہیں دیکھ کر رولوکا نے اپنی مخفی طاقتوں کے ذریعہ ان کا شکریہ ادا کیا۔

رولوکا کے اپنے غائب کارندے بھی چوکس موجود تھے، جاگتا الو بھی مستعد نظر آ رہا تھا۔ رولوکا آگے کی طرف بڑھا، اس کے پیچھے مہیش سنیل، اس کے پتا اور ملازم تھے۔

حویلی سے چند قدم پہلے رولوکا رک گیا اور زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر کچھ منہ ہی منہ میں پڑھا اور مٹھی پر پھونک مار کر، مٹھی کھول دی اور پھر مٹھی کی مٹی حویلی کی طرف اچھال دی۔ مٹی نے ایک دودھیا لکیر میں بدل گئی اور پھر وہ لکیر حویلی کی طرف بڑھی۔ حویلی کے قریب جا کر وہ لکیر بڑی تیزی سے چاروں طرف گھوم گئی۔ یعنی رولوکا نے اس طرح حویلی کے گرد ایک مضبوط حصار کھینچ دیا تھا۔

رولوکا پھر زمین پر جھک کر چند چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا کر اپنے دایاں ہاتھ میں پکڑ لیا، پھر ان پتھروں پر بھی کچھ پڑھ کر پھونکا۔ اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے والوں کو پیچھے آنے کا کہا۔

رولوکا حویلی کے گیٹ کے قریب پہنچ کر رک گیا اور پھر اس نے سارے پتھر بائیں ہاتھ میں رکھ لئے، اس کے بعد چند پتھر سیدھے ہاتھ میں لے کر ان پتھروں کو حویلی کے دروازے پر بہت زور سے مارا۔ پتھروں کا دروازے پر لگنا تھا کہ حویلی کے اندر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا اور اچانک حویلی کا دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا۔

جب وہ دروازہ کھل گیا تو رولوکا آگے بڑھا اور دروازے پر کھڑے ہو کر باقی پتھروں کو بھی حویلی کے صحن میں بہت زور سے اس طرح پھینکا کہ کچھ پتھر اندرونی دیواروں سے ٹکرا گئے۔ تو اچانک حویلی کے پورے صحن میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا اور پھر چند منٹ میں سارا دھواں غائب ہو گیا۔

دھوئیں کے غائب ہونے کے بعد رولوکا، مہیش، سنیل اس کے پتا اور ملازموں سے بولا۔ "آپ لوگ کسی قسم کا بھی خوف دل میں نہ لائیں، میرے پیچھے پیچھے اندر آ جائیں اور جب میں مخاطب کروں تو بولنا۔ اگر میں مخاطب نہ کروں نام لے کر تو آپ سب بالکل خاموش رہنا۔ اور پھر رولوکا نے کچھ پڑھ کر ان سب پر پھونک ماری۔ اس کے بعد کچھ اور بھی پڑھ کر اپنے دونوں کندھوں کے سائیڈ پھونک ماری اور ساتھ ہی ہاتھ پر بھی پھونک مار کر دونوں ہاتھوں کو اپنے سر پر پھیر لیا، اس کے بعد رولوکا نے حویلی کے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا۔ اور آگے صحن میں بڑھنے لگا، اس کے پیچھے سارے افراد خاموشی سے چل رہے تھے۔

صحن میں پہنچ کر رولوکا رک گیا۔

حویلی کے اندر نیچے کچھ دروازے تھے، رولوکا آگے بڑھا اور خود اپنے ہاتھ سے ہر دروازے کو کھول دیا۔ برسوں سے سارے دروازے بند پڑے تھے اور ان کے قبضے زنگ آلود ہو چکے تھے مگر رولوکا کا ہاتھ لگتے ہی بے چوں چرا سارے دروازے کھل گئے۔ دروازے کھولنے کے بعد رولوکا واپس صحن میں اپنی جگہ پر آ گیا اور بابلند آواز میں بولا۔

"شنکر داس! میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ

کل میں آتما حویلی میں ضرور آؤں گا، دیکھ میں وعدہ کے مطابق آ گیا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تو اور تیری ساتھی ساری آتمائیں کسی قسم کا کوئی چھل نہیں کریں گی۔"

سامنے دالان میں جب رولوکا نے دیکھا تو چونک گیا کیونکہ دالان میں ایک ڈھانچہ لٹکا ہوا جھول رہا تھا۔ اس کی گردن میں ایک مضبوط رسی بندھی تھی اور وہ اس رسی کے سہارے جھول رہا تھا۔ رسی اوپر ایک کنڈے میں بندھی پڑی تھی۔

رولوکا پھر بلند آواز میں بولا۔ "شنکر داس مجھے جواب چاہئے کہ اب تو کیا چاہتا ہے؟ اپنی مرضی بتا، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اور دیکھ میں سنیل کو بھی ساتھ لایا ہوں۔ مجھے فوری جواب دے۔"

حویلی کے ایک کونے والے کمرے میں بہت ہی اندھیرا تھا۔ اس کمرے میں سے شنکر داس کی آتما کی آواز گونجی۔ "میں مانتا ہوں کہ تو مہان شکتی ہے، تو وعدے کا پکا ہے، تو نے وعدہ کیا کہ تو اس حویلی میں ضرور آئے گا اور تو آ گیا۔ یہ تیرا جگرا ہے کہ تو نے اس حویلی میں قدم رکھا اور وہ بھی ظالم راجندر کی نسل کے ساتھ۔ اگر تیری جگہ کوئی اور آج ہوتا تو حویلی کے دروازے پر ہی اس کا کلیجہ پھٹ جاتا اور ترنت جل کر راکھ ہو جاتا۔ مگر تیری شکتی مہان ہے اس لئے تو حویلی میں ان لوگوں کے ساتھ موجود ہے۔

یہ جو ڈھانچہ جھول رہا ہے یہ ڈھانچہ ٹھاکر راجندر کا ہے، اب تو خود ہی اس سے سوال جواب کر لے کہ اس ظالم اور پاپی نے ہم سب کے ساتھ ظلم کیوں کیا؟ یہ اپنے منہ سے بتائے گا اپنے کرتوتوں کے بارے میں، تو اس کی زبانی سن کر خود ہی فیصلہ کر کہ ہم سچے ہیں کہ غلط" اور شنکر داس کی آواز آنا بند ہو گئی۔

رولوکا ڈھانچے کی طرف متوجہ ہوا، اور بولا۔ "راجندر تو دیکھ تیرے سامنے تیرا اکلوتا بیٹا بلونت تیری وجہ سے کس قدر اذیت ناک زندگی سے دوچار ہے، اور یہ تیرے دو پوتے مہیش اور سنیل بھی تیرے سامنے ہیں، تو سنیل کو دیکھ کہ تیری زیادتیوں اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے یہ کس حالت کو پہنچ گیا ہے۔ تیرے خاندان کے افراد روزانہ پل پل مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ تیری موت کے بعد سے لے کر آج تک ان لوگوں نے سکھ شانتی کا منہ نہیں دیکھا، ان تمام عرصے میں انہوں نے یہ نہیں جانا کہ سکھ چین کیا ہوتا ہے؟ کئی افراد ان آتماؤں کے ہاتھوں گھٹ گھٹ کر مر چکے ہیں، اور ان کے بقول اب سنیل کی باری ہے مرنے کی۔

تو نے اپنے نفس کی خاطر جو ظلم کے پہاڑ لوگوں پر توڑے، اس کا رن اس کے بدلے میں تیرے خاندان والے اذیت بھگت رہے ہیں، تو تو مر کر اذیت بھگت رہا ہے اور یہ لوگ زندہ رہتے ہوئے بھگت رہے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دے کہ خفیہ طور پر کہاں کہاں دھن دولت کو چھپا رکھا ہے؟"

"شکتی وان مہاپرش! میں تجھے نمسکار کرتا ہوں، میں مانتا ہوں، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ظلم کے پہاڑ توڑے، میں اپنے نفس کا غلام بن کر رہ گیا تھا۔ میرے خاندان والے، میرا اکلوتا بیٹا، میرے پوتے اور دیگر لوگ میری غلط کرنی کا بھوگ بھگت رہے ہیں، میں اس کے لئے سب سے معافی مانگتا ہوں۔ میں بہت شرمندہ ہوں، میں بھی موت سے پہلے اور موت کے بعد سے ابھی تک اذیت ناک تکلیف سے دوچار ہوں، ان آتماؤں کے ہاتھوں، میں نے شنکر داس اور اس کی پتری کے ساتھ بھی بہت انیائے کیا۔

مہاپرش! میری آپ سے بنتی ہے کہ آپ مجھ سمیت سب کا خاتمہ کر دیں۔ سامنے والے بڑے کمرے میں کونے میں ایک لکڑی کا بڑا سا لٹو لگا ہوا ہے، اسے زور سے گھمانے سے اس کے برابر میں ایک دروازہ نمودار ہو گا، اس دروازے کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اس کمرے میں چار صندوق پڑے ہیں، ان صندوقوں میں دھن دولت رکھا ہوا ملے گا، ان صندوقوں کو یہ میرے پریوار والے لے جائیں تاکہ آئندہ کی ان کی زندگی سکھ شانتی سے بسر ہو، میں اپنے بیٹے بلونت اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوتے مہیش و سنیل اور تمام پریوار والوں سے معافی مانگتا ہوں۔'' اور راجندر کے ڈھانچے کے اندر سے آواز آنا بند ہوگئی۔

''شنکر داس! تو نے بھی راجندر کی باتیں سن لیں، جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب تو بتا کہ تیری مرضی کیا ہے۔ کیا تو اس خاندان کو تکلیف پہنچانے سے رک سکتا ہے کہ نہیں اور پھر تیری ساتھی تمام آتمائیں بھی ان لوگوں کو کوئی اذیت نہیں دیں گی، میں نے تم لوگوں پر ظلم کیا وہ خود بھی تم لوگوں کے ظلم کا شکار ہوا، اور اب تک اذیت بھگت رہا ہے، شنکر داس میری بات مان لے اور اس خاندان کا تم سب پیچھا چھوڑ دو، اس میں تم سب کی بھلائی ہے، نہیں تو پھر.....'' اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

شنکر داس اور اس کی ساتھی آتماؤں نے کسی صورت بھی یہ مان کر نہیں دیا کہ وہ سب راجندر پریوار کا پیچھا چھوڑ دیں گی۔ سب میں پیش پیش شنکر داس کی آتما تھی۔

سب نے مل کر نا قابل برداشت حد تک اودھم مچایا، سارے ہتھکنڈے استعمال کر لئے کہ حویلی میں رولوکا سمیت جتنے بھی افراد موجود تھے ان کا خاتمہ کر دیں مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی ان سب نے کسی کا بال تک بیکا نہ کر سکیں۔ لیکن سب کی سب اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑی رہیں، ان کا ایک ہی کہنا تھا کہ ''ہم اس خاندان کو پل پل سسکا سسکا کر ماریں گے۔''

رولوکا نے ان سب کو ہر طرح سے سمجھایا، بہت منت سماجت کی کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دیں مگر وہ سب اپنی ضد پر قائم رہیں۔

راجندر کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کمرے سے چاروں صندوق نکال لئے گئے تھے، ان صندوقوں میں چاندی سونے کی اینٹیں، زیورات اور بے شمار جواہرات موجود تھے۔ چاروں صندوق حویلی میں لائے گئے۔

رولوکا آخر کار جب تھک گیا، شنکر داس کی آتما اور دیگر تمام آتماؤں کی منت کر کے تو پھر بولا۔ ''شنکر داس اب میں چلتا ہوں، آگے تم سب کی مرضی۔'' رولوکا نے اپنے ساتھ آئے سنیل، اس کے پتا اور مہیش کو اشارہ کیا کہ حویلی سے باہر نکلو۔ پانچوں ملازم پہلے ہی صندوق لے کر باہر جا چکے تھے۔

سب سے پیچھے رولوکا آتما حویلی سے باہر نکلا تو خود بخود حویلی کا دروازہ بند ہوگیا۔ اور پھر کان پھاڑ دینے والے زوردار دھماکے حویلی میں سنائی دینے لگے، ایسا لگتا تھا کہ جیسے حویلی کے اندر طاقتور بم پھٹ رہے ہوں۔

اچانک پوری آتما حویلی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، پوری حویلی میں کربناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ اور پھر پوری حویلی شعلوں کی لپیٹ میں زمین بوس ہوگئی۔ پھر بھی شعلے بھڑکتے رہے۔ آدھا گھنٹہ تک شعلے بڑھکنے کے بعد ٹھنڈے پڑ گئے۔

آتما حویلی میں موجود تمام آتمائیں جل کر خاکستر ہوگئی تھیں، ان کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا تھا۔ ان آتماؤں سمیت راجندر کی آتما کا بھی وجود ختم ہوگیا تھا۔

سارے افراد بگھی پر سوار ہو کر مہیش کے گاؤں آ گئے۔ اب سنیل کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کبھی اس کی طبیعت خراب تھی ہی نہیں۔ مہیش کے پتا رولوکا کے پاؤں پر جھک گئے مگر رولوکا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا اور بولا۔ ''بلونت جی اب آپ کا خاندان بالکل محفوظ ہوگیا ہے، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، اب آپ لوگ خوش و خرم زندگی گزاریں، کمزوروں اور دکھی لوگوں کے ساتھ ہمدردی کریں، لوگوں کے کام آنا بھی انسانیت ہے۔ تمام روحوں کا خاتمہ ہوگیا ہے۔''

رولوکا نے سب سے مصافحہ کیا اور دلی حکیم وقار کے مطب میں آ گیا۔

(جاری ہے)

پراسرار خواب

محمد عمران سعید-لاہور

اچنبھے میں ڈالتا ہوا ایک عجیب و غریب خواب جو کہ مسلسل کئی لوگوں کو ایک عرصہ تک نظر آتا رہا، خواب بہت ہی سہانا تھا مگر حقیقت کچھ اور تھی، اور جب حقیقت اس نوجوان کے سامنے آئی تو وہ حواس باختہ ہوگیا۔

حقیقت سے چشم پوشی اکثر انسان کو نقصان پہنچاتی ہے، جس کا ثبوت کہانی میں موجود ہے

کانو کا ہوٹل کے رہائشی کمروں کی دیواریں لکڑی کے تختوں اور بانس سے بنی ہوئی تھیں جو یہاں کے مخصوص طرز تعمیر کی نشاندہی کرتی تھیں۔ اگر کوئی چاہتا تو دیوار کے ساتھ کان لگا کر ساتھ والے کمرے کی آواز سن سکتا تھا، اس وقت بھی یہی تماشا ہو رہا تھا۔ جیفرے شیو بنانے کے ساتھ ساتھ برابر والے کمرے سے آنے والی آوازیں بھی سن رہا تھا۔

''اب بس بھی کرو ایسی خوفناک باتیں مت کرو۔'' ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

''میں باتیں نہیں کر رہا تمہیں اپنا خواب سنا رہا ہوں۔'' یہ آواز کسی مرد کی تھی۔

''یہ خواب نہیں تم نے مجھے ڈرانے کیلئے خود سے کہانی بنائی ہے۔'' عورت کا لہجہ شکایت بھرا تھا۔

''نہیں۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں میں نے واقعی یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواب دیکھا ہے کہ ایک عورت یہاں اسی جگہ پر اپنے بالوں کو کنگھی کررہی ہے اور.....“

”اچھا بس“ عورت نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اب جلدی سے تیار ہوجاؤ۔“

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر مرد کی آواز سنائی دی ”میری جرابیں کدھر ہیں.....؟“

”تم نے ہاتھ میں تو پکڑی ہوئی ہیں“ عورت کی آواز سنائی دی۔

”یہ صرف ایک جراب ہے۔“

”دوسری بھی یہیں کہیں ہوگی۔“

”کہیں نہیں ہے۔“

”میرے بیگ میں دیکھ لو“ عورت کی آواز آئی۔

”یہ تم نے میری جرابیں اپنے بیگ میں کیوں رکھ دی ہیں؟“ اس بار مرد کا لہجہ شکایت لئے ہوئے تھا۔

”صبح میں نے پلنگ پر سے اپنے کپڑے اٹھائے تو اس میں شامل ہوگئی ہوگی۔“ عورت کی آواز سنائی دی۔

”تم ہمیشہ میری چیزیں ادھر ادھر کردیتی ہو“ مرد کا لہجہ شکایت بھرا تھا۔

”اور ڈھونڈ بھی تو دیتی ہوں“ عورت کی آواز سنائی دی۔

جیفرے نے شیو مکمل کرلی تھی، وہ باتھ روم سے نکلا اور پھر کمرے سے باہر آ گیا اور دروازہ لاک کرکے سڑھیوں کی طرف بڑھ گیا نیچے ڈائننگ روم میں پہنچ کر وہ اپنی ریزرو سیٹ پر بیٹھا اور بیرے کو بلا کر ناشتے کا آرڈر دے دیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے سگریٹ سلگا لیا۔ وہ اس جوڑے کے متعلق سوچ رہا تھا جو ساتھ والے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مرد نے جس خواب کا تذکرہ عورت سے جو شاید اس کی بیوی تھی کیا تھا اسے اس کے بارے میں تجسس ہورہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا ہوتا اگر وہ شیو بنانے سے کچھ دیر پہلے باتھ روم میں چلا جاتا تو اسے اس خواب کا پتہ چل جاتا جو مرد اپنی بیوی کو بتا رہا تھا ”کہ ایک عورت اسی جگہ بیٹھ کر اپنے بالوں میں کنگھی کررہی ہے اور۔“

”پتہ نہیں کیا خواب تھا۔؟“ جیفرے نے سوچا۔ وہ سیڑھیوں سے اترنے والے لیاحوں کو دیکھ رہا تھا اور اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا کہ ان میں سے کونسا جوڑا اس کے برابر کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ پھر وہ اٹھا اور ساحل پر جانے کے لئے ہوٹل کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جب شام کو وہ واپس اپنے کمرے میں پہنچا تو اسے اس مرد اور عورت کی آواز سنائی نہ دی بلکہ اس کی جگہ ایک بوڑھے اور ایک عورت کی آواز سنائی دی وہ اپنے لہجے سے آسٹریلین لگتے تھے۔ اس نے کاندھے اچکائے اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

اگلے دن صبح وہ دیر تک سوتا رہا۔ تقریباً گیارہ بجے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے باتھ روم میں گیا تو اسے بوڑھے کی آواز سنائی دی۔

”کتنا سہانا خواب تھا۔“

”مت کرو ایسی باتیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ عورت کی آواز سنائی دی۔

”میں تو سوچ رہا ہوں کہ کتنا اچھا ہوتا اگر تم اس عورت کی جگہ یہاں بالوں کو کنگھی کررہی ہوتی۔“

”اب تو تم ایسا ہی کہو گے بڑھاپے میں تمہارا دل جو مجھ پر سے اٹھ گیا ہے۔“ اب عورت کی آواز سنائی دی۔

”ارے ارے ایسا مت کہو۔ تم نہیں جانتی کہ میں تم سے اب پہلے سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں۔“ بوڑھے کی آواز سنائی دی۔

”تو پھر ایسی باتیں کیوں کررہے ہو کہ کتنا اچھا ہوتا اس عورت کی جگہ میں یہاں کھڑی کنگھی کررہی ہوتی۔“ عورت کا لہجہ ناراضگی بھرا تھا۔

”کیا کروں..... جب بھی کسی نئی جگہ سوتا ہوں تو ایک دو دن ایسے ہی خوفناک الٹے سیدھے خواب دکھائی دیتے ہیں تمہیں تو پتہ ہے۔ اس لئے.....“

”اچھا ٹھیک ہے رات گئی بات گئی..... اب جلدی سے تیار ہوجاؤ نیچے چلیں“ عورت کی آواز آئی، اور دروازہ کھلنے اور تیزی سے بند ہونے کی آواز پھر قدموں کی آواز باہر سنائی دی۔

جیفرے بھی باتھ روم سے باہر آ گیا اس کے

چہرے پر ہلکی سی سوچ کے آثار ابھر آئے تھے۔ حیرت بھری سوچ کے۔ ساتھ والے کمرے میں ٹھہرا ہوا یہ جوڑا بھی وہی باتیں کررہا تھا جو اس نے پہلے پچھلی صبح پہلے والے میاں بیوی کے منہ سے سنی تھیں، دونوں کسی خواب کا تذکرہ کررہے تھے کہ ایک لڑکی یہاں کھڑی اپنے بالوں میں کنگھی کررہی ہے اور۔

”کاش میں کچھ دیر پہلے اٹھ گیا ہوتا تو مجھے اس خواب کا مکمل پتہ چل جاتا۔“ جیفرے کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اس نے لباس بدلا اور نیچے ڈائننگ ہال میں آ گیا۔ اس نے پورے ہال میں نظر دوڑائی لیکن اسے ایسا کوئی شخص دکھائی نہ دیا جو آسٹریلوی قومیت کا ہو اور عمر میں بھی زیادہ ہو۔

”لگتا ہے کہیں اور ناشتہ کرنے چلے گئے ہیں۔“ جیفرے نے سوچا پھر وہ اٹھا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ کاؤنٹر کلرک سے اس نے کسی آسٹریلوی جوڑے کے متعلق پوچھا۔

”ہاں وہ مسٹر اور مسز کاڈل ہیں لیکن آسٹریلوی نہیں، نیوزی لینڈ کے باشندے ہیں شاید رات تک آجائیں۔“ کلرک نے کہا۔ پھر وہ بولا ”اور وہ کمرہ اگلی رات کیلئے پھر بک ہوچکا ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں کیونکہ آپ کی بیگم ابھی تک فن لینڈ سے واپس نہیں آئی۔ اسی لئے میں نے اسے دوبارہ بک کرلیا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ..... وہ دراصل..... ان دنوں سیزن ہے اور ہمارا ہوٹلنگ کا کام عروج پر ہوتا ہے“ کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

”شکریہ کی کوئی بات نہیں اس میں..... مجھے بھی تو فائدہ ہورہا ہے میرا کرایہ بچ رہا ہے۔“ جیفرے نے خندہ پیشانی سے کہا پھر وہ واپس اپنی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

آج اس نے ساحل پر نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ ٹیبل پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا اور ہوٹل کے بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگا، وہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ نیوزی لینڈ کا جوڑا کس وقت واپس آجائے، وہ ان سے جان پہچان پیدا کرکے کسی بہانے سے اس خواب کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا جو بوڑھے نے دیکھا تھا اور اپنی بیوی کو بتا رہا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ جب وہ ان سے اس خواب کے متعلق پوچھے گا تو وہ یقیناً اس سے پوچھیں گے کہ اسے اس بارے میں کیسے پتہ چلا اور جب انہیں معلوم ہوگا کہ وہ چھپ کر ان کی باتیں سنتا رہا ہے تو وہ یقیناً برا مانیں گے لیکن اسے اس بارے میں اس قدر فرسٹریشن ہورہی تھی کہ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ بوڑھے سے معافی مانگ لے گا لیکن ان سے اس خواب کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ یہی سوچ لئے وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا رہا۔ اس نے دوپہر کا کھانا بھی وہیں ٹیبل پر منگوایا۔ پھر رات کا کھانا بھی۔ لیکن وہ نہ آئے۔

رات کے گیارہ بج گئے جیفرے کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں۔ وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا پلنگ پر لیٹتے ہیں اسے نیند آ گئی۔

اگلے دن وہ خلاف معمول جلدی اٹھ گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی ابھی دن کے دس بجے تھے وہ اٹھا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں جا کر اس نے ملحقہ درمیانی دروازے سے اپنے کان لگا دیئے، وہ سوچ رہا تھا کہ ”اگر آج بھی برابر والے کمرے میں موجود جوڑے نے کسی خواب کے متعلق بات چیت کی تو وہ اسی وقت ان کے کمرے میں چلا جائے گا اور مرد سے پوچھے گا کہ اس نے کیا خواب دیکھا ہے، کہ ایک لڑکی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بال بنا رہی ہے اور پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہ یہ جانے بغیر واپس نہیں آئے گا۔ چاہے وہ اس کی شکایت ہوٹل کی انتظامیہ سے کردیں۔“ یہی سوچتے ہوئے وہ دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ لیکن کافی دیر گزر گئی اور اسے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ جیفرے نے سوچا کہ ”شاید رات والی بکنگ کینسل ہوگئی ہو اور کمرہ اس وقت خالی ہو۔“ یہ سوچ کر وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ گرم پانی سے نہا کر وہ باتھ روم سے باہر نکلا اور کپڑے پہن رہا تھا کہ اسے ایک نوجوان لڑکی کی آواز سنائی دی۔

”لیکن اگر تم مجھے نہیں بتاؤ گے تو میں ہمیشہ اس کے متعلق حیران رہوں گی کہ تم نے خواب میں کیا دیکھا تھا۔“ عورت کہہ رہی تھی، جیفرے کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیزی سے درمیانی دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کے ساتھ کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"رات کو دیکھا ہوا خواب اگر ناشتہ سے پہلے کسی کو بتا دو تو وہ خواب سچ ثابت ہو جاتا ہے۔" ایک نوجوان آدمی کی آواز سنائی دی۔

"تو پھر پانی پی کر ناشتہ کر لو اور مجھے اس خواب کے متعلق بتاؤ اور یہاں اپنی وردی کا رعب کسی پر نہ ڈالنا۔" لڑکی کی آواز آئی۔

"مطلب.....؟"

"مطلب یہ کہ یہاں اپنی یہ پولیس کمشنر کی وردی پہن کر نہ گھومنا پھرنا، لوگ تو رعب میں آ جائیں گے لیکن ہماری تفریح خراب ہو جائے گی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا، تم سمجھا کرو، جب میں پولیس کمشنر کی وردی میں۔" نوجوان کے الفاظ ادھورے رہ گئے۔ لڑکی نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"کوئی وردی وغیرہ نہیں بس کوئی خوبصورت سا سوٹ پہن کر میرے ساتھ چلنا۔"

"لیکن جان من میری بات تو سنو۔" نوجوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"اب اگر تم نے ضد کی تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔" لڑکی کی آواز سنائی دی۔

"ارے ارے ناراض مت ہونا جو تم کہو گی وہی پہن کر ساتھ چلوں گا۔ بتاؤ ان میں سے کون سا سوٹ پہنوں؟"

پہن لو۔" عورت کی آواز آئی۔" لیکن مجھے وہ خواب تو بتا دو۔"

"پہلے ناشتہ تو کر لوں" نوجوان نے کہا۔

"یہ لو پانی پیو اور جلدی سے مجھے خواب بتاؤ۔" لڑکی نے کہا۔

کچھ لمحے خاموشی رہی پھر نوجوان کی آواز آئی۔

"حقیقت میں وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے اس خواب کے متعلق جو میرے لاشعور میں کھٹک رہی ہے۔"

"اور وہ خواب ہے کیا؟ اب بتا بھی دو یا سنسنی پھیلاؤ گے۔" لڑکی کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بتاتا ہوں۔" نوجوان کی آواز آئی۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان عورت یہاں اس کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہے اور اپنے بال کنگھی سے سنوار رہی ہے، اچانک ایک شخص پیچھے سے آتا ہے اور اس کا گلا دبانا شروع کر دیتا ہے، عورت اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کرتی ہے لیکن وہ مرد اس کا گلا گھونٹ کر اسے جان سے مار ڈالتا ہے اور پھر وہ مرد آئینہ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور عورت کی کشمکش سے اپنے لباس پر پڑنے والی سلوٹیں ٹھیک کرنے لگتا ہے۔

"ارے! ارے! ٹھہرو" نوجوان کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا؟" لڑکی کی آواز میں حیرت تھی۔

جواب میں نوجوان کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"کیا ہوا؟ تمہارے چہرے پر ایسے تاثرات کیوں ابھر آئے ہیں؟ تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے۔؟" لڑکی کی حیرت بھری آواز دوبارہ سنائی دی۔

"مم.....میں نے اس آدمی کو دیکھا ہے.....یہیں.....اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے، اس نے براؤن رنگ کی قمیض پہن رکھی تھی۔ لل.....لیکن.....یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ یہ....."

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟" لڑکی کی آواز آئی۔

"نہیں....." نوجوان کی تیز آواز سنائی دی۔ "یہ ہوا ہے۔ میری آنکھیں.....ایک پولیس کمشنر کی آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ وہ وہ براؤن قمیض اور سفید پتلون میں تھا۔ اور اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا مجھے یقین ہے کیونکہ میں نے اسے رات کے گیارہ بجے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا اور وہ۔"

اس سے زیادہ سننے کی جیفرے میں تاب نہیں تھی۔ وہ تیزی سے مڑا۔ الماری سے اپنے کپڑے نکال کر پلنگ پر پھینکے۔ اپنا اٹیچی کیس کھولا اور کپڑے اس میں ڈالنے شروع کر دیئے اس کے ہاتھ انتہائی تیزی سے چل رہے تھے۔

اٹیچی کیس بند کر کے اس نے پھرتی سے ایک سوٹ پہنا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے ساتھ والے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگ پڑا۔ ڈائننگ ہال میں موجود کاؤنٹر کلرک نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"میری بیوی کا فون آیا ہے۔ وہ واپس نہیں آ رہی، اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ہونولولو پہنچ جاؤں۔" جیفرے نے حیرت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے کاؤنٹر کلرک سے کہا۔

"کوئی بات نہیں سر! میں آپ کا سات دن کا باقی کرایہ لوٹا دوں" کاؤنٹر کلرک نے کیش رجسٹر کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں، تم رکھ لو۔" جیفرے نے تیز لہجے میں کہا اور پھر تیزی سے ہوٹل کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کاؤنٹر کلرک خوشی اور حیرت سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

ہوٹل سے باہر آ کر اس نے پیدل ہی ایک طرف بڑھنا شروع کر دیا پھر تھوڑی دیر بعد اس نے باقاعدہ بھاگنا شروع کر دیا ارد گرد سے گزرنے والے پیدل لوگ اور ٹیکسیوں میں بیٹھے ہوئے افراد اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے لیکن جیفرے کو کسی بات کی پرواہ نہیں تھی وہ اس جگہ سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ "اس وقت سے پہلے جب وہ پولیس کمشنر نیچے ڈائننگ ہال میں آ کر اس براؤن قمیض اور سفید پتلون والے کے متعلق پوچھ گچھ کرتا اور اسے پتہ چلتا کہ براؤن قمیض والا اس حلیے کا آدمی جو اس نے رات کو وہاں دیکھا تھا، یہیں اس ہوٹل میں اوپر والے کمرے میں ہی ٹھہرا ہوا ہے اور جب وہ مزید تفتیش کرتا تو اسے پتہ چلتا کہ درحقیقت یہ دونوں کمرے اس آدمی نے ہی کرائے پر لئے تھے لیکن اس کی بیوی کے ہونولولو چلے جانے سے اس نے ایک کمرہ ہوٹل کو کرائے پر چڑھانے کے لئے دے دیا۔ اور وہ پولیس کمشنر جیسا شکی مزاج تھا اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اسے ایک خواب سمجھ کر نظر انداز نہ کرتا بلکہ نیچے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آ کر اس شخص سے متعلق کاؤنٹر کلرک سے پوچھ گچھ کرتا جسے اس نے رات کے گیارہ بجے ڈائننگ ہال میں پہلے سے دیکھا تھا۔ براؤن قمیض پہنے ہوئے۔ جیفرے نے تصور ہی تصور میں پولیس کمشنر کو کاؤنٹر کلرک سے بات کرتے ہوئے دیکھا۔

"اس کی بیوی کا حلیہ کیسا تھا.....؟" جیفرے کے دماغ میں پولیس کمشنر کے الفاظ گونجے۔

"گورا رنگ، گھنگریالے بال، نین نقش سے ملائیشیا کی لگتی تھی اور.....اس کے دائیں گال پر تل بھی تھا.....بہت خوبصورت تھی۔" کاؤنٹر کلرک کے الفاظ جیفرے کے ذہن میں گونجے، اور اس نے اپنے دوڑنے کی رفتار مزید تیز کر دی۔

اس کے ساتھ والے کمرے میں جو درحقیقت پہلے جیفرے کے ہی پاس تھا، ٹھہرنے والے پہلے دو مردوں نے تو صرف خواب میں اس عورت کو پشت سے دیکھا تھا کہ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال سنوار رہی ہے اور ایک شخص پیچھے سے آ کر اس کا گلا گھوٹنا شروع کر دیتا ہے لیکن اس پولیس کمشنر نے اس شخص کو بھی خواب میں دیکھا تھا۔ اور جیفرے کو معلوم تھا کہ خواب والا وہ شخص کوئی اور نہیں۔ خود جیفرے تھا۔

اسے پتہ نہیں کہ پولیس کمشنر کی ایک سخت نظر اس سے سب کچھ اگلوا لے گی۔ اور اس سے پہلے کہ اس کا پولیس کمشنر سے سامنا ہوتا اور پولیس کمشنر اس کی گھبراہٹ سے اس کے جھوٹ کو بھانپ لیتا اور پھر اسے تفتیش کے لئے حراست میں لے لیا جاتا لہٰذا وہ اس جگہ سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ بہت دور۔ وہ مجرم ضرور تھا لیکن عادی مجرم نہیں۔

اس نے پولیس کے ٹارچر روم کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس ٹارچر روم میں حقیقت میں اس کی اصلیت اس سے اگلوا لی جائے گی اور پولیس کو پتہ چل جائے گا کہ اس کی بیوی ہونولولو نہیں گئی بلکہ.....اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اور وہ.....اس وقت کے آنے سے پہلے یہاں سے بہت دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

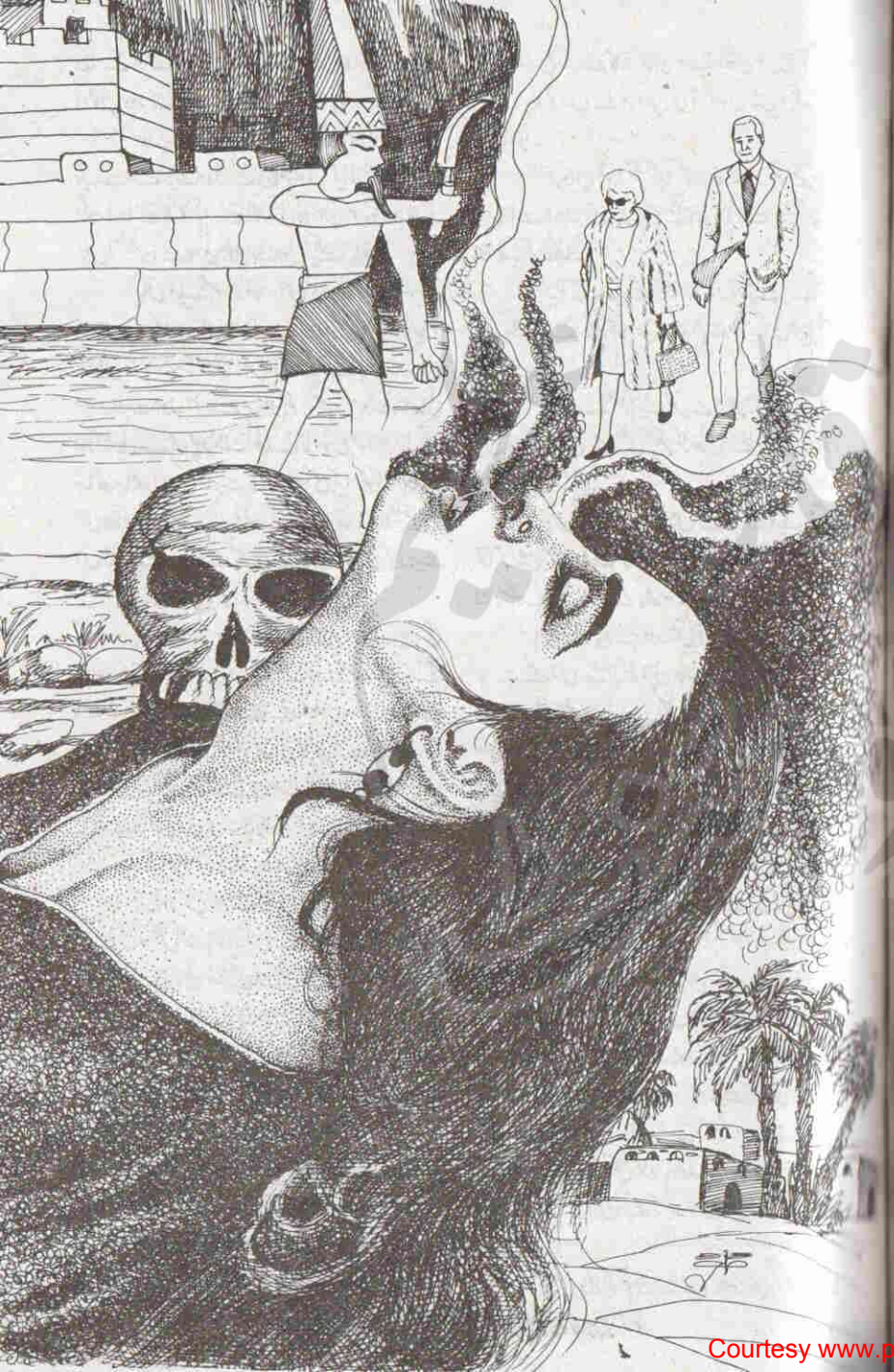

گنتارا

ذوالقرنین خان-کوئٹہ

مقدس پانی کا پیالہ فرش پر گر کر ٹوٹ گیا اور پانی جیسے ہی پھیلا تو ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے، پورا پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور ہر طرف گرد و غبار پھیلتا چلا گیا۔ اور پھر.....

قدم قدم رگوں میں لہو منجمد کرتی اور ذہن کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی خوفناک کہانی

مروان اپنی پوری قوت سے بھاگے جارہا تھا۔ زندگی کو موت کے حوالے کرنے سے پہلے وہ ایک بھرپور کوشش کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ اسے دس فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ بچ پائے گا۔ دس کے قریب بھیڑیوں کا غول اس کے تعاقب میں تھا۔ اس کا لباس تار تار ہو چکا تھا۔ تھکن اور بھوک سے وہ نڈھال تھا، مسلسل بیس گھنٹوں سے وہ بھاگ رہا تھا۔ مگر زندہ رہنے کی خواہش نے اسے ان باتوں سے کسی حد تک بے پرواہ کردیا تھا۔

اچانک اس کی نظر درختوں کے جھنڈ پر پڑی تو خوشی کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ سامنے کچھ فاصلے پر جنگل کی شروعات ہورہی تھی جو اس کی زندگی کی ضمانت تھا، وہ اس وقت بیگال کی پہاڑی سلسلے میں موجود زندگی کی جنگ لڑ رہا تھا۔

ان پتھروں میں نا اسے پناہ مل سکتی تھی نا ہی وہ پتھر اس کا پیٹ بھر سکتے تھے۔ جنگل میں وہ بہت حد تک محفوظ رہتا اور پیٹ بھرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ بھی پیدا ہوجاتا۔

اس سے پہلے کہ وہ جنگل میں داخل ہوتا۔ اسے اپنے پیچھے خطرناک غراہٹیں سنائی دیں۔ ایک بھیڑیا جو اس کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے زقند بھری اور اس کو رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔ اس نے سمجھ لیا تھا اب اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس نے آنکھیں موند لیں اور اپنے آپ کو موت کے حوالے کردیا۔

بچپن اس نے بڑی کسمپرسی کی حالت میں گزارا۔ جب اس نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تو اپنے آپ کو ایک یتیم خانے میں پایا۔ یتیم خانے کی انتظامیہ اور باقی بچے اسے مروان کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا یہ نام کس نے رکھا تھا۔ چار سال کی عمر میں اسے اس کے چاچا نے یتیم خانے میں داخل کروایا تھا اور کاغذات میں یہی نام درج تھا۔ یتیم خانے میں رہ کر وہ وقت سے پہلے سمجھدار ہوگیا تھا۔ باقی بچوں کے مقابلے میں وہ بہت پھرتیلا اور ہوشیار تھا، اس کی پھرتی اور ہوشیاری اس کے لئے مصیبت کا سبب بن گئی۔ گیارہ سال کی عمر میں اسے ایک بردہ فروش کے ہاتھ بیچ دیا گیا جس نے اسے اونٹ دوڑ کے لئے عرب امارات کے ایک شخص کے حوالے کردیا۔ پھرتی اور ذہانت کی وجہ سے اس کی عزت کی جانے لگی۔ چار سال کے عرصے میں وہ اونٹوں کی نفسیات بہت حد تک سمجھ گیا تھا اڑیل سے اڑیل اونٹ کو بھی وہ چند منٹوں میں سدھا لیتا اور اس پر وہ کھڑے ہو کر سواری کر لیتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوڑتے اونٹ پر وہ ایک ہی جست میں سوار ہو کر دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈوب جانے پر مجبور کر دیتا۔

سولہ سال کی عمر میں اس کے قد کاٹھ اور وزن کی وجہ سے اسے اونٹ دوڑ سے ریٹائر کر دیا گیا اب وہ اونٹوں کو سدھانے کا کام کرنے لگا، اسی دوران اس کی ملاقات جان اسٹیفن سے ہوئی جو اونٹ دوڑ دیکھنے آیا تھا۔

جان ایک مہم جو تھا، اس کی جہاندیدہ نظریں مروان پر مرکوز ہوگئیں، اور جب وہ واپس انگلینڈ گیا تو مروان اس کے ساتھ تھا۔ مروان کے لئے جان رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا۔ اس نے مروان کو ہر قسم کی سہولت پہنچائی اور زندگی سے بھرپور لطف اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔ مگر ساتھ ساتھ اس کی تربیت کا اہتمام بھی کیا کیونکہ مہمات میں وہ مروان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ صلاحیتیں تو اس میں پہلے سے موجود تھیں۔ جان نے مروان کو تربیت کی آگ میں اتنا تپایا کہ وہ کندن بن گیا۔

ہر قسم کا اسلحہ چلانے میں وہ ماہر ہوگیا۔ تیراکی میں وہ اتنا مشاق ہوگیا کہ بپھرے ہوئے دریاؤں کے بھنور بھی اس کا کچھ نا بگاڑ سکتے تھے، میلوں مسلسل بھاگتے رہنا اس کا مشغلہ تھا۔ لڑائی بھڑائی کا فن اسے خوب آ گیا تھا۔ غرض جان نے اسے زبردست جنگجو بنا دیا تھا اور اس کی تربیت میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ چار سال کا عرصہ کیسے بیت گیا مروان کو کچھ پتہ نہ چلا۔

آج وہ کمبل اوڑھے انگیٹھی کے سامنے بیٹھا اخبار پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کسی حد تک لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ باہر کافی ٹھنڈ تھی اور ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ اسے معلوم تھا یہ جان ہے۔ وہ باہر کھانے پینے کا سامان لینے گیا تھا، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ جان کے بالوں اور بکھری ہوئی داڑھی میں برف کے ذرے پھنسے ہوئے تھے۔

جان آج خلاف معمول بہت سنجیدہ لگ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔

مروان اس کی حالت میں کافی بدلاؤ دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ خود ہی بات شروع کرے گا۔ جان جب اچھی طرح آگ سینک چکا تو اس نے مروان کی آنکھوں میں دیکھا اور گویا ہوا۔

"مروان تم اکثر کہا کرتے ہو کہ تم میرے احسانات کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتے۔" وہ اسے وان کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

"یہ تو میں اب بھی کہتا ہوں کہ آپ میرے محسن ہیں، آپ نے مجھے وہ سب کچھ دیا جو شاید کوئی اپنا بھی مجھے نا دیتا۔

مروان نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔ جان اس کی آنکھوں میں بھی شکر گزاری کے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ سکتا تھا۔

"وان تمہیں یاد ہوگا میں نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ میں تمہیں ایک موقع ضرور دوں گا تم یکمشت بدلہ اتار سکو گے۔" جان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے یاد ہے اور میں آپ کے کام آؤں گا چاہے مجھے اس کے لئے اپنی جان سے گزرنا پڑے اور میں یہ صرف اس لئے کروں گا کہ آپ جیسے شخص کے کام آنا چاہئے تاکہ بدلہ اتارا جائے۔" مروان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

مروان کو جان اسی لئے پسند کرتا تھا کہ وہ احسان فراموش نہیں تھا اور جان یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے جو کچھ کہا وہ صرف لفاظی نہیں تھی بلکہ وقت آنے پر وہ عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

"تو پھر سنو! ہم ایک مہم پر جا رہے ہیں اس مہم سے واپسی کے فیفٹی فیفٹی چانس ہیں مگر یہ یاد رکھو اگر ہم کامیاب ہو کر لوٹے تو دولت ہمارے گھر کی لونڈی ہوگی اور شہرت ہمارے ہاں کنیز۔ اور یہ تو بہت معمولی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہمارا ہوگا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" جان جیسے خواب میں باتیں کر رہا تھا۔ جان بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ مروان کے کھنکھارنے پر وہ دوبارہ بولنا شروع ہوا۔

"اس راز کو تم ہمیشہ اپنے سینے میں رکھنا جیسا

کہ میں اسے برسوں سے سینے میں لیے پھر رہا ہوں غور سے سنو!"

"گنتارا" ایک ایسا مقدس پتھر ہے کہ جس کے پاس بھی ہو، وہ سب کو اپنا مطیع کر لے۔ وہ ایسے ایسے محیر العقل کام کرے کہ لوگ دنگ رہ جائیں۔

جان خوابناک لہجے میں بولے چلا جا رہا تھا اسے مروان کی آواز سنائی دی۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے جان مگر ہم اسے حاصل کیسے کریں گے؟" اصل میں مروان کو ان باتوں پر قطعاً یقین نہیں تھا اور وہ یہ باتیں سن کر بیزار ہو گیا تھا۔ اس کے لئے اہم بات یہ تھی کہ اسے جان کا ساتھ دینا تھا۔

جان نے بھی مروان کی بیزاری محسوس کر لی اور سیدھا کام کی بات پر آ گیا۔

"گنتارا" کے لئے ہمیں تاریک افریقہ کا سفر کرنا ہوگا۔"

"تاریک افریقہ! یہ افریقہ کا کون سا علاقہ ہے؟" مروان نے حیرت سے پوچھا۔

"تاریک افریقہ براعظم افریقہ کا وہ علاقہ ہے جہاں گھنے جنگلات ہیں اور ان جنگلات کے ایک طرف بیگال کا پہاڑی سلسلہ ہے اور دوسری طرف ایک دریا ہے جسے جار بوزا کہتے ہیں جس کا مطلب "مگرمچھوں کا مسکن" ہے ان جنگلات میں زہریلے کیڑے مکوڑوں اور خون آشام درندوں کی بھرمار ہے۔ جنگل کا ایک حصہ تو ایسا ہے جہاں صرف سرخ زہریلی چونٹیوں کی حکمرانی ہے۔ اس جنگل کو تاریک جنگل اسی لئے کہتے ہیں۔

انسان اتنا عروج حاصل کرنے کے باوجود اس جنگل کے بھید معلوم نہیں کر سکا اکا دکا مہم جو کے علاوہ بیرونی دنیا کا کوئی انسان وہاں قدم نہیں رکھ پایا اور جنہوں نے وہاں قدم رکھا یا تو وہ واپس نہیں آئے اور جو واپس آئے وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکے ہیں اور باقی زندگی کے لئے وہ پاگل خانوں کے سپرد کر دیے گئے۔" جان نے اسے تفصیل سے بتایا۔

یہ سب سن کر مروان کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ پسینے کے قطرے اس کی پیشانی پر چمکنے لگے۔ اسے یاد آنے لگا اخبار میں اس نے اس بارے میں ایک دو کالم پڑھے تھے مگر اس نے ان کو اہم نہیں جانا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ جان کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"تم نا جانا چاہو تو کوئی زبردستی نہیں میں نے بلاشبہ تمہاری تربیت اسی دن کے لئے کی تھی مگر تم مجھے اولاد کی طرح عزیز ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مشکل میں پڑو۔"

"نہیں میں آپ کے ساتھ ضرور جاؤں گا۔" مروان بولا!

ہاں تھوڑی دیر کے لئے آپ کی باتوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔

"وہ بھی اس لئے کہ کہیں ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔"

"تم بے فکر رہو، ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔" جان نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

اس کے بعد دو تین دن تک جان نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی مگر اس کی پراسرار سرگرمیاں دیکھ کر مروان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جان تاریک افریقہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ پھر وہ دن آن پہنچا جب جان نے اسے آگاہ کر اطلاع دی۔

تاریک افریقہ جانے کے لئے تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ دو دن بعد انہوں نے ایئرپورٹ سے ایک فلائٹ کے ذریعے اسپین جانا تھا۔ اسپین سے سمندری راستے سے ہوتے ہوئے مراکش پہنچنا تھا۔ اور وہاں سے آگے کا سفر گاڑی کے ذریعے کرنا تھا۔ مراکش پہنچ کر جان نے اس کا تعارف ابو ولید سے کروایا۔ ابو ولید تیس سالہ مراکشی نوجوان تھا اور آگے کے سفر میں وہ رہبری کے فرائض سرانجام دینے والا تھا۔ مروان نے جب اس سے فصیح عربی میں بات کی تو تھوڑی دیر تو وہ حیرت سے گنگ رہ گیا مگر پھر مرحبا مرحبا کی اونچی صدائیں لگاتا اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ گہرے دوست بن چکے تھے۔ یوگنڈا پہنچتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچتے انہیں ایک ہفتہ لگ گیا۔ اس وقت وہ ایک چھوٹے سے گاؤں لاشی میں موجود تھے۔ ابوولید اسلحے کا انتظام کرنے گیا ہوا تھا۔

جان کے خیال میں پتہ نہیں کیسے حالات سے سابقہ پڑ جائے اس لئے وہ ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہونا چاہتا تھا۔

رات تک ابو ولید واپس آ گیا۔ ہینڈ گرنیڈ۔ سموکی، بم اور نا جانے کیا کیا وہ اٹھا کر لے آیا تھا۔ ایک ایک جدید رائفل اور پستول پہلے سے ان کے پاس موجود تھے۔

"اب ہم تیار ہیں اور تاریک افریقہ ہمارے سامنے مگر اس سے پہلے ہم ان گھنے پراسرار جنگلوں میں داخل ہو جائیں، ہمیں ان کے بارے میں کافی کچھ معلوم ہونا چاہئے۔" جان نے نقشے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ معلومات ہمیں بٹاسی قبیلہ دے گا۔ ان کا سردار میرا دوست ہے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ میں نے اسی جنگل کے آس پاس گزارا ہے۔ اس لئے ان لوگوں سے میرے گہرے مراسم ہیں۔"

جیسے ہی وہ بٹاسی گاؤں کی حدود میں داخل ہوئے مروان اور ابوولید یہ دیکھ کر حیران رہ گئے ہر کوئی جان کو روایتی انداز میں آگے پیچھے ہو کر سلام کر رہا ہے۔

ایک دو دن آرام کرنے کے بعد تربیت شروع ہو گئی دراصل تربیت صرف مروان کی تھی جان تو سارا دن سویا رہتا ابوولید کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ٹوگا ایک 70 سالہ بوڑھا تھا مگر 50,40 سے زیادہ کا نہیں لگتا تھا۔ پہلا دن تو بہت غیر دلچسپ تھا مگر پھر جو اس نے معلومات کے خزانے کھولے تو مروان کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ مروان کی دلچسپی اور ذہانت کو دیکھتے ہوئے ٹوگا کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی کا تمام حاصل مروان کو دے دے۔ تین ہفتوں بعد ٹوگا کے بعد مروان ہی وہ شخص تھا۔ جو تاریک افریقہ میں بسنے والوں کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتا تھا۔

جان پہلے سے کافی کچھ جانتا تھا اور ابوولید ان کے ساتھ صرف "ژال گاش" کے حصول تک تھا۔ ژال گاش ایک گلہری نما جانور ہے جس کی دم پر ایک بلب ہوتا ہے۔ یہ بہت تیز رفتار ہوتا ہے۔ مگر ابوولید کا خیال تھا کہ وہ اسے پکڑ لے گا۔

وہ پہلا دن تھا اور ابھی انہوں نے جنگل میں صرف بیس میل فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ ان کی جیپ ایک تیز آبی دلدل میں اتر گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹائر گلنے لگے۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح جیپ دلدل سے نکل آئے مگر یہ کوشش بار آور ثابت نہ ہو سکی جیپ ان کے لئے بہت بڑا سہارا تھی، سفر شروع کرتے ہی ان پر اس طرح کی مصیبت نازل ہو جائے گی انہوں نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ جیپ سے سامان نکال کر ایک طرف رکھنے لگے۔ جیپ کے ناکارہ ہو جانے کی وجہ سے ان کے مسائل بڑھ گئے تھے اب انہیں جنگل میں پیدل سفر کرنا تھا۔ ضروری سامان اٹھا کر وہ چل پڑے۔

مروان اور ابوولید، کندھوں پر سامان لادے جان کے پیچھے پیچھے سفر کر رہے تھے۔ وہ تینوں کافی محتاط ہو چکے تھے مبادا اب ان میں سے کوئی دلدل کا شکار ہو جائے۔ ان کا یہ سفر بہت آہستہ آہستہ سے ہو رہا تھا۔ جنگل اب گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ درختوں کی شاخوں نے باہم پیوست ہو کر جال سے تان دیے تھے۔ جان ہاتھ میں پکڑے تلوار نما خنجر سے مسلسل ان جالوں کو کاٹ رہا تھا اور اب اس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔

رات ہو چکی تھی جھینگروں نے راگ الاپنا شروع کر دیے تھے۔ وہ سب تھکن سے چور تھے۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر انہوں نے خیمہ نصب کیا۔ خیمے کے چاروں اطراف مشعلیں جلا کر زمین میں گاڑ دیں۔ کھانا کھا کر ابوولید اور جان لیٹ گئے۔ مروان پہرہ دینے لگا کہیں جنگلی درندے آ کر ان کو سوتے میں ہڑپ نہ کر جائیں خوش قسمتی سے ابھی تک ان کا سامنا کسی درندے سے نہیں ہوا تھا، اسے پہرہ دیتے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

اس سے کچھ فاصلے پر روشنی کی لکیریں تیر رہیں

تھیں وہ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں تھیں۔ ایسا منظر اس نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا بلاشبہ وہ انتہائی حسین منظر تھا۔ وہ حیرت سے بت بنا بیٹھا رہا پھر اسے خیال آیا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی یہ دکھائے۔ وہ تیزی سے خیمے کے اندر گیا، جان اور ابوولید کو جھنجھوڑ ڈالا۔ ان دونوں نے مروان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تو فوراً خیمے سے باہر آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ مروان کا سامنا کسی خطرناک درندے سے ہو گیا ہے مگر جب مروان نے ان روشنیوں کی طرف اشارہ کیا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اچانک ابوولید چیخا۔ ژال گاش۔ ژال گاش۔ پھر وہ تیزی سے خیمے کے اندر گیا اور ایک مضبوط جال اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسی وقت ژال گاش کو شکار کرنا چاہتا تھا۔

وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور روشنی کی لکیریں ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے نمودار ہو کر جھلمل کر رہی تھیں۔ مروان اور جان نے اسے بہت سمجھایا۔ رات کو اس طرف جانا ٹھیک نہیں مگر وہ نہ مانا۔ وہ اکیلا جانے کو بھی تیار تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے ایسا موقع پھر نہیں ملے گا۔ مجبوراً مروان اور جان کو بھی اس کے ساتھ جانا پڑا۔ رات کی تاریکی نے ان کے مسائل کو بڑھا دیا کمزور چاند کی پھیکی روشنی ان کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ "ژال گاش" کے چکر میں انہیں دو میل چلنا پڑا۔ جب وہ قریب پہنچے تو دیکھ کر حیران ہو گئے، وہ چٹیل میدان تھا۔ کہیں کہیں زمین ابھری ہوئی تھی اور مٹی بھربھری تھی۔ یہ نہیں ان ننھے منے جانوروں کا کیا بھید تھا ابوولید ان کو اپنے سامنے پا کر دیوانہ ہو رہا تھا۔ ابوولید نے دونوں کو وہیں رکنے کو کہا اور خود آگے بڑھنے لگا۔

اچانک ہوا کا رخ تبدیل ہو گیا۔ ہوا میدان سے جیسے ہی ان کی سمت چلی مروان کے نتھنوں سے ایک عجیب سی بو ٹکرائی۔ جان نے بھی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ سونگھ ہی رہا تھا، ٹوگا نے اسے اس بو کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا اور خوف سے اس کا خون منجمد ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ ابوولید کو روکتا۔

ابوولید کی کرب ناک چیخ سنائی دی۔ انہوں نے ٹارچ کی روشنی جب اس طرف ڈالی تو انہوں نے دیکھا ابوولید کی ایک ٹانگ گھٹنے تک مٹی میں دھنس گئی تھی۔ جان اس کی مدد کو آگے بڑھنے لگا تو مروان نے اس کو پکڑ لیا۔

"اب ہم اپنے دوست کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، یہ سرخ چیونٹیوں کا شکار ہو گیا ہے۔" مروان نے افسردگی سے کہا۔

سرخ چیونٹیاں تیزی سے ابوولید کے ناک اور منہ میں گھسنے لگیں۔ وہ اٹھ کر بھاگتا پھر گر جاتا پھر بھاگتا، اس کی مزاحمت دم توڑتی جا رہی تھی۔ پھر وہ کبھی نہ اٹھنے کے لئے زمین پر گر گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی آنکھوں کی جگہ دو گڑھے رہ گئے اس کی پسلیاں نظر آنے لگیں مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ خون کا ایک قطرہ بھی اس کے جسم سے نہ نکلا۔ اس وحشت ناک منظر نے ان پر پژمردگی طاری کر دی۔ تھکے قدموں کے ساتھ وہ خیمے کی طرف لوٹ آئے۔ ابوولید کی اتنی اذیت ناک موت نے انہیں کسی حد تک خوفزدہ کر دیا تھا۔ مگر مروان جانتا تھا کہ جان اب بھی آگے بڑھنے کو ترجیح دے گا۔

اگلے دن جان اور مروان نے ایک مرتبہ پھر سفر کا آغاز کیا مگر اس مرتبہ وہ بہت محتاط تھے، وہ احتیاط سے قدم آگے بڑھا رہے تھے، اوپر تک وہ چلتے رہے۔ جان آگے تھا۔ مروان اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

یک دم جان الٹا ہو گیا اور ہوا میں اٹھتا چلا گیا۔ مروان سکتے کی کیفیت میں اسے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ جان اب کافی اونچائی پر رسے سے جھول رہا تھا۔ تب مروان کو سمجھ آیا کہ جان شکاری پھندے کا شکار ہو گیا ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے خطرناک جنگل تک، کس کی رسائی ہے جس نے اتنا خطرناک پھندا لگایا ہے۔ اس کے سر سے کوئی بھاری چیز ٹکرائی تو روشنی کی ایک تیز لہر اس کے دماغ میں اٹھی اس کا دماغ تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

اس کے چہرے پر لگنے والا تھپڑ اتنا شدید تھا۔ پل بھر میں اس کے دماغ نے تاریکی سے روشنی کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفر طے کرلیا۔ ہوش میں آتے ہی اسے درد کی ٹیسیں پورے جسم میں اٹھتی محسوس ہوئیں۔ جسم کی ہر ہڈی اسے ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی۔ تار تار لباس اس بات کی علامت تھا انہوں نے اسے اٹھانے کا تکلف نہیں کیا تھا بلکہ اسے گھسیٹ کر یہاں تک لایا گیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک زوردار جھٹکا اس کے پاؤں میں لگا۔ اسے مضبوط زنجیر سے باندھا گیا تھا۔ ہاتھ باندھنا انہوں نے ضروری نہیں سمجھا تھا۔ آس پاس کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ وہ اپنی اس حالت کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو دو بچے جن کی عمریں 12,10 سال کے لگ بھگ ہوں گی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ مروان کی ٹانگیں زخمی تھیں اور ان سے تھوڑا تھوڑا خون رس رہا تھا، ان میں سے ایک بچے نے آگے بڑھ کر ہاتھ میں پکڑی کوئی چیز مروان کی ایک ٹانگ سے ملی اور اس کی ٹانگ سے لگا خون صاف کرنے لگا۔ مروان اس چھوٹے سے مسیحا کو دیکھ رہا تھا جو اس کی ٹانگ سے خون صاف کررہا تھا اور ساتھ چوکنا انداز میں ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا۔ اچھی طرح خون صاف کر کے وہ پیچھے ہٹ گیا اور مروان نے انتہائی کریہہ منظر دیکھا، اس بچے نے اس خون لگی چیز کو منہ سے لے کر کھانا شروع کردیا۔ مروان کو ابکائی آنے لگی۔

دوسرے بچے نے پہلے کی پیروی کرنا چاہی تو مروان نے اسے ایک زوردار لات ماری۔ وہ چلاتا ہوا دور جا گرا۔ اپنے ساتھی کی حالت دیکھ کر پہلے والے بچے نے ایک بڑا سا پتھر اٹھالیا اس سے پہلے کہ وہ مروان کی کھوپڑی کو نشانہ بناتا۔ جنگل ڈھول کی آواز سے گونج اٹھا۔ اس آواز کو سن کر وہ آواز کی سمت بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر بعد دو لمبے تڑنگے وحشی اس کو اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ اسے ہوش میں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں حیرت کو محسوس کیا جاسکتا تھا۔ ان کے خیال میں تو وہ مرچکا تھا۔ زنجیر کھول کر انہوں نے مروان کو گھسیٹ کر لے جانے کی کوشش کی مگر مروان فوراً اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ ایک بار پھر انہیں حیران کردیا۔ مگر انہوں نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ڈھول کی آواز کی سمت بڑھتے رہے۔ مروان کا جسم کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ مگر وہ اس بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب ڈھول کی آواز کے ساتھ اسے وحشیوں کی چیخ و پکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ کمزور دل والوں کے تو یہ آوازیں سن کر ہی دل پھٹ جائے۔ مروان کو بل فائٹنگ طرز کے میدان میں لے جایا گیا۔ وہ اس کی زندگی کا سب سے دردناک منظر تھا۔ اس نے زندگی میں بڑے بڑے دکھ اٹھائے، بہت مشکل حالات سے گزرا۔ اس حالت کو پہنچ کر بھی اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا مگر وہ یہ سب دیکھ کر اپنا ضبط کھو بیٹھا۔ اس کے سامنے اس کے محسن جان اسٹیفن کی سر بریدہ لاش الٹی لٹکی ہوئی تھی۔

گردن سے خون نکل نکل کر ایک بڑے کٹورے میں جمع ہورہا تھا۔ اس کے آنے سے کچھ دیر پہلے جان کو قتل کیا گیا تھا۔

مروان گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رودیا۔ اس کی آہ و بکا نے کچھ دیر کے لئے وحشیوں پر بھی سکتا طاری کردیا۔ پھر انہیں ہوش آ گیا۔ مروان کی گردن میں ایک رسی ڈال کر درخت کی ایک شاخ سے اس طرح باندھ دیا گیا کہ اسے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا، آزاد ہاتھوں سے اس نے رسی کو تھام رکھا تھا۔

اچانک شور رک گیا۔ پراسرار سناٹا چھا گیا۔ نیم آنکھوں سے مروان نے دیکھا تین بندے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان میں سے دو نے تو سب کی طرح عام لباس پہن رکھا تھا۔ یعنی خاص قسم کی چھال سے جسم کے خاص حصوں کو چھپا رکھا تھا باقی جسم برہنہ تھا۔ مگر درمیان والے شخص نے زیریں جسم پر چیتے کی کھال پہن رکھی تھی۔ بھیڑیے کی نرم اونی کھال کو کندھے پر ڈالا ہوا تھا۔ گینڈے کا سینگ اس کی ٹوپی میں جڑا ہوا تھا۔ سانڈ جیسی جسامت کا وہ شخص ضرور ان کا سردار تھا۔ وہ قریب آ کر مروان کا معائنہ کرنے لگا۔

مروان اپنی زندگی سے ناامید ہو چکا تھا۔ جان

کی موت نے اسے اپنی زندگی سے بیزار کردیا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اچانک اس کی نظر سردار کے ہاتھ میں پکڑے جان کے لاکٹ پر پڑی تو شدید غصے کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی، جیسے ہی وحشیوں کا سردار اس کے قریب آیا، مروان نے پوری قوت سے مکا اس کے منہ پر جڑ دیا۔ سردار کو اس بات کی ذرا سی بھی توقع نہیں تھی، وہ زمین پر گر گیا اور اس کی ٹوپی اڑ کر دور جا گری۔ وحشی یہ دیکھ کر بلبلا اٹھے اس سے پہلے کہ ان کے نیزے مروان کے جسم کے آر پار ہوتے ایک گونج دار آواز نے سب پر سکتہ طاری کردیا۔ جو جہاں تھا جس حالت میں تھا وہیں کا ہو کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا نمودار ہوا اسے دیکھ کر سردار کے علاوہ سب تعظیماً جھک گئے۔ بوڑھا آہستہ آہستہ چلتا ہوا مروان کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا۔ مروان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی کوشش کی مگر نجانے بوڑھے کی آنکھوں میں کیسی چمک تھی کہ مروان کو اپنی آنکھیں جھکانا پڑیں، اچانک اس بوڑھے نے ایک چھوٹی تلوار نکالی۔ وہ دو دھاری تلوار تھی اور اس کا بھرپور وار مروان پر کیا۔ اپنی تمام تر بہادری کے باوجود مروان نے آنکھیں بند کرلیں مگر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب اس کی گردن کے گرد بندھی ہوئی رسی کھل گئی۔ اس کی رسی کھلتے ہی اس بوڑھے نے اونچی آواز میں تقریر شروع کردی اور پھر جیسے ہی اس کی تقریر ختم ہوئی مروان نے لوگوں کے رویوں میں گہری تبدیلی محسوس کی، اب ان لوگوں کی آنکھوں میں اس کے لئے نفرت اور وحشت نہیں تھی بلکہ دلچسپی تھی۔

بوڑھے نے اسے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا وہ دو نیزہ برداروں کے پہرے میں بوڑھے کے پیچھے چل پڑا وہ کافی دیر جنگل میں چلتے رہے پھر وہ ایک جھونپڑی میں داخل ہوگئے۔ بوڑھے نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ مروان ایک طرف گھاس پھوس سے بنے بستر پر بیٹھ گیا۔ اور انتظار کرنے لگا کہ بوڑھا اسے کیا کہے گا۔ ابھی تک اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہ بوڑھا اسے موت کے منہ سے کیوں نکال لایا تھا۔ بوڑھے نے ایک بہت پرانا اور خستہ ڈبہ اپنے سامنے رکھا ہوا تھا اور مسلسل منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا اس کی آواز نکھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ تھی۔ لحہ بہ لحہ اس کی آواز تیز ہونے لگی۔ اچانک اس نے ایک زوردار پھونک ڈبے پر ماری ڈبہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ ڈبے میں کسی پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑا تھا جو چمک رہا تھا۔ وہ تسبیح کے دانے جتنا ہوگا۔ بہت احتیاط سے اس بوڑھے نے وہ پتھر اٹھا کر اپنی زبان کے نیچے رکھا اور اب جو اس نے بولنا شروع کیا تو مروان کو بالکل صاف سمجھ آ رہا تھا وہ انتہائی شستہ عربی میں اس سے بات کررہا تھا۔ بیچ میں وہ انگریزی کے لفظ بھی شامل کردیتا۔

"بچے یہ سب اس پتھر کا کمال ہے جو اس وقت میری زبان کے نیچے دھرا ہے۔ میں اس وقت تم سے اپنی زبان میں بات کررہا ہوں مگر اس پتھر کی وجہ سے وہ تمہیں اپنی زبان لگ رہی ہے۔" بوڑھے نے اس کی حیرانگی کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے کیوں بچایا؟ آپ کون ہیں؟" مروان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا مگر سوال مکمل ہونے سے پہلے اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں۔

"میں بالاش ہوں تاریک افریقہ کا سب سے بڑا پجاری، اور اب تک تمہارے ٹکڑے کر کے انہیں قبیلے کے معزز لوگوں میں تقسیم کیا جاچکا ہوتا مگر بیوقوف میشولاسا کی وجہ سے تم زندہ ہو مگر شاید اب تمہارا انجام اس سے بھی دردناک ہو۔"

"میشولاسا کون ہے اور کون سی بیوقوفی؟" مروان یہ سن کر الجھ گیا تھا۔

"میشولاسا وہی شخص ہے جس کو تم نے مکا مارا اور عظیم بیگال کی عظیم ٹوپی اس کے سر سے گرادی وہ اس قبیلے کا سردار ہے۔ چونکہ تم نے سردار کے سر سے ٹوپی گرائی ہے اس لئے اب تمہیں اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

قانون کے مطابق جو بھی سردار کے سر سے ٹوپی گرانے کی جرأت کرے گا اسے سردار سے مقابلہ کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگا مگر اس سے پہلے اسے مقابلے کے لئے اپنے آپ کی اہل ثابت کرنا ہوگا۔ اسے بیگال کی پہاڑیوں سے گزر کر کوہ بشواس تک جانا ہوگا اور وہاں سے جار بوزا کے کنارے چلتے ہوئے واپس آنا ہوگا۔ اس دوران تمہیں دو چیزیں حاصل کرنی ہیں ایک سرخ شیر کی کھال جو تاریک افریقہ کا انتہائی خوفناک درندہ ہے اور دوسری چیز ژال گاش کی دم، ژال گاش گلہری نما جانور ہے اور بجلی کی مانند اس کی رفتار ہے۔'' ژال گاش کا سن کر مروان کو ابو ولید یاد آ گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' بالاش نے اسے سوچوں میں محو دیکھ کر پوچھا۔ ''تمہارے پاس اب کوئی بھی بچاؤ کی صورت نہیں اگر تم اس مقابلے سے نا کرتے ہو تو تمہیں اندھا کر کے سرخ چیونٹیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

''نہیں میں انکار نہیں کروں گا۔'' مروان نے پُر عزم لہجے میں کہا۔ ویسے بھی ان آدم خوروں کی خوراک بننے سے بہتر تھا وہ لڑ کر مرتا۔ اور یہی وہ سوچ رہا تھا۔

''آج سے ٹھیک تین دن بعد تمہارے سفر کا آغاز ہوگا۔ ایک بات تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گیا۔'' بالاش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بیگال کے پہاڑوں میں آدم خور بھیڑیے رہتے ہیں اس طرف انسانوں کی آمد و رفت بالکل نہیں ہے اور کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا شخص ہی انکا نشانہ بنتا ہے۔ ان بھیڑیوں کی خاص بات یہ ہے ایک مرتبہ وہ انسان کے پیچھے لگ جائیں تو اس کو انجام تک پہنچا کر ہی چھوڑتے ہیں۔''

مروان عجیب سی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ اسے یہ سب خواب لگ رہا تھا۔ کہاں وہ انگلینڈ میں بے فکری کی زندگی گزار رہا تھا۔ کہاں وہ آ کر یہاں پھنس گیا۔ بہر حال اب اسے اپنی پوری قوت کے ساتھ کوشش کرنی تھی۔

''اب تمہیں یہیں رہنا ہے۔ بھاگنے کی کوشش [illegible] لوگ موجود [illegible]

دوں گا ہم ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکیں گے۔'' بالاش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ پتھر کیا ہے؟'' نجانے کس خیال کے تحت مروان نے اس سے پوچھ لیا۔

''یہ عظیم گنتارا کا ٹکڑا ہے۔ مگر تم نہیں سمجھ پاؤ گے۔'' اچانک بالاش نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اسے بیرونی دنیا والوں کو اس بارے میں نہیں بتانا چاہئے تھا۔

''گنتارا'' کا نام سنتے ہی مروان کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی یعنی۔ ''جان صحیح تھا۔'' مگر اسے بالاش پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ اسے کچھ معلوم ہے۔

''مجھے اپنے دوست کا سامان چاہئے جو ایک بیگ میں ہے۔'' بالاش دروازے سے نکل ہی رہا تھا کہ اسے مروان کی آواز سنائی دی وہ ابھی تک ایک دوسرے کو سمجھ سکتے تھے۔

''مل جائے گا تمہیں شام تک۔'' بالاش نے بغیر پس و پیش کے حامی بھر کے مروان کو حیران کر دیا۔

شام تک مروان تک بیگ پہنچ چکا تھا تمام چیزیں ویسی ہی رکھی ہوئیں تھیں۔ مروان نے جان کے لئے یہ بیگ خود تیار کیا تھا، اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ اس نے بیگ خاص مقصد کے لئے حاصل کیا تھا۔ بہت احتیاط سے اس نے ایک خفیہ جیب سے ایک مڑا تڑا کاغذ نکال لیا۔ کاغذ دراصل گنتارا تک لیجانے کا نقشہ تھا۔ مروان اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کی ضمانت ہی پتھر تھا اور وہ جان کی خواہش بھی پوری کرنا چاہتا تھا۔

اس نے دیکھ لیا تھا اس چھوٹے سے ٹکڑے میں اتنی طاقت تھی کہ اس کی مدد سے دنیا کی ہر زبان بولی اور سمجھی جا سکتی تھی اور جان کے بقول جس کے پاس گنتارا ہو ہر جاندار اس کے تابع ہو جاتا۔

کھانے میں اسے گوشت اور پھل دیا جاتا اور وہ مسلسل نقشے کو دیکھتا رہتا۔ اب اسے نقشہ ازبر ہو گیا تھا۔ وہ دن آن پہنچا جس دن اسے بیگال کی پہاڑیوں سے [illegible]

بشواس تک کا سفر طے کرنا تھا۔ ایک تیر کمان درجن کے قریب تیر، ایک نیزہ ایک بڑا چاقو اور ایک دو دھاری تلوار، یہ سب چیزیں اور کھانے کے گوشت کے پارچے اور پانی کے لئے ہرن کی کھال سے بنا مشکیزہ اس کے حوالے کر دیا گیا۔ اور بالاش کے اشارے پر وہ چل دیا۔

بیگال کا پہاڑی سلسلہ شروع ہو چکا تھا دور دور تک کوئی درخت نہیں تھا آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ دوپہر تک اس کا پانی ختم ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس کا حلق خشک ہونے لگتا اس گرمی نے اسے بھیڑیوں کے خطرے سے بھی بے نیاز کر دیا ویسے بھی اتنی گرمی میں بھیڑیے شکار کے لئے نہیں نکلتے اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

شام تک وہ مسلسل چلتا رہا۔ بیٹھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، پتھر اتنے گرم تھے جیسے دہکتی آگ سے انکو نکالا گیا ہو، سایہ دار جگہ بھی کوئی نہیں تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی ہوا چلنے لگی۔ مروان تھکن سے چور تھا ہوا میں ایک خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ اس ٹھنڈک نے اس پر اثر کیا، اس پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ اس نے ایک بڑے پتھر سے سر ٹکایا ہی تھا کہ اسے بھیڑیے کی خوفناک آواز سنائی دی۔ خوف کی لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔

بھیڑیے کہیں آس پاس ہی تھے۔ ان کی کریہہ اور خوفناک آوازیں اب مسلسل آ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بدروحیں مل کر چیخ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر میں چاند نکل آیا۔ ماحول کچھ مزید خوفناک ہو گیا۔ چاند کی روشنی میں پتھروں کی ہیت ہی بدل گئی ایسا لگ رہا تھا جیسے لاتعداد عجیب الخلقت جانور ہر طرف موجود ہوں۔ مروان کی تمام حسیں پوری طرح بیدار تھیں وہ جلدی سے ایک اونچی چٹان پر چڑھ گیا۔ چٹان کی بناوٹ کچھ ایسی تھی کہ اس پر صرف ایک طرف سے چڑھا جا سکتا تھا، وہ بھی بہت مشکل سے چڑھنے میں کامیاب ہوا۔ اوپر پہنچ کر وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

چاند کی روشنی میں اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے کچھ چمکتا ہوا نظر آیا اور پھر وہ خوشی سے جھوم اٹھا اسے پانی کی ایک کشادہ لہر نظر آ گئی تھی۔

رات کا نجانے کونسا پہر تھا اس کی آنکھ لگ گئی ابھی کچھ دیر ہی گزری ہوگی کہ اسے اپنے چہرے پر گرم ہوا کا احساس ہوا۔ اس کی آنکھ جیسے ہی کھلی۔ دہشت سے اس کی آنکھیں پتھرا گئیں جسم سن ہوگیا کالے رنگ کا خوفناک بھیڑیا اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اسے سونگھ رہا تھا۔ اس کو جاگتا دیکھ کر بھیڑیا نے اپنے خوفناک دانت دیکھائے اور ابھی وہ مروان کا نرخرا دبوچنا ہی چاہتا تھا کہ مروان نے اسے پوری قوت سے دھکا دیا۔ چٹان پر اتنی جگہ نہیں تھا، بھیڑیا چٹان سے نیچے جا گرا تو اس کی دردناک چیخ نے ماحول کو مزید پرخوف بنا دیا۔

مروان نے نیچے جھانک کر دیکھا نیچے لاتعداد سرخ آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ نیزہ ہاتھ میں تھام کر وہ بیٹھ گیا۔ مگر پھر ساری رات کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ دوسرے دن سورج نکلتے ہی گرمی بڑھنے لگی چٹان تھوڑی دیر میں ناقابل برداشت حد تک گرم ہوگئی مروان نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ بھیڑیے جا چکے تھے۔ نیزہ ہاتھ میں تھامے وہ نیچے اترا وہ جلد سے جلد پانی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اونچے نیچے پتھروں سے ہوتا ہوا وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دوپہر تک وہ پانی کے قریب پہنچ چکا تھا، اس نے جی بھر کر پانی پیا اور خوب غسل کیا پانی زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اس نے نہر کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا شام تک اس کا سفر بخیر و عافیت جاری رہا۔ اب نہر کا پاٹ پھیلتا جا رہا تھا کئی چھوٹے چشمے اور نہریں اس میں آ گر رہی تھیں۔ پانی کا بہاؤ بھی تیز ہوگیا تھا۔ ایک موڑ مڑتے ہی اسے اپنے سامنے رات والا بھیڑیا نظر آیا جو اپنے دانت دکھا کر اس کا استقبال کر رہا تھا۔

مروان پوری طرح اب ماحول کے مطابق ڈھل گیا تھا ڈرنے کا ابھی کوئی فائدہ نہیں تھا اس نے اپنا نیزہ نکال لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑ لی۔ جیسے ہی بھیڑیا اس پر لپکا تو بہت چابکدستی سے اس نے نیزا اس کے حلق میں اتار دیا جو پیٹ کو پھاڑتا ہوا باہر نکل گیا، بغیر آواز پیدا کیے بھیڑیا تڑپنے لگا، مروان نے اپنا نیزہ باہر کھینچ لیا۔ اب اس کے اعتماد میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی ساتھ ساتھ وہ پیچھے بھی دیکھتا رہتا۔ ابھی اس نے کچھ فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ اس نے چٹانوں پر پندرہ سے بیس بھیڑیے نمودار ہوتے دیکھے۔ اتنے بھیڑیوں سے وہ نہیں لڑ سکتا تھا، اس نے بھاگنے میں عافیت جانی۔ مگر دو ٹانگیں بھی کبھی چار ٹانگوں کا مقابلہ کر پائی ہیں۔ بھیڑیے اس کے بہت قریب پہنچ گئے، ایک بھیڑیے نے زقند بھری اور وہ جیسے ہی مروان کے قریب پہنچا۔ مروان کی تلوار پوری قوت سے اس کے سر سے ٹکرائی اس کی روح کو اس کے جسم سے جدا کر دیا۔ باقی بھیڑیے اس منظر کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے ششدر رہ گئے۔

مروان مسلسل بھاگ رہا تھا۔ یہ اس کی تربیت کا اعجاز تھا کہ اتنے کڑے حالات میں بھی وہ زندہ تھا۔ بھیڑیے ایک بار پھر تعاقب میں لگ گئے۔ مگر اب وہ اکٹھے حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ مروان بھاگتے بھاگتے اچانک رک گیا۔ سامنے سینکڑوں فٹ گہری کھائی تھی۔ کچھ دور وہی نہر جس نے ایک چھوٹے سے دریا کی شکل اختیار کر لی تھی اس کھائی میں آبشار کی صورت میں گر رہی تھی۔ بھیڑیے بہت چالاکی سے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے مروان کو گھیر لیا تھا۔ مروان نے کچھ سوچا اور کھائی کی طرف بھاگا اور پوری قوت سے چھلانگ لگائی اور سینکڑوں فٹ نیچے کھائی میں آبشار کے ساتھ گرنے لگا۔ گرتے گرتے اس نے دیکھا دو بھیڑیے بھی اس کی تقلید کر چکے تھے۔ ایک چھپاکے کے ساتھ وہ پانی میں گرا۔ وہاں پانی بہت گہرا تھا۔ وہ کافی نیچے پہنچ گیا تھا، اس نے تیزی سے پینترا بدلا اور اوپر آنے لگا۔ جیسے ہی وہ اوپر آیا اس نے دیکھا ایک بھیڑیا بھی اس کی طرح ماہر تیراکی ہے۔ دونوں تیزی سے کنارے کی طرف بڑھنے لگے۔ کنارے پر پہنچ کر مروان کو احساس ہوا کہ اس کے پاس صرف چاقو رہ گیا

تھا۔ وہ بھی کمرے سے بندھا ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ اس اثناء میں بھیڑیا بھی پانی سے باہر آ گیا۔ مروان نے جلدی سے چاقو نکال لیا۔ مگر یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ بھیڑیا پچھلی دونوں ٹانگوں سے معذور ہو چکا تھا۔ مروان نے ادھر ادھر دیکھا تو نظر آ گیا دوسرا بھیڑیا پتھروں میں مردہ پڑا تھا۔

اوپر بھیڑیے اب تک موجود تھے۔ مروان کے پاس وقت کم تھا۔ بھیڑیے اب بھی اس کا تعاقب ترک کرنے والے نہیں تھے۔ پانی میں اسے اپنا مشکیزہ تیرتا ہوا نظر آیا۔ اس نے مشکیزہ میں جلدی سے پانی بھرا اور تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے دور جانے لگا۔ اس کا کھانا بھی ضائع ہو چکا تھا۔ پوری رات بغیر رکے اسے سفر کرنا تھا۔ وہ جلد از جلد جنگل تک پہنچنا چاہتا تھا۔

پوری رات اور پھر مسلسل پورا دن وہ چلتا رہا یا پھر دوڑنے لگتا۔ وہ اب ستانے کے لئے رکا تھا۔ اس پر غنودگی طاری ہونے لگی مگر وہ جانتا تھا کہ اگر وہ سو گیا تو یہ اس کی ابدی نیند ہوگی۔ اس نے دوبارہ اٹھا کر چلنا شروع کر دیا۔ موت کا خوف اور زندگی کی چاہت اسے بھگائے جا رہی تھی وہ ایسی موت نہیں مرنا چاہتا تھا۔ جس میں وہ درندوں کے پیٹوں میں چلا جائے۔

وہ کم از کم عزت والی موت کا خواہش مند تھا۔ وہ رات بھی اس نے سفر میں گزاری۔ جنگل کے آثار ابھی تک نظر نہیں آئے تھے۔ مسلسل بیالیس گھنٹوں سے وہ بھاگ رہا تھا۔

اب اسے جنگل نظر آیا تو بھیڑیے بھی پہنچ گئے تھے۔ ایک بھیڑیے نے اسے گرا لیا تھا۔ نقاہت اس پر غالب آ چکی تھی۔ بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی وہ اس بات کے انتظار میں تھا کہ بھیڑیا کب اس کا نرخرا دبوچتا ہے۔ اسے قریب ہی انسانی قہقہے سے مشابہ آواز سنائی دی۔ اس کی دم توڑتی قوت میں مدافعت اچانک بیدار ہوگئی بھیڑیے بھی اسے چھوڑ کر اس طرح متوجہ ہوگئے۔ وہ جنگل کے سب سے ڈھیٹ اور خطرناک جانوروں کا قبیل تھا۔ ان کو لگڑ بگڑ کہا جاتا ہے۔ اور شیر بھی ان سے ڈرتے ہیں۔

مروان کو چھوڑ کر بھیڑیے اس غول کی طرف متوجہ ہوگئے۔ لگڑ بگڑ تعداد میں کم تھے۔ مگر انہوں نے مقابلے کی ٹھان لی تھی۔ ان کی گردنوں کے بال کھڑے ہوگئے تھے۔ بھیڑیے کسی صورت مروان کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ یعنی ایک انار سو بیمار والا چکر تھا۔ دونوں پارٹیاں خم ٹھونک کر میدان میں آ گئیں اور وہ گھمسان کا رن پڑا کہ مروان تھوڑی دیر کے لئے اپنے حواس کھو بیٹھا۔ آخر کار بھیڑیے پسپا ہوگئے۔ لگڑ بگڑ میں صرف دو شدید زخمی تھے مگر انہوں نے آٹھ کے قریب بھیڑیے مار گرائے تھے اور باقیوں کو شدید زخمی کر دیا۔

مروان یہ سارا تماشا ایک درخت پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ لگڑ بگڑوں نے اطمینان سے بھیڑیوں کو کھانا شروع کر دیا اور پیٹ بھر کر روانہ ہوگئے۔ مگر مروان نیچے اترنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر سفر کرتے کرتے آگے بڑھنے لگا۔ چاقو سے اس نے ایک لمبی شاخ کاٹ لی تھی۔ اس جنگل میں سانپوں کی کثرت تھی۔ سانپ پرندوں کے انڈوں کی لالچ میں درختوں پر چڑھ آتے ہیں۔ ابھی اس نے تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا۔ اور تین عدد سانپ اپنے راستے سے ہٹا چکا تھا۔ جلد ہی اسے اپنے مطلب کا درخت نظر آ گیا۔ اس درخت پر ناشپاتی نما پھل لگے تھے۔

ٹوگا نے اسے اس درخت کے بارے میں خصوصی طور سے بتایا تھا۔ اس درخت کا پھل انتہائی طاقت ور مگر چپکا ہوتا ہے، اس پھل کے اندر ایک گٹھلی ہوتی ہے اس کے اندر گودا ہوتا ہے۔ پھل کھانے کے بعد وہ گودا کھانا بہت ضروری ہوتا ہے ورنہ پیٹ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس پھل کی سب سے بڑی خوبی ٹوگا نے یہ بتائی تھی کہ اس کو کھانے کے بعد پیاس بہت کم لگتی ہے۔ جسمانی تھکاوٹ کو بھی دور کر دیتا ہے۔ مروان نے بہت رغبت سے یہ پھل کھائے۔ وہاں قریب ہی ایک درخت سے اس نے چھال کاٹ لی۔ پھر ایک گھنے درخت پر چڑھ کر اس کو مضبوطی سے دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاخوں کے درمیان تان کر باندھ دیا۔ بستر تیار کرنے کے بعد وہ لیٹ گیا۔ پیٹ بھرنے کے بعد وہ کس حد تک مطمئن تھا۔ کئی راتوں سے جاگا ہوا تھا۔ اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اپنے آپ کو مقدر کے سپرد کر کے وہ گہری نیند سو گیا۔ وہ کتنی دیر سویا رہا اسے کچھ معلوم نا ہوسکا۔ اس کی آنکھ تب کھلی جب اس نے اپنے بازو اور ہاتھ پر بوجھ محسوس کیا، وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

دو چھوٹے بندر اس کے آس پاس موجود خرمستیاں کر رہے تھے اندھیرا چھٹ رہا تھا صبح نمودار ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً 16 گھنٹے سوتا رہا تھا۔ اتنی لمبی نیند لینے کے بعد وہ ہشاش بشاش تھا۔ مگر اب اس کے جسم کی خراشیں اسے تکلیف دے رہی تھیں۔ وہ درخت سے نیچے اتر آیا اسے ایک خاص درخت کی تلاش تھی۔ مگر وہ اس درخت کے لئے ادھر ادھر بھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جلد سے جلد اس وادی میں پہنچنا چاہتا تھا جو بشواس پہاڑ کے مغرب میں تھی۔ اسی وادی سے وہ اس مقام تک پہنچ سکتا تھا جہاں گنتارا موجود تھا۔

چلتے چلتے آخر وہ درخت اسے مل گیا۔ قریب ہی درخت سے اس نے ایک شاخ کاٹی وہ شاخ کھوکھلی تھی اور نلکی کا کام بخوبی دے سکتی تھی اس نے اسے نوکیلا کیا اور اس درخت میں گھونپ دیا تھوڑی دیر میں سفید رقیق مائع نکلنے لگا۔ مروان نے دونوں ہاتھوں پر اس مائع کو مل لیتا اور پھر جہاں جہاں خراشیں تھیں وہاں ہاتھ پھیر دیتا۔ اس کے زخموں کی جلن فوراً دور ہوگئی، ایک ٹھنڈک اور تازگی کا احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ناشتہ کیا۔ ناشتے میں اسے وہی پھل دستیاب تھے۔

دوپہر تک وہ مسلسل چلتا رہا، سانپوں بچھوؤں اور زہریلے مینڈکوں کے علاوہ کوئی قابل ذکر جانور اسے نظر نہ آیا۔

نقشے کے مطابق اسے ایک چشمے تک پہنچنا تھا اور اس چشمے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ کوہ بشواس کی اس وادی تک پہنچ سکتا تھا۔ ابھی تک اس کے خیال میں اسے اس چشمے تک پہنچ جانا چاہئے تھا۔ کافی دیر چلنے کے بعد اسے وشواس نے گھیر لیا۔ کہیں وہ راستہ تو نہیں بھٹک گیا؟ ہلکا ہلکا اندھیرا چھا رہا تھا۔

اچانک اس کی نظر سامنے درخت پر پڑی اس نے ایک زقند بھری اور کسی بندر کی طرح چھلانگیں لگاتا درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے درخت کے تنے پر کسی درندے کے پنجوں کے تازہ نشان دیکھے تھے۔ اس کا اندیشہ درست نکلا ایک مادہ شیرنی اس درخت سے تھوڑا دور اپنے دو بچوں کے ساتھ استراحت فرما تھی۔ درخت پر چڑھ کر اس نے وہ چشمہ بھی دیکھ لیا، سکون کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ رات اس نے درخت پر گزاری۔

صبح جب وہ اٹھا تو شیرنی اور اس کے بچے وہیں موجود تھے بس ایک تبدیلی آئی تھی اب ان کے سامنے ایک آدھ کھایا جنگلی بھینسا موجود تھا۔ جب تک وہ بیچ میں سے ہٹ نہ جائے مروان کے لئے آگے بڑھنا دشوار تھا، دوسری صورت میں اسے ایک طویل چکر کاٹنا پڑتا اور بھٹکنے کا امکان پیدا ہو جاتا۔ دوپہر ہوگئی مروان ان کو بھگانے کی ترکیبیں سوچتا رہا آخر ایک بہت کارآمد ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔

ٹوگا نے اسے ایک درخت کے بارے بتایا تھا۔ اس کی سرسبز شاخیں رگڑ کی وجہ سے بھی آگ پکڑ لیتی ہیں اور اتنی تیزی سے جلتی ہیں کہ کسی دوسرے درخت کی سوکھی لکڑی بھی اتنی تیزی سے نہیں جل سکتی وہ اس درخت کو پیچھے دیکھ کر آیا تھا۔ جنگلی اس درخت کا رس نکال کر کپڑے پر لگا کر تیروں پر باندھ لیتے ہیں اور جب تیر پھینکے جاتے ہیں تو ہوا کی تیزی سے وہ آگ پکڑ لیتے ہیں۔ مروان نے بھی یہی طریقہ سوچا لیا۔ وہ بہت احتیاط سے واپس گیا اس درخت کا رس نکال کر شرٹ کو اچھی طرح اس میں بھگو دیا۔ چھوٹے مگر گول پتھر وہ اٹھا کر درخت پر چڑھ گیا۔ ایک پتھر پر کپڑا باندھ کر آزمائش کے طور پر پوری قوت سے اس نے جنگل میں پھینکا۔

وہ خوشی سے اچھل پڑا اس کے ہاتھ سے نکلنے والا پتھر اب آگ کا ایک چھوٹا گولا بن چکا تھا۔ اب وہ

مطمئن تھا، وہ درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اندھیرا ہوتے ہی شیرنی اور اس کے بچے اس اچانک افتاد سے گھبرا گئے، ان کے ارد گرد آگ کے گولے گر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف تھا۔

مروان نے بہت سے پتھر اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لئے تھے اور بچی کچی شرٹ اس نے اپنے مضبوط ڈنڈے کے سرے پر باندھ دی۔ وہ جلدی سے اترا اور چشمے کی سمت چل پڑا۔ کیونکہ یہی مناسب وقت تھا۔ تھوڑی دیر میں چاند نمودار ہو جاتا اور اس کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی۔

رات کو وہ آگ جلا کر بھی اپنی حفاظت کر سکتا تھا مگر دن کو آگ بھی اس کے کام نہ آتی۔ ویسے بھی اس کا ڈر کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔

وہ رات بھر چلتا رہا، صبح کے قریب اندھیرا پوری طرح نہیں چھٹا تھا۔ اس نے اپنے سامنے جانوروں کا ایک غول دیکھا سینکڑوں آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کا سانس رک گیا مگر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ زیبرے تھے۔ رات کا دھندلکا چھٹنے لگا تھا۔ کچھ دیر وہ چٹان پر ستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ نقشہ کھول کر اس نے سامنے رکھ لیا۔ کاغذ اچھی قسم کا تھا مگر بھیگ کر اس کی حالت کافی خستہ ہو چکی تھی۔ مروان کو اب بھی کافی سفر طے کرنا تھا۔ وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا اس نے مناسب نہ سمجھا۔ دوپہر تک اب وہ گھنے جنگل میں پہنچ چکا تھا۔ اب وہ کافی تھک گیا تھا پرانا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اس نے درخت پر اپنے لئے جگہ بنائی اور گہری نیند سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو رات ہوگئی تھی۔

اس گھنے جنگل میں رات میں سفر کرنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔ ہر طرف جنگلی جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ رات بھر وہ درخت پر رہا۔ صبح ہوتے ہی اس نے دوبارہ سفر شروع کیا تھوڑی دیر بعد دور سے ہی اسے کوہ بشواس نظر آ گیا۔ اسے گھوم کر کوہ بشواس کے مغرب میں جانا تھا، وہاں تیرنما چٹان جس سمت اشارہ کر رہی تھی پھر اسی سمت کا رخ کرنا تھا۔

دوپہر تک جنگلی جانوروں سے بچتا بچاتا وہ بشواس پہاڑ کے مغرب میں پہنچ گیا۔ تھوڑی تلاش کے بعد ہی اسے وہ تیرنما چٹان نظر آ گئی تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اس چٹان کا رخ بشواس پہاڑ ہی کی جانب تھا۔ بہت غور و خوض کے بعد اس نے اندازہ لگایا۔ تیرنما چٹان ایک غار کی طرف اشارہ ہے جو نیچے سے ایک نقطے کی مانند دیکھائی دے رہا تھا۔ پہاڑ پر ہر طرف گھنے درخت اور کانٹے دار جھاڑیاں اگی ہوئیں تھیں۔ مروان نے اپنی پوری توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے اوپر کا سفر شروع کیا۔ کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ اس کے بازو سے کوئی چیز چھوتی ہوئی گزر گئی درد کی شدید لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی اس کے بازو سے خون رسنے لگا۔ وہ جلدی سے نیچے لیٹ گیا۔ درجن بھر تیر اس کے اوپر سے گزر کر درختوں میں پیوست ہو گئے، وہ لیٹے لیٹے چٹان کی اوٹ لیے اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔

تھوڑا اوپر جا کر وہ کھڑا ہو گیا اور اوپر کی طرف بھاگنے لگا۔ درخت اس کے لئے ڈھال کا کام دے رہے تھے۔ اس نے صورتحال کا اندازہ لگانے کے لئے نیچے دیکھا۔ دس کے قریب جنگلی ہاتھیوں میں تیر کمان لیے کمر سے نیزے لٹکائے تیزی سے اوپر آ رہے تھے۔ ایک وحشی سب سے آگے تھا اور بہت تیز رفتاری سے اوپر آ رہا تھا۔

مروان نے وہیں رک کر اس کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔ جیسے ہی وہ قریب آیا۔ مروان نے پوری قوت سے اس کے سر پر ایک پتھر مارا تو اس کا بھیجا سر سے باہر کو نکل گیا۔ اس نے جلدی سے اس کا نیزہ اور چاقو سنبھال لیا۔ اس کی لاش کو اس کے ساتھیوں کی طرف پھینک دیا۔

مروان یہ دیکھ کر حیران ہو گیا وہ وحشی رکنے کے بجائے تیزی سے اس کی طرف آنے لگا مروان بھی تیزی سے اوپر کی طرف سفر طے کرنے لگا اندھیرا چھا جانے سے پہلے وہ غار تک پہنچنا چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک اس کی نظر ایک چٹان پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اس چٹان کو جھاڑیوں اور اس کے سامنے پڑے دو پتھروں نے سہارا دیا ہوا تھا، کچھ مٹی میں دھنسنے کی وجہ سے بھی وہ اپنی جگہ پر برقرار تھی۔

مروان نے جلدی سے جھاڑیاں کاٹ ڈالیں ایک پتھر کو بھی نکال دیا۔ چٹان اب تھوڑی سی کوشش سے نیچے پھینکی جاسکتی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے نیزے سے اس نے زور لگا کر اس چٹان کو ٹھیک اس وقت نیچے لڑھکا دیا جب وہ خاردار جھاڑیوں سے بچنے کے لئے ایک قطار میں اوپر آ رہے تھے۔ اس مصیبت کا اندازہ انہیں اس وقت ہوا جب وہ ان میں سے تین کو پیٹ میں لے چکی تھی۔ باقیوں نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دیں۔ خار دار جھاڑیوں نے ان کو لہولہان کر دیا۔

مروان اب نہایت سرعت سے اوپر کی جانب جا رہا تھا، راستے میں ایک چٹان کے پاس اسے ایک جوہڑ نظر آیا، چٹان سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی وہاں لاتعداد سانپ مردہ پڑے تھے پانی بھی کافی گدلا تھا۔ وہ اس معمہ پر غور کر ہی رہا تھا کہ اسے کالے رنگ کے چھوٹے بڑے مینڈک پھدکتے نظر آئے۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"تاریک افریقہ کا سب سے زہریلا جانور۔"

سانپ ان کو منہ میں لیتے ہی مر جاتے ہیں۔ کوئی جانور اگر ان کو سونگھ لے تو وہ بے ہوش ہو جائے۔ وہ اس تالاب کو ہی دیکھ رہا تھا کہ اسے اپنے پاؤں کے پاس حرکت محسوس ہوئی اس نے بے اختیار اپنا نیزہ اس حرکت کرنے والی چیز پر دے مارا۔ وہ ایک کالا درمیانے سائز کا مینڈک تھا نیزہ اس کے جسم کے آر پار ہو گیا تھا۔ ایک پتھر پر رگڑ کر اس نے مینڈک کو اپنے نیزے سے جدا کیا اور تیزی سے اوپر کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر میں وہ غار کے دہانے پر کھڑا تھا۔

غار کے اندر جھانک کر دیکھنے پر اسے پتہ چلا کے غار آگے کہیں بہت دور تک جا رہا تھا۔ وہ وہیں ستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ اسے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ فوراً اس نے نیزہ ہاتھ میں تھام لیا۔ اور چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد تین سائے اسے ہاتھوں میں نیزہ تھامے اپنی سمت آتے دیکھائی دیے، ان کی نظر اب تک اس پر نہیں پڑی تھی۔ جیسے ہی وہ قریب آئے مروان نے نیزہ سے ان پر حملہ کر دیا۔ بدقسمتی سے اس کا وار اوچھا پڑا ایک کا بازو اور دوسرے کے سینے پر صرف خراش لگ سکی۔ اتنی دیر میں تیسرے نے زقند بھری اور مروان کو گرا لیا، وہ اپنا نیزہ مروان کے پیٹ میں گھسیڑنے ہی والا تھا مگر یہ دیکھ کر مروان کو کچھ سمجھ نہیں آیا اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑنے لگے۔ شدید کرب اس کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔

مروان نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور پاؤں کی مدد سے اس کو اپنے اوپر سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے باقی دو ساتھی کیا کر رہے ہیں۔ اس نے اٹھ کر دیکھا تو حیرت کا ایک اور جھٹکا اس کا منتظر تھا، وہ دونوں زمین پر مڑے تڑے پڑے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اچانک اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے اس نیزے سے مینڈک کو مارا تھا، اور اس کا زہر نیزے کی آنی پر لگ گیا تھا۔ وہ تینوں زہر کے شکار ہوئے تھے۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کوئی زہر اتنا قوی الاثر بھی ہو سکتا ہے۔

اپنی منزل کے وہ کافی قریب پہنچ چکا تھا۔ اپنی تمام قوت کو مجتمع کر کے اس نے غار کے اندر جانے کا ارادہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ نیزہ ہاتھ میں تھامے وہ غار کے اندر گھس گیا۔

غار کے دہانے کے پاس روشنی تھی مگر جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا، روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ کافی دیر چلنے کے بعد اس کو اپنے سامنے دیوار نظر آنے لگی۔ غار آگے سے مکمل بند تھا۔ اب بھی غار میں مکمل اندھیرا نہیں تھا۔ وہ اس بھید کو نہیں سمجھ پایا تھا۔

گنتارا کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ وہ یہ سوچ ہی

رہا تھا کہ غار سے واپس چل دے۔ ایک خوفناک غراہٹ اس کے عقب میں گونجی تو خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، وہ بجلی کی تیزی سے پیچھے مڑا، اسی دوران ایک بھاری بھرکم جسم اس سے آن ٹکرایا۔ تھوڑی دیر کے لئے تو وہ اس کے بوجھ تلے دب گیا مگر وہ چیز خود ہی پیچھے ہٹ گئی، اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔

خوف سے اس کی آنکھیں پھیلتی چلیں گئیں۔ خون منجمد ہو گیا۔ اس کے سامنے ایک سرخ شیر موجود تھا۔

اس پر سکتہ طاری ہو چکا تھا مگر چند لمحوں میں اسے ہوش آ گیا۔ وہ اس کیفیت سے باہر نکل آیا، اس نے جلدی جلدی ادھر ادھر ہاتھ مارے، وہ جلد از جلد اپنا نیزہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ شیر اس وقت اپنا پنجہ بار بار اپنے منہ کی طرف لے جاتا۔ وہ مسلسل غرا رہا تھا۔

اچانک شیر نے اپنا منہ مروان کی سمت کیا تو مروان کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس کا نیزہ شیر کے منہ میں اٹکا ہوا تھا اور اس کی انی شیر کی گردن پھاڑ کر باہر نکل گئی تھی کچھ دیر بعد شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اصل میں ہوا کچھ یوں کہ جیسے ہی شیر نے اس پر چھلانگ لگائی اس وقت لاشعوری طور پر اس نے نیزہ شیر کی طرف کر دیا۔ شیر کا منہ کھلا تھا۔ شیر اپنی جھونک میں آگے بڑھا، اور پھر نیزہ شیر کے حلق میں گھستا چلا گیا۔ خون نے اس کا سانس بند کر دیا۔ باقی کچھ کام زہر نے کیا جو نیزے پر لگا تھا۔

بلاشبہ قسمت کا دھنی تھا مروان ابھی تک وہ مقدر سے بچتا رہا تھا اس بار تو وہ ہل بھی نہیں سکا تھا۔ اب وہ واپس جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا مگر پھر کسی خیال سے وہ رک گیا اور دیوار ٹٹولنے لگا۔ ایک جگہ اسے کچھ ابھری ہوئی محسوس ہوئی باقی دیوار بالکل سپاٹ تھی اسی وجہ سے اسے شک گزرا تھا کہ یہ انسانی تعمیر کردہ ہے۔

مصر کے اہراموں کے بارے میں اس نے کافی کچھ پڑھ رکھا تھا، وہاں بھی ایسی ہی دیواریں موجود تھیں کوئی پتھر وغیرہ دبا کر ان کو کھولا جا سکتا تھا۔ اس نے ابھری ہوئی جگہ کو دبایا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ کھرچنے سے کچھ رنگ ضرور اتر گیا جس سے مروان کا شک یقین میں بدل گیا، وہ دیوار قدرتی نہیں تھی۔ مگر اس نے پوری کوشش کر لی مگر دیوار جوں کی توں اپنی جگہ پر موجود رہی۔ اب اس پر جھنجھلاہٹ طاری ہونے لگی تھی اس نے غصے میں ایک زوردار لات دیوار پر ماری۔ دیوار میں واضح طور پر اس نے تھرتھراہٹ کو محسوس کیا۔ اب اس کو پھر حوصلہ ہوا، وہ پیچھے ہٹا اور دوڑ کر آیا اور ایک بھرپور فلائنگ کک دیوار پر جمائی۔ اور دھم سے نیچے گرا۔ اس کے گرتے ہی وہاں زلزلہ سا آ گیا، پورا غار اسے پھیلتا ہوا محسوس ہوا اور ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ دیوار میں راستہ بنتا چلا گیا۔

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کمرہ صدیوں بند رہا ہے، تازہ ہوا کے جھونکے نجانے کہاں سے آ رہے تھے،

بھینی بھینی خوشبو نے اس کی روح تک کو معطر کر دیا۔ مگر سب چیزوں کو چھوڑ کر وہ اس چوکور پتھر کو دیکھ رہا تھا۔ جس سے دودھیا روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اور وہ پتھر ہوا میں معلق تھا۔ اس کے نیچے ایک تھال رکھا تھا۔ اس پتھر کے بالکل اوپر ایک پتھر چھت میں ابھرا ہوا تھا اس سے قطرہ قطرہ شفاف پانی نکل کر اس پر ٹپک رہا تھا۔

مروان بالکل ساکت و جامد کھڑا تھا۔ گنتارا بالکل اس کے سامنے تھا۔ اب اس کو شدید پیاس محسوس ہوئی۔ اس کی نظر اس تھال پر پڑی جو پانی سے لب لب بھرا ہوا تھا۔ وہ زہریلا بھی ہو سکتا تھا؟

شیر کا پنجہ اس کے کندھے کو زخمی کر چکا تھا۔ اس وقت اسے درد محسوس ہوا، اب زخم تکلیف دے رہا تھا۔ خون بھی تھوڑا تھوڑا رس رہا تھا۔ درد نے اس کے مضمحل حواس کو بیدار کر دیا۔ وہ تھال کی طرف بڑھا۔ کھال سے پانی گر گر کر سخت فرش پر جمع ہو رہا تھا۔ تھال کے قریب ہو کر اس نے پانی کو سونگھا۔ ایک خوشگوار بو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ ہاتھ اس کے بہت گندے ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا جو پانی نیچے فرش پر جمع ہے اس سے ہاتھ دھوئیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔ جیسے ہی اس نے ہاتھ دھوئے اس نے اپنے ہاتھوں میں تبدیلی محسوس کی وہ حیرت زدہ رہ گیا، اس کے ہاتھوں کے زخم آناً فاناً بھرنے لگے اور کچھ لمحوں بعد اس کے ہاتھوں پر کوئی زخم نہ تھا۔ اس نے جلدی جلدی پانی میں اپنے ہاتھ ڈبوئے اور جسم پر موجود تمام زخموں پر مل دیا چند لمحے بعد اس کے جسم کا ہر زخم بھر چکا تھا۔ اب اس کو کافی حد تک اطمینان تھا۔ اس نے وہ تھال اٹھایا اور منہ سے لگالیا۔

فرحت و سرور اس کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔ اس پانی کا ایسا لاجواب ذائقہ تھا کہ وہ مسلسل اسے پیے جا رہا تھا، پیاس کب کی بجھ چکی تھی مگر دل تھا کہ بھرنے میں نہیں آ رہا تھا۔ خوب جی بھر کر پانی پینے کے بعد اب وہ گنتارا کی طرف متوجہ ہوا حالانکہ اسے فوراً گنتارا کو قبضے میں لینا چاہئے تھا مگر ایک تو ماحول نے اسے متاثر کر دیا، دوئم وہ مطمئن تھا۔ اس غار تک اب کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ گنتارا تک پہنچنے کا سوچ ہی رہا تھا جو اس سے چار فٹ اوپر ہوا میں معلق تھا۔

اچانک اسے گونج دار آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ! اپنی جگہ سے ہلنا مت ورنہ جلا کر راکھ کر دوں گا۔"

وہ اپنے خیالات میں مگن تھا کہ آواز سن کر اچھل پڑا، اور بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔

دروازے کے پاس بالاش کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے پیچھے پانچ ہٹے کٹے وحشی ہاتھوں میں نیزہ لیے کھڑے تھے۔ مروان کا اپنا قد 6 فٹ کا تھا مگر وہ ان کے سامنے بونا دکھائی دے رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟" مروان نے حیرت سے پوچھا۔

اس کی بات سن کر بالاش نے قہقہہ لگایا۔

"نادان لڑکے! تمہارا کیا خیال ہے مجھے نہیں معلوم کہ تم نے اور جان نے تاریک افریقہ کا سفر کیوں کیا تھا؟ جان تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مگر تم خوش قسمتی سے میرے ہاتھ لگ گئے۔ ایک جھوٹی کہانی سنا کر میں نے تمہیں بشواس تک لے آیا۔ حالانکہ سردار کی ٹوپی گرانے کی سزا کھولتا ہوا تیل ہے۔ مگر میں تمہیں بچا کر لے آیا کیوں کہ باہر کی دنیا کا کوئی شخص ہی گنتارا تک پہنچ سکتا تھا۔

اس غار میں ایسا طلسم پھونکا گیا تھا کہ یہاں کے مقامی لوگ اس کے اندر داخل ہوتے ہی جل کر بھسم ہو جاتے۔ اس لئے ضروری تھا کہ کوئی باہر کی دنیا کا شخص اندر داخل ہو کر اس طلسم کو توڑے اور ساتھ ہی گنتارا کے محافظ کو ختم کرے۔ اور تم نے یہ کام بخیر و خوبی انجام دیا۔

بیوقوف لڑکے تم کیا سمجھے! یہاں تک کا فاصلہ تم نے اپنی بہادری اور چالاکی سے طے کیا مگر یاد رکھو کئی وفعہ موت کے منہ میں تم جا رہے تھے، میں نے تمہیں بچالیا۔

بھیڑیوں سے مقابلے میں اصل لگڑ بگڑ نہیں تھے بلکہ وہ ساکال تھے۔ جو ہر قسم کے جانور کا روپ دھار سکتے ہیں اور میرے قبضے میں ہیں۔ یہ جو تم گھنٹوں گھنٹوں درختوں پر سوئے رہتے تھے اور سانپ تمہاری بو پا کے بعد بھی تمہارے پاس نہیں پھٹکتے تھے تو یہ میری مہربانی تھی۔ جنگل میں صرف ایک یا دو بار تمہارا سامنا جنگلی درندوں سے ہوا حالانکہ یہ جنگل درندوں سے اٹے پڑے ہیں۔ بہرحال تمہاری حاضر دماغی کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔" بالاش نے اسے تفصیل سے بتایا۔

اتنی دیر میں مروان غیر محسوس طریقے سے کھسک کر بالکل گنتارا کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا بالاش نے اپنے پیچھے کھڑے وحشی کو اشارہ کیا اور وہ بجلی کی تیزی سے مروان کی طرف لپکا۔

مروان اس کے زوردار جھٹکے سے نیچے گر گیا، وحشی اپنا خنجر ہاتھ میں پکڑ کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس وحشی نے خنجر والا ہاتھ بجلی کی سی تیزی اوپر کیا۔

مروان اپنی پھرتی پر خود ششدر رہ گیا۔ اس نے

وحشی کا خنجر والا ہاتھ پکڑا، دوسرے لمحے اس نے اس سانڈ جیسی جسامت والے وحشی کو دیوار پر دے مارا۔ اسے خود بھی سمجھ نہ آیا کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا۔

بالاش کی حیرت سے چیخ نکل گئی اس کے حواس پھیلتے چلے گئے۔ اس نے باقی چاروں وحشیوں کو ایک ساتھ حملے کا اشارہ کیا۔

مروان نے تیزی سے پہلے بے ہوش وحشی کا خنجر اٹھالیا۔ اس کی پھرتی دیدنی تھی مارشل آرٹ میں تو وہ پہلے بھی ماہر تھا مگر اس کمرے میں آنے کے بعد اس کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

مروان چاروں سے لڑ رہا تھا، موقع ملتے ہی اس نے ایک وحشی کا نرخرہ کاٹ ڈالا اور اگلے ہی وار میں ایک اور وحشی کا پیٹ چاک کر دیا۔ وہ اپنی طاقت کے باوجود زخمی ہو گیا تھا۔ وہ بھی بہت طاقت ور تھے اور اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھنے کا باوجود پیچھے ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔

لڑتے لڑتے اچانک مروان کی نظر بالاش پر پڑی جو کچھ منہ ہی منہ میں پڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے چلانگ لگائی اور اڑتا ہوا گنتارا کی طرف بڑھنے لگا اس کو گنتارا کی طرف بڑھتا دیکھ کر مروان نے بھی چھلانگ لگائی اور بالاش سے جا ٹکرایا مگر اتنی دیر میں بالاش گنتارا کو ہاتھ میں لے چکا تھا۔ مروان جب اس سے ٹکرایا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ کسی پتھر سے ٹکرایا ہو۔ دونوں تیزی سے نیچے گرے اور گنتارا، بالاش کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا، اس کے ساتھ ہی زوردار دھماکہ ہوا۔

دھماکہ اتنا شدید تھا کہ وہ سارے کے سارے وہیں پر گر گئے ان کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔

پورا پہاڑ پھیلنے لگا، ہر طرف گرد و غبار پھیلتا چلا گیا۔

مروان کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ وہاں سے اٹھا، اسے گرد و غبار میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اندازے سے وہ دروازے کی سمت بڑھا۔ خوش قسمتی سے وہ جلد دروازے تک پہنچ گیا۔ وہ بھاگتا ہوا غار سے باہر نکلا۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ اپنی پوری قوت سے وہ پتھروں سے بچتا ہوا پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔

وہ سامنے دیکھ کر بھاگ رہا تھا، بھونچال بہت شدید تھا۔ کئی بار وہ لڑکھڑا کر گرتا مگر پھر سنبھل کر بھاگنے لگتا۔ ایک مرتبہ وہ ایسا گرا کہ پھر اٹھنے کے قابل نا رہا۔ اس کا دماغ تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

اس کے اپنے منہ میں کڑواہٹ محسوس ہوئی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک بوڑھا وحشی اس کو کچھ پلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کٹورا اپنے منہ سے دور کر دیا۔

"پی لو دوائی ہے۔ زہر نہیں ہے" بوڑھے نے کہا۔

وہ زبان اس کے لئے اجنبی تھی مگر اسے لفظ بہ لفظ سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے کٹورا اپنے منہ سے لگالیا۔

"تمہیں میری بات سمجھ میں آ گئی۔" بوڑھے نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں مجھے تمہاری بات سمجھ میں آ گئی ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں میری بات سمجھ میں آئے۔" مروان نے کٹورا ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی تمہاری بات سمجھ میں آ گئی ہے۔" بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم لیٹ جاؤ میں سردار کو تمہارے ہوش میں آنے کی خبر کر دوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھا اپنے سے بھی زیادہ ایک ضعیف شخص کے ساتھ جھونپڑی کے دروازے میں نمودار ہوا۔ اس بوڑھے کی بھنویں اور پلکیں تک سفید تھیں۔ مگر پھر بھی وہ کافی چاق و چوبند تھا۔

اس نے آتے ہی مروان کا حال پوچھا پھر گویا ہوا "میں گنتارا قبیلے کا سردار مشاک ہوں۔ ہم گنتارا کے محافظ تھے۔ دس کے قریب تم نے ہمارے قبیلے کے لوگوں کو نشانہ بنایا تھا۔ جب وہ تمہارے تعاقب میں تھے اس کے باوجود تم اس وقت اس لئے زندہ ہو کہ تم ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسن ہو۔

"میں نے آپ کے دس بندے قتل کر دیے اور آپ کہتے ہیں میں آپ کا محسن ہوں۔" مروان نے بوڑھے سردار کو ٹوکا۔

"جب میں بول رہا ہوں تو مجھے بیچ میں ٹوک دینے والا انتہائی ناپسند لگتا ہے۔ سردار مشاک نے غضب ناک لہجے میں بولا۔" جب تک بات پوری نہ ہو جائے تم تب تک کچھ نا بولنا۔

تم ہمارے محسن ہو، تم نے ہمیں گنتارا کی غلامی سے آزاد کیا، صدیوں سے ہم اس منحوس پتھر کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ پتھر ہمارے لئے منحوس مگر دوسرے قبائل کے لئے طاقت کا خزانہ تھا۔ اگر کوئی آدمی اسے حاصل کر لیتا تو ہمارے پورے قبیلے کے جوانوں کے سر قلم کر دیے جاتے اور عورتیں اور بچے آگ کے حوالے کر دیے جاتے۔ اس پہاڑ کے دامن کو ہم چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ ایک حد سے جیسے ہی ہم باہر نکلتے ہمارے جسموں پر پھوڑے نکل آتے۔

سرخ شیر کو ہر دو دنوں بعد تازہ انسانی گوشت درکار تھا۔ اس کے لئے ہم باہر سے لوگ پکڑ لیتے یا پھر قبیلے میں سے ہی کسی کو قربان کرنا پڑتا۔ بہر حال تمہاری وجہ سے یہ بلا ہمارے سروں سے ہٹ گئی۔" تمام بات بتا کر سردار خاموش ہو گیا۔

"مگر گنتارا کہاں گیا۔ اور زلزلہ کیوں آیا۔؟ میں آپ کی اور آپ میری باتیں کیسے سمجھ رہے ہیں؟" ایک ہی سانس میں مروان نے کئی سوال کر ڈالے۔

اس کے پے در پے سوالات سن کر سردار مسکرا اٹھا، اور بولا" کوہ بشواس گنتارا کی وجہ سے قائم تھا۔ تم نے گنتارا کو یقیناً وہاں سے ہٹا دیا ہوگا۔ توازن بگڑ گیا اور پہاڑ پورا کا پورا زمین میں دھنس گیا۔ اس کے ساتھ گنتارا بھی زمین میں چلا گیا ہوگا۔ تمہارا وہاں سے زندہ نکل آنا اور تمہاری جسمانی طاقت، اور ہماری زبان کو سمجھنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تم نے آب گنتار پی لیا ہے۔ اب تم ساری زبانیں سمجھ سکو گے۔

بوڑھے سردار کی یہ بات سن کر مروان کے دماغ سے پردہ ہٹتا چلا گیا۔ وحشی کو اٹھا کر پھینک دینا۔ بڑی بڑی چھلانگیں لگاتے ہوئے پہاڑ سے بھاگنا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر فلم چل پڑی۔

کچھ دنوں بعد مروان مکمل صحت مند ہو گیا۔ اب اس کا ارادہ واپسی کا تھا۔ سردار مشاک نے اسے بتایا تھا۔" ہو سکتا ہے اس کی جسمانی صلاحیتیں ہمیشہ ایسی ہی رہیں مگر اس بات کا اندیشہ بھی ہے کہ آہستہ آہستہ یہ طاقت ختم ہو جائے۔ اس لئے وہ جلد سے جلد واپس جانا چاہتا تھا۔

واپسی کا سفر شروع کرنے سے پہلے مروان نے کوہ بشواس دیکھنے کا ارادہ کیا، اب وہاں پہاڑ نہیں تھا، اب وہاں جھیل بشواس تھی۔ جو بہت بڑی اور بہت گہری تھی۔

ہفتوں جنگل میں چلنے کے بعد وہ بٹاسی گاؤں پہنچ گیا۔ جنگل میں اسے کوئی مشکل درپیش نہ آئی۔ درندے اسے دیکھتے ہی راستہ چھوڑ جاتے۔ کئی مرتبہ سانپ اس کے جسم کو مس کر کے گزرے مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب" آب گنتارا" کا کمال ہے۔

بٹاسی میں سب اسے پیار سے ملے مگر ٹوگا اس کا استقبال کرنے کے لئے موجود نہیں تھا۔ وہ فوت ہو چکا تھا اس نے مروان کے لئے ایک تھیلا چھوڑا تھا۔ وہ اس تک پہنچا دیا گیا۔ اس تھیلے میں اس کے اور جان کے پاسپورٹ تھے۔

جان کا وصیت نامہ اور اس کی جائیداد کی تفصیل تھی۔ جواب مروان کی ملکیت تھی۔ جان کے بعد ٹوگا کی جدائی نے مروان کو مزید اداس کر دیا۔ وہ زیادہ دن تک نہ رک سکا اور واپس انگلینڈ کے لئے روانہ ہو گیا جہاں ایک نئی زندگی اس کی منتظر تھی۔

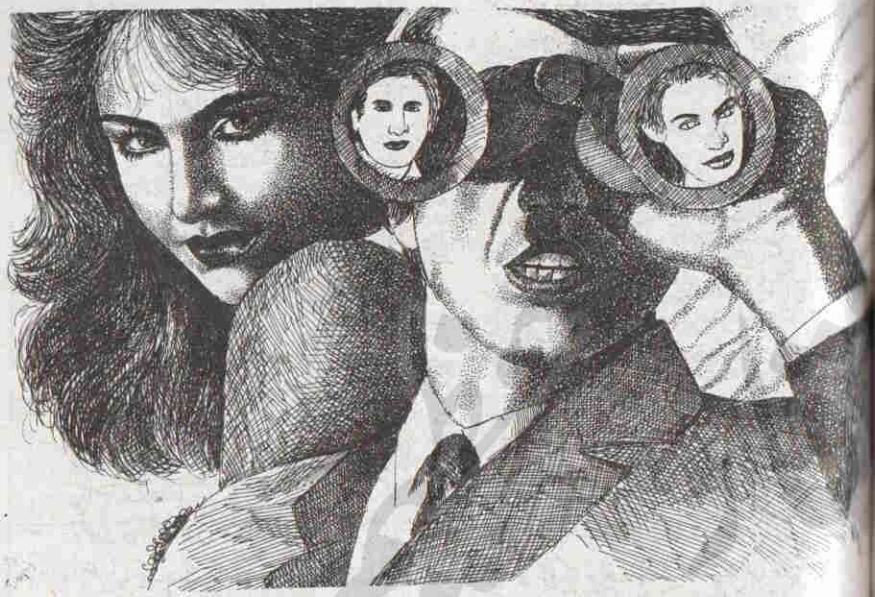

خلائی قانون

عامر ملک-راولپنڈی

ایک خوبصورت معصوم اور دلکش دوشیزہ کا دل دھلا دینے والا واقعہ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اپنی دانست میں اس نے جو کچھ بھی کیا تھا دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے یہ پتا نہ تھا کہ وہ جو کچھ کر رہی ہے اس کی سزا اتنی بھیانک ہوگی۔

چاہت وخلوص کی ایک انمٹ کہانی جسے پڑھنے والا اچنبھے میں اپنے آپ کو محسوس کرے گا

خلا باز نے اچانک محسوس کیا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ سامنے کے ڈائل کی سفید سوئی بار بار خطرے کے نشان کو چھو رہی تھی۔ وہ اسٹارڈسٹ نامی خلائی کروزر کے ایک ونگ سے روانہ ہوا تو سوئی اس وقت زیرو پر تھی۔ پھر ایک گھنٹے کے بعد یہ حرکت کرنے لگی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سپلائی کلورٹ میں کوئی ایسا جسم موجود ہے جو مادہ خارج کر رہا ہے۔ خلا باز نے کرسی کے ساتھ پشت ٹکا کر ایک گہری سانس لی۔ اور پھر خطرے کی نوعیت پر غور کرنے لگا۔ اس کے سامنے بین ایساراتی قانون سفر کی دفعہ آٹھ پیراگراف ایلی کی سختی آویزاں تھی۔ جس پر درج تھا۔" خلائی سفر میں ممنوعہ شے سفر کرتی ہوئی پکڑی جائے تو خلا باز کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اسے فی الفور فضاء میں پھینک دے۔"

یہ قانون زمین کے سائنسدانوں نے وضع کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی تھی۔ انسان نے بڑے بڑے سیاروں کو تسخیر کرلیا تھا۔ اور اس پر بستیاں قائم کرلی تھیں۔ مہم جو پارٹیاں مسلسل سروے میں مشغول رہتی تھیں۔ تاکہ وہ تسخیر شدہ سیاروں کی چھپی دولت کا سراغ لگا سکیں۔

زمین کے سائنسدانوں نے برق رفتار "کروزر" ایجاد کرلئے تھے۔ جو خلائی آبادکاروں کے ساتھ رابطے کا واحد ذریعہ تھے۔ وہ نہایت باقاعدگی سے روانہ ہوتے اور کئی ماہ کے سفر کے بعد خلائی بستی میں پہنچ جاتے۔ ہر کروزر کے ساتھ چار چھوٹے جہاز ای ڈی ایس (ایمرجنسی ڈسپیچ شپ) جڑے ہوتے تھے۔ کائنات میں سفر کے دوران جب خلاء باز کو کسی نزدیکی سیارے سے فوری مدد پہنچانے کا پیغام ملتا۔ تو وہ ایک "ای ڈی ایس" داغ دیتا۔ جس پر اہم نوعیت کی اشیاء لدی ہوتی تھیں۔ اس ایمرجنسی شپ کا کنٹرول ایک نئے پائلٹ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ طویل قامت کروزائیٹی توانائی سے چلتے تھے جبکہ "ای ڈی ایس" کا نظام ان سے مختلف تھا۔ ان میں مائع گیس بھری ہوتی ہے۔ سپلائی کلوزٹ میں زائد سامان رکھنے کی قطعی اجازت نہ تھی۔ حساس کمپیوٹر ہر وقت اس پر نگاہ رکھتے تھے۔

☆.....☆.....☆

اسٹار ڈسٹ کروز سے علیحدہ ہونے کے بعد ای ڈی ایس کے خلاباز کی نگاہیں سامنے لگے مختلف ڈائلوں پر تھیں۔ اس کا جہاز ضرورت سے زیادہ ایندھن خرچ کررہا تھا۔ اسے ہنگامی صورت میں "وارڈن نامی" عظیم سیارے پر اترنا تھا۔ جہاں سروے پارٹیاں تحقیق میں مصروف تھیں۔ اس مشین کی تکمیل کے بعد "ای ڈی ایس" کو دوبارہ اسٹار ڈسٹ کے ساتھ آکر جڑنا تھا۔

خلاباز نے دوبارہ سفید سوئی والے ڈائل کی طرف دیکھا۔ جو لرز لرز کر خطرے کا اعلان کررہی تھی۔ اس نے فوراً کمپیوٹر سے مدد لی۔ اسکرین پر چند نقطے ابھرے۔ خلاباز انہیں دیکھتے ہی سٹپٹا کر رہ گیا۔ کمپیوٹر سپلائی کلوزٹ میں چھپے ایک انسانی وجود کی نشاندہی کررہا تھا، کنٹرول روم کا ایک بٹن دباتے ہی ساتھ والے کیبن کا دروازہ کھل گیا۔

"باہر نکلو" خلاباز نے گھبرائی ہوئی آواز میں حکم دیا۔ کمپیوٹر کا اندازہ درست تھا۔ ایک جیتی جاگتی انسانی ہستی وہاں موجود تھی۔

"کیا معاملہ ہے؟" دوسری جانب سے باریک سہمی ہوئی آواز آئی۔

خلاباز ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کے سامنے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہوں میں مایوسی کے ساتھ ساتھ ہلکی مسکراہٹ بھی تھی۔ وہ دونوں ڈرائیور کنٹرول یونٹ میں آگئے۔

"آپ نے ابھی تک مجھے جواب نہیں دیا۔ مجھے اپنے جرم کا احساس ہے۔" لڑکی نے مایوس لہجے میں کہا۔

"تمہارا یہاں کیا کام تھا؟ تم اسٹار ڈسٹ سے کھسک کر "ای ڈی ایس" پر کیوں آگئیں؟" خلاباز نے پوچھا۔ "میں اپنے بھائی گیری سے ملنے وارڈن سیارے پر جانا چاہتی تھی۔ میں نے اسے پچھلے دس برس سے نہیں دیکھا۔"

"زمین سے روانہ ہوتے وقت تمہاری اصل منزل کیا تھی؟" "سیارہ لیمر سورج سے دس ارب میل پر واقع ہے۔ میں وہاں اتنا عرصہ اس کا انتظار نہیں کرسکتی تھی۔" لڑکی نے بے چینی کے عالم میں جواب دیا۔

اسی اثناء میں خلاباز کے آگے اسکرین پر ایک پیغام ابھرا..... "تمہارے جہاز پر ایک سے زائد مسافر موجود ہے اسے باہر دھکیل دو۔" یہ تنبیہہ خلائی کنٹرول سینٹر سے آرہی تھی۔

"کیا تمہارے بھائی کو پتہ تھا کہ تم اسٹار ڈسٹ کے ذریعے سیارہ لیمر کے لئے روانہ ہوچکی ہو۔" خلاباز اسکرین پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں! زمین چھوڑنے سے پہلے میں نے اسے خلائی تار بھیج دیا تھا۔ ایک سال کے اندر اس پر موشن ہونے والی تھی۔ اس کے بعد اسے لیمر پر آنا تھا۔"

"وارڈن پر دو گروپ کام کررہے ہیں۔ وہ دوسرے سے آٹھ لاکھ میل دور ہیں۔ میں پہلے گروپ کے لئے ادویات اور ضروری سپلائی لے کر جارہا ہوں۔ تمہارا بھائی کہاں کام کرتا ہے۔"

"ایک ماہ پہلے اس کا خط آیا تھا۔ اس پر اس کا پتہ درج تھا۔ وہ دوسرے گروپ سے منسلک ہے، کیا آپ میرے بھائی گیری کو جانتے ہیں۔؟"

"نہیں میں اس سے کبھی نہیں ملا۔" خلاباز نے کنٹرول بورڈ کے سوئچ دباتے ہوئے جواب دیا۔ جہاں کی رفتار خاصی تیز ہوچکی تھی اور اس کی سوئیاں تیزی سے تھرتھرا رہی تھیں۔ خلاباز نے اس کا رخ کشش ثقل کی طرف کردیا تھا۔ "کیا ہم تیزی سے نہیں اڑ رہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"جہاز کا ایندھن بچانے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔" خلاباز نے تامل سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے آپ کے پاس ایندھن کم ہے۔" لڑکی بے چینی سے بولی۔

خلاباز نے سنی ان سنی کردی۔ "آپ ای ڈی ایس پر کیسے آگئیں۔؟"

"میں کروزر کے سپلائی آفس کے پاس کھڑی تھی کہ عملے کا ایک آدمی وارڈن سیارے کے سپلائی آرڈر لے کر آگیا۔ میں اس کے کلوزٹ میں آگئی۔ وہ آدمی تو واپس چلا گیا۔ لیکن میں سامان کے درمیان دبک کر بیٹھ گئی۔ میں اپنے بھائی سے ملنا چاہتی تھی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ میں اس سلسلہ میں جرمانہ بھی ادا کرنے کو تیار ہوں، میں اچھے سے اچھا کھانا پکا سکتی ہوں۔ کپڑے سی سکتی ہوں۔ مجھے تھوڑی بہت نرسنگ بھی آتی ہے۔" لڑکی نے بھولے پن سے کہا۔

ای۔ڈی۔ایس کے خلاباز کو بیرونی فضاء میں اکثر تکنیکی نوعیت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ مسئلہ ان سے زیادہ گھمبیر تھا۔ نیلی آنکھوں والی ایک ہنستی مسکراتی لڑکی اس کے ساتھ کنٹرول یونٹ میں بیٹھی تھی۔ بھائی کی محبت سے مغلوب ہوکر اس نے نادانستہ طور پر اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ خلاباز نے ایک سوئچ آن کرکے اسٹار ڈسٹ کے ساتھ رابطہ کیا۔

"ہیلو کمانڈر ڈلہوزی! میں ای ڈی ایس 34 سے مارٹن بول رہا ہوں، میرا جہاز ایمرجنسی کی حالت میں ہے۔"

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ، یمنی، عقیق، پکھراج، لاجورد، نیلم، زمرد، یاقوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے خوب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں کامیابی، میاں بیوی میں محبت، ہر قسم کی بندش ختم، رات کو تکیے کے نیچے رکھنے سے لاٹری کا نمبر، جادو کس نے کیا، کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان معلوم ہوجائے گا۔ آفیسر اپنی طرف مائل، نافرمان اولاد، نیک، میاں کی عدم توجہ، جج یا حاکم کے غلط فیصلے سے بچاؤ، مکان، فلیٹ یا دکان کسی قابض سے چھڑانا، معدے میں زخم، دل کے امراض، شوگر، یرقان، جسم میں مردو عورت کی اندرونی بیماری، مردانہ کمزوری، ناراض کو راضی کرنے یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہوگا۔ یاد رکھو سورۂ یاسین قرآن پاک کا دل ہے۔

رابطہ: صوفی علی مراد

0333-3092826-021-2446647

M-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر

بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند منٹ کی تاخیر کے بعد کمیونیکیٹر سے ہلکی ہلکی وسل کے ساتھ ایک آواز ابھری۔ ”مارٹن“ کمانڈر ڈلبوزی لاکھوں میل دور سے بول رہا تھا۔ ”تمہیں کس صورتحال کا سامنا ہے۔؟“

”آپ کے کروزر کی ایک مسافر لڑکی ای ڈی ایس پر چھپی پائی گئی ہے۔ حالات نازک صورت اختیار کر چکے ہیں۔ جہاز کا ایندھن بتدریج ختم ہو رہا ہے۔“

”اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا آپ خلائی قانون سے واقف نہیں؟“

”سر! وہ اپنے بھائی سے ملنے وارڈن جانا چاہتی ہے۔ کیا آپ زائد ای ڈی ایس بھیج کر اس کی مدد کر سکتے ہیں؟“ ”مجھے افسوس ہے مارٹن!۔ میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔“

کمانڈر نے توقف سے جواب دیا۔ اور پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ”کمانڈر کی طرف سے کیا جواب ملا۔ کیا آپ مجھے واقعی ہلاک کر دیں گے؟“ لڑکی نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔ ”میں نے کمانڈر کے ساتھ رابطہ قائم کیا تھا۔ آپ نے بھی پیغام سن لیا ہوگا۔“

”جی ہاں! وہ میری مدد نہیں کر سکتا۔ تو کیا آپ مجھے جہاز سے باہر پھینک دیں گے۔ کیا میں مر جاؤں گی۔؟“ ”مجھے افسوس ہے معصوم لڑکی! اس کائنات کے قوانین بڑے ظالم ہیں۔ انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ آپ کی شناختی تختی کہاں ہے؟“

لڑکی نے چہرہ اوپر کیا اور گلے سے لٹکی تختی خلاباز کو دے دی۔ اس پر شناختی نمبر درج تھا۔ خلاباز نے اسٹار ڈسٹ کے ریکارڈ سیکشن کے ساتھ رابطہ کیا۔ چند لمحے بعد کمپیوٹر پر معلومات جمع ہونا شروع ہو گئیں۔

”نام میرلین لی کراس۔ کوڈ ٹی 837۔ پیدائش 7 جولائی 2160۔ عمر اٹھارہ برس قد پانچ فٹ تین انچ وزن ایک سو دس پونڈ۔ رزلٹ، ای ڈی ایس۔ وزن نہیں سہار سکتا۔ اگلے آرڈر کا انتظار کریں۔ اسٹاپ.....“

”وہ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ ہر شخص مجھے مردہ دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے کسی کو دکھ نہیں دیا۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں بھائی کو ملنے جا رہی تھی۔“ لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

”پگلی ایسا نہیں ہے کوئی بھی شخص تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔ وہ حالات سے مجبور ہیں۔ یہ جہاز سیارہ وارڈن کے گروپ ون کے لئے ادویات اور سامان لے کر جا رہا ہے تمہارا بھائی ان سے آٹھ لاکھ میل دور دوسرے گروپ کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اگر میں منزل تک نہ پہنچ سکا تو اس تاخیر سے گروپ ون کے سارے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔“ ”کیا کوئی دوسرا کروزر میری مدد نہیں کر سکتا؟“

”نہیں۔ ایسے کروزر ہم سے روشنی کے چالیس برس کی دوری پر ہیں۔“ خلاباز نے مایوسی سے جواب دیا۔

ای ڈی ایس کا کولنگ سسٹم صحیح کام نہیں کر رہا تھا۔ جبکہ کائناتی بادلوں میں گھرا وارڈن نزدیک آتا جا رہا تھا۔ سیارے کی کشش ثقل میں داخل ہوتے وقت جہاز کو ایندھن کی مناسب مقدار درکار تھی۔ اس موقع پر لڑکی کے وزن کا بڑھنا لازمی امر تھا۔

”مارٹن“ اچانک کمپیوٹر پر کمانڈر کی آواز ابھری..... ”تم نے ابھی تک رپورٹ مکمل نہیں کی۔ صورت سے بچنے کے لئے جہاز کی رفتار کم کر دی جائے۔“

”سر! میں ای ڈی ایس کو اعشاریہ دس پر لے آیا ہوں۔ سات بج کر پچاس منٹ پر میں نے اس کی رفتار کم کر دی تھی۔“

خلائی جہاز سرعت رفتاری سے وقت کو پیچھے دھکیلتا کائنات کی پنہائیوں میں رواں دواں تھا۔ کنٹرول بورڈ پر چھوٹی چھوٹی سرخ اور سبز بتیاں وقفے وقفے سے جل بجھ رہی تھیں کمپیوٹر ہلکی مشینی آواز کے ساتھ اعداد و شمار جمع کر رہے تھے۔

ای ڈی ایس طبعی قوانین کا پابند تھا۔ اور انسان اتنی ذہانت کے باوجود اس کے سامنے لاچار و بے بس۔

”میں موت کے خوف سے کانپ رہی ہوں۔ میں اس حالت میں مرنا نہیں چاہتی۔“ لڑکی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

خلاباز عجیب صورت حال سے دوچار تھا۔ اگر لڑکی زمین پر کسی ایسی مصیبت سے دوچار ہوتی تو اس کی جان

بچانے کے لئے انتھک کوشش کی جاتی۔ لیکن یہاں خلا میں اسٹار ڈسٹ بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

”میرلین کائنات کی اس وسعت میں انسان کا دل اور چھوٹا ہو جاتا ہے۔ یہاں کوئی شخص دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا۔ وارڈن ہی کو لیجئے۔ اس عظیم سیارے پر صرف سولہ آدمی کام کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے“ خلاباز نے اسکرین سے جھانکتے ہوئے کہا۔

سامنے خلا کی نیلی افق سے ایک بہت بڑی سنہری گیند طلوع ہو رہی تھی۔ یہ سیارہ وارڈن تھا۔ اس کے اردگرد بیسیوں سیارے چکا چوند کر رہے تھے۔ محوری گردش سے اس کا شرقی نصف کرہ بتدریج تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ لوٹس لیک کا علاقہ ہے لڑکی کا بھائی گیری کراس پر تعینات تھا۔

لوٹس لیک کے عقبی تاریک حصے میں آنے سے پہلے اس کے ساتھ ریڈیائی رابطہ ممکن تھا۔ خلاء باز نے ریسیس ٹرانسمیٹر کا سگنل بٹن دبا دیا تاکہ گیری کراس سے بات چیت کر سکے۔ فوراً ہی دوسری جانب سے جواب ملا۔

”ہیلو دوست! کام کس طرح ہو رہا ہے کیا رسد پہنچ چکی ہے۔؟“

”میں ای ڈی ایس سے بول رہا ہوں۔ گروپ ون سے نہیں۔ کیا گیری کراس یہیں ہے“

”گیری؟ ہاں وہ دو ساتھیوں کے ہمراہ صبح ہیلی کاپٹر پر سوار اپنے کام پر گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔“

”کیا آپ ہیلی کاپٹر کے ریڈیو کے ساتھ رابطہ قائم کرنے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔؟“

”ریڈیو کی پرنٹیڈ سرکٹ ہمیشہ خراب رہتی ہے پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔“ کسی نے وارڈن سے کہا ای ڈی ایس کا کمیونیکیٹر خاموش تھا۔ انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جا رہی تھیں۔ گیری کے ساتھ ابھی تک رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ لڑکی مایوس ہو چکی تھی۔ کہ اچانک کمیونیکیٹر پر سگنل ہونا شروع ہو گئے۔ لڑکی نے فوراً مائیک اٹھایا۔

”ہیلو گیری! میں تمہاری بہن بول رہی ہوں۔“ میں تمہیں دیکھنا چاہتی تھی لیکن.....“

اس کی آواز بھرا گئی۔

”اوہ! تم میرلین ہو۔ تم ای ڈی ایس پر کیسے آ گئیں۔؟“

”تمہیں ملنے کی خاطر جہاز پر چھپ گئی۔ مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا ہوگا۔؟“ وہ ہچکیاں لینے لگی۔ اس کرب آمیز گفتگو میں وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا..... ”پیاری بہن! آنسو مت بہاؤ..... جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ہم ایک دوسرے کو کبھی نہیں مل سکیں گے۔“ گیری نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”پیارے بھائی! میں چند لمحوں کی مہمان ہوں، تم میرے بعد پریشان مت ہونا۔“ لڑکی نے نچلا ہونٹ چبا کر روتے ہوئے جواب دیا۔

لوٹس لیک تاریکی میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ ریڈیائی رابطہ کمزور پڑ چکا تھا۔

”گیری تمہاری آواز مدھم ہوتی جا رہی ہے، تم ہمارے رینج سے نکلتے جا رہے ہو۔ اب تم مجھے خوابوں میں ہی دیکھ سکو گے۔“

”میرلین تم شہید ہو۔ تمہاری موت وارڈن کے پردیسیوں کو ایک نئی زندگی عطا کرے گی۔“

”وقت ختم ہو چکا ہے۔ خدا حافظ گیری!“

”خدا حافظ میری چھوٹی بہن!“

سرخ بتی انتہائی خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ لڑکی کمیونیکیٹر کے سامنے سے اٹھ کر ایئر لاک کیبن میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔

کنٹرول بورڈ کے ساتھ بہت سے لیور لگے تھے۔ خلاباز نے گہری سانس لے کر ایک سرخ لیور کو دبا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا۔ اور مسافر لڑکی کا وجود فضا میں ذروں کی طرح بکھر گیا۔

خلاباز نے ڈائل کی طرف دیکھا۔ اس کی سوئی زیرو پر آ چکی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

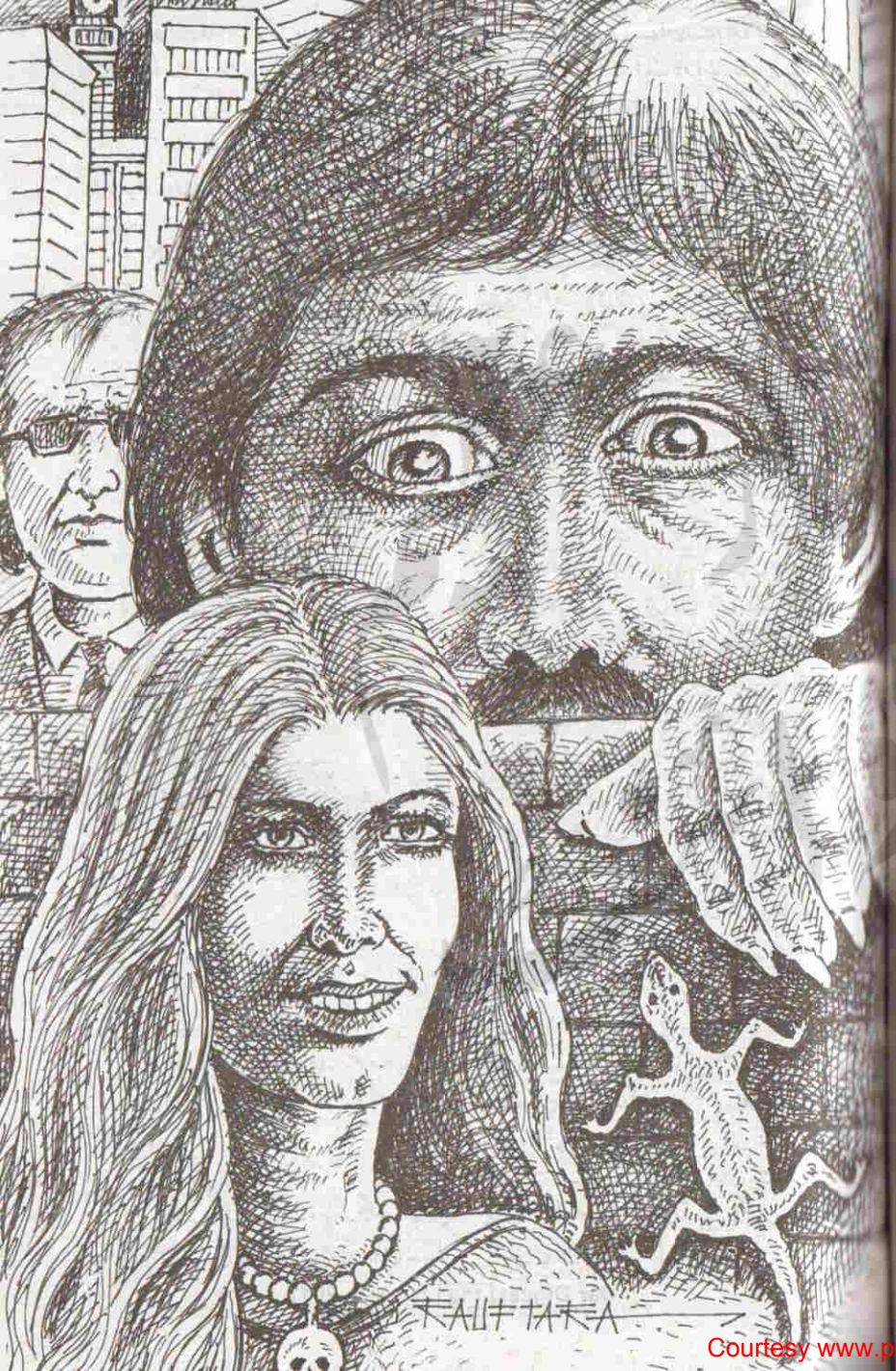

شہر وحشت

ایم اے راحت

قسط نمبر:15

رات کا گھٹا ٹوپ اندھرا، پرھول ماحول، ویران اجاڑ علاقہ اور وحشت و دھشت طاری کرتا وقت، جسم و جاں پر سکتہ طاری کرتا لرزیدہ لرزیدہ سناٹا، نادیدہ قوتوں کی عشوہ طرازیاں، نیکی بدی کا ٹکرائو، کالی طاقتوں کی خونی لرزہ بر اندام کرتی لن ترانیاں اور ماورائی مخلوق کی دیدہ دلیری جسے پڑھ کر پورے وجود پر کپکپی طاری ہوجائے گی، برسوں ذھن سے محو نہ ہونے والی اپنی مثال آپ کھانی۔

دل و دماغ کو مبہوت کرتی خوف و حیرت کے سمندر میں غوطہ زن خیر و شر کی انوکھی کہانی

نعمت علی کھن چکر بن گیا تھا۔ ایک کے بعد ایک مشکل پیش آرہی تھی۔ لیکن صبر و استقامت سے کام لے رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔ کہ پاکستان واپس جائے گا تو خیر الدین خیری کو آزادی دلوا کر ورنہ سرزمین ہندوستان میں ہی اپنی جان دے دے گا۔

راجہ پرمیت سنگھ کے آدمی اسے راجہ کے محل میں لے آئے۔ محل، محل ہی تھا۔ اسے عزت و احترام کے ساتھ مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ رات کو راجہ صاحب نے اسے دیوان خاص میں طلب کیا۔ پھر پر اخلاق لہجے میں بولے۔

''کیا نام ہے تمہارا نوجوان۔؟''

''وکرم راج''

''الور کے رہنے والے ہو۔''

''نہیں دہلی سے آیا ہوں۔''

''گھوڑوں کے رسیا ہو۔''

''جی۔''

''اندازہ ہوگیا۔ ہمارے پاس مہمان رہو۔ ہم تین دن کے لئے، جوالا پور جارہے ہیں، واپس آکر تمہیں انعام دیں گے۔ تم نے سب سے سرکش گھوڑے کو قابو میں کیا ہے بڑی بات ہے۔ آرام سے رہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ نعمت علی کو واپس کردیا گیا۔

اس کی خدمت کیلئے جس شخص کو متعین کیا گیا تھا وہ ایک دبلا پتلا عجیب سا آدمی تھا۔

رات کا کھانا لے کر آیا تو اس میں گوشت تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ میں ہندو ہوں۔ گوشت نہیں کھاتا۔'' نعمت علی نے کہا۔ تو وہ مسکرادیا۔

''آپ مسلمان ہیں جناب۔ ان لوگوں کو پتہ ہو نہ ہو۔ میں جانتا ہوں۔'' اس نے پراسرار انداز میں کہا۔

''تم کیسے جانتے ہو۔؟''

''اس لئے کہ میں بھی مسلمان ہوں۔'' وہ بولا اور نعمت علی اسے گھورنے لگا۔ ''آپ کھانا کھائیں یہ حلال گوشت ہے۔ میں نے کلمہ پڑھ کر ذبح کیا ہے۔''

''کلمہ پڑھو۔'' نعمت علی نے کہا اور اس نے بسم اللہ پڑھ کر کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ پھر بولا۔

''رات کو میں آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں گا۔ ابھی چلتا ہوں۔'' نعمت علی سخت تجسس میں ڈوب گیا۔ رات کو اس نے اپنی کہانی سنائی۔

''میرا نام علی خان ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرتا تھا۔ اچھے خاصے بدن کا مالک تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لیکن میرے دل میں ایک خواہش تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہیں سے دولت کما کر مسافر گاڑیوں سے اترتے تھے۔ تو میں ان کا سامان لے کر باہر جاتا تھا۔ اس وقت بھی میرے دل میں برائی ہی رہتی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا بوڑھا مسافر ملے جس کے پاس نوٹوں سے بھرا ہوا بیگ ہو۔ وہ بیمار ہو۔ بیگ مجھے دے اور کہے کہ فلاں جگہ پہنچا دو۔ اور پھر راستے میں مر جائے۔

کبھی میں سوچتا کہ ریل کے کسی ڈبے میں سیٹ کے نیچے زیورات سے بھرا ہوا صندوق مل جائے۔ بس یہی میرے دل میں خواہش رہا کرتی تھی ایک دن صبح کا وقت تھا۔ ٹرین آ کر رکی تھی۔ ایک بیگم صاحبہ مجھے ملیں۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس اور معمولی سا سامان تھا۔ مجھے لے کر باہر آئیں اور پھر انہوں نے کہا۔

"قلی! میرے ساتھ چلے گا۔؟"

"جی، بیگم صاحبہ! میں سمجھا نہیں۔"

"یہ سامان لے کر میرے ساتھ چلے گا۔؟"

"کہاں؟"

"جہاں میں لے جاؤں گی۔"

"مگر ہماری تو یہاں ڈیوٹی ہے۔ جی۔"

"یہ ڈیوٹی تو کیوں کر رہا ہے۔؟"

"ڈیوٹی، تو ڈیوٹی ہوتی ہے۔ بیگم صاحبہ جی!"

"وہ تو ہوتی ہے۔ مگر پیسوں کے لئے کام کرتا ہے نا تو؟ پیٹ کے لئے کرتا ہے نا یہ کام۔؟"

"ہاں جی۔؟"

"اگر میں تجھے نوٹوں کے اتنے ڈھیر دے دوں کہ تجھے ساری زندگی کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ تو کیا تجھے یہ بات پسند نہیں آئے گی؟"

"کیوں پسند نہیں آئے گی۔ بیگم صاحبہ! بھلا کس انسان کی خواہش نہیں ہوتی کہ اسے بڑی سے بڑی رقم مل جائے۔"

"تو پھر چل میرے ساتھ۔"

"میں نے ایک لمحہ کیلئے سوچا کہ بیگم صاحبہ کوئی سر پھری معلوم ہوتی ہیں، دے رہی ہیں تو کیوں نہ لے لیا جائے۔" چنانچہ میں نے ان سے وعدہ کر لیا۔ ہم باہر نکل آئے۔ باہر آ کر ایک کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ بس میں کیا بتاؤں۔ کیا لگ رہا تھا مجھے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ یہ کار بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ بیٹھ کر ہی انسان کو مزہ آتا ہے۔ ہم سفر کرتے رہے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ فاصلہ کتنا طے ہو گیا ہے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ "اگر بیگم صاحبہ! نے واقعی ایک بڑی رقم دے دی تو میری آئندہ زندگی کیسی گزرے گی۔" جب میں ہوش میں آیا تو میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔

کار جن کھنڈرات میں داخل ہو رہی تھی وہ تو بہت ہی پرانے تھے۔ اور میں اس طرف کبھی نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ اندازہ مجھے اچھی طرح ہو گیا تھا کہ بستی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ اور یہ کھنڈرات بستی سے بہت دور ہیں لیکن بہر حال بڑے لوگوں کی باتیں بڑی ہی ہوتی ہیں۔ جہاں ان کا دل چاہے رہیں کون انہیں روک سکتا ہے۔ کار کھنڈرات میں داخل ہو گئی اور یہاں پہنچنے کے بعد میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ سامنے کے حصے بے شک ٹوٹے ہوئے تھے۔ لیکن اندر جو کالی کالی عمارت نظر آ رہی تھیں۔ وہ تو بالکل مضبوط تھی۔ میں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن حیرانی سے اس راستے کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ کار ایک ایسے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔ جہاں لکڑی کا ایک بہت بڑا پھاٹک لگا ہوا تھا۔ اور اس میں پیتل کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ پھاٹک کے نیچے ایک کھڑکی سی تھی۔ اور جب بیگم صاحبہ نے مجھے نیچے اترنے کے لئے کہا۔ تو میں حیران حیران سا نیچے اتر آیا اور سامان اٹھا کر اندر چل پڑا۔ وہاں بڑی ٹھنڈک تھی۔ زمین صاف شفاف راستہ ایسا کہ دیکھیں تو دل خوش ہو جائے لیکن مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ اندر کا ماحول واقعی بڑا صاف ستھرا تھا۔ لیکن مجھے یہ حیرت ہو رہی تھی کہ یہ اتنی اچھی بیگم صاحبہ یہاں کیسے رہتی ہیں۔ یہاں تو کوئی اور نظر بھی نہیں آ رہا۔ بالکل خاموشی اور سنسان سی کیفیت یہاں پھیلی ہوئی تھی۔

آخر کار بیگم صاحبہ! ایک دروازے کے پاس رکیں اور انہوں نے مجھ سے کہا۔

"آؤ.....! سامان لے کر اندر آ جاؤ۔" یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھولا اور آگے بڑھ گئیں۔ اس کے بعد جو راستہ طے کرنا پڑا۔ وہ ایسی جگہ سے گزرتا تھا جو نیچے ڈھلان میں تھا۔ میں نے حیرت سے بیگم صاحبہ کو دیکھا۔ اور بولا۔

"کتنی دور اور جانا ہوگا۔ جی۔؟"

"کیا سامان بہت وزنی ہے۔ چلا آ میرے ساتھ۔" بیگم صاحبہ نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔ اور میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ ڈھلان تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ لیکن نجانے کیوں اب میرے حواس خراب ہوتے جا رہے تھے۔ یہ کیسا گھر ہے؟ کیا بڑے لوگ ایسے گھروں میں رہتے ہیں۔ یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے کسی ایسے کمرے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ یہاں عجیب و غریب چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ لیکن ایک دیوار کے ساتھ کچھ نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی۔ یہ انسانی ڈھانچے تھے۔ چمکدار انسانی ڈھانچے جو دیوار کے ساتھ اس طرح لگے ہوئے کھڑے تھے۔ جیسے انسان ہوں۔ میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کیسی جگہ ہے بیگم صاحبہ؟"

"بکواس مت کر! ادھر آ....." اب بیگم صاحبہ کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ جی۔"

"تو پھر مر جا۔"

"وہ جی مگر..... یہ جگہ ہی عجیب ہے۔"

"سن! تجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ دولت چاہئے یا نہیں۔؟"

"نہیں جی! ایسی دولت نہیں چاہئے۔ جو دینا ہو۔ دے دو مجھے، آگے نہیں جاؤں گا۔"

"بکواس کر رہا ہے۔"

"یہ..... یہ کیا ہے جی! یہ تو انسانی ڈھانچے ہیں۔"

"ہاں ہیں تو پھر.....؟"

"مم۔ مگر یہ....."

"دیکھ میری بات سن! میں تجھے کچھ دینا چاہتی ہوں۔ چل ادھر آ! اس پتھر پر بیٹھ جا تجھے جو کچھ دینا ہے۔ نکال کر دے رہی ہوں۔"

"بیٹھوں گا جی! کھڑا ہوا ہوں۔ جو کچھ دینا ہے۔ دے دو۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"بیگم صاحبہ مجھے گھورنے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ نام کیا ہے۔ تیرا؟"

"علی خان۔"

"میری بات سن۔ اگر تو نے میری باتیں مان لیں۔ تو یوں سمجھ لے کہ تجھے زندگی کی ایسی شاندار چیزیں ملیں گی کہ تو حیران رہ جائے گا۔"

"دیکھو۔ بیگم صاحبہ! میں نجانے کیوں آپ کے دھوکے میں آ گیا۔ ہمیں تو بس اتنا چاہئے کہ ہماری زندگی آرام سے گزر سکے۔"

"جھوٹ بولتا ہے تو۔ ساری زندگی تو دوسروں کے مال پر نگاہیں جمائے رہا ہے۔ تو نے دل میں سوچا کہ کوئی نوٹوں سے بھرا ہوا صندوق بھول کر چلا جائے۔ تو نے دل میں سوچا ہے کہ مجھے ریل کی سیٹوں کے نیچے سے زیورات سے بھرا ہوا کوئی صندوق مل جائے۔ تو ہمیشہ امیر بننے کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ اور اب میرے سامنے جھوٹ بول رہا ہے۔"

"میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔" میں نے پھٹی آواز میں بولا۔ "بیگم صاحبہ! آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہیں۔؟"

"مجھے جو کچھ معلوم ہے۔ تیرے بارے میں وہ غلط نہیں ہے۔ اور تو ایک بات سن! بس میں تجھے کچھ دینا چاہتی ہوں۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔؟"

"یہ تو ساری باتیں ٹھیک ہیں بیگم صاحبہ! مگر آپ کون ہو؟ یہ جگہ بڑی عجیب ہے ہمیں بس اس سے ڈر لگ رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس پتھر پر بیٹھ جا! میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتی ہوں۔" انہوں نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئیں۔ میں تو حیرت سے پریشان کھڑا ہوا تھا۔ اور یہ سوچ رہا تھا کہ میرے دل کی بات بیگم صاحبہ کو کیسے معلوم ہوئی؟ بہت بڑا دماغ نہیں تھا۔

بہر حال، وہ تو واپس چلی گئیں اور میں پریشانی کے عالم میں اس پتھر پر جا بیٹھا۔ میرے دل میں بہت برے برے خیالات آرہے تھے۔ لگ رہا تھا۔ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ بہر حال ایک بار پھر میری نظر ڈھانچوں پر پڑی۔ تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ساری باتیں عجیب وغریب تھیں۔ آخر یہ ڈھانچے یہاں کیوں رکھے ہوئے ہیں؟ پتہ نہیں۔ بیگم صاحبہ کوئی جادوگرنی ہیں۔"

"پانچ منٹ، دس منٹ۔ اور پھر ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اب میری حالت بہت بری ہورہی تھی۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا..... اور دروازے کی طرف بھاگا۔ اب کچھ ملے یا نہ ملے یہاں سے نکل بھاگنا بہت ضروری ہے۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ کوئی مصیبت میرے سر پر آن پڑی ہے۔ میں آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچا جہاں سے گزر کر یہاں تک آیا تھا۔ لیکن شاید غلط جگہ آ گیا تھا۔

یہاں تو صرف ایک دیوار تھی۔ اور دیوار میں کوئی دروازہ نہیں تھا مگر بیگم صاحبہ تو ادھر سے ہی گئی ہیں۔ مجھے کوئی غلطی تو نہیں ہوئی۔؟ میں نے سوچا اور دیوار ٹٹول، ٹٹول کر دروازہ تلاش کرنے لگا۔ اب تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگوں۔

کوئی دروازہ یہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "بیگم صاحبہ! مجھے نکالو۔ میں مر جاؤں گا۔ بیگم صاحبہ! مجھے نکالو۔ یہاں سے۔ تمہیں اللہ کا واسطہ۔"

اچانک ہی مجھے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز پیچھے سے آئی تھی۔ میں چونک کر پلٹا۔ میں نے سوچا شاید کوئی دروازہ ادھر ہے۔ لیکن پھر یہ دیکھ کر مجھ پر غشی طاری ہونے لگی کہ ہنسنے والا ان ڈھانچوں میں سے ایک تھا۔ وہ منہ کھول کھول کر ہنس رہا تھا۔ کسی ڈھانچے کو میں نے پہلی بار ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور میں خوف سے دیوار سے لگ گیا۔ ڈھانچہ ہنس رہا تھا۔

پھر دوسرے ڈھانچے نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ اور اس کے بعد سارے ڈھانچے ہنسنے لگے۔ ان کے ہنسنے کی آوازیں بڑے ہال نما کمرے سے ٹکرا ٹکرا کر ابھر رہی تھیں۔ اور خوف سے میرا خون خشک ہو رہا تھا۔ میں نے حلق پھاڑتے ہوئے کہا۔

"جانے دو مجھے۔"

ڈھانچے اور زور زور سے ہنسنے لگے۔ پھر اچانک ہی خاموش ہوگئے۔ میں اپنی جگہ سٹ کر کھڑا رہا۔ اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے کمرے میں دھند سی ہورہی ہے۔ سفید سفید..... دھند..... آہستہ آہستہ دھند پورے کمرے میں پھیل گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے میرا دم گھٹ رہا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ گردن پر رکھ لئے۔ میری آنکھیں حلقوں سے باہر نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں کیا ہورہا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے پیروں کی جان نکلنے لگی۔ اور اس کے بعد میں زمین پر بیٹھنے لگا۔ اور پھر مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

"پھر نجانے کب مجھے ہوش آیا تھا۔ میرا پورا بدن اس طرح اینٹھ رہا تھا۔ جیسے شدید سردی میں پڑا رہا ہو۔ کافی دیر تک میں اسی عالم میں پڑا رہا۔ پھر میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر بدن ایک طرف کو لڑھک گیا۔ میرا سارا بدن اکڑ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کر دیئے۔ اور تھوڑی دیر بعد میری کیفیت بحال ہوگئی۔ پھر میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اب میں اس جگہ نہیں تھا۔ جہاں وہ خوفناک ڈھانچے موجود تھے۔ بلکہ یہ کوئی دوسری ہی جگہ تھی۔ بڑا اچھا کمرہ تھا۔ چھت اونچی تھی۔ کمرے کی دیواروں میں لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ سامنے کی سمت ایک دروازہ بھی نظر آرہا تھا۔

میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات گھومنے لگے۔ میں دل ہی دل میں اپنے آپ پر لعنت

بھیجنے لگا۔ سچی بات یہ ہے کہ دولت کا لالچ انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ کاش میں صرف ایک قلی رہتا۔ عزت سے جو روٹی ملتی۔ اسی پر گزارہ کرتا۔ وہ روٹی جو عزت اور محنت سے کمائی جائے۔ سب سے اچھی روٹی ہوتی ہے۔ کم از کم انسان اس کے حصول کے لئے کسی مصیبت کا شکار نہیں ہوتا۔ جبکہ دولت کا لالچ انسان کو ہمیشہ ذلیل و خوار کرتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی زندگی میں مشکل بھی آن پڑتی ہے۔ بہت دیر تک میں انہی خیالات میں ڈوبا رہا۔ اپنے ساتھی قلی یاد آئے۔ نجانے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ وہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ہمارا ٹھیکیدار جو ہمیں تنخواہ دیا کرتا تھا۔ اس کے پاس ہمیں حاضری لگانا پڑتی تھی۔ بڑا ہی سخت مزاج تھا۔ کوئی بغیر کہے سنے غائب ہو جاتا تو بس ٹھیکیدار مصیبت میں ڈال دیتا تھا۔ اتنی بری طرح ڈانٹ ڈپٹ کرتا کہ بندے کا دم نکل کر رہ جائے۔ اب میں کیا کروں۔؟"

میں نے دل میں سوچا..... بہر حال اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور اس دروازے کی طرف چلا جو مجھے نظر آرہا تھا، یہ کسی اچھے درخت کی لکڑی کا دروازہ تھا۔ جس پر عجیب وغریب نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ لیکن وہ باہر سے بند تھا۔ میں نے اسے خوب ہلایا جلایا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہورہا تھا۔ اس دروازے کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے باہر نکلا جا سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوگیا کہ میں یہاں ایک قیدی کی حیثیت رکھتا ہوں۔ بہر حال یہ سارا معاملہ بڑا ہی سنسنی خیز تھا۔

اچانک ہی میری نگاہیں دیواروں پر پڑیں۔ دیواروں پر کچھ تصویریں آویزاں نظر آئیں۔ یہ سب عجیب وغریب تصویریں تھیں۔ اور مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ زندہ ہوں۔ بھیانک تصویریں جو دیوار پر لگی ہوئی تھیں۔ کسی ایسے رنگ سے بنائی گئی تھیں۔ جو چمکتا تھا۔ لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ جو تصویر میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور چند لمحوں کے بعد جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھے وہ آنکھیں بند محسوس ہوئیں۔ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان تصویروں کو دیکھا۔ اور دوسرے لمحے میرے سارے جسم میں دہشت کی شدید لہر دوڑ گئی۔ میں نے صاف دیکھا تھا کہ وہ تصویریں ایک دوسرے کو اشارے کر رہی تھیں۔ اور مسکرا رہی تھیں۔ ان کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے زندہ افراد ہوں۔ اور ایک دوسرے سے باقاعدگی سے متوجہ ہو رہی ہو۔ دیواروں پر سر سراہٹیں بھی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اوہ..... میرے خدا۔" میرا دل خوف و دہشت سے بند ہوتا جا رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ہی دروازے پر آہٹ سی ہوئی اس کے بعد دروازہ کھلا اور میں نے دیکھا کہ چار افراد اپنے کندھے پر ایک تابوت اٹھائے اندر آئے۔ میں خوف و دہشت سے ایک طرف کھڑا آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے لمبے لبادے اوڑھے ہوئے تھے۔ اور ان کے چہرے ان لبادوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ سارے کا سارا ماحول سنسنی خیز تھا۔ میرے دل میں صرف ایک ہی احساس ابھر رہا تھا۔ اور یہ تھا کہ کاش میں بھی دوسرے قلیوں کی مانند زندگی گزارتا اور کوشش کرتا کہ جو کچھ مجھے محنت سے مل جائے۔ وہی میری زندگی کا مقصد بن جائے۔ لیکن دولت کے حصول کی کوشش نے آخر کار مجھے زندہ درگور کر دیا تھا۔

تابوت کا ڈھکن کھول دیا گیا۔ میری نگاہیں بے اختیار اس تابوت پر پڑیں۔ اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ میری آنکھوں کی خرابی ہے۔ یا میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں۔ وہی حقیقت ہے۔ "اوہ۔ میرے خدا!" کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ تابوت میں تو میں لیٹا ہوا تھا۔ ہاں..... یہ میں ہی تھا۔ وہ میرا ہی جسم تھا۔ میں نے دہشت زدہ انداز میں اپنے بدن کو ٹٹول کر دیکھا۔ اگر میں اس تابوت میں لیٹا ہوا ہوں۔ تو یہ کیا ہے؟ جو میرے وجود میں موجود تھا۔ لیکن میرا اپنا جسم میرا تھا۔ لازمی بات تھی کہ تابوت میں جو انسانی جسم لیٹا ہوا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کسی اور کا ہی ہے۔ البتہ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے۔ یا مردہ۔ وہ چاروں جو اس تابوت کو لے کر آئے تھے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ نجانے ان کے ذہنوں میں کیا سوچ تھی۔؟

پھر اچانک ہی اس کمرے کی اندرونی دیوار میں ایک خلا پیدا ہوا۔ اس کی آواز اتنی زوردار تھی کہ اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا پھر میں انہی بیگم صاحبہ کو دیکھا۔ جو مجھے یہاں لے کر آئی تھیں۔ وہ اس خلاء سے اندر آ رہی تھیں۔ لیکن ان کا چہرہ اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ اس چہرے پر کوئی بہت ہی خاص بات ہے۔ ہاں...... خاص بات تو تھی۔ چہرہ بالکل وہی تھا۔ لیکن ان کی آنکھوں کی سیاہ پتلیاں غائب تھیں۔ اور وہ جس طرح چل رہی تھیں ۔ وہ بھی حیرت انگیز بات تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے ان کے قدم نہ اٹھ رہے ہوں۔ بلکہ وہ کسی مشینی انداز میں آگے بڑھ رہی تھیں۔ ”خدا کیا ہے یہ سب کچھ؟ میں کس جال میں پھنس گیا ہوں؟“ میں نے سوچا۔

بہر حال! وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس تابوت کے پاس جا کھڑی ہوئیں ۔ چاروں لبادہ پوش بھی اسی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے ایک لبادہ پوش کی جانب دیکھا۔ اور پھر اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ اس شخص نے اپنے لمبے سے لباس میں سے ایک لمبی سی نوکیلی چھری نکال کر بیگم صاحبہ کو دے دی ۔ یہ چھری خنجر نما تھی۔ یعنی عجیب وغریب انداز کی بنی ہوئی تھی۔ اس پر لگا ہوا دستہ بے حد چمکدار تھا۔ ایسا لگتا تھا ۔ جیسے اس میں ہیرے جڑے ہوں۔ بیگم صاحبہ نے دونوں ہاتھوں سے وہ چھری یا خنجر پکڑا اور تابوت کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔

نجانے کیوں مجھے یہ خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ لیکن میں تابوت میں تھا ہی کہاں۔ میں تو اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ تابوت میں تو ایک میرے جیسا بدن لیٹا ہوا تھا۔

خدا کی پناہ! کوئی بہت ہی بڑا طلسمی چکر تھا۔ جس میں، میں پھنسا ہوا تھا۔ بیگم صاحبہ سیدھی کھڑی ہوگئیں وہ بڑے اچھے نقوش کی مالک تھیں۔ پھر اچانک ہی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے۔ اور پھر پوری قوت صرف کر کے انہوں نے وہ لمبا خنجر تابوت میں لٹے ہوئے میرے بدن کی گردن میں داخل کر دیا۔

مجھے اپنی گردن میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ میرے حلق سے دہشت بھری آواز نکل گئی ۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پکڑ لی۔ لیکن نہ تو ان میں سے کوئی میری دہشت بھری آواز پر متوجہ ہوا۔ اور نہ ہی کسی نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔ میری گردن میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ اور مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا۔ کہ جیسے وہ نوکیلا خنجر میری ہی گردن میں پیوست ہوا ہو۔

بیگم صاحبہ نے دوسرے آدمی کی طرف رخ کر کے اسے دیکھا۔ اور اس شخص نے دوسرا خنجر ان کے حوالے کر دیا۔ بیگم صاحبہ نے دوسرا خنجر عین سینے میں ترازو کر دیا تھا۔ اور پھر اچانک ہی میرا سر چکرانے لگا۔ میری آنکھیں خوف سے بند ہوتی جا رہی تھیں مجھے اپنے سینے میں بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بہت دیر تک میں نے آنکھیں نہیں کھولیں ۔ پھر اچانک ہی میرے شانوں، پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی اور پیروں میں سخت تکلیف ہونے لگی۔ اور میں درد وکرب سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں زمین پر لیٹ گیا۔ مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا ۔ مجھے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے میرے پورے بدن کا خون زمین پر بہہ رہا ہو۔ حالانکہ تابوت میں لیٹے ہوئے جسم سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ میری آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں ۔ میں نے دیکھا کہ اسی جگہ خلاء دوبارہ نمودار ہوا۔ اور وہ بیگم صاحبہ اس خلاء میں داخل ہوگئیں۔ کچھ دیر کے بعد وہاں کچھ بھی نہیں تھا دیوار بالکل اپنی پہلے جیسی کیفیت میں واپس آ گئی تھی۔ ان چاروں افراد نے وہ تابوت اٹھایا اور کندھے پر رکھ کر باہر نکل گئے دروازہ باہر سے بند ہوگیا ۔ جیسے ہی وہ دروازے سے باہر گئے میرے جسم کی تمام تکالیف ختم ہوگئی تھیں۔

پے در پے خوفناک واقعات نے مجھ سے میری

دماغی صلاحیتیں چھین لی تھیں میں خوف وہراس کے عالم میں اپنی جگہ کافی دیر تک اسی طرح لیٹا رہا تھا۔ دل ودماغ کی کیفیت بڑی عجیب ہو رہی تھی۔ کیا سے کیا ہوگیا تھا۔ نجانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں ریلوے اسٹیشن پر اس جادوگرنی عورت کے جال میں پھنسا تھا؟ کاش! میں اس کا سامان باہر رکھ کر اس سے اپنی مزدوری مانگتا اگر وہ کچھ اور کہتی تو میں لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا اور کہتا دیکھو! یہ جادوگرنی عورت مجھے اپنے ساتھ کہاں لے جا رہی ہے۔

صورتحال حال سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ۔ پھر اچانک ہی مجھے احساس نے جیسے میرے دل ودماغ پر عجیب سی نقاہت پیدا کر دی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور میں بے ہوشی کی سی کیفیت کا شکار ہوگیا۔

اچانک ہی کسی نے میرا شانہ جھنجھوڑا۔ ”علی خان...... علی خان اٹھے گا نہیں کیا۔ دیکھ رہا ہے کہ کیا ٹائم ہوگیا ہے۔ اور تو ابھی تک سو رہا ہے دو گاڑیاں نکل چکی ہیں۔ بلال چاچا کہہ رہے تھے کہ شاید تیری طبیعت خراب ہے۔“

یہ الفاظ میرے ساتھی۔ قلی فیض اللہ کے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں فیض اللہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس کے جسم پر سرخ وردی تھی۔ اور اس پر 62 نمبر کا بیج لگا ہوا تھا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ فیض اللہ خان بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن پھر بڑی زور کا چکر آیا۔ میں نے اس سے کچھ نہ کہا۔ اور اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”اوہ...... میرے خدا! کتنی خوشی کی بات ہے کہ میں ہوش وحواس کی دنیا میں واپس آ گیا ہوں۔ اس کا مطلب ہے وہ سب کچھ ایک خواب تھا ۔ لیکن خواب...... کیسا خواب......؟ اور یہ سب کچھ......؟“

البتہ ان تمام باتوں کو سوچنے سے دماغ دکھنے لگا تھا۔

میں نے سوچا کہ پہلے کچھ کھانے پینے کی بات کروں تھوڑے ہی فاصلے پر چائے کا اسٹال کھلا ہوا تھا۔ فیض اللہ مجھے جگا کر چلا گیا تھا۔ میں نے اپنی جیب میں دیکھا۔ کچھ نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ یہ نوٹ پہلے ہی میری جیب میں موجود تھے۔ میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ میں جن سارے واقعات سے گزرا تھا۔ پھر اس کے بعد اچانک ہی میری جان اس جادوگرنی سے کیسے چھوٹ گئی،؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہر حال! کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا اسٹال تک پہنچا اور اسٹال والے سے کہا۔

”لاؤ بھائی! جلدی سے چائے دے دو۔ اور تھوڑے سے بسکٹ نکال دو۔“

چونکہ اس وقت کوئی ٹرین نہیں آئی تھی ۔ اور پلیٹ فارم کا ماحول سنسان تھا۔ چائے والے نے جس کا نام جمن استاد تھا۔ چائے کی پیالی میں چائے انڈیلی۔ اور تین چار بسکٹ نکال کر پلیٹ میں رکھ کر میرے سامنے کر دیئے۔ میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر چہرے کے قریب کی اس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ لیکن اس کا رنگ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ بالکل خون کا رنگ تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خونی رنگ کی چائے کو دیکھا۔ اور حیرانی سے جمن استاد کی طرف دیکھا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

”جمن استاد۔!“

”ہاں! کیوں کیا بات ہے۔ علی خان؟“

”یہ چائے ہے۔؟“

”ہاں......“

”یہ پیالی میں۔؟“

”ہاں بھئی چائے ہے۔“

”ذرا دیکھو تو اسے۔“ میں نے کہا۔ اور چائے کی پیالی اسکی طرف بڑھا دی۔ اس نے چائے کی پیالی کو دیکھ کر بولا۔

”کیوں کیا بات ہے۔؟“

”یہ سرخ رنگ۔“

”سرخ رنگ؟“

”تو اور کیا؟“

”نہیں بھیا سرخ رنگ کہاں ہے۔ اس میں؟“ جمن استاد نے کہا۔

”کیا کہہ رہا ہے تو۔ ذرا اسے سونگھ کر تو دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔!'' میں نے اسے کہا۔

''کیا ہوگیا ہے تجھے؟'' جمن خان حیرانی سے بولا۔

''یار کمال کرتا ہے۔ یا تو تیری آنکھیں خراب ہوگئی ہیں۔ یا میری۔ یہ تو بالکل خون کے رنگ جیسی چائے ہے۔ اور..... اور اس میں سے اٹھنے والی بدبو.....'' میں نے چائے میں سے اٹھنے والی بھاپ کو سونگھتے ہوئے کہا۔

''یار تیری کھوپڑی کچھ الٹ گئی ہے۔'' جمن استاد نے چائے۔ کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ذرا اسے چکھ کر دیکھ۔'' میں نے کہا۔

جمن استاد نے چائے کی پیالی اٹھالی۔ اور چائے کا ایک گھونٹ لیا اور پھر بولا۔ ''لے اب تو بھی چکھ لے۔''

''میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خون والی چائے کو دیکھا۔ جمن استاد اسے دیکھ کر بالکل حیران نہیں تھا۔ میں نے اسے چہرے کے قریب کیا۔ بدبو اٹھ رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں نے اس بدبو کو برداشت کرتے ہوئے اس کا ایک گھونٹ لیا۔ نمکین اور بدبودار خون..... خون اور صرف خون مجھے ایک دم الٹی سی آنے لگی۔ میں نے چائے کی پیالی رکھ دی۔ اور الٹی کرنے کے لئے وہاں سے دوڑ گیا۔ جمن استاد حیرانی سے میری صورت دیکھ رہا تھا۔ مجھے بڑی سی الٹی آئی اور اس نے مجھے بری طرح نڈھال کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پلیٹ فارم کے تمام قلیوں کو اس بات کا علم ہوگیا۔ کہ میں بیمار ہوں۔ لیکن میں بیمار نہیں تھا۔ اچانک ہی میری نگاہ سامنے پھل والے پر پڑی۔ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک ساتھی قلی سے کہا۔

''بھیا یہ پیسے لو۔ اور میرے لئے چھ کیلے لے آؤ۔ میں سخت بھوکا ہوں۔ کیا بتاؤں تمہیں میرے اوپر اس وقت کیا گزر رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں میں لے کر آتا ہوں۔'' اس نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کیلے لے آیا۔

بمشکل تمام میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کیلے کو چھیلا اور پھر اسے منہ کے قریب کرنے ہی والا تھا کہ اچانک کیلے کے سامنے کا حصہ سانپ کے پھن کی طرح لہرانے لگا۔ اس کی ننھی ننھی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اور زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ میں نے دہشت زدہ چیخ مار کر کیلا دور پھینک دیا اور میرے ساتھ بیٹھا ہوا قلی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''سانپ..... سانپ ہے یہ..... کہاں سے اٹھالایا تو۔؟''

''علی خان! جمن استاد کہہ رہا تھا۔ کہ تیری طبیعت کچھ خراب ہے کہاں ہے۔ سانپ میرے بھائی؟''

''یہ..... یہ..... سب کیا ہے۔'' میں نے کیلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اگر یہ سانپ ہے۔ تو ہم اسے کھائے جاتے ہیں۔'' اس نے ایک کیلا اٹھایا اور اسے چھیل کر کھا گیا۔ میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ پھر میں نے دوسرا کیلا اٹھایا اسے چھیلا تو اس کی بھی زبان لہراتی ہوئی نظر آئی تھی۔ میں چیختا ہوا وہاں سے دوڑ گیا۔ بہت سے قلی افسوس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اور میں ریل کی پٹری پر دوڑ اچلا جا رہا تھا۔

''میرے خدا!..... میں کیا کروں۔''

نجانے کتنی دیر تک میں دوڑتا رہا۔ اور اس کے بعد ٹھوکر کھا کر گر پڑا پہلے تو شاید کچھ قلی میری طرف دوڑے۔ لیکن جب میں بہت دور نکل آیا تو انہوں نے بھی میرا پیچھا چھوڑ دیا۔ میں گرا تو ریل کی پٹری میرے ماتھے پر لگی۔ اور پھر شاید میں بے ہوش ہوگیا۔

اور جب ہوش آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ واقعات جو میرے ذہن میں تھے میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنے بدن کے کسی حصے کو جنبش بھی نہیں دے سکتا۔

''اوہ..... میں کیا کروں، میں اپنی اس حالت

کا۔؟'' میرے ہونٹوں سے ایک بڑبڑاہٹ سی نکلی اور میں نے آنکھیں کھول کر افسردہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ ہاتھوں سے ٹٹول کر ریل کی پٹری تلاش کی۔ مگر یہ کیا میرے ہاتھ کسی نرم گدے سے ٹکرائے تھے۔ اور ماحول بھی ریلوے اسٹیشن کا نہیں تھا۔ دور دور تک نہ تو ریل کی پٹری کا پتہ تھا۔ اور نہ ہی کچھ اور۔''

''میرے خدا یہ سب کیا ہے۔؟'' میں نے دیوانہ وار چاروں طرف دیکھا۔ بڑا خوب صورت ماحول تھا۔ بڑی ہی حسین سی کیفیت تھی اس ماحول کی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ بھوک اب بھی شدت کے ساتھ لگ رہی تھی۔

دفعتاً سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کے بعد وہی بیگم صاحبہ اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے دو لڑکیاں تھیں۔ جو ہاتھوں میں کھانے پینے کی اشیاء اٹھائے ہوئے تھیں۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور للچائی ہوئی آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھنے لگا۔ بیگم صاحبہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔

''میرا نام۔ میرا نام جے پالی ہے۔''

''بیگم صاحبہ جی! یہ سب کیا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میں بھوک سے مر جاؤں گا۔''

''نہیں ایسے نہیں..... تم مسلمان ہو ناں۔؟''

''ہاں جی! میرا نام علی خان ہے۔''

''علی خان چلو..... ! میں تمہارے ساتھ بڑا رحم کا سلوک کر رہی ہوں۔ اس وقت تم اس قدر بھوکے ہو کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں کھانے کی شکل میں زہر بھی دے سکتی ہوں۔ تم اسے آسانی سے کھالو گے۔ لیکن میں وہ نہیں کر رہی جو کرنا چاہتی ہوں۔ ایک بات تو کہو تم؟''

''جی بیگم صاحبہ!''

''بیگم صاحبہ نہیں۔ جے پالی کہو مجھے۔''

''جی..... جے پالی!'' میں نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے پہلے اپنا پیٹ بھر لو۔'' اس نے اپنے پیچھے آنے والی داسیوں کو کہا۔ اور داسیوں نے کھانے پینے کی چیزیں سامنے رکھ دیں۔

اس کے بعد تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ مجھ جیسا بھوکا ان چیزوں پر کیسے ٹوٹ سکتا ہے۔

بہر حال میں خوب کھا پی کر شکم سیر ہوگیا۔ جے پالی نے ہاتھ سے اشارہ کر کے ان دونوں داسیوں کو جانے کے لئے کہا۔ وہ برتن اٹھا کر چلی گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا کی ہر نعمت میرے لئے بے مقصد ہو۔ اس سے اچھی زندگی بھلا اور کون سی ہو سکتی تھی۔

وہ میری صورت دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں تم سے ایک بہت بڑا کام لینا چاہتی ہوں۔ علی خان! لیکن اس کے لئے تمہیں بہت کچھ کھونا پڑے گا۔ تم ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرتے ہو۔ جو کچھ تمہیں حاصل ہوتا ہے۔ تم جانتے ہو پولیس کی ٹھوکریں، جوتے گالیاں اور اس کے بعد زندگی کا خاتمہ۔ لیکن میں تمہیں مہاراجہ بنا دوں تو کیسا رہے گا۔؟''

''میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ ''جے پالی بات تو بڑی خوبصورت ہے۔ لیکن اس دور میں مہاراجہ کہاں ہوتے ہیں۔؟''

''ہوتے ہیں۔ تمہاری چھوٹی آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ راج کرتے ہیں وہ حکومتیں ان کے نام سے چلتی ہیں۔ اصل حکومت ان کی ہوتی ہے۔ شاندار کاریں عزت ہر شخص ان کے سامنے جھکتا ہے۔ کیا تمہیں ایسے لوگ یاد نہیں؟''

''ہاں! وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''دیکھو۔ تمہیں دین۔ دھرم کے چکر سے نکلنا ہوگا۔ نہ ہندو کچھ ہوتا ہے نہ مسلمان، سنسار میں شکتی جس کے پاس ہو۔ وہی مہان ہوتا ہے۔ اگر تم مہان بننا چاہتے ہو۔ تو دین دھرم کے چکر سے نکلنا ہوگا۔''

''بات اصل میں یہ ہے۔ جے پالی جی! کہ میں جانتا ہوں کہ ہم مسلمان چاہے دین دھرم سے دور ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ اپنا دین کبھی نہیں بیچتے۔ وہ بہت بد نصیب ہوتے ہیں۔ اور خدا جانے کیا ہوتا ہے۔ ان کے اندر کہ وہ اپنے مذہب بیچ دیتے ہیں۔ ہم ماں۔ بہن، باپ بیٹی سب کیلئے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اگر دین دھرم کا معاملہ ہو تو سینہ تان کر نہیں ہم اپنی گردن ہتھیلی پر رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی ہمارے لئے بے حقیقت ہوتی ہے۔"

بہر حال جے پالی کہنے لگی۔ "اگر تم ان جھگڑوں سے نکل کر میرے کہنے پر عمل کرو تو میں تمہیں اتنی ہی طاقت بخش سکتی ہوں۔"

"مگر کیسے؟"

"جو کچھ میں کہوں گی۔ تمہیں وہ کرنا ہوگا؟"

"مثلاً....." میں نے سوال کیا۔

اس نے اپنے لباس میں سے ایک چیز نکالی۔ یہ خوبصورت سی چھوٹی سی مورتی تھی۔ جو شاید سونے کی بنی ہوئی تھی۔ اس مورتی کی لمبائی، چوڑائی تین انچ سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن مورتی بہت خوبصورت تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ مورتی تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کے لئے ایک جاپ کرنا ہوگا۔ کیا سمجھے؟ اور جب تم یہ جاپ پورا کرلو گے تو اس مورتی میں زندگی دوڑ جائے گی۔ اور اس کے بعد اسے سامنے رکھ کر جو کچھ تم چاہو گے کر سکو گے۔ یہ مورتی تمہیں راجہ بنا دے گی۔"

میں نے حامی بھر لی۔ اس بد بخت عورت نے مجھے وہ جاپ بتایا جسے پورا کر کے میں اس مورتی کا مالک بن سکتا تھا۔ اس نے مجھے اس جاپ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ وہ ایک منتر تھا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ کہ جادو منتر پڑھنے سے دین دھرم پر کیا اثر پڑتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں نے تو دولت حاصل کرنے کے لئے وہ جاپ کرنا قبول کرلیا تھا۔ اس عورت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق میں نے ہر کام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے کہا۔

"یہ جاپ کرتے ہوئے تمہیں بہت مشکل ہوگی۔"

"کیوں؟"

"جاپ کے بیر تمہیں ڈرائیں گے۔ لیکن اس عمارت کے ایک بڑے درخت کے سائے میں بیٹھ کر تم یہ جاپ کرنا، تمہیں آسانی رہے گی۔"

میں نے اس سے وعدہ کرلیا اور پھر وہاں جانے کے بعد میں نے اس مورتی کو سامنے رکھ کر ایک جگہ کو اچھی طرح صاف کیا۔ اور پھر وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر کے میں نے منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ تمام احساسات سے بے نیاز ہو کر نجانے کب تک منتر پڑھتا رہا۔ پھر اچانک ہی میں نے آنکھیں کھول دیں اور گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ منتر کے الفاظ اب بھی میرے لبوں پر تھے۔ مگر اپنے اس غیر دانستہ عمل پر مجھے خود تعجب ہوا تھا۔ پھر مجھے ایک جگہ کھانا رکھا ہوا نظر آ گیا۔

"یہ کھانا یہاں کون لایا۔؟" مجھے جے پالی کے الفاظ یاد آئے۔

"زندگی گزارنے کے لئے ضرورت کی چیزیں خود بخود مل جائیں گی۔"

جو کچھ ہونا کم تھا۔ بہر حال! کھانے کو دیکھ کر بھوک چمک اٹھی تھی جاپ کے پھیر کے آخری الفاظ میرے لبوں پر تھے پھر وہ بھی ختم ہو گئے۔ اور میں اطمینان سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کھانا انتہائی مزیدار تھا۔ پانی بھی موجود تھا چنانچہ سیر ہو کر کھانا کھایا۔ دو تین گلاس پانی پیا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ میں نے دوبارہ جاپ شروع کر دیا .....اس بار آنکھیں کھلی ہی رکھی تھیں۔ جاپ کرتے کرتے اچانک ہی میں نے گردن اٹھا کر اس جانب دیکھا۔ جہاں کھانے کے برتن رکھے تھے۔ اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ برتن اب وہاں موجود نہیں تھے۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ پھر یہ برتن یہاں سے کون لے گیا۔ اس حیرانی کے باوجود میرے منہ سے مسلسل جاپ کے الفاظ نکلتے رہے کیونکہ اس تسلسل کو قابو رکھنا ضروری تھا۔ ورنہ سب کچھ ختم ہو جاتا۔

"وقت گزرتا رہا۔ شام ہوئی پھر رات ہوگئی اس مخصوص جگہ پر رات کا کھانا مجھے مل گیا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس طرح کھانا مل جانا۔ دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان نہ ہو۔ بہر حال کھانا کھایا پانی پیا اور اپنی مخصوص جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ جاپ کا تسلسل برقرار تھا۔ ہاں کبھی

کبھی غنودگی آ جاتی تھی۔ لیکن نیند نہیں آئی تھی۔ ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ساری رات ایک مخصوص روشنی پورے ماحول پر چھائی رہی تھی۔ اور اتنی تھی کہ میں اپنے آپ کو اور آس پاس کی چیزوں کو دیکھ سکتا تھا۔

پھر صبح ہوگئی۔ میں نے جاپ جاری رکھا تھا۔ میرے غیر مرئی دوستوں نے صبح کے ناشتے کا انتظام کر دیا تھا۔ اس کو اور میں کیا کہتا؟ یا تو کوئی ایسا وجود جو نظر نہ آتا ہو..... یا پھر.....

بہر حال! وقت گزرتا رہا۔ دوسرا دن..... تیسرا دن..... اور پھر چوتھا۔ دن بھی سکون سے گزر گیا۔ ہاں البتہ چوتھے دن کے بعد کی رات میرے لئے انتہائی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ رات کے کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد مجھے ایک بلی کی آواز سنائی دی۔ میں چونک گیا۔

پھر میں نے دیکھا کہ ایک بلی میری جانب بڑھ رہی ہے۔ بڑی ہی عجیب و غریب بلی تھی۔ اس کا جسم بھی عام بلیوں سے بڑا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی تھی۔ اس کے بعد ایک دوسری بلی بھی نمودار ہوئی۔ اس کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ پھر وہ بلی بھی اس سے پہلے والی بلی کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر دو اور بلیاں نمودار ہوئیں۔ اور وہ بھی عین اسی جگہ آ کر بیٹھ گئیں..... اور پھر..... اور پھر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اور ان کے منہ سے آوازیں خارج ہونے لگیں۔ خدا کی پناہ..... وہ ہنسی کی آوازیں تھیں۔ انسانی ہنسی کی آوازیں۔ ان کی کھلی باچھوں سے دانت باہر آ رہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک بلی نے میری جانب چھلانگ لگا دی۔ ایک لمحے کے لئے میرے ہاتھ پاؤں لرز گئے تھے۔ اور میں بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔ اس منتر کے الفاظ مسلسل میرے لبوں پر تھے۔ بلی اچھلتی ہوئی میرے قریب آئی اور میرے سر پر سے ہوتی ہوئی پیچھے چلی گئی۔ میں نے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور پھر ایک عجیب کھیل شروع ہو گیا۔

وہ بلیاں میرے دائیں بائیں..... آگے پیچھے چکرانے لگیں۔ میرے سر کے اوپر مخصوص اونچائی تک چھلانگیں لگاتی رہیں۔ لیکن ایک دفعہ بھی ان کا جسم مجھ سے نہیں ٹکرایا۔ اب میں یہ سمجھ چکا تھا۔ کہ وہ بلیاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اور اگر میں یہ عمل مسلسل جاری رکھوں گا۔ تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ سب اس عمل کا اثر تھا۔ مجھے روکا جا رہا تھا۔ خوفزدہ کیا جا رہا تھا۔ لیکن اگر میں ہمت سے کام لوں اور بجائے ڈرنے کے چالیس دن مسلسل یہ عمل کروں تو کامیاب ہو جاؤں گا۔ ایسا ہی تھا۔ یقیناً ایسا ہی تھا۔

چنانچہ میں نے اسے جاری رکھا۔ بلیاں تھک ہار کر اپنی جگہ جا بیٹھی تھیں۔ میں اطمینان سے منتر پڑھتا رہا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوبارہ یہی حرکت کی اور میرے سر پر سے گزرتی ہوئی۔ دوسری جانب چلی گئی۔ میرا دھیان بٹانے کی بھرپور کوشش ایک بار پھر کی گئی تھی۔ اور پھر یہ بلیاں ایک بار پھر تھک ہار کر بیٹھ گئیں۔ پھر وہ چاروں جھٹکے سے اٹھیں اور ایک سمت بھاگ گئیں۔ اور میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔

پھر وہی معمولی شروع ہو گیا۔ یعنی صبح کا ناشتہ مقررہ جگہ پر مجھے مل گیا اس کے بعد تین چار دن پرسکون گزرنے تھے۔ اب تو میں اس ماحول کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ وقت پر کھانا مل جاتا تھا۔ کھانے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو پھر اپنے عمل میں لگ جاتا..... لیکن ابھی تو شاید مشکلوں کا آغاز ہوا تھا۔ یہ غالباً آٹھویں رات تھی۔ آدھی رات سے زیادہ بیت چکی تھی کہ چیخوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ وہ کسی مرد کے چیخنے کی آوازیں تھیں۔ جو مدد کیلئے پکار رہا تھا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا۔ جو شدید زخمی تھا۔ اور خوفزدہ انداز میں بھاگ رہا تھا۔

"بچاؤ..... بچاؤ..... بھگوان کیلئے مجھے بچاؤ....." اس کے منہ سے مسلسل آوازیں نکل رہی تھیں۔ اور اس کے پیچھے ایک عورت تھی۔ شاید وہ بہت زیادہ ڈر گیا تھا۔ لیکن خود کو سنبھالتے رکھنا ضروری تھا۔ پھر وہ آدمی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے پہلے مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا ہو۔ وہ میرے بالکل قریب آ گیا۔ اس کا چہرہ انتہائی مکروہ اور بھیانک تھا۔ گھنگریالے بال جو گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ اس کے شانوں تک جھول رہے تھے۔ چہرے پر زخم کے نشان تھے۔ اوپری ہونٹ کٹا ہوا تھا۔ جس میں سے دانت باہر جھانک رہے تھے۔

"بچالے..... بچالے .....مار ڈالے گی یہ..... مار ڈالے گی یہ....." اوپری ہونٹ کٹا ہونے کی وجہ سے اس کے منہ سے الفاظ صحیح طرح نہیں نکل پا رہے تھے۔

میں مصروف عمل رہا۔ "اے لڑکی! سنا نہیں تو نے میں کیا کہہ رہا ہوں..... وہ مجھے کھانے پر تلی ہے۔ اور تو..... تو..... اپنے ہی کام پر لگا ہے۔ بچائے گا نہیں مجھے۔؟"

وہ عورت بھی اب میرے قریب آ گئی تھی۔ کالی بھجنگ صورت۔ بال بکھرے ہوئے۔ آنکھیں پھٹی ہوئیں۔ ہندوانہ طرز کی ساڑھی باندھے ہوئے۔ اس کے دانت بھی عجیب انداز میں باہر نکلے ہوئے تھے۔ لیکن..... لیکن ایک عجیب سی چیز جس نے میرے بدن میں لرزشیں پیدا کر دی تھیں۔ اس کے دانتوں پر لگا ہوا خون تھا۔ پھر اس کے منہ سے کراری سی آواز نکلی۔

"ہی..... ہی..... ہی..... مل گیا..... کہاں تک بھاگے گا۔ ارے کہاں جائے گا بچ کے..... چل..... آجا..... آجا....."

"خبردار جو آگے بڑھی۔ کتیا۔! کیا مجھے کچا چبا جائے گی۔؟" وہ آدمی بولا۔

"تو اور کیا۔ تجھے ہی تو کھاؤں گی۔ اور کون ہے یہاں۔"

"یہ بھی تو ہے۔ اسے کھا جا۔" اس شخص نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور میں بری طرح سہم گیا۔ اس عورت نے میری طرف دیکھا۔ وہ بالکل اس طرح مجھے گھور رہی تھی۔ جیسے کوئی بھوکا شیر اپنے شکار کو دیکھتا ہو۔ بولی۔

"کیوں؟" اسے کیوں کھاؤں؟ میں تجھے کھاؤں گی۔ آج تو ہی میرا شکار ہے۔ آج میں تجھے کھاؤں گی۔ آج تیری باری ہے۔"

"اری بدبخت! کیا ہو گیا ہے۔ تجھے؟ اپنے مرد کو کھائے گی؟"

"میں بھوکی ہوں۔"

"اری بھوکی ہے تو کسی اور کو کھا۔ مجھے کیوں کھاتی ہے۔ پتہ نہیں کون سی منحوس گھڑی تھی جب تجھے لایا تھا۔"

"میں کیا کروں؟ مجبور ہوں۔ منش کا گوشت میری کمزوری ہے۔ میری مجبور ہے۔ میری بھوک اتنی شدید ہو رہی ہے کہ کیا کہوں تجھ سے چل آ..... آجا....."

"ارے بابو..... مجھے بچالو رے۔"

"یہ کیا بچائے گا۔؟ یہ تو خود اپنے پھیر میں الجھا ہے۔ تجھے کیا بچائے گا۔"

"مجھے بچالے..... چھوڑ دے اپنا پھیر..... میرا جیون بچالے۔ کھا جائے گی یہ ڈائن..... یہ ڈائن مجھے کھا جائے گی..... جیون نشٹ کر دیا میرا۔ اب مار ڈالے گی۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔"

"کیا کرے گا جیون کا۔؟ پھر پاپ کرے گا۔ پھر لوگوں کو تنگ کرے گا۔ ارے تجھے تو خوش ہونا چاہئے۔ کہ مکتی مل رہی ہے تجھے پاپوں سے مکتی مل رہی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ عورت تیزی سے آگے بڑھی۔ اور پھر اس نے جو عمل کیا۔ وہ میرا خون خشک کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے اس آدمی کا دایاں ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اپنے دانت اس کے شانے میں پیوست کر دیئے۔ وہ آدمی تکلیف سے تڑپنے لگا۔ اور نیچے گر پڑا۔

لیکن اس عورت نے اپنے دانت وہاں سے نہیں ہٹائے تھے۔ پھر وہ بری طرح سے شانے کو جھنجھوڑنے لگی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس نے ہاتھ مروڑنا شروع کر دیا۔ وہ پوری قوت سے ہاتھ کو جھٹکے دے رہی تھی۔ اور دانتوں سے مسلسل گوشت کاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اس نے اس کا بازو الگ کر دیا۔ ..... اب اس آدمی کا بازو۔ اس عورت کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ مزے لے لے کر اسے کھا رہی تھی۔ وہ آدمی شدت کرب سے زمین پر تڑپ رہا تھا۔ میرا یہ حال تھا

کہ کاٹو تو بدن سے لہو نہ نکلے۔ اتنا خوفناک منظر..... اتنی دہشت خیزی..... وہ عورت اتنی تیزی سے بازو کا گوشت صاف کر گئی تھی۔ کہ جیسے مشین ہو۔ اس نے انگلیوں تک کی کھال نوچ لی تھی۔ اور اب ہاتھ کی ہڈیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس عورت نے اطمینان سے اس شخص کا بایاں ہاتھ بھی شانے کے پاس سے جدا کر لیا۔ لیکن اس بار سیدھی میری جانب آئی تھی۔ اور پھر اس نے وہ ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ لے مانو! کھالے تجھے بھوک لگی ہو گی تو بھی کھالے بڑا سوادشت ہے یہ، بڑا مزہ آ رہا ہے۔ اسے کھانے میں۔ اس سے پہلے کسی منش کو کھانے سے اتنا مزہ نہیں آیا۔ ارے ڈر کیوں رہا ہے۔ کیوں گھورے جا رہا ہے مجھے، نہیں کھانا تو نہ کھا۔ میں کوئی زبردستی نہیں کر رہی تیرے ساتھ۔" پھر وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ اور پھر اس طرح دوسرا ہاتھ بھی صاف کر گئی۔

ادھر اس شخص کا یہ عالم تھا کہ وہ زمین سے تین تین فٹ اونچا اچھل رہا تھا۔ اس کے حلق سے مسلسل بھیانک چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

"مر گیا..... مر گیا..... ارے مر گیا..... کھا گئی..... کھا گئی..... کمبخت کھا گئی۔ اے مانو! اٹھ..... اٹھ جا! میں کہتا ہوں۔ بھگوان تجھے بھی کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تو نے..... تو نے میرا جیون نہ بچایا تو کبھی اپنے عمل میں کامیاب نہیں ہو گا۔ یہ میرا شراپ ہے تجھے مانو! یاد رکھنا..... یاد رکھنا..... آہ....."

میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ یہ منظر..... یہ منظر کسی انسان کے ہوش اڑا دینے کیلئے کافی تھا۔ لیکن میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا تھا۔ پھر اس عورت نے اس آدمی کی ٹانگ نوچنا شروع کر دی۔ وہ بڑی مہارت سے ٹانگ کا گوشت صاف کر گئی تھی۔

اس بار اس نے ٹانگ الگ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر وہ دوسری ٹانگ بھی چٹ کر گئی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ نجانے کیوں مجھے احساس ہو رہا تھا۔ کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ لیکن میں اس آدمی کو بچا بھی نہیں سکتا میرا جاپ ٹوٹ جائے گا۔ اور پھر..... اور پھر..... سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میں یہی سب کچھ سوچتا رہا لیکن میرے جاپ کرنے کی رفتار وہی تھی۔ تسلسل وہی تھا۔ جس پر مجھے حیرانی ہوئی تھی۔ واقعی..... اگر میں دھیان کے ساتھ عمل کرتا رہوں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور..... اور یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

پھر اس عورت نے بقیہ جسم کو بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ وہ آدمی آخری حد تک شدت سے چیخ رہا تھا۔ اس کی چیخیں گونج رہی تھیں۔

پھر آہستہ آہستہ اس کی چیخیں مدھم پڑنے لگیں۔ اور پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ وہ عورت چپ چپ کر کے کھاتی رہی۔ اس نے آدمی کا بدن خالی کر دیا۔ پھر اس کی گردن کی طرف بڑھی اس نے آدمی کے گلے میں دانت پیوست کر دیئے اور خون پینے لگا۔

پھر اس عورت نے سر اٹھایا۔ اس کے ناک اور منہ پر جا بجا خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ دانتوں سے بری طرح خون ٹپک رہا تھا۔ اس نے خون خوار نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور میری طرف بڑھنے لگی۔ اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"ارے بیرا..... میں بھوکی ہوں۔ ارے او بیرا..... میری بھوک ویسی ہی ہے۔ اس کمبخت کی ایک ایک بوٹی نوچ لی میں نے لیکن میری بھوک ہی ختم نہ ہوئی۔ لگتا ہے۔ کچھ کھایا ہی نہیں۔ ارے بیرا..... اب میں تجھے کھاؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ میری طرف بڑھی اس کے نوکیلے دانتوں اور ناخنوں کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ بہرحال اب وہ میری طرف ہی آ رہی تھی۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ بالکل میرے قریب آ گئی۔ مارے خوف کے میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور مرنے کیلئے تیار ہو گیا تھا۔ پھر نجانے کیا ہوا۔ اس نے مجھے ابھی تک چھوا کیوں نہیں۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے دیکھ کر آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ میں یہی سمجھا تھا کہ میری آنکھوں کو کوئی دھوکہ ہوا ہے۔ وہ ہڈیوں کا پنجر اپنی جگہ نہیں تھا۔ نہ ہی فرش پر خون تھا۔ جبکہ کچھ دیر پہلے خون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بے پناہ دھبے اس جگہ پر موجود تھے۔ بات اب میری سمجھ میں آرہی تھی۔ یہ سب عمل کو توڑنے کی کوشش تھی۔ یہ لوگ یہ ہی چاہتے تھے کہ میرا جاپ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ میں اس خوفناک منظر سے ڈر جاؤں۔ اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاؤں۔ بھاگ جاؤں لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ عورت بھی غائب تھی۔

تھوڑی صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ رات بھر کے واقعات دل و دماغ سے چپک کر رہ گئے تھے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ان منظروں میں مجھے ڈرانا مقصود تھا۔ یہ مجھے کوئی جانی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پھر میں اپنی جگہ لیٹ گیا۔ میرے ذہن پر غنودگی سی چھانے لگی۔ نیند کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں اس نیم غنودہ کیفیت میں کافی دیر لیٹا رہا۔ پھر جب ذرا دل کی کیفیت بحال ہوئی تو اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر خود کو مضبوط کیا اور پوری تندہی کے ساتھ اس عمل میں مصروف ہو گیا۔ اس ماحول کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔ شکر تھا۔ کہ ان واقعات کے بعد اور کوئی واقعہ دوبارہ پیش نہیں آیا تھا۔ اب تو بس ایک ہی لگن تھی۔ کہ کب چالیس دن پورے ہوں۔ اور کب میرا عمل ختم ہو۔ اس انتظار میں پوری لگن کے ساتھ جاپ کرتا رہا۔ اور دن گزرتے رہے۔ لیکن شاید میرے کئی امتحان باقی تھے۔

ٹھیک چوبیسویں دن سورج ڈھلنے کے بعد ہی عجیب و غریب واقعات کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں اپنے جاپ میں مصروف تھا۔ اور بڑے اطمینان سے عمل پڑھ رہا تھا کہ کہیں سے ایک چیز اڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر زمین پر گر پڑی۔ میں نے نظر اٹھا کر اس چیز کو دیکھا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے یہ بکرے کا کٹا ہوا سر تھا۔ خون میں لت پت۔ خون کی پھینکیں فرش پر بکھر گئیں۔

ابھی میں اس کا جائزہ لے ہی رہا تھا۔ کہ ایک اور سر اڑتا ہوا آیا۔ اور پھر وقفے وقفے سے بکروں کے سر مجھ سے کچھ فاصلوں پر گرتے رہے۔ میں نے دھیان لگانے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ان سروں سے اڑنے والی پھینکیں میرے کپڑوں پر پڑتی رہی تھیں۔

لیکن میں صبر سے بیٹھا رہا۔ کافی دیر تک دھم دھم کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد وہ سر خود بخود غائب ہو گئے۔

بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر نجانے کہاں سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ پھر یہ رونے کی آواز کان پھاڑ دینے کی حد تک تیز ہو گئی۔ پھر ایک اور آواز آئی۔

"مارو..... مارو..... ماردو اسے..... ارے جلدی کرو..... یہ مروائے گا ہمیں۔"

"نادان ہے..... بالک۔"

"ارے کاہے کا نادان! ہماری آزادی ختم کرنے کیلئے جا رہا تھا نہیں چھوڑیں گے۔ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں اب پرسکون ہو گیا تھا۔ دل میں سوچا کہ اب ان تمام باتوں سے ڈرنا بیکار ہے۔ صبح تک یہ مشغلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ماحول پرسکون ہو گیا۔ میرے خیر خواہوں نے میری دلچسپی کیلئے بہت سے سامان کر رکھے تھے۔

چنانچہ تیسویں رات میں جاپ میں مصروف تھا۔ کہ اچانک ہی زمین پھٹنی شروع ہو گئی۔ ایک بہت بڑا سوراخ ہو گیا تھا۔ پھر اس سوراخ میں سے ایک چیز نے سر ابھارا۔ انتہائی خوفناک شکل تھی اس کی..... اوپر کو اٹھے ہوئے کان بھیڑیئے جیسے جبڑے جن سے دانت باہر آرہے تھے۔ انگاروں جیسی دہکتی ہوئی آنکھیں اس نے دونوں ہاتھ اوپر رکھے تھے۔ اور ہاتھوں پر وزن ڈال کر اوپر آ گیا۔

اس کے ہاتھ پیر بالکل انسانوں جیسے تھے۔ لیکن اس کا قد صرف ایک فٹ تھا۔ اتنا ہیبت ناک بونا میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اس کے پیچھے پیچھے ایک اور بونا نکلا۔ اس کا بدن بھی ویسا ہی تھا۔ البتہ چہرہ شیر کی مانند تھا۔ یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ دو اور بونے ان دونوں کے پیچھے باہر نکلے اور ان کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ پھر سب سے آخر میں ایک اور بونا نکلا۔

اس کا بدن بھی ویسا ہی تھا۔ اس کا چہرہ انتہائی

خوفناک تھا۔ اس کا قد بھی ان تینوں سے تھوڑا بڑا تھا۔ اس کے چہرے پر جا بجا بال اگے ہوئے تھے۔ جبڑوں سے نوکیلے دانت باہر جھانک رہے تھے۔ پھر وہ پانچوں ایک ساتھ چلتے ہوئے میرے قریب آ گئے۔ لمبا بونا سب سے آگے تھا۔ پھر اس کے منہ سے منمناتی ہوئی آواز نکلی۔

"وشنو۔"

"جی مالک۔" ایک دوسرے بونے نے کہا۔

"ارے یہ کون ہے رے۔؟"

"یہ بیرا بڑا کٹھور ہے۔"

"ارے میں نے پوچھا یہ کون ہے۔؟"

"یوں تو ہے۔ مسلا..... لیکن گھن تیرہ کے لئے جاپ کر رہا ہے۔"

"ہونہہ یہ پدی۔ اور پدی کا شوربہ یہ کرے گا جاپ۔؟"

"کرے گا مالک..... کر رہا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں ناں کیسے پڑھ رہا ہے۔"

"پڑھنے دے..... پڑھنے دے۔ لیکن سوچ لے نہ صرف تو بلکہ ہم سب اس کے نیچے آ جائیں گے۔ دیکھ وشنو، ایک تو یہ ٹھہرا منش، پھر مسلا..... نہ بھئی نہ۔ میں تو نہ آؤں گا اس کے پھیر میں۔"

"پھر کیا کریں مالک۔"

"تم میں سے ایک اسے مارے گا۔"

"ہم میں سے۔؟"

"ہاں..... تم لوگوں میں سے۔"

"پر..... پر مالک....."

"یہ کیا..... پر..... پر لگا رکھی ہے۔ طے کر لو۔ کون مارے گا اسے۔"

"میں ماروں گا اسے" وہ بونا جسے وشنو کہا گیا تھا بولا۔

"نہیں اسے میں ماروں گا۔" ایک دوسرے بونے نے کہا۔

"نہیں۔ تم دونوں میں سے کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔"

تیسرے بونے نے کہا۔ اور پھر عجیب ہی کھیل شروع ہو گیا۔ وہ سب آپس میں لڑنے لگے تھے۔ ہر کوئی یہ ہی چاہتا تھا کہ میری موت اس کے ہاتھوں ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے اپنے لباسوں میں سے چھوٹی چھوٹی تلواریں نکال لیں۔ وہ تلواریں لہرانے لگے۔ ان کے انداز اگر عام حالات میں کوئی شخص دیکھتا تو مارے ہنسی کے اس کا برا حال ہو جاتا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ وہ بونے بھی مجھے اس عمل سے روکنے کیلئے بھیجے گئے تھے چنانچہ میں خاموش رہا۔

پھر ان بونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ وہ چاروں آپس میں انتہائی ماہرانہ انداز میں لڑ رہے تھے۔ پھر ان میں سے دو بونے زخمی ہو گئے۔ اور زمین پر گر کر کراہنے لگے۔ پھر اچانک ہی وہ دونوں غائب ہو گئے۔ اس کے بعد باقی دونوں بونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس دوران وہ پانچواں بونا اچھل اچھل کر دونوں کو جوش دلا رہا تھا۔

"شاباش وشنو شاباش۔" اس بڑے بونے نے کہا اور وشنو نے ادب سے گردن جھکا دی۔ اس بڑے بونے نے پھرتی سے اپنے لباس سے تلوار نکالی اور وشنو کی گردن اڑا دی۔ اور پھر میں نے جو منظر دیکھا۔ وہ ناقابل یقین حد تک ہیبت ناک تھا۔ بونا آرام سے اس طرف مڑا۔ جہاں اس کی گردن جا پڑی تھی۔ اس نے اطمینان سے اپنی تلوار زمین پر رکھی جھک کر اپنی گردن اٹھائی اور دوبارہ اپنے شانوں پر رکھ لی۔ پھر دوبارہ تلوار زمین سے اٹھائی۔ اور جھٹکے سے اس بڑے بونے کی طرف مڑا۔

"مالک..... یہ کیا..... یہ کیا حرکت کی تھی؟"

"وشنو..... میں ماروں گا۔ اسے تو ہٹ جا۔ میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ اب میں خود ہی اسے ماروں گا۔"

"تو مالک آپ مجھے ایسے ہی منع کر دیتے۔"

"بس! میری مرضی..... یہ بھی تو منع کرنا ہی ہوتا ناں۔"

"اچھا۔ پھر ٹھیک ہے دیکھتے ہیں۔ کون اسے مارتا ہے۔" یہ کہہ کر بونا اس بڑے بونے کی طرف لپکا اور ان دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ پھر لڑتے لڑتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں بھی شدید زخمی ہوگئے تھے۔

اس کے بعد پھر ایک اور عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو بیچ میں سے آدھا آدھا کاٹ دیا تھا۔ اور پھر وہ دونوں بھی غائب ہوگئے۔

ابھی میں اس منظر کے سحر میں کھویا ہوا تھا کہ عجیب تماشے سامنے آئے۔ میرے میزبانوں نے اتنے ہیبت ناک منظر..... یہ خوفناک چہرے ان کا انداز لیکن میں نے محسوس کرلیا تھا۔ کہ ان سب کے پیچھے مقصد وہی تھا۔ یعنی کسی بھی طرح میرا جاپ ٹوٹ جائے۔ اور اس کے بعد میں بھول جاؤں۔ لیکن اب شاید یہ ممکن نہ تھا۔

پھر مندر کی زمین لرزنے لگی۔ اور میں چونک پڑا۔ اب کیا ہوا؟ شاید زلزلہ آرہا ہے۔ میرے حریف شاید ان تمام حربوں سے ناکام ہوکر مجھے زمین میں دفن کرنے پر تل گئے تھے۔ اور اس لئے زلزلے کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں زمین کے لرزنے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ آٹھ دس جنگلی بھینسے میری جانب دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ اس بار میں بالکل خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول رکھی تھیں کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ..... یہ بھینسے مجھے اپنے طاقتور کھروں سے کچل دیں گے۔ مجھے اپنے سینگوں پر اچھالیں گے میں مرہی جاؤں گا۔ لیکن اب میں مرتے دم تک جاپ کے الفاظ دہراتا چاہتا تھا۔ کہ میرے دل کی حرکت بند بھی ہوجائے۔ تو اپنے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے۔

بہرحال وہ جنگلی بھینسے میری جانب بڑھے۔ اور پھر بڑی عجیب بات ہوئی ان جنگلی بھینسوں کا فاصلہ مجھ سے کوئی ایک گز رہ گیا۔ تو اچانک وہ کسی چیز سے ٹکرائے۔ وہ کیا چیز تھی؟ کیونکہ میری نظروں کے سامنے کوئی شفاف منظر نہیں آرہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ بھینسے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ کسی کے سر سے خون بہنے لگا۔ کسی کے سینگ ٹوٹ گئے۔ بہرحال وہ تماشہ کافی دیر تک جاری رہا۔ وہ بھینسے ٹوٹی پھوٹی حالت میں میری طرف بڑھنے لگے۔ اور پھر کسی چیز سے ٹکرا کر پلٹ جاتے۔ پھر تھک ہار کر وہ بھی غائب ہوگئے۔ بڑی اذیت ناک رات تھی وہ۔ اس کے بعد کوئی خوفناک واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اب تو صرف ایک ہی لگن تھی کہ بقیہ دن بھی پورے ہوں۔ اور میں اس مورتی کا مالک بن جاؤں۔

پھر چالیسواں دن بھی آگیا۔ شکر تھا۔ اس کے بعد کوئی مجھے تنگ کرنے نہیں آیا۔ دل میں ایک خوف کا احساس بھی تھا کہ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے لیکن یہ خوشی بھی تھی کہ چلو یہ جاپ تو ختم ہوگیا۔

چالیسواں دن بھی آہستہ آہستہ اپنا وقت پورا کررہا تھا۔ میں بھی انتہائی توجہ کے ساتھ جاپ میں مصروف تھا۔ اور ساتھ ساتھ ایسے واقعات پیش آنے والے واقعات کا منتظر تھا۔ اس دوران مجھے بہت سے اندازے ہوئے تھے جاپ کے ان دنوں میں مجھے ڈرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔ لیکن میری تقدیر نے میرا ساتھ دیا تھا۔ دن اور رات کی تمیز کیے بغیر میں نے اس کا پھیر کیا تھا۔ نجانے کتنی بار یہ عمل دہرایا تھا۔ اب تو مجھے یہ الفاظ ایسے ازبر ہوگئے تھے۔ کہ شاید انہیں زندگی بھر نہ بھول پاتا۔ ویسے ایک بہت اچھا تجربہ ہوا تھا۔

عام دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ نئے لوگوں سے ملتے ہیں۔ ان سے خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ ان کے کام آتے ہیں۔ اور ان سے کام بھی لیتے ہیں وہ دنیا میں کامیاب کہلاتے ہیں۔ لیکن میرا تو کسی انسان سے پالا ہی نہیں پڑا تھا۔ ہر لحہ، ہر دن، زبردست میرے منتظر رہتے جو میرے خیر خواہوں نے مجھے ڈرانے کے لئے۔ میرا جاپ توڑنے کیلئے بھیجے تھے۔ اپنے محسنوں کے تحفوں کو بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

وہ مکروہ شکل کی بلیاں جن کی غراہٹ آدمی کے بدن کو لرزا دے۔ وہ انسانی آوازوں میں ہنسی تھیں انہوں نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد وہ مرد اور عورت..... آہ منظر..... وہ منظر تو جیسے میرے دماغ پر نقش ہوگیا تھا۔ عورت جس طرح سے اس آدمی کو کھا رہی تھی۔ اس انداز جانوروں سے بھی بدتر تھا۔ کس طرح اس نے

شخص کی آنکھیں نوچی تھیں۔

کان چبائے تھے۔ وہ شخص اس کی زبان بالکل صحیح کام کررہی تھیں حالانکہ شروع میں مجھے اس کے الفاظ سمجھ میں نہیں آئے۔ تو میں یہ ہی سمجھا کہ ہونٹ کٹا ہونے کی وجہ سے شاید ایسا ہے۔ لیکن آخری وقت میں اس آخری وقت میں وہ بالکل صحیح الفاظ ادا کررہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دونوں بھی بدروح ہیں۔ پھر وہ بکرے کے کٹے ہوئے سر جو میری توجہ ہٹانے کے لئے پھینکے گئے تھے۔ پھر بچوں کے رونے کی آوازیں۔ اس کے بعد وہ ہیبت ناک بونے۔ جو مجھے مارنے کے لئے بے چین تھے۔ اور اس کے بعد وہ بھینسے جن کی آنکھوں میں خون کی جھلک تھی۔ اس طرح نمودار ہوئے تھے۔ جیسے مجھے ختم ہی کردیں گے۔ لیکن میں خوفزدہ ہوئے بغیر ان تحفوں کو قبول کرتا رہا۔ انہیں برداشت کرتا رہا تھا۔ اور اب..... اب اس جاپ کے اختتام کا وقت آن پہنچا تھا۔

پھر سورج ڈھل گیا۔ اور یہ ہی وقت تھا۔ جب میرا جاپ مکمل ہوگیا۔ ہاں..... چالیسویں دن سورج ڈھلنے کا وقت بتایا گیا تھا۔ مجھے پھر اچانک میں نے کسی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اور میں اپنی جگہ سہم گیا لیکن پھر میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے۔ کہ یہ بھی میرے محسنوں کا کوئی تحفہ ہو۔ چنانچہ میں اس تحفے کے استقبال کیلئے تیار ہوگیا۔

غالباً وہ کوئی عورت ہی تھی۔ اس کے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ اور اس کی قدموں کی دھمک کے ساتھ ساتھ آوازیں پیدا کررہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ میرے قریب آگئی۔ اور میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ میرے بالکل قریب آگئی۔ اور میں اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ گیا۔

آنے والی جے پالی تھی۔ چہرے پر وہی مسکراہٹ کا انداز لئے آنکھوں میں وہی روشنی تھی۔ لیکن..... لیکن مجھے محتاط رہنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے یہ بھی فریب ہو۔ اور اگر میں اپنی جگہ چھوڑ دوں تو سب ختم ہوجائے گا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

''علی خان۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''علی خان میں ہوں۔ جے پالی۔ تمہاری ساتھی..... تمہاری دوست۔''

جواب میں میں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

''علی خان تمہارا جاپ ختم ہوگیا ہے۔ اب تم آزاد ہو تم بول سکتے ہو۔ تم اپنی جگہ اٹھ کر باہر جاسکتے ہو۔ باہر کی فضاؤں میں سانس لے سکتے ہو۔ کچھ تو بولو۔''

''مجھے یہ احساس ہوا تھا۔ کہ واقعی میرا جاپ تو اب ختم ہوچکا تھا۔ اور اب میں کم از کم کسی کو مخاطب کرسکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے کہا۔

''میں کیسے مان لوں کہ تم جے پالی ہو۔؟''

جواب میں جے پالی کا قہقہہ بلند ہوگیا۔ ''اب میرے پاس کوئی نشانی تو ہے نہیں جو میں تمہیں دکھاؤں اور یقین دلاؤں۔''

''پھر بھی یہ میری نظر کا دھوکہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''اور میری آواز۔؟''

''ان چالیس دنوں میں میں نے جو کچھ یہاں دیکھا ہے اس کے سامنے تمہاری آواز کا جے پالی جیسی ہونا کوئی عجیب خیز بات نہیں ہے۔''

''نہیں..... علی خان میرا یقین کرو۔ میں جے پالی ہوں۔ اچھا..... یہ دیکھو.....'' وہ یہ کہہ کر میری جانب بڑھی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کی گرفت اور مضبوط ہورہی تھی۔ مجھے مجبوراً کھڑا ہونا پڑا۔ اس نے پھر کہا۔

''دیکھو علی خان! مجھ سے پہلے تم نے جو کچھ یہاں دیکھا یا جن چیزوں سے تمہارا واسطہ پڑا انہوں نے تمہیں چھوا تک نہیں اور چھو بھی کیسے سکتے تھے۔ جاپ کے دوران تمہارے ارد گرد ایک دیوار تھی۔ ایک ایسی دیوار جو نہ تمہیں نظر آسکتی تھی۔ اور نہ کسی اور کو۔ اور تم تک پہنچنے والی ہر چیز اس دیوار سے رک جاتی تھی۔ اور جہاں تک اس بکرے کے خون کی چھینٹوں کا تعلق ہے۔ تو اسکے لئے دیوار کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک ضروری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیز تھی۔ لیکن تم دیکھ لو۔ ایک بھی سرتم سے ٹکرا نہ سکا۔ میں تمہیں ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ میں نے تمہیں ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ میں صرف اور جے پالی ہوں۔ تمہاری میڈم..... تمہاری دوست..... اور اب تم آزاد ہو۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ واقعی یہ سب کچھ درست ہی لگ رہا تھا۔ اگر یہ جے پالی نہ ہوتی۔ تو مجھے چھو نہ سکتی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے جتنے بھی لوگ یا بدہیت چیزیں میرے پاس مجھے ڈرانے کے لئے آئی تھیں۔ ان سب نے مجھے چھوا نہیں تھا۔

جے پالی نے پھر کہا۔

"اب جبکہ تم آزاد ہو تو تم اپنے انعام کے حق دار بھی ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔" جے پالی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے لئے ہوگن تیرہ کے مجسمے کے قریب پہنچ گئی پھر اس نے گن تیرہ کے پیروں کو چھوا اور میں نے دیکھا۔ کہ اس کے پیروں کے پاس سے زمین سرکنی شروع ہوگئی۔

غالباً اس کے پیروں میں کوئی کل تھا۔ جس کے دبانے سے زمین میں خلاء نمودار ہوگیا تھا۔ پھر وہاں اتنی جگہ بن گئی کہ ایک آدمی وہاں سے بہ آسانی اندر جا سکتا تھا۔ جے پالی نے میرا ہاتھ پکڑا اور پھر نیچے قدم رکھ دیئے۔ نیچے کئی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جو غالباً کسی تہہ خانے میں جا کر ختم ہوتی تھیں۔ ہم نے ان سیڑھیوں سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ ابھی ہم آٹھ دس سیڑھیاں طے کی ہوں گی کہ ایک جانب سے آواز آئی۔

"بچالو..... ہمیں بچالو....."

میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ ایک سر کٹا شخص تھا..... میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ وہ سر کٹا ہی تھا۔ لیکن یہ سر کٹا بول رہا تھا۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔

"نہیں علی خان! ڈرو نہیں..... یہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔" جے پالی نے کہا۔

ہم کچھ اور نیچے اترے تو ایک اور شخص کو دیکھا۔ اس کے پورے بدن پر کانٹے تھے۔ اور دونوں آنکھیں غائب تھیں۔

"ارے لڑکے! بچالے..... بڑا انیائے ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ بلکہ ظلم کیا ہے۔ ہم نے اپنے جیون کے ساتھ، بھگوان کے لئے بچالے ہمارا جیون۔"

میں بہر حال انسان تھا۔ ڈر تو لگ رہا تھا۔ لیکن اتنا یقین تھا۔ مجھے کہ جے پالی کے ہوتے ہوئے اب مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ نیچے اترنے کے دوران اسی طرح کے لوگ مجھ سے ٹکراتے رہے۔ کسی کا سر نہیں تو کسی کے جسم پر کانٹے تھے۔ کوئی کوڑھ کا مریض تھا۔ تو کوئی ہاتھ سے محروم تھا۔ لیکن سب کی زبان پر ایک ہی پکار رہی تھی۔ کہ انہیں بچالیا جائے۔

پھر ہم نیچے تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ یہاں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہر چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ جے پالی بولی۔

"جانتے ہو یہ لوگ کون تھے۔؟"

جواب میں، میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ اس مورتی کے حصول کے خواہش مند تھے۔"

"کیا؟"

ہاں.....! تم سے پہلے ان لوگوں نے مجھ سے مورتی کے حصول کی خواہش ظاہر کی اور میں انہیں یہاں لے آئی۔ لیکن یہ سب کمزور دل کے مالک تھے۔ ان کا دل تمہاری طرح مضبوط نہیں تھا۔ ان کے اندر اعتماد کی کمی تھی۔ یہ سب ان چیزوں سے ڈر گئے تھے، جو صرف نظر کا دھوکہ تھیں۔ انہیں ڈرانے کے لئے تھیں۔ جاپ سے روکنے کیلئے تھیں۔ اس جاپ کا اصول ہے کہ جب جاپ الٹا ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے شیلا کا سزا تجویز کرتا ہے۔ گن تیرہ کا دلارا۔ شیلا کا اپنے من پسند شراپ میں اس بھگت کو ڈال دیتا ہے اور پھر وہ بھگت ساری زندگی یہیں گزارتا ہے۔ آؤ! میں تمہیں شیلا کا سے ملواؤں۔" وہ مجھے پھر ایک جانب لے چلی..... سامنے دیوار تھی۔ اور میں حیران تھا کہ یہ مجھے کہاں لے جانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن جلد ہی بات سمجھ میں آ گئی۔ اس سامنے والی دیوار میں ایک خلاء نمودار ہوگیا۔ جے پالی نے مڑ کر مجھے

دیکھا۔ پھر بولی۔

"آؤ..... علی خان! میرے پیچھے آؤ۔"

میں اس کے پیچھے پیچھے اس خلاء میں داخل ہوگیا۔ یہاں نسبتاً زیادہ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں۔ میں نے سامنے ایک بہت بڑا مجسمہ دیکھا جو زمین سے تقریباً پانچ فٹ اونچا تھا۔ اس کا پھیلاؤ کوئی آٹھ فٹ تھا۔ عجیب سے بے ڈھنگ ہاتھ پاؤں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ چہرہ انتہائی بھیانک بدن پر لبادہ تراشا گیا تھا۔ جس میں سے ہاتھ پاؤں باہر نکل کر پھیلتے چلے گئے تھے۔

جے پالی نے کہا۔ "یہ شیلا کا ہے۔ گن تیرہ کا چہیتا۔ میرے من کا میت۔ واقعی میرے من کا میت۔"

میں نے دیکھا۔ کہ جے پالی کی آنکھوں میں خمار بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ پھر جے پالی نے تھرکنا شروع کر دیا۔ کہیں سے طبلے کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن اس طبلے کا اس کمرے میں نام و نشان نہیں تھا۔ بس آواز ہی آ رہی تھی۔ وہ کسی ماہر رقاصہ کی طرح رقص کر رہی تھی۔ اور میں حیرانی سے اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ بڑا ہیجان خیز رقص تھا۔

میں نے اس سے پہلے جے پالی کو اتنے جوش میں نہیں دیکھا تھا۔ جے پالی ایک اچھے خاصے بدن کی مالک عورت تھی۔ لیکن اس وجود کے باوجود اس کی یہ مہارت دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ کافی دیر تک وہ رقص کرتی رہی۔ طبلے کی آواز کے ساتھ گھنگروؤں کی جھنکار ایک عجیب سماں پیدا کر رہی تھی۔ جے پالی کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہوگیا تھا۔ لیکن..... لیکن یہ کیا..... اس کے چہرے کی کھال پھٹنی شروع ہوگئی تھی۔ پھر اس کے ہاتھوں پیروں کی کھال بھی پھٹنے لگی۔ اس کا بدن ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس کی زبان اس کے سینے پر لٹک آئی۔ آنکھیں لال انگارہ ہوگئیں۔ جبڑے کھنچ گئے۔

میں خوفزدہ بھی تھا۔ اور حیران بھی کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ پھر اس نے رقص کرنے کی رفتار کم کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ طبلے کی آواز بھی مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ بھی ختم ہوگئی اور جے پالی بھی رک گئی تھی۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ اوہ..... وہ آنکھیں..... ان آنکھوں میں انگارے روشن تھے۔ پھر طبلے کی تھاپ دوبارہ شروع ہوئی۔ اور وہ اس کے ساتھ دوبارہ رقص کرنے لگی۔ اس بار میں نے عجیب و غریب منظر دیکھا۔ اس کے بدن میں ہاتھوں کی جگہ سے مزید دو ہاتھ نکلنا شروع ہوگئے۔ پھر اس کی لمبائی اصلی ہاتھوں جتنی ہوگئی۔ پھر اس کے بدن سے اس کی ٹانگیں بھی دو سے چار ہوئیں۔ پھر مزید نکلنے لگیں۔ اب وہ اپنی اصلی ٹانگوں کے علاوہ اپنی اضافی ٹانگوں پر ناچ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا باقی جسم کبھی دائیں طرف جھک جاتا۔ اور کبھی بائیں طرف۔ بڑا پراسرار اور ہولناک منظر تھا۔ جے پالی خود کسی چڑیل سے کم نہ لگ رہی تھی۔ بکھرے بال، لٹکی ہوئی زبان اس کے سارے ہاتھ پاؤں پھٹا ہوا گوشت پھر رقص کرتے کرتے اچانک وہ رک گئی۔ اور تیزی سے میری طرف مڑی۔

"علی خان۔!" بڑی عجیب سی آواز تھی اس کی۔

"جی..... جی۔"

"علی خان تجھے مورتی چاہئے ناں۔؟"

"جی....." میں شدید خوفزدہ تھا۔

"آ..... میرے پاس آ۔"

"کیا.....؟"

"میرے پاس آ..... علی خان۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ لیکن میں اس کے حلیئے سے شدید خوفزدہ تھا۔

"میں آج خوش ہوں۔ علی خان! بہت خوش ہوں۔ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ہے۔ تو نے وہ حاصل کر لیا ہے جس کیلئے کئی لوگ اپنا جیون گنوا بیٹھے۔ کیا تو خوش ہے؟"

"جی۔"

"بہت خوش؟"

"جی بالکل۔"

"اچھا تو پہلے یہ مورتی لے لے۔"

اس نے اپنے لباس سے ایک مورتی نکالی۔ یہ وہی مورتی تھی جو اس نے پہلے مجھے دی تھی۔ میں ڈرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈرتے آگے بڑھا۔ اور پھر میں نے وہ مورتی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اس نے پھر کہا۔

"علی خان تو نے یہ مورتی بے شک حاصل کر لی ہے۔ اور تو اس کا حق دار ہے۔ لیکن یہ کام تو نے صرف اپنے لئے کیا ہے ناں۔؟"

"جی۔!"

"اور اس کام کے بدلے مورتی کسے ملی۔؟ تجھے ہی ملی ناں؟"

"جی بالکل۔"

"تو اس میں تو سارا فائدہ تیرا ہی ہوا۔ اس میں مجھے کیا ملا۔؟"

"آپ میری جان لے سکتی ہیں۔"

"ارے نہیں۔ ایک اتنی ہمت والا لڑکا جس نے بڑے بڑوں سے ادھورہ رہ جانے والا عمل کر دکھایا۔ اس کی زندگی تو میرے لئے انتہائی قیمتی ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تو میرا دوست ہے۔ اور اس دوستی کے صلے میں۔ میں تجھ سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔"

"مجھے بتایئے کیا کام لینا چاہتی ہیں آپ مجھ سے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ آپ کا ہر کام کروں گا۔" میں نے سہمے سہمے انداز میں کہا۔ میری اب بھی وہی کیفیت تھی۔

"نہیں..... علی خان! ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب گن تیرہ کا مجسمہ تیرے پاس ہے، اب تو خود ڈرانے والی چیز ہے۔ ایک طاقت کا مالک ہے۔ اب تو اس طاقت کو استعمال کرتے ہوئے۔ میرا وہ کام کرے گا۔"

"جی....." میں نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"اس دنیا میں ہر شخص کے کچھ دوست ہوتے ہیں۔ جیسے تو میرا دوست ہے۔ لیکن زندگی کے ہر موڑ پر اس کے دشمن بھی اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ اور ان کا ایک ہی کام ہوتا ہے۔ اپنے حریف کا نقصان یا پھر اس کی موت۔ اس جیون پھیر میں میرے بھی پانچ دشمن ہیں۔ جو میری جان لینے کے خواہش مند ہیں۔ میں چاہتی ہوں کے میں ہی انہیں ان کے جیون سے آزاد کر دوں۔ انہیں اس تکلیف سے ہمیشہ کیلئے مکتی مل جائے کہ میں ابھی تک زندہ کیوں ہوں۔ تو سمجھ رہا ہے ناں میری بات۔؟"

"جی میڈم!"

"اور اس کام میں تو میرا ساتھ دے گا۔ بلکہ ان پانچوں دشمنوں کو تلاش کر کے تو ہی ان کا خاتمہ کرے گا۔"

"جی میں۔؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں..... تجھے میرا یہ کام کرنا ہوگا۔ مجھے اپنے پانچوں دشمنوں کا خون چاہئے۔"

"لیکن میں کس طرح۔؟" میں مسلسل گھبرایا ہوا تھا۔

"گن تیرہ کی مورتی ہے۔ تیرے پاس یہ بہت بڑی شکتی ہے۔ اور اس شکتی کا مظاہرہ تو دیکھ چکا ترتیب وار ان دشمنوں کا خیال کرنا۔ یہ مورتی ان تک پہنچنے میں تیری معاون و مددگار ہوگی۔ اس کے بعد کیا کرنا ہے۔ تجھے خود ہی سوچنا ہوگا۔ مجھے بس ان کا خون چاہئے اور جب تو ان پانچوں کا خون میرے پاس لے آئے گا تو پتہ ہے کیا ہوگا۔"

"کیا.....؟"

"یہ گن تیرہ کی شکتی کچھ معاملات میں محدود ہے لیکن ان پانچوں کا خون لانے کے بعد تو امر شکتی کا مالک بن جائے گا۔ میں تجھے وہ شکتی دوں گی کہ پھر شاید تجھ سے بڑا شکتی مان کوئی نہ ہو۔"

پھر اس نے شیلا کا کے مجسمے کے نیچے رکھا ہوا ایک پیالہ اٹھایا۔ اس پیالے میں ایک عجیب سا سیال تھا۔ اس کا رنگ بالکل سفید تھا۔ وہ بالکل پانی کی طرح تھا۔ لیکن پانی سے گاڑھا تھا۔ اس نے وہ سیال میرے منہ پر ڈال دیا۔

"جا بالک..... وجے ہو تیری۔ تیری وجے ہو۔ گن تیرہ کی شکتی تیرے ساتھ ہے۔ جے پالی کا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔ وجے تیرا مقدر ہے۔ تیری وجے اوش ہے۔ تیری وجے ہوگی۔"

جے پالی بلند آواز میں کہتی رہی لیکن میں خاموش کھڑا رہا تھا۔

(جاری ہے)

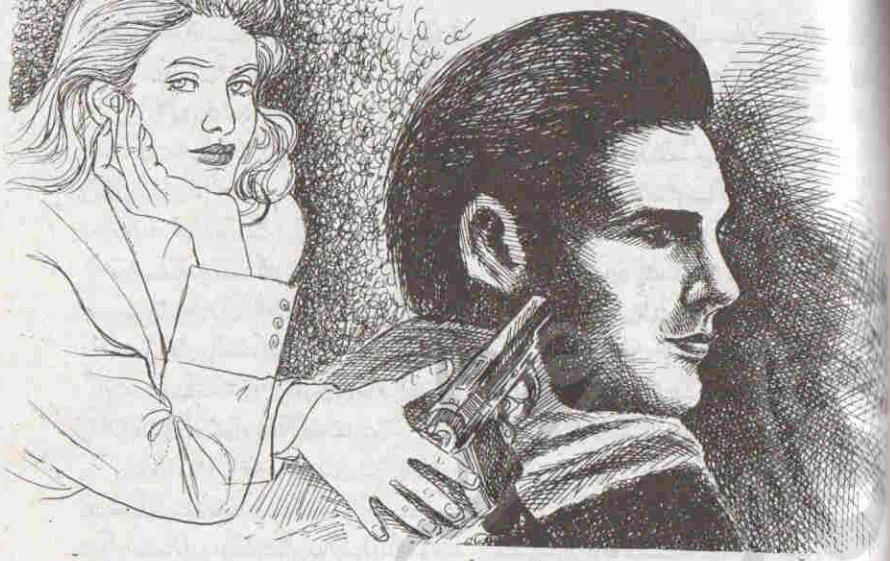

محبت کی قربانی

علی آفاقی - آزاد کشمیر

منظر بڑا بھیانک اور دلخراش تھا۔ پجاری نوجوان کو لئے ہوئے بھڑکتی آگ کی طرف بڑھا کہ اچانک ایک وجود آگے بڑھا اور پجاری سے زور سے ٹکرایا تو پجاری اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور آگ میں گر گیا۔ اس کی فلک شگاف چیخیں سنائید یں۔

محبت کرنے والے بہت دل والے ہوتے ہیں جو قربان ہو کر محبت کی لاج رکھ لیتے ہیں

بارش جب آتی ہے تو پہلے اپنے آنے کے اشارے دیتی ہے۔ بادل آتے ہیں، اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ اور پھر شدت سے بارش نے برسنا ہو تو بادل گرجتے ہیں کہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لو، اور کوئی محفوظ ٹھکانہ ڈھونڈ لو۔ بعض مصیبتوں کے آنے سے پہلے بھی اشارے ہوتے ہیں۔ ان اشاروں کو سمجھنا یا نہ سمجھنا۔ یہ انسان کا کام ہے۔ ویسے انسان ہے بھی بڑا غافل۔ عقل رکھتے ہوئے بھی لاپرواہ ہو جاتا ہے لیکن اس لاپروائی کے نتیجے میں اسے "بہت کچھ" بھگتنا بھی پڑتا ہے۔ کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔

اس دن میں اپنے دوست وسیم احمد کے گھر کوٹلی شہر آیا ہوا تھا۔ ویسے تو میرا گھر کوٹلی کے مضافات میں ایک قصبے میں ہے لیکن انٹر کے امتحانوں سے فارغ ہونے کے بعد چھٹیاں تھیں۔ سوچا۔ "چلو وسیم سے مل لوں۔ بعد میں پڑھائی کی مصروفیات سے پالا پڑ جائے گا تو ملنا ممکن نہیں ہوگا۔" اس خیال کے تحت میں وسیم سے ملنے اس کے گھر آ گیا۔ میں وسیم کے گھر موجود تھا۔ رات کے کھانے کے بعد ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سو گئے۔ رات کوئی بارہ بجے کا عمل تھا جب میں نے شور سنا۔ جیسے کوئی دیوار سے ٹکرایا ہو۔ میں ہڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑا کراٹھ بیٹھا۔ وسیم کے بستر کی طرف دیکھا تو وہ اپنے بستر پر موجود نہیں تھا۔ میں گھبرا گیا۔ اتنے میں باہر سے آواز آئی۔

"ٹھہرو وسیم! کہاں جارہے ہو ٹھہرو؟" یہ وسیم کی والدہ آنٹی نسیماں کی آواز تھی۔ میں فوراً کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہاں کا منظر حیرت انگیز تھا۔ آنٹی نسیماں نے وسیم کو پکڑا ہوا تھا۔ اور وسیم چھڑانے کی کوشش کررہا تھا۔ اور متواتر بولے جارہا تھا۔ "مجھے چھوڑو مجھے جانے دو، میں اس کے پاس جاؤں گا، چھوڑو مجھے" وہ جیسے خواب کی کیفیت میں بول رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وسیم کے والد پروفیسر علیم احمد کہنے لگے۔ "عرفان بیٹا! وسیم کو سنبھالو۔" میں ہکا بکا کھڑا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ماجرا ہے؟"

وسیم اسی طرح خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا اور آنٹی اسے پکڑے ہوئے تھیں..... میں نے آگے بڑھ کر اسے پکڑا۔ وہ ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ زور لگا رہا تھا۔ میں نے اسے جھنجھوڑا۔ "وسیم! وسیم! کیا ہوا ہے تمہیں؟ کس کے پاس جانا چاہتے ہو؟" مگر اسے کہاں خبر۔ وہ تو اپنے جھونک میں بولے جارہا تھا۔ "مجھے جانے دو، میں ضرور جاؤں گا، مجھے چھوڑ دو" میں نے اسے زور سے جھنجھوڑا تو وہ کچھ شانت ہوگیا، بہر حال میں اسے پکڑ کر کمرے میں لایا اور بستر پر بیٹھا دیا۔

انکل نے پانی پر کچھ دم کرکے اس پر پانی چھڑک دیا۔ اب وہ پرسکون ہوگیا تھا۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے انکل کو دیکھا۔ ان کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور چہرے پر فکر و تردد کے آثار تھے۔ ان کی نظریں وسیم پر جمی ہوئی تھی۔ باقی لوگ بھی ہراساں نظر آرہے تھے۔

میں نے وسیم کے چہرے کو ٹیوب کی روشنی میں غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک پیدائشی نشان تھا۔ پیشانی پر دونوں بھنوؤں کے درمیان ایک چھوٹا سا گول ہلکا براؤن کلر کا نشان تھا۔ بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی تھی۔ کئی دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ اس نے خود کوئی رنگ وغیرہ لگایا ہوا ہو مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ میرا جگری دوست تھا اس لئے اکثر میں اس سے مذاق کرتا تھا کہ "جب تم پیدا ہوئے تو پروفیسر صاحب نے اپنی سابقہ محبوبہ کا لپ اسٹک لے کر تمہیں لگا دیا تا کہ یاد گار....." اس سے آگے وہ بھی جانتا تھا اور کہتا تھا "فانی! یہ تم کہہ رہے ہو۔ اگر کوئی اور کہتا تو اس وقت تک اس کے دانت اس کی ہتھیلی پر ہوتے۔" یہ سن کر میں ہنس پڑتا۔

"بیٹا! سو جاؤ۔ تم بے وقت ڈسٹرب ہوئے" انکل کی آواز نے مجھے اپنی سوچوں سے باہر نکالا۔

"انکل ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔؟" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ "ہاں بیٹا! ایسا پہلے بھی کئی دفعہ ہوا ہے۔ یہ اسی طرح سوتے ہوئے بھاگنا شروع کردیتا ہے اور پکڑے جانے پر "چھوڑو! اس کے پاس جانے دو" کی گردان شروع کردیتا ہے۔"

مجھے بہت دکھ ہوا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ وسیم! جو مجھے بہت عزیز تھا۔ اتنے انوکھے اور پراسرار کیس میں پھنس گیا تھا جس کا کوئی سر انہیں تھا۔

انکل نے صبح کسی پیر فقیر کے پاس جانے کا اظہار کیا اور سونے کے لئے چلے گئے۔ اس کے بعد آنٹی نسیماں اور وسیم کا چھوٹا بھائی کلیم بھی چلے گئے۔ میں وسیم کے بارے میں سوچتا ہوا چارپائی پر لیٹ گیا اور آخر نیند کی گہرائیوں میں کھو گیا۔ صبح کے وقت انکل ایک پیر صاحب کے پاس گئے۔

"آپ کے بیٹے پر سایہ ہے اور بڑا زبردست سایہ ہے، ایک رات کا عمل کرنا ہوگا۔ آپ کے بیٹے کے کمرے میں بیٹھ کر۔" سائیں نے کہا تو انکل سائیں کو انکل اپنے ساتھ لیتے آئے۔ وہ کوٹلی شہر کا مشہور سائیں تھا جو تعویز دیتا تھا اور جن بھوت وغیرہ کا علاج کرتا تھا۔

انکل نے پوچھا۔ "سائیں جی آپ یہ عمل کب کریں گے اور اس کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہوگی؟"

"یہ عمل ہم آج ہی کریں گے اور....." اس کے بعد اس نے مختلف چیزیں بتائیں۔ انکل نے ان چیزوں کی لسٹ مجھے پکڑائی اور کہا "عرفان بیٹا! اگر تم یہ لادو تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

میں نے جلدی سے کہا "مہربانی کس بات کی

انکل! یہ تو میرے دوست کے بھلے کی بات ہے۔" پھر میں وہ لسٹ لے کر گھر سے بازار کی طرف نکل پڑا۔ دکانیں قریب ہی تھیں۔ مطلوبہ چیزیں خریدتے وقت میں سوچنے لگا "آجکل کے پیر فقیر بھی بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور انکل بھی پڑھے لکھے ہونے کے باوجود اتنے توہم پرست نکلے کہ سائے کا یقین کرلیا۔" ویسے میں جعلی پیروں کے سخت خلاف ہوں۔ کیونکہ سادہ لوح معصوم اور پریشان لوگوں کو لوٹتے ہیں۔

جب میں واپس گھر پہنچا تو سورج غروب ہوچکا تھا۔ پیر سائیں، اگرچہ مجھے یہ جعلی سائیں ایک نظر نہیں بھایا تھا مگر معاملہ میرے دوست کا تھا اس لئے میں چپ تھا۔ ہاتھ میں تسبیح پکڑے چارپائی پر بیٹھا تھا۔ وہ ابھی نماز سے فارغ ہوا تھا۔ میں نے تمام چیزیں اس کے قریب رکھ دیں۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد سائیں عمل کے لئے تیار ہوگیا۔ وسیم والے کمرے سے چارپائیاں اور باقی سامان اٹھا دیا گیا۔ فرش پر دری بچھا دی گئی۔ اتنی دیر میں نماز عشاء کا وقت ہوگیا۔ سائیں نے پون گھنٹے میں نماز ادا کی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ یہ بندہ اتنا پانی میں نہیں ہے جتنا یہ لوگوں کو نظر آتا ہے۔

بہر حال وہ وسیم کے کمرے میں داخل ہوا۔ ہم سب پریشان تھے۔ سائیں نے ہمیں الگ کمرے میں بیٹھنے کو کہا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔

رات بارہ بجے ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ہم سب ڈر گئے۔ مگر کمرے میں سہمے ہوئے بیٹھے رہے۔ پھر ہم نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر کسی کے دوڑنے کی آواز آئی۔ حالات بگڑتے نظر آرہے تھے۔ کلیم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آنٹی اور انکل کا بھی برا حال تھا۔ خود میری آنکھیں نم ہورہی تھیں۔ وسیم تو میرے دل کی دھڑکنوں میں دھڑکتا تھا۔ پھر اچانک میں نے اس کی آواز سنی "دفع ہوجا۔ ورنہ تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" آواز کے سنتے ہی میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ سائیں کی بھی فلک شگاف آواز سنائی دی جس میں کرب ہی کرب تھا۔ سائیں اپنے بھاری بھرکم جسم کو سنبھالتا ہوا باہر آنے کی کوشش کررہا تھا۔ کمرے سے اگربتی کی خوشبو آرہی تھی۔ کمرے میں وسیم غضب ناک کھڑا تھا۔

سائیں ڈولتا ہوا کمرے سے باہر صحن میں آکر ڈھے گیا تھا۔

میں نے نفرت سے اسے دیکھا اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ مگر اگلا منظر میرے لئے سخت حیران کن تھا۔ ہوش و حواس گم کردینے والا تھا۔ میں نے جب وسیم کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے ان میں سے چنگاریاں نکل رہی ہوں۔ پھر وہ نڈھال سا ہوگیا اور دھپ سے فرش پر گرا اور اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

میں حیرت سے گنگ رہ گیا۔ "ابھی یہ گرج برس رہا تھا اور اچانک بے سدھ ہوکر گر پڑا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے ہلایا "وسیم، وسیم۔ کیسے ہو؟ یہ کیا ماجرا ہے؟" مگر وہ اسی طرح بے سدھ پڑا رہا۔

میں نے اسے جھنجھوڑا۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور برہمی کے لہجے میں بولا۔ "کیا کررہے ہو؟ سونے کیوں نہیں دیتے؟"

مجھے پھر شاک لگا۔ "کیا پہلے وسیم اپنے آپے میں نہیں تھا۔" میں نے سوچا۔

اتنے میں انکل بھی کمرے میں آگئے اور بولے۔ "کیا ہوا بیٹا؟" وسیم دری پر کیوں لیٹا ہوا ہے؟"

میں نے انہیں سب بارے میں بتایا تو ان کی پریشانی عروج پر نظر آنے لگی۔ پھر ہم وسیم کو وہیں سوتا چھوڑ کر باہر سائیں کے پاس آگئے۔ ایسا لگتا تھا کہ سائیں پر لرزا طاری ہوگیا تھا۔ مجھے اس سائیں سے زیادہ انکل پر غصہ آرہا تھا کہ اتنے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود اس دس نمبری کو لے آئے۔ بہر حال جو ہوگیا سو ہوگیا۔

سائیں نے تفصیل بتائی کہ وہ عمل پڑھتا رہا، اور کافی وقت تک وسیم اس کے سامنے دوزانوں بیٹھا رہا۔ اچانک وہ کھڑا ہوگیا اور غراتے ہوئے بولا۔ "سائیں یہ عمل چھوڑ دے۔ تیرے قابو میں کچھ نہیں آئے گا۔"

میں نے انکار کیا تو اس نے مجھے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا۔ اور کمرے سے نکل جانے کو کہا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائیں بہت خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ پھر اس نے اپنے کسی چیلے کو فون کیا اور اٹھ کر گرتا پڑتا چلا گیا۔

ہم سب اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔ ''آخر وہ کیا شے ہے؟ جو وسیم پر قابض ہوگئی ہے؟'' یہی سوال ہر کسی کے ذہن میں تھا۔ اس کے بعد ہم باتیں کرتے رہے اور پھر سونے کے لئے چلے گئے۔ چونکہ رات ابھی کافی باقی تھی۔

☆......☆......☆

اگر کوئی میرے سر پر بم مارتا تو مجھے اتنا شاک نہ لگتا جتنا یہ سن کر لگا کہ ''وسیم اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے بلکہ کہیں چلا گیا ہے۔'' میں دوڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔ اس کمرے کی طرف جہاں وہ سویا تھا۔ سائیں کی منگوائی ہوئی چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ آنٹی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ انکل کے چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ لیکن ایک موہوم سی امید تھی کہ ''شاید کہیں باہر چلا گیا ہو؟'' میں فوراً باہر نکلا۔ پاس پڑوس اور محلے داروں سے دریافت کیا، کچھ لوگوں نے تو اچھنبے کی حالت میں سوال جواب شروع کردیا۔ کچھ نے تو مجھے ایسے گھورا جیسے کہ میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہوں۔ وجہ بھی معقول تھی کیونکہ وسیم کوئی بچہ تو تھا نہیں کہ کہیں کھو گیا تھا یا کوئی اسے بہکا کر یا پھر کوئی اغواء کر کے لے گیا ہو۔

آخر میں تھک ہار کر واپسی کے لئے پلٹ گیا۔

میرے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ ''وسیم کہاں چلا گیا؟ آخر وہ کہاں جاسکتا ہے؟'' میں سوچتا سوچتا گھر میں داخل ہوا۔ انکل میرا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ ناکامی ہوئی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے رشتہ داروں سے پوچھ لیا تھا۔ گو کہ یہ ایک عجیب سی بات تھی کہ صبح ہی صبح فون کرنا مگر انہوں نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ ''فری منٹ'' لئے ہوئے ہیں۔

آنٹی نسیماں پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ مجھے آج گھر واپس جانا تھا مگر میں نے بذریعہ فون بول دیا تھا کہ ''چند دن نہیں آسکوں گا۔''

بہر حال رونے دھونے سے فارغ ہوکر۔ منصوبہ بنایا گیا کہ پھر سائیں کی طرف جایا جائے۔ چنانچہ ہم سائیں کے پاس گئے تو اس نے ہمیں کسی نصیر الدین شاہ کے پاس جانے کے لئے کہا۔

ہمیں نصیر شاہ کا اتہ پتہ سمجھا دیا۔ اور ہم نصیر الدین شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ نصیر الدین شاہ کو دیکھ کر ہمیں یوں لگا کہ واقعی کسی عظیم ہستی کے پاس آگئے ہیں اور یہی ہستی ہماری مسیحائی کرسکتی ہے۔ اونچا لمبا قد، سفید لمبی داڑھی، برف کی مانند سر کے بال اور چہرے پر نور کی برسات۔ یہ نصیر الدین شاہ کی شخصیت تھی۔ بندہ پہلی نظر دیکھنے سے ہی متاثر ہو جاتا تھا۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا تو انہوں نے کہا ''کل آنا۔ میں آج رات استخارہ کروں گا۔''

☆......☆......☆

دوسرے دن، ہم شاہ صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

''پروفیسر صاحب! آپ کے بیٹے پر ایک جادوگرنی عاشق ہوگئی ہے۔'' شاہ صاحب نے بتایا تو ہم سناٹے میں رہ گئے۔ شاہ صاحب تفصیل بتاتے ہوئے بولے۔ ''ہندوستان کے جنگلوں میں ایک گاؤں ہے ''ناگ آباد'' اس گاؤں کے لوگ جادو وغیرہ سیکھنے کے بہت شوقین ہیں۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی جادو کی شوقین ہیں۔ ایک لڑکی جس کا نام پدمنی ہے، اسے جادو سیکھنے کا شوق ہوا تو جادو سکھانے والے استاد برندرا نے اسے اس شرط پر جادو سکھانے کا وعدہ کیا کہ وہ جادو سیکھ کر ایک عجیب و انوکھے شخص کو ڈھونڈے گی۔ اور دیوتا کو اس کا بلیدان دے گی۔ پدمنی نے یہ شرط قبول کرلی اور جادو سیکھنے لگی۔

استاد برندرا کا خیال تھا کہ وہ کب ایسا شخص ڈھونڈ سکے گی اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ اس سے جادوئی طاقتوں کو چھین لے گا۔

بہر حال پدمنی جادو سیکھ کر انوکھے شخص کو ڈھونڈنے کے لئے نکلی۔ پہلے وہ پڑوسی ملک کی طرف آئی یعنی پاکستان کی طرف۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسے کوئی ایسا شخص نہ ملا جو ''انوکھا'' ہو۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور کوشش جاری رکھی۔ آخر اسے وسیم احمد نظر آیا۔ جس کے ماتھے پر ایک انوکھا قدرتی نشان تھا۔'' شاہ صاحب تفصیل بتا رہے تھے۔

انوکھے نشان کے ذکر سے میرے ذہن میں فوراً

...م کا خوبصورت چہرہ آگیا۔ اس کی پیشانی پر گول ...ان نشان تھا۔

شاہ صاحب کی میٹھی اور پر تاثیر آواز سنائی دے ...ی تھی۔ ''اسی نشان کی بدولت پدمنی کو وسیم انوکھا آدمی لگا ...لیکن اس کو بدقسمتی کہیے یا اور کچھ کہ پدمنی وسیم پر عاشق ...ی۔ لیکن استاد برندار کو بھی وسیم کے بارے میں پتا چل ...یا اور پدمنی کی محبت کے بارے میں بھی پتا چل گیا۔ اس ...ے پدمنی سے کہا۔ ''وہ وسیم کا بلیدان دے۔ مگر پدمنی اسے ...نے دل کی دھڑکنوں میں بسا چکی تھی وہ یہ کام کیسے کرتی۔ ...ر استاد شاگرد کے درمیان رسا کشی شروع ہوگئی۔

رات میں پدمنی وسیم کے ذہن کو اپنی جادوئی ...اقتوں سے کنٹرول کرتی اور اسے اپنے پاس بلاتی۔ وسیم ...اس کی کیفیت میں آجاتا اور بھاگنے کی کوشش کرتا۔ مگر گھر ...لے اسے پکڑ لیتے۔ اتنے میں استاد برندرا کو پتا چل جاتا ...وہ پدمنی کا اثر زائل کردیتا۔ کچھ عرصہ یہ کھیل جاری رہا۔ ...برندرا کے ذہن میں خیال آیا کہ ''کیوں نہ وہ خود وسیم کا ...دان دے دے۔ اس سے دیوتا خوش ہوکر اس کی شکتی کو ...ید بڑھادیں گے۔'' بس یہی خیال آنا تھا کہ وسیم کے ...ا، کا برندرا منصوبہ بنانے لگا۔ مگر وہ ایسا اتنی جلدی ...ں کرسکتا تھا کیونکہ وسیم کے والدین نمازی ہیں۔ وہ موقع ...تاک میں رہا۔ آخر اسے یہ موقع بھی مل گیا۔ سائیں ...پیر نے اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کیا۔ اور برندرا کو ...ع مل گیا اور وہ اپنی جادوئی طاقتوں کے بل بوتے پر وسیم ...لے کر رفو چکر ہوگیا۔'' شاہ صاحب اتنا بتا کر خاموش ...گئے۔

بہت عجیب و غریب داستان تھی پدمنی کی، پھر میں ...پوچھا ''شاہ صاحب! کیا پدمنی کو پتا ہوگا کہ وسیم اس ...کہاں ہے؟''

''ہاں! وہ وسیم کے لئے پاگل ہو رہی ہے۔ مگر اس ...اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ برندرا سے ٹکر لے سکے۔ ...شاہ صاحب نے بتایا۔

''اس وقت پدمنی کہاں ہوگی؟'' انکل نے پوچھا ...شاہ صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''کیا آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں پروفیسر صاحب؟'' شاہ صاحب نے پوچھا۔

میں اور پروفیسر صاحب دونوں حیران رہ گئے۔ ''کیا آپ اس سے مل چکے ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں مل چکا ہوں۔'' شاہ صاحب کے نورانی چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

انکل جلدی سے بولے۔ ''اگر آپ اس سے مل چکے ہیں تو یقیناً اس نے یہ بتایا ہوگا کہ وسیم کو کہاں رکھا گیا ہے؟ پلیز! بتائیں میں بہت پریشان ہوں۔'' انکل کی آواز بھرا گئی۔ کیونکہ انکل سے وسیم کی پراسرار گمشدگی سے بہت رنجیدہ اور دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ بہر حال اولاد جیسی نعمت کو کھونے سے اور وہ بھی اتنی پراسرار طریقے سے کھونے سے والدین کی بدحواسی تو بجا ہے۔

شاہ صاحب نے ہماری ملاقات پدمنی سے بھی کرائی۔ جی ہاں وہی پدمنی جو وسیم پر عاشق ہوچکی تھی اور یہ حالات پیش آئے تھے۔ پدمنی پچیس سال کی حسین لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ہمیں بعد میں پتا چلا کہ پدمنی جادو سیکھنے کی وجہ سے کچھ بدشکل ہوگئی تھی۔

''اس کا یہ روپ جو ہم دیکھ رہے ہیں، یہ مصنوعی ہے۔ جادوئی طاقتوں کا مرہون منت ہے۔'' شاہ صاحب نے کہا۔ ''یہ پدمنی ہے۔ میں نے اسے بلا لیا ہے۔ اب یہ مدد کرے گی۔ برندرا چاند کی چودھویں شب وسیم کو دیوتا کے چرنوں میں قربان کرے گا۔ صرف سات دن رہتے ہیں اگر ان دنوں میں وسیم کو بچا لیا گیا تو ٹھیک ہے ورنہ......'' اور شاہ صاحب خاموش ہوگئے۔

میں نے پوچھا ''شاہ صاحب ہم وسیم کو کیسے بچا سکتے ہیں؟ اور اس کے لئے کون آگے بڑھے گا؟ میرا مطلب ہے میں یا انکل۔''

''صرف تم'' شاہ صاحب نے کہا ''تمہارے ساتھ پدمنی ہوگی۔ پہلے تمہیں برندرا کے ٹھکانے کا پتا لگانا ہوگا۔ اس کے لئے پدمنی تمہاری مدد کرے گی۔ میں اللہ سے دعا کروں گا کہ اللہ تمہیں تمہارے نیک مقصد میں کامیاب کرے۔''

''آمین۔'' میں نے صدق دل سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆.....☆.....☆

چاند کی چودھویں رات کے لئے صرف پانچ دن رہتے تھے۔ میں پدمنی کے قبیلے میں موجود تھا۔ ہم قانونی طور پر ہندوستان گئے۔ ویزا کیسے ملا؟ دیگر انتظامات کیسے ہوئے؟ یہ سب پروفیسر انکل کے ایک فوجی دوست کرنل عزام علی کی وجہ سے ہوا تھا۔

بہرحال پدمنی کو ایک عمل کرنا تھا جس کے نتیجہ میں پتا چل جاتا کہ وسیم کہاں ہے؟ وہ عمل میں مصروف ہوگئی۔

دوسری آدھی رات کے وقت پدمنی مجھ سے ملنے اور عمل میں کامیابی کے بعد آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ رہائش اور کھانے پینے کے سارے انتظامات شاہ صاحب اور پدمنی کی وجہ سے بہت آسان ہوگئے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تھا کہ کوئی مجھ پر نظر نہیں ڈالتا تھا حالانکہ میں اس جگہ اور اس قبیلے میں اجنبی تھا۔

ہندوستان کے اس قبیلے میں آئے ہوئے مجھے دو روز گزر چکے تھے۔ میں نے قبیلے کو دیکھ لیا تھا۔ یہاں ایک بڑا مندر تھا۔ اور استاد برندرا اس مندر کا سب سے بڑا پجاری تھا۔ تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ ان دنوں کہا جارہا تھا کہ "استاد برندرا کسی عمل میں مصروف ہیں اور کسی سے نہیں ملتے۔"

بہرحال وقت گزر رہا تھا۔ میری بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ میرا پیارا دوست بے یارو مددگار موت کی دہلیز پر اپنے آخری وقت کے لئے بے سدھ پڑا تھا۔

مزید ایک دن گزر گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ میں کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا۔ میرا دل غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا۔ پدمنی کا کوئی پتا نہ تھا۔ میں سوچتا کہ کیا پدمنی ناکام ہوجائے گی؟ کیا میں اپنے دوست کو نہیں بچا سکوں گا؟ مگر مجھے امید تھی ایک ماں کے دل سے نکلی دعائیں باپ کی اللہ سے لو لگانا اور نصیر الدین شاہ کی کوشش اور پدمنی کے تعاون سے کامیابی ضرور ہوگی۔

اچانک کمرے میں پدمنی ظاہر ہوئی۔ اس کے چہرے پر خوشی ناچ رہی تھی۔ وہ بولی "عرفان میں کامیاب ہوگئی ہوں۔ رات کے وقت اکیلے بڑے مندر کی طرف آجانا۔ میں مل جاؤں گی۔ ابھی میں مصروف ہوں۔" یہ کہنے کے بعد وہ غائب ہوگئی۔ وہ جادوگرنی تھی۔ غائب یا ظاہر ہوسکتی تھی۔

میرا دل خوشی سے سرشار ہوگیا۔ میں فوراً کمرے سے باہر نکلا۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوا۔ مجھے انتظار تھا کہ کب رات ہوگی۔ وقت دھیرے دھیرے کھسکتا رہا اور پھر رات ہوگئی۔

ابھی چودھویں کے چاند نے اپنا مکھڑا نہیں دکھایا تھا ہم بڑے مندر تک پہنچ گئے۔ میں نے اور پدمنی نے منصوبہ بندی کرلی تھی۔ پدمنی کو معلوم تھا کہ وسیم مندر کے تہہ خانے میں ہے۔ ہم مندر میں داخل ہوگئے۔ کئی بھول بھلیوں سے گزر کر تہہ خانے میں پہنچے۔ اندر کا منظر بہت ہوش ربا تھا۔ یہ کافی بڑا تہہ خانہ تھا۔ سامنے والی دیوار پر ایک بہت بڑا شیشہ لگا ہوا تھا۔ کسی جادوئی یا سائنسی تکنیک کی وجہ سے آسمان اس شیشے میں نظر آرہا تھا۔ آسمان کے سینے پر چمکتے چاند کی روشنی شیشے پر پڑ رہی تھی اور پھر پورے تہہ خانے میں منعکس ہورہی تھی۔ تہہ خانے کے وسط میں ایک خوفناک بت کھڑا تھا۔

تھوڑے سے فاصلے پر آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ بت کے قریب وسیم بے سدھ حالت میں کھڑا تھا۔ وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں تھا۔ بت کے عین سامنے ایک بھیانک چہرے والا آدمی دونوں ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔ مجھے سمجھنے میں کوئی دیر نہ لگی کہ یہی پجاری برندرا ہے۔

وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو تھیں اور فیصلے کا وقت آن پہنچا تھا۔ کیا عجیب وقت تھا۔ حق، باطل اور محبت اکٹھے ہوگئے تھے۔

برندرا باطل تھا۔ بلیدان دینا چاہتا تھا۔ پدمنی جادوگرنی تھی مگر محبت کے گھوڑے پر سوار تھی اور محبوب کو پانا چاہتی تھی اور میں بلیدان کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی ابتدا بھی تو محبت تھی۔ دوست کی دوست سے محبت۔ پدمنی کی محبوب کے لئے محبت، محبت جمع محبت برابر عشق یا جیت باطل ہار جاتا ہے۔

آخر وہ گھڑی آن پہنچی چودھویں کا چاند ہر طرف

اپنی چاندنی بکھیرنے لگا تھا۔ یہ ایک آئیڈیل وقت تھا مگر میرا دل دھک دھک کررہا تھا، بے چین تھا۔

اچانک برندرا اٹھا۔ وسیم کو پکڑ کر بت کے سامنے کیا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق پدمنی برندرا کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ پدمنی کو یوں سامنے دیکھ کر برندرا کو جیسے بجلی کا زبردست جھٹکا لگا۔ وہ مقامی زبان میں بولا۔ میری سمجھ میں جو آیا وہ یہ تھا "پدمنی تو یہاں کیسے؟"

پدمنی بولی۔ "اس کو بچانے کے لئے۔"

"اوئے تو بھگوان کے کام میں مداخلت نہ کر۔" برندرا غضب ناک ہوکر چلایا۔

"مجھے اپنی محبت عزیز ہے استاد۔" پدمنی نے سکون سے کہا۔ اس وقت پدمنی ایک خوبصورت لڑکی کی حالت میں تھی۔ جادو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

پدمنی سے گفتگو کے نتیجے میں مزید وقت گزر سکتا تھا اور برندرا عتاب کا شکار ہوسکتا تھا۔ اس لئے اس نے وسیم کو سرکاٹنے کے بجائے وسیم کو آگ میں جھونکنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ وسیم کو پکڑ کر جلدی سے آگ کی طرف لپکا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ "تو کیا میرا دوست آج مرجائے گا؟" میں نے سوچا۔ اچانک مجھے لگا کہ تہہ خانے میں ہل چل سی ہونے لگی ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں اور ناقابل یقین منظر دیکھا۔ مجھے یوں لگا کہ حق و باطل میں حق کی فتح کا کلیہ کارگر ہورہا ہے۔

وہ منظر تھا جب برندرا وسیم کو آگ کی طرف لے جارہا تھا تو پدمنی تیزی سے آگے آئی۔ پدمنی اس پوزیشن میں تھی کہ جب وہ تیزی سے آگے آئی تو وسیم سے ٹکرائی۔ وسیم آگ کے قریب دائیں طرف گر گیا جبکہ اس کو آگ کی طرف دھکیلتا ہوا برندرا اپنے ہی زور سے پدمنی کو لیتا ہوا آگ میں گر گیا۔ پدمنی نے برندرا کو زبردست طریقے سے اپنے ہاتھوں میں جکڑ رکھا تھا۔

محبت نے قربانی مانگی اور پدمنی نے دے دی۔

میں حیرت سے بت بن گیا۔

پدمنی چلائی "عرفان! جلدی سے بھاگو۔ وسیم کو لو۔ میں نے محبت کی قربانی دے دی ہے اب تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

مجھے جیسے ہوش آگیا۔ میں نے کچھ فرش پر پڑے ہوئے وسیم کو اٹھایا۔ اور باہر کی طرف لپکا۔ تہہ خانے میں گوشت کے جلنے کی بو پھیل رہی تھی۔ برندرا کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں مگر حیرت انگیز طور پر پدمنی کی کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ اچانک زوردار چھناکہ سنائی دیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ شیشہ جس میں سے چاند نظر آرہا تھا، تڑخ گیا تھا۔

میں نے وسیم کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ اور تیزی سے نکلتا ہوا باہر آگیا۔ پھر اپنی رہائش گاہ کی طرف چلنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ۔ "دوست کی رہائی پر خوشی مناؤں یا پدمنی کی موت پر۔ وہ بے شک ہندو تھی مگر محبت کی انمٹ مثال قائم کرگئی تھی۔ آفرین ہے محبت کرنے والوں پر۔

☆.....☆.....☆

ہمارا جہاز وطن عزیز میں لینڈ کرچکا تھا۔ میں اور وسیم باہر آئے۔ اچانک وردی میں ملبوس ایک فوجی آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "عرفان ادھر آئیں۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ کون ہیں اور ہمارا آپ سے تعلق؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے کرنل عزام علی نے بھیجا ہے۔" وہ جواب دیتے ہوئے بولا۔

"اوہ۔ اچھا" میں نے کہا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے وسیم کو سہارا دے رکھا تھا وہ ابھی شاک کی کیفیت میں تھا۔ میں نے اسے سارے واقعات سنا دیے تھے۔ ہم ایک فوجی جیپ میں بیٹھ گئے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

ہماری جیپ وسیم کے گھر کے قریب پہنچی تو میں حیران رہ گیا۔ کئی لوگ اس جگہ کھڑے تھے۔ جونہی ایک فوجی آگے بڑھا اور دروازہ کھولا۔ میں وسیم کے ساتھ نیچے اترا۔ اچانک اندر سے پروفیسر انکل آنٹی نسیماں، میرے اپنے ماں باپ، خالو اور ایک فوجی آفیسر نظر آئے۔ فوجی آفیسر یقیناً کرنل عزام علی تھے کیونکہ ان کو دیکھ کر فوجی نے سلیوٹ کیا تھا اور ان کے بیج پر عزام علی لکھا ہوا تھا۔

کرنل صاحب کے ہاتھ میں ایک ہار تھا۔ انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے آگے بڑھ کر وہ ہار میرے گلے میں ڈالا اور بولے۔ ”ویلڈن میرے شیر دل بیٹے۔ تم جیسے بیٹوں کی ہمیں ضرورت ہے۔“

پروفیسر انکل پرنم آنکھوں سے میرے گلے سے لگ گئے۔ اس کے بعد میرے ابا جان نے مجھے گلے لگایا، والدہ نے بلائیں لیں۔ پھر میں وسیم کے ساتھ اندر داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ اندر نصیر الدین شاہ موجود تھے۔ میں نے انہیں عقیدت سے سلام کیا اور ان کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ وہ کہنے لگے۔ ”شاباش بیٹا! تمہاری نیت سچی تھی۔ اللہ نے تمہیں کامیابی سے ہمکنار کیا۔“

اپنی تعریفیں سن کر مجھے یوں لگا کہ میں کسی کا حق چھین رہا ہوں۔ اور وہ پدمنی ہے۔ اسی نے محبت کی قربانی دے کر ہمیں کامیاب کیا تھا۔ شاہ صاحب کے قریب دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک کافی گلابی شہابی اور اسمارٹ سی تھی جبکہ دوسری معصوم سی تھی کسی اندرونی خوشی کی وجہ سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا لیکن حیا کی سرخی بھی چھائی ہوئی تھی۔

وسیم کو شاہ صاحب کے پاس لایا گیا، انہوں نے اس پر دست شفقت پھیرا۔ وسیم کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ پھر وہ رو پڑا۔ اتنا رویا کہ ساری فضا سوگوار ہوگئی۔

یہاں میں نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ جو اسمارٹ سی لڑکی تھی وہ غور سے میری طرف دیکھ رہی ہے۔ میں جب بھی اس کی طرف دیکھتا وہ آنکھوں سے اشارے کرتی۔ ”بہت بے باک لڑکی ہے۔“ میں نے سوچا۔ خیر تھوڑی دیر بعد شاہ صاحب دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوگئے۔

شام کا وقت تھا۔ میں اور وسیم اکیلے بیٹھے تھے۔ کرنل صاحب موجود تھے۔ میرے والدین اور خالو، پروفیسر انکل اور آنٹی باہر بیٹھے گفتگو کررہے تھے۔ وسیم بولا ”عرفان تمہارا بہت بہت.....“ میں نے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر اس سے آگے بولے اور کسی اور موقع پر ایسی گفتگو کی تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔“ وہ خاموش ہوگیا، ہم موجودہ حالات پر بحث کرنے لگے۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ ”یار وسیم! شاہ صاحب کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں وہ کون ہیں؟“ میں نے پوچھا تو وہ ہنس پڑا۔

میں نے کہا ”اس میں ہنسنے والی کونسی بات ہے۔“ وہ بولا۔ ”وہ جو معصوم سی لڑکی ہے ناں وہ تمہاری مستقبل قریب کی بھابھی ہے۔“

”بھابھی!!“ میں نے حیرت اور خوشی سے بولا ”یعنی وہ تمہاری منگیتر ہے۔ بہت بہت مبارکباد اتنی سادہ اور معصوم بیوی ملنے پر۔“ وہ مسکرادیا۔ ”اور دوسری ہے نا، وہ کرنل صاحب کی بیٹی روشنا ہے۔“ اس نے بتایا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اچانک وسیم شرارت سے بولا۔ ”ہوسکتا ہے وہ میری بھابھی کے عہدے پر فائز ہوجائے۔“ میں نے تکیہ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا ”شرم نہیں آتی۔ پہلے میٹرک تو پاس کرلو۔“ میں بنیادی طور پر لڑکیوں اور شادی کی باتوں سے شرمانے والا انسان ہوں۔ لیکن بعض اوقات منہ سے نکلی بات بھی پوری ہوجاتی ہے۔

اچانک میری امی اور آنٹی اندر داخل ہوئیں۔ امی جان نے میرا ماتھا چوما۔ پھر آنٹی نے بھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا ”کیا بات ہے بھئی؟“ یہی سوال وسیم نے بھی کیا آنٹی نے وسیم کو جواب دیا ”روشنا تمہاری بھابھی بنے گی۔“

وسیم نے خوشدلی سے قہقہہ لگایا۔ ”دیکھ..... نے مجھے تکیہ مارا تھا۔ بدلے میں ماما نے تیرے سر پر کودے مارا۔“ امی اور آنٹی ہنستی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ہم باہر آئے ادھر مٹھائیاں تقسیم ہورہی تھیں۔ کرنل صاحب نے مجھے گلے لگایا اور بولے۔ ”بیٹا! تعلیم فارغ ہوکر تم آرمی میں آؤ گے۔ اور روشنا کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔“ میں نے چور نظروں سے روشنا کو دیکھا۔ وہ شرم سے گلنار ہورہی تھی۔

وہ شام خوشیوں بھری تھی۔ فضا میں خوشیاں رقص کررہی تھیں۔ دل میں شادیانے بج رہے تھے۔ مگر یہ سب ہندو لڑکی، جادوگرنی اور سب سے بڑھ کر لافانی جذبہ محبت کی شاہکار کے اس جملے کی بدولت تھا۔ ”میں نے محبت کی قربانی دے دی اب تمہاری راہ کی رکاوٹیں دور ہوگئیں۔“

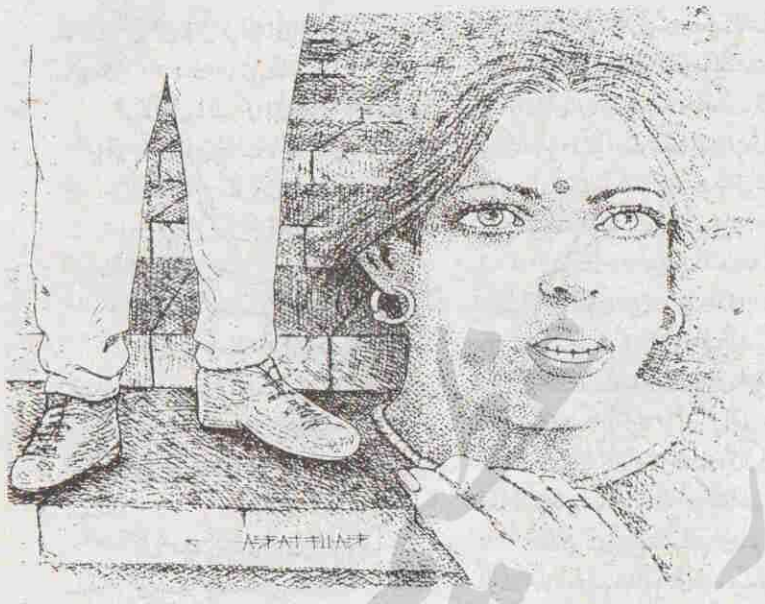

خوشبو کا انتقام

ملک فہیم ارشاد۔ ڈجکوٹ فیصل آباد

”میرے دل میں ہمیشہ تمہاری چاہت رہے گی، مجھے معاف کردینا میرا اور تمہارا ملاپ نہیں ہوسکتا کیونکہ تم زندہ انسان ہو اور میں ایک روح ہوں، میں تمہارے لئے ہمیشہ دعا کرتی رہوں گی کاش! ہم دونوں جیون ساتھی بن سکتے۔

لفظ لفظ اور سطر سطر دل میں سوز و گداز پیدا کرتی ایک دلفریب اور سبق آموز اچھی کہانی

”چھن..... چھن“..... پازیبوں کی تیز آواز حیدر کے کانوں میں پڑی تو وہ چونکا، وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور رائفل کے ٹریگر پر انگلی جمادی، اس کے سامنے صاف سڑک تھی جو مکمل طور پر ویران تھی۔

حیدر اس مل کا چوکیدار تھا۔ اسے چوکیدار کا یہ کام کرتے ہوئے آج ساتواں روز تھا۔ اس سے پہلے اس کا باپ یہاں چوکیداری کیا کرتا تھا۔ مگر باپ کی موت کے بعد حیدر کو بھی چوکیدار رکھ لیا گیا تھا۔

باپ کی طرح حیدر بھی ان پڑھ تھا۔ باپ اس کا چوکیدار تھا، اسکول وغیرہ کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے بیٹے کو چائے کی دکان پر چھوڑ دیا۔ اور پھر کئی قسم کے کام کرتا ہوا حیدر جوان ہوا۔ گھر میں اس سے چھوٹی بہن جو قد میں اس کے برابر کی تھی اور بوڑھے ماں باپ تھے۔ حیدر کا باپ بھی جوانی میں اس مل میں آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور وہ بھی ابھی جوانی کی ابتدائی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ حیدر کافی خوبصورت اور وجیہہ تھا۔

مل کا اصل مالک بھی اس جہان فانی سے کوچ کر گیا تھا اور اس کا بیٹا نواب عالم اب مل کا مالک تھا۔ حیدر جب نواب عالم کے پاس نوکری کیلئے گیا تو اس نے سرتاپاؤں حیدر پر گہری نظر ڈالی۔ ”کچھ پڑھے لکھے بھی ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”جی نہیں۔“ حیدر نے مختصر سا جواب دیا۔

”ہوں..... جانتے ہو تمہارا باپ جوانی کے دور سے ہمارا ملازم رہا ہے۔“ نواب کے لہجے میں ایک غرور تھا۔ جس کی چوٹ حیدر کے دل پر لگی تھی۔

”جی جانتا ہوں۔“ حیدر بے بسی کے عالم میں بولا۔

”بس اپنے باپ کی طرح کام کرنا۔“ نواب نے کہا تو حیدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر چوکیدار کی نوکری شروع ہوگئی۔

”چھن..... چھن“..... ایک مرتبہ پھر پازیب کی آواز حیدر کے کانوں میں پڑی تو وہ بے چینی سے ارد گرد دیکھنے لگا..... ”یہ..... یہ آواز کیسی ہے؟“ وہ حیرانگی کے عالم میں بولا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی لڑکی پاؤں میں پازیب پہنے پیدل چلی جا رہی ہو حیدر بوجھل قدموں کے ساتھ آگے بڑھا۔ پازیب کی آواز مسلسل آ رہی تھی، پھر وہ آواز آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگی۔ حیدر دوبارہ اپنی جگہ پر واپس آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

سیاہ رات نے ہر طرف بسیرہ کیا ہوا تھا، چاند غائب تھا اور آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ حیدر نے جیب سے سگریٹ اور ماچس کی ڈبیا نکالی اور سگریٹ سلگا کر اس کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔

اچانک پھر ”چھن چھن“ کی تیز آواز حیدر کے کانوں میں پڑی۔ وہ چونکا اس دفعہ ایسا لگا جیسے لڑکی پیروں میں پازیب پہنے بھاگ رہی ہو۔ ”کک..... کون ہے؟“ حیدر چیخا ساتھ ہی پازیب کی آواز آنا یکدم بند ہوگئی۔ حیدر پر آہستہ آہستہ خوف نے اپنا بسیرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر پازیب کی آواز گونجی اور کچھ دیر بعد بند ہوگئی۔ پھر تو یہ سلسلہ شروع ہوگیا وقفے وقفے سے پازیبوں کی آواز آنے لگی..... ”یہ کیا چکر ہے؟“ حیدر پریشانی سے بڑبڑایا۔ اس نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا۔

اسی وقت دور اندھیرے میں دو تیز روشنیاں قریب آتی دیکھائی دیں۔ حیدر جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ سمجھ گیا اس کا عیاش مالک شراب کے نشہ میں کسی غیر عورت کے ساتھ فیکٹری کی طرف آ رہا تھا۔ نواب عالم ایک گھٹیا قسم کا عیاش شخص تھا۔ وہ شراب اور شباب دونوں کا شوقین تھا، ہر رات وہ نئی لڑکی فیکٹری میں لے کر آتا تھا اور ساری رات عیش کرتا تھا۔

گاڑی کے قریب آنے پر حیدر نے جلدی سے گیٹ کھولا اور نواب عالم گاڑی اندر لے آیا۔ حیدر نے دوبارہ گیٹ بند کر دیا۔ وہ گاڑی کے قریب آیا اور اس نے گاڑی کا ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا۔ نواب عالم شراب کے نشے میں چور، گاڑی سے باہر نکلا پھر حیدر تیزی سے گھوم کر گاڑی کے دوسری طرف آیا اور فرنٹ دروازہ کھول دیا۔ پرفیوم کی تیز خوشبو اس کی ناک سے ٹکرائی۔ ایک خوبصورت حسینہ گاڑی سے باہر نکلی۔ اور مسکراتے ہوئے ایک ادا سے بولی..... ”چلو جان۔“ نواب لڑکی کے کندھوں پر اپنی بانہیں رکھتے ہوئے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔ حیدر نے ایک نفرت انگیز نگاہ نواب پر ڈالی اور پھر تھوکتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

حیدر اپنی تلخ سوچوں میں گم تھا کہ ایک مرتبہ پھر ”چھن چھن“ کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس دفعہ ”چھن چھن“ کی آواز تیز تھی، جیسے کوئی لڑکی پاؤں میں پازیب پہنے بھاگ رہی ہو۔ حیدر پھر جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ ”کک..... کون ہے سامنے کیوں نہیں آتا۔“ حیدر غصے سے بولا..... ”دد..... دیکھو جو کوئی بھی ہے میرے سامنے آئے ورنہ میں فائر کر دوں گا۔“ لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ کافی دیر تک ادھر ادھر

دیکھنے کے بعد دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اچانک حیدر کی نظر صاف سڑک پر پڑی تو وہ حیرانگی سے سڑک کو گھورنے لگا۔ اس کے دل نے دھڑکنے کی رفتار مزید پکڑ لی۔ سڑک پر ایک سایہ سا نظر آ رہا تھا جو یقیناً کسی لڑکی کا تھا مگر وہ لڑکی کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

اچانک وہ سایہ حیدر کی طرف بڑھنے لگا۔ حیدر کو کچھ اور تو نہ سوجھا۔ اس نے آیت الکرسی کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ دوسرا لمحہ حیران کن تھا وہ سایہ اب سڑک پر کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ حیدر نے شکرانہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ اب اسے خوف بھی کم محسوس ہونے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس لڑکی نے تیز رفتار گاڑی کی پرواہ کئے بغیر سڑک پار کرنے کی کوششیں کی۔ گاڑی میں بیٹھا نوجوان گھبرا گیا اور اس نے تیزی سے ہارن پر ہاتھ مارا تو بھاگتی ہوئی لڑکی ہارن کی تیز آواز پر گھبرا کر سڑک کے عین درمیان کھڑی ہوگئی۔ اور نوجوان نے بدحواسی میں بریک پر پاؤں رکھ دیئے۔ گاڑی یکدم لڑکی کے قریب آ کر رکی۔ لڑکی کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور اس کے سر پر رکھا گھڑا سڑک پر گر پڑا اور چکنا چور ہوگیا۔ اگر گاڑی میں بیٹھا جوان بروقت بریک پر پاؤں نہ رکھتا تو یقیناً گاڑی اس لڑکی کو کچل ڈالتی۔ لڑکی کی نظر سڑک پر پڑے ٹوٹے گھڑے پر تھی۔ وہ لڑکی پریشان نظر آنے لگی۔

گاڑی میں سے دو لڑکے باہر نکلے..... ”بیوقوف لڑکی تمہیں نظر نہیں آتا..... اگ..... اگر میں بریک نہ لگاتا تو تمہارا تو قیمہ بن جاتا تھا اور میں نے مفت میں مصیبت میں پھنس جانا تھا۔“ وہ لڑکا غصے سے اس لڑکی پر برستے ہوئے بولا۔ مگر اس لڑکی کی ساری توجہ سڑک پر ٹوٹے ہوئے گھڑے پر تھی..... ”تم سن رہی ہو..... میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔“ لڑکا اس کے قریب جا کر جیسے چلایا، وہ لڑکی گھومی اس لڑکی کا چہرہ دیکھ کر اس نوجوان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ لڑکی رو رہی تھی..... ”ارے..... تم رو کیوں رہی ہو..... تمہیں تو کچھ بھی نہیں ہوا پھر کس لئے رو رہی ہو؟“ وہ لڑکا حیرانگی سے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”صاحب گھڑا ٹوٹ گیا۔“ وہ لڑکی بدستور روتے ہوئے بولی۔ ”بابا مارے گا۔“

حیرانگی کے باعث اس لڑکے کے منہ سے نکلا..... ”ایک پانی کا گھڑا ٹوٹنے پر تمہیں تمہارا بابا مارے گا۔“

”بہت مارے گا ہم غریب لوگوں کے پاس اتنے پیسے کہاں کہ ایک گھڑا خرید سکیں۔“ اتنا کہہ کر وہ لڑکی دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ارے..... تم یہ بار بار رونا کیوں شروع کر دیتی ہو؟..... گھبراؤ مت گھڑے کے پیسے میں تمہیں دے دیتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ لڑکا جیب سے اپنا پرس نکالنے لگا۔ ”کتنے کا ہے یہ گھڑا۔“

”پچاس روپے کا۔“ اس لڑکی نے آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا۔

”یہ لو سو روپے دو گھڑے خرید لینا۔“ اس لڑکے نے مسکراتے ہوئے سو روپے کا نوٹ اس لڑکی کی طرف بڑھایا۔

”میں بھلا یہ پیسے آپ سے کیسے لے سکتی ہوں۔“ اس لڑکی نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

”جب تمہارا نقصان میں نے کیا ہے تو ظاہری بات ہے مجھ پر فرض بنتا ہے کہ تمہارا نقصان پورا کروں۔“ اس لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا اور سو روپے کا نوٹ اس لڑکی کے خوبصورت ہاتھوں میں تھما دیا۔

”شکریہ صاحب۔“ لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جاؤ اب، نیا گھڑا خرید لینا۔“ لڑکی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھی اور پھر رک کر گھومی..... ”صاحب آپ کہاں رہتے ہو؟“

”کیوں؟“..... وہ لڑکا حیران ہوا۔

”بس ایسے ہی پوچھ لیا۔“ لڑکی معصومانہ لہجے میں بولی۔

وہ لڑکا ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ”خیر اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نام تو بتاتی جاؤ۔" لڑکے نے پوچھا۔

"کیوں صاحب؟" آپ بھلا میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ لڑکی حیران ہوئی۔

"آپ بھی اپنا نام بتادو صاحب۔" ہم خانہ بدوش ہیں شائد کہیں ٹکرا جائیں۔ "شہباز" لڑکے نے اپنا نام بتایا تو اس لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا اور جھاڑیوں میں داخل ہوگئی اور جاتے جاتے بولی۔ "میرا نام خوشبو ہے۔"

وہ دونوں لڑکے گاڑی میں بیٹھے، شہباز نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گیئر لگا کر آگے بڑھادی۔ "عجیب بیوقوف لڑکی تھی۔" دوسرے لڑکے نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"بیوقوف نہیں بڑی پیاری لڑکی تھی۔" شہباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ساجد سنا تھا کوئلے کی کان میں ہیرا ملتا ہے اور آج دیکھ بھی لیا۔"

"بس اب اس لڑکی کی خیر نہیں۔" ساجد نے ہنستے ہوئے کہا تو شہباز بھی بے اختیار مسکرادیا۔

☆.....☆.....☆

حیدر کی آنکھ کھلی تو وہ حیرانگی سے اردگرد دیکھنے لگا اسے کسی نے جگایا نہیں تھا، نہ وہ خود جاگا تھا بلکہ اچانک پانی کا قطرہ اس کے چہرے پر آگرا تو اسے جاگنے کی وجہ معلوم ہوگئی، چھت سے قطرہ قطرہ پانی اس کے چہرے پر گر رہا تھا وہ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھا، چادر سے اپنے گیلے چہرے کو صاف کیا شاید باہر بارش ہورہی تھی، اس نے کمرے کی دیوار پر لگے اکلوتے کلاک پر نظر ڈالی۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے وہ صبح چھ بجے کے قریب گھر آجاتا تھا اور پھر تقریباً دوپہر کے ایک بجے تک سوتا تھا مگر آج بارش کے پانی نے اس کی نیند خراب کردی تھی وہ اٹھ کر باہر آیا تو حیران رہ گیا باہر موسم بالکل صاف تھا اس کی چھوٹی بہن راشدہ چھوٹے سے صحن میں جھاڑو دے رہی تھی۔

"بھیا آج آپ اتنی جلدی اٹھ گئے۔" راشدہ حیرانگی سے دروازے کے پاس کھڑے حیدر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا آج بارش ہوئی ہے؟" حیدر نے راشدہ کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"بارش!! بھیا..... بارش ہوئے تو کئی دن ہوگئے ہیں۔" راشدہ نے کہا۔

"کیا؟"..... حیرت کے باعث حیدر کے منہ سے نکلا "تو پھر چھت سے پانی کیوں گر رہا ہے؟" حیدر پریشان کن لہجے میں بولا۔

"پانی گر رہا ہے۔" راشدہ نے حیرانگی سے الفاظ دہرائے۔ "لیکن بھیا چھت تو بالکل صاف ہے۔"

"ہوں..... میں دیکھتا ہوں۔" حیدر نے کہا اور ایک طرف دیوار کے ساتھ لگی لکڑی کی سیڑھی کی طرف بڑھا وہ چھت پر پہنچا تو واقعی اسے چھت پر کہیں بھی پانی نظر نہ آیا۔ "پھر مجھ پر پانی کہاں سے گر رہا تھا؟"

وہ نیچے اترا..... "کیا ہوا بھیا؟" راشدہ نے پوچھا۔

"اوپر تو کہیں بھی کسی جگہ پانی موجود نہیں ہے۔" حیدر سوچ میں گم لہجے میں بولا..... "بھیا آپ کا وہم ہوگا۔" راشدہ نے خدشہ ظاہر کیا۔ "نہیں پگلی تو بھی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ میں ایک بجے سے پہلے نہیں اٹھتا، لیکن ابھی تو صبح کے گیارہ بج رہے ہیں۔" حیدر نے راشدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا بھیا؟ کبھی کبھی انسان اپنے مقررہ وقت سے پہلے بھی تو جاگ جاتا ہے ناں۔" راشدہ نے ہنستے ہوئے کہا تو حیدر بھی بے اختیار مسکرادیا

"اچھا بھیا اگر غلطی سے آج جاگ ہی گئے ہیں تو بازار سے سبزی لادیں۔"

"کیوں..... اماں کہاں ہے؟" حیدر حیران ہوا..... "وہ آپا خیرا کا شوہر رات دل کا دورہ پڑنے سے مرگیا ہے ان کے گھر تعزیت کیلئے گئی ہوئی ہیں۔" راشدہ نے بتایا۔

تھوڑی دیر بعد فریش ہونے کے بعد حیدر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر اپنے گھر کے سامنے کھڑی ایک

برقعہ پوش عورت پر پڑی جو اس کے گھر کی طرف منہ کیئے کھڑی تھی حیدر اس برقع پوش عورت کو دیکھ کر چونکا، کچھ دیر اس عورت کو گھورنے کے بعد وہ بازار جانے والے راستے کی طرف بڑھا، نجانے کیوں تھوڑی دیر بعد حیدر کو احساس ہوا کہ وہ برقع پوش عورت اسی کے پیچھے آرہی ہے، اپنا شک دور کرنے کے لئے وہ تیزی سے گھوما، وہ برقع پوش عورت اب ایک کریانے والی دکان کے پاس کھڑی تھی..... "یہ عورت کون ہے؟" حیدر بڑبڑایا وہ دوبارہ گھوما اور پھر چلنے لگا۔

اچانک حیدر کے دل نے تیزی سے دھڑکنا شروع کردیا..... "چھن چھن" بازار کے تیز ہنگامے میں بھی حیدر کے کانوں میں یہ جانی پہچانی آواز پڑی تو وہ تیزی سے گھوما ساتھ ہی "چھن چھن" کی آواز آنا بند ہوگئی۔ وہ برقع پوش عورت اب حیدر سے تھوڑی دور ایک پھلوں کی ریڑھی کے پاس کھڑی تھی، اس عورت کی آنکھوں کا دائرہ حیدر پر ہی ٹکا ہوا تھا۔ "کون ہے یہ عورت؟" حیدر غصے سے بڑبڑایا۔

اب بھرے بازار میں تو وہ عورت سے گفتگو نہیں کرسکتا تھا۔ حیدر گھوما اور دوبارہ چلنے لگا پھر دوبارہ "چھن چھن" کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"یہ آواز تو میں نے رات کو سنی تھی۔" حیدر خود سے ہمکلام ہوا، پھر اس نے سبزی خریدی اور گھر کی طرف واپس مڑا، اب اس کی نظریں اس برقع پوش عورت کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر اب وہ عورت کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

حیدر گھر پہنچا تو اس نے سبزی راشدہ کو پکڑائی اور خود کمرے میں آکر بیٹھ گیا، وہ اب اس برقع پوش عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ "اگر یہ عورت رات کو بھی کہیں مل کے پاس موجود تھی تو پھر مجھے نظر کیوں نہیں آرہی تھی۔" حیدر نے سوچا.....

"چھن..... چھن" ایک مرتبہ پھر وہی مانوس آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ چونکا اور سوچوں کے سمندر سے باہر آکر حیرانگی سے اردگرد دیکھنے لگا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں کوئی ہے۔ "کک..... کک..... کون ہے؟" گھبراہٹ کے باعث حیدر کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے اسی وقت ایک لڑکی کی ہنسی کی آواز حیدر کے کانوں میں پڑی، اب تو خوف کے مارے حیدر کا برا حال ہوگیا اس کی پیشانی پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے نمودار ہوگئے۔ حیدر نے اپنی پیشانی صاف کی اور کمرے سے باہر آیا تو اس نے دیکھا راشدہ باہر صحن میں ٹہل رہی تھی۔ "اچھا تو وہ تو تھی۔" حیدر نے لفظ اچھا کو لمبا کرتے ہوئے کہا..... "میں خواہ مخواہ ڈر گیا۔ راشدہ کی بچی تو باز نہیں آئے گی۔ اور یہ کیا تو پازیب کب سے پہننے لگی؟"

راشدہ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "بھیا کیا آپ کا ہاتھ کسی چیز میں آگیا ہے؟ یا کوئی ہاتھ میں خنجر لئے آپ کا پیچھا کررہا ہے جو ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کرڈالے۔" راشدہ ہنستے ہوئے بولی۔

"یہ بتا کہ تو نے پازیب کب سے پہننا شروع کردیا۔" حیدر نے راشدہ کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"بھیا لگتا ہے آج آپ کا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے جو صبح سے عجیب وغریب باتیں کررہے ہیں۔" راشدہ نے حیدر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟..... تو کہنا کیا چاہتی ہے۔" حیدر نے غصے سے راشدہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو اور کیا صبح اٹھتے ہی بارش کردی پھر یہ کہہ دیا کہ چھت سے پانی گر رہا ہے۔ بھیا اگر آپ پر چھت کا پانی گرتا تو یقیناً آپ کا بستر ضرور گیلا ہوتا مگر وہ تو بالکل خشک تھا اور اب..... اب تو آپ نے حد ہی کردی کہ میں نے پازیب پہن رکھی ہے۔ تو بھیا اطلاعاً عرض ہے کہ مجھے پازیب پہننے کا قطعی شوق نہیں اور اگر ہوتا بھی تو پازیبوں کیلئے آپ کو ہی کہتی میرے لئے ہر چیز آپ ہی تو لاتے ہیں۔" راشدہ کا لہجہ اس دفعہ بھی مذاق اڑانے والا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا راشدہ میں نے ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی کمرے میں پازیبوں کی آواز سنی تھی۔'' حیدر کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

''دراصل بھیا آج آپ وقت سے پہلے اٹھ گئے ناں تو نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو ایسے عجیب عجیب خیالات آرہے ہیں۔'' راشدہ نے ہنستے ہوئے کہا تو حیدر بے بسی سے اس کا منہ تکنے لگا۔

☆.....☆.....☆

شہباز نے جلدی سے بریک پر پاؤں رکھے اور گاڑی ہچکولے کھاتے ہوئے رک گئی، اس نے بائیں طرف کا شیشہ ڈاؤن کیا سامنے سڑک سے تھوڑی دور دس پندرہ بکریاں گھاس چر رہی تھیں۔ اور ان سے تھوڑی دور خوشبو ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنا چہرہ رکھے سوچوں میں گم تھی۔ شہباز مسکرایا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اس نے گاڑی لاک کی اور گھوم کر خوشبو کے قریب چلا گیا خوشبو سوچ کے سمندر میں اتنی غرق تھی کہ اسے حیدر کے قدموں کی چاپ سنائی نہیں دی۔ ''خوشبو کن سوچوں میں گم ہو؟'' شہباز خوشبو کے پاس ہری ہری گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''آں.....ارے صاحب آپ'' خوشبو پہلے چونکی اور پھر خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''یہ بتاؤ کہ کن سوچوں میں گم تھی جو تمہیں میرے آنے کا پتہ بھی نہ چلا۔'' شہباز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں صاحب! میں بس ویسے ہی.....آپ بتایئے آپ یہاں کیسے؟'' خوشبو نے پوچھا۔

تمہارے خیالوں میں ادھر نکل آیا۔ شہباز بولا۔

''صاحب کیا آپ سچ بول رہے ہیں۔'' خوشبو بولی۔

''یہ کیا تم ہر وقت مجھے صاحب صاحب کہتی رہتی ہو میرا نام صاحب نہیں بلکہ شہباز ہے۔'' شہباز مصنوعی غصے کے ساتھ بولا۔ ''لیکن صاحب میں آپ کا نام کیسے لے سکتی ہوں؟'' خوشبو نے شرماتے ہوئے کہا۔

''بالکل ایسے جیسے صاحب کہتی ہو۔ ویسے جیسی تمہاری مرضی'' شہباز بولا۔ ''خیر یہ بتاؤ کہ تم پریشان کیوں ہو؟ اور اگر تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو تو اپنا مدعا بیان کرو، نہیں بتاؤ گی تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔''

''میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' خوشبو نے آخر ہار مانتے ہوئے کہا۔

''ہاں بولو.....کیا بات ہے؟'' شہباز کا لہجہ کافی سنجیدہ تھا۔

''وہ دراصل صاحب صبح میرے بابا کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ اسپتال لے گئے تو ڈاکٹر نے کہا دل کا دورہ پڑا ہے ڈاکٹر اب دس ہزار روپے مانگ رہا ہے اسی وجہ سے پریشان ہوں میں۔'' خوشبو نے اپنی پریشانی بتائی۔''

''بس.....اتنی سی بات.....پاگل اتنی سی بات کیلئے تم پریشان تھی۔'' اتنا کہہ کر شہباز نے پینٹ کی جیب سے اپنا پرس نکالا اور اس میں سے پانچ ہزار کے نوٹ گن کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ پانچ ہزار ہیں تم شام کو آجانا۔ پانچ ہزار میں اس وقت دے دوں گا، اس وقت پانچ ہزار ہی تھے میرے پاس۔''

''لل.....لیکن صاحب یہ میں کیسے لے سکتی ہوں؟'' خوشبو ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''ہکلو کی بچی میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے.....'' شہباز نے کہا تو خوشبو نے مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا کر پانچ ہزار روپے پکڑ لئے۔

☆.....☆.....☆

''سس.....سنیئے'' حیدر اس زنانہ آواز پر ٹھٹک کر رکا اور پھر حیرانگی سے گھوما، وہی برقع پوش عورت کھڑی تھی جو صبح اسے بازار میں دکھائی دی تھی اور پھر اچانک غائب ہوگئی تھی.....''جج.....جی''.....بے اختیار حیدر کے منہ سے نکلا۔

''کیا آپ راشدہ کے بھائی ہیں؟'' نقاب کی قید سے آزاد آنکھیں حیدر پر ٹکی ہوئی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں....." حیدر نے جواب دیا۔

"تبھی میں آپ سے کہہ رہی تھی کہ آپ کی شکل راشدہ سے بہت ملتی ہے۔" وہ لڑکی مسکرائی۔

"آپ راشدہ کو جانتی ہیں؟" حیدر نے لڑکی سے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل۔" لڑکی تیز لہجے میں بولی۔

"آپ کی سہیلی ہے وہ؟" حیدر نے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا حیدر کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ لڑکی کی آنکھوں کے ذریعے کسی گہرائی میں گرتا جارہا ہو اس نے تیزی سے گردن کو جھٹکا۔ "یہ..... یہ آپ کی آنکھوں میں کیا جادو ہے؟" حیدر نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"جادو کیا ہوتا ہے، اور میں کیا آپ کو جادو گرنی لگتی ہوں۔" وہ لڑکی ہنس پڑی۔

"آپ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش ہے۔" حیدر جواباً مسکرایا۔

"یہ بات تو میری ساری سہیلیاں کہتی ہیں۔" وہ لڑکی فخریہ لہجے میں بولی۔

"لیکن مجھ سے تو آپ کی طرف دیکھا بھی نہیں جارہا اور اس وقت صرف آپ کی آنکھیں نقاب کی قید سے آزاد ہیں۔" حیدر نے کہا۔

"تو اس میں کیا ہے؟ میں اپنا چہرہ بھی آزاد کردیتی ہوں۔" اتنا کہہ کر اس لڑکی نے اپنے چہرے کو نقاب کی قید سے آزاد کردیا۔ حیدر کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ دل کی دھڑکنوں کی رفتار مزید تیز ہوگئی، اتنی خوبصورت لڑکی حیدر نے زندگی میں نہیں دیکھی تھی.....

آپ..... کک..... کہیں پری تو نہیں..... حور تو نہیں۔" حیرت کے عالم میں حیدر کے منہ سے کئی تعریفی الفاظ نکلے تو لڑکی زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"نہیں بھئی میں انسان ہی ٹھیک ہوں۔" وہ لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔

"لل..... لیکن انسان اتنا خوبصورت بھی ہوسکتا ہے کیا؟" حیدر نے بظاہر پوچھا۔

"تم ظاہری خوبصورت ہونے کے ساتھ باطنی خوبصورت بھی ہو۔ جہاں تک میرا دوسرا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری خوبصورتی تم میں ڈال دی ہے۔" حیدر شاعرانہ لہجے میں بولا۔

"بس کریں جناب اتنی زیادہ تعریف نہ کریں اگر مجھے کچھ ہوگیا تو میں آپ کو ذمہ دار ٹھہراؤں گی۔" لڑکی بدستور ہنستے ہوئے بولی تو حیدر بھی ہنس پڑا۔

"تم میری بہن کو کیسے جانتی ہو؟" تھوڑی دیر بعد حیدر نے پوچھا۔

"بچپن میں وہ میری کلاس میں پڑھتی تھی پھر پانچویں کے بعد وہ اسکول سے فارغ ہوگئی، ویسے ہم دونوں کے بیچ کبھی بات چیت نہیں ہوئی لیکن اتنے سالوں کے بعد بھی تمہاری شکل دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ تم راشدہ کے بھائی ہو، تمہاری شکل ہو بہو اس کے جیسی ہے۔" لڑکی نے بتایا۔

"لیکن تم رات کے اس پہر یہاں کیا کررہی ہو؟"

اب کی بار حیدر کے لہجے میں حیرانگی شامل تھی۔

"وہ..... وہ میرا گھر پاس ہی ہے، میں اکثر یہاں آتی رہتی ہوں رات کے وقت..... کیونکہ مجھے ایک بیماری ہے۔" لڑکی نے کہا ساتھ میں وہ مسکرائی بھی تھی۔

"بیماری..... کیسی بیماری؟" حیدر حیران ہوا۔

مجھے رات کو نیند نہیں آتی اس لئے میں یہاں آجاتی ہوں....." لڑکی نے مسکراتے ہوئے عجیب وجہ بتائی۔

"لیکن رات کے وقت ایک نوجوان لڑکی کا سنسان جگہ پر ٹہلنا بہت خطرناک ہے اور وہ بھی اتنی خوبصورت لڑکی کا۔" حیدر نے لڑکی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اب جب نیند نہ آئے تو انسان کیا کرے؟" لڑکی نے حیدر سے جواب چاہا۔

"گھر کے صحن میں بھی تو ٹہلا جاسکتا ہے۔" حیدر نے مشورہ دیا۔ "لیکن میرا پورا گھر ایک کمرہ پر

مشتمل ہے۔" لڑکی یہ کہتے ہوئے ہنس پڑی۔

"کیا مطلب؟..... کوئی اور نہیں تمہارا اپنا۔" حیدر حیران ہوا۔

"نہیں۔" یہ کہتے ہوئے لڑکی کی آواز بھر آئی۔ "ماں باپ مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ گئے۔"

"اوہ۔" دکھ کے باعث حیدر کے منہ سے نکلا اسے یہ سن کر کافی دکھ ہوا۔ "تو..... تو پھر تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے۔"

"سلائی کا کام کرتی ہوں، جس سے اتنی آمدنی ہوجاتی ہے کہ ایک اکیلی جان کیلئے دو وقت کا کھانا بن سکے۔" لڑکی نے کہا۔

"بہت دکھ ہوا یہ سن کر۔" حیدر دل سے بولا۔

"آپ پریشان نہ ہوں مجھے اب ان دکھوں کی عادت سی ہوگئی ہے اب تو ان دکھوں نے بھی میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔" وہ لڑکی کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب۔" حیدر نے ماتھے پر شکنیں ڈالیں۔

"نہیں کچھ نہیں..... چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ کہ راشدہ کی شادی ہوگئی؟" لڑکی نے موضوع بدلا۔

"کمال کی بات ہے ہم دونوں اتنی دیر سے ایک دوسرے سے گفتگو کررہے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کا نام بھی نہیں معلوم۔" حیدر نے پیشانی پر ہاتھ مارا تو وہ لڑکی ہنس پڑی۔

"میرا نام ماریہ ہے۔" لڑکی نے اپنا نام بتایا۔ "اور میرا نام حیدر۔" حیدر نے اپنا نام بتایا..... "راشدہ کی شادی ابھی نہیں ہوئی۔"

"ویسے تمہاری بہن ہے کافی خوبصورت۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میرے بارے میں کیا خیال ہے؟" یہ الفاظ حیدر کے منہ سے بے اختیار نکل گئے تھے۔

"تم تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہو۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو حیدر دھیرے سے مسکرادیا۔

غصہ

☆ خاموشی غصہ کا بہترین علاج ہے۔

☆ غصہ دیوانگی ہے اور اس پر قابو رکھو۔ ورنہ یہ تم پر قبضہ کرلے گا۔

☆ غصہ دامن میں پوشیدہ ایک ننھی چنگاری کے مانند ہے جو کسی بھی وقت کم عقلی کی ہوا سے سارے وجود کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو دنیا کے لئے غصہ مت کرو۔

☆ بہتر شخص وہ ہے جو دیر میں خفا ہو۔ اور جلد راضی ہوجائے اور بدتر شخص وہ ہے جو جلد غصہ میں آجائے اور دیر میں راضی ہو۔

(شمائلہ کرن۔ موہڑہ ٹکال)

"ماریہ اب فیکٹری کی طرف چلتے ہیں۔" حیدر توقف کے بعد بولا۔

"ہاں چلو۔" ماریہ جواباً مسکرائی حیدر فیکٹری کی طرف بڑھا۔ ماریہ اس کے ساتھ چلی تو حیدر کے کانوں میں وہی جانی پہچانی آواز پڑی۔ "چھن چھن۔"

"ارے۔" حیدر یکدم رکا اور پھر حیرانگی سے ماریہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ چھن چھن کی آواز؟"

"پازیب میں نے پہن رکھی ہے....." یہ دیکھو..... اتنا کہہ کر ماریہ نے دونوں پیر حیدر کو دکھائے۔ ماریہ کے دونوں پیروں میں سفید رنگ کی پازیبیں موجود تھیں..... "تو یہ تم تھی؟" حیدر نے کہا تو ماریہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہاں..... بالکل میں ہی تمہیں روزانہ تنگ کرتی تھی۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیا؟" ماریہ نے پوچھا۔

"لیکن تم تو مجھے کہیں بھی نظر نہیں آتی تھی۔" حیدر کے لہجے میں اس دفعہ بھی الجھن شامل تھی۔

"وہ..... دراصل میں چھپ کر پاؤں زمین پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارتی تھی..... دراصل تنگ کرنے کی عادت میری بچپن کی ہے میں اپنے ماں باپ کو بھی بہت ستاتی تھی۔'' ماریہ ہنستے ہوئے بولی..... ''تب تو تم بہت شریر لڑکی ہو.....'' حیدر نے مصنوعی غصے سے کہا تو ماریہ ایک زور دار قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

وہ دونوں اب فیکٹری کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حیدر نے دیکھا فیکٹری کا دوسرا چوکیدار جو دن میں ڈیوٹی کرتا تھا فیکٹری کے باہر بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا، قدموں کی آہٹ پر وہ چونکا اور پھر تیزی سے حیدر کی طرف بڑھا۔ ''بیوقوف کہاں چلے گئے تھے تم؟'' چوکیدار جس کا نام احمد تھا غصے سے بولا۔

''کیوں..... کیا ہوا؟'' حیدر نے حیرانگی سے پوچھا۔

''یہ پوچھو کہ کیا نہیں ہوا نواب عالم گیٹ کے پاس آ کر کافی دیر ہارن دیتا رہا اور پھر میں اپنے کمرے سے اٹھ کر آیا تو غصے سے مجھ پر برس پڑا اور تمہارا پوچھنے لگا مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ تم کہاں گئے ہو؟ اس لئے مجھے یہیں کھڑا کر کے چلا گیا ہے اور کہا کہ ''جب تم واپس آؤ تو اس کے پاس پہنچو۔'' احمد نے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ دی۔

''وہ..... وہ میں۔'' ابھی حیدر نے اتنا ہی کہا تھا کہ احمد نے اسے ٹوکا۔

''میں..... میں۔ بعد میں کرنا پہلے نواب کے پاس جاؤ نہیں تو بعد میں وہ مجھ پر برس پڑے گا۔''

''میں نے تو۔'' ابھی حیدر نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ حیرانگی سے اردگرد دیکھنے لگا۔ ''یہ..... یہ ماریہ کہاں گئی؟''

''کون ماریہ؟'' اور اب کی بار احمد کے لہجے میں حیرت شامل تھی۔

''وہ..... وہ'' احمد نے حیدر کو پوری بات کہنے ہی نہ دی۔

''بکتا ہے تیری مت ماری گئی..... جا جلدی چلا جا ورنہ نواب کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگے گا۔''

حیدر نے پریشان نگاہوں سے احمد کی طرف دیکھا اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھا..... پھر وہ نواب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا ایک کمرے میں غصے کے عالم میں ٹہل رہا تھا اور روزانہ کی طرح ایک نئی لڑکی بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ جس نے نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر نواب حیدر کی طرف متوجہ ہوا اور پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ حیدر کی طرف بڑھا حسب معمول نواب نے آج بھی شراب پی رکھی تھی۔ کہاں دفع ہو گئے تھے بیچ انسان؟'' نواب حیدر پر برستے ہوئے بولا۔

''وہ..... وہ نواب صاحب دراصل مجھے لگا کہ کوئی مشکوک آدمی اس طرف گھوم رہا ہے، اسے دیکھنے کیلئے گیا تھا۔'' حیدر نے جھوٹی کہانی سنائی۔

''بکواس کرتا ہے..... ذلیل انسان تو یقیناً روزانہ رات میں اپنے گھر چلا جاتا ہے، بہانے بنا رہا ہے۔ نواب کا پارہ عروج پر تھا۔

''نواب صاحب الزام مت لگایئے..... میں نے کبھی بھی ڈیوٹی کے وقت گھر جانے کی نہیں سوچی۔'' حیدر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''میرے آگے زبان ہلاتا ہے گھٹیا انسان۔'' ابھی نواب نے اتنا ہی کہا تھا کہ حیدر نے غصے سے اسے ٹوکا۔ ''بس نواب صاحب بس..... میں یہاں نوکری کرتا ہوں، ۔۔۔۔ غلام نہیں، بہت بے عزتی کر لی آپ نے میری۔''

''نکل جا یہاں سے ورنہ تجھے گولی مار دوں گا۔'' نواب سیخ پا ہو کر بولا۔

''ٹھیک ہے میں جاتا ہوں نواب صاحب مجھے بھی آپ کی نوکری نہیں چاہئے۔'' حیدر نے غصے سے کہا اور نواب کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ نواب اسے گالیاں دیتا رہا۔ باہر آ کر حیدر رائفل اور گولیوں کا بیگ ایک طرف پھینکا اور فیکٹری سے باہر نکل آیا حیدر کے دماغ میں انگارے دہک رہے تھے، اسے نواب پر کافی

غصہ تھا اگر ماں اور بہن کا خیال ذہن میں نہ ہوتا تو شاید وہ نواب کو گولی مار دیتا۔

حیدر غصے سے پھنکارتا ہوا گھر آ گیا۔ اور اپنے کمرے میں جا کر چارپائی پر پڑ گیا۔ صبح کے وقت ساری بات اس نے بہن اور ماں کو بتا دی۔ ''بھیا آپ کو ایک دفعہ فیکٹری جانا چاہئے۔'' راشدہ نے حیدر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں راشدہ میں اب اس گھمنڈی شخص کے ہاں نوکری نہیں کروں گا۔'' حیدر نے غصے سے کہا۔

''لیکن بھیا غریب آدمی کیلئے اتنی ضد اچھی نہیں..... آپ اس نوکری کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں آپ تو بالکل ان پڑھ ہیں۔'' ماں نے بھی راشدہ کی بات کی تائید کی۔

''لیکن اللہ تو وہی ہے ناں، وہ تو زمانے کے حساب سے نہیں بدلتا۔'' حیدر نے ماں کو لاجواب کر دیا۔

''ماں انسان کو رزق اللہ دیتا ہے انسان نہیں وہ کسی کو یہ دیکھ کر رزق نہیں دیتا کہ فلاں بندہ پڑھا لکھا فلاں ان پڑھ یا فلاں غریب ہے..... ماں وہ ذات ہر بندے کو اس کی حیثیت کے مطابق رزق دیتی ہے انسانوں میں ضرور ذات، طبقے ہیں کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا ہے کوئی امیر ہے، کوئی غریب ہے، کوئی گورا ہے، کوئی کالا ہے لیکن اللہ کی نظر میں سب برابر ہیں اللہ تعالیٰ تو اتنا غفور و رحیم ہے کہ غیر مذہبوں کو بھی رزق دیتا ہے کیڑے مکوڑوں کو بھی رزق دیتا ہے..... اللہ بڑا بادشاہ ہے ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو وہ کئی دروازے کھولتا ہے اس کی رحمت سے کبھی بھی ناامید نہیں ہونا چاہئے اس نے میرے لئے بھی ضرور کچھ نہ کچھ سوچ رکھا ہوگا۔''

''ماشاء اللہ بھیا آپ تو بڑی اچھی تقریر کر لیتے ہیں.....'' راشدہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''باتیں نہیں راشدہ اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔''

دوپہر کے وقت احمد آیا اور بولا۔ ''تجھے نواب نے بلایا ہے۔''

''نہیں احمد اب میں اس ذلیل انسان کے پاس نوکری نہیں کروں گا''..... حیدر پختہ لہجے میں بولا۔

''واقعی اس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے خیر ایک نوکری ہے، تنخواہ بھی اچھی ہے اور سیٹھ خود بھی اچھا ہے تجھے رہنے کے لئے ایک کوارٹر بھی دے گا۔'' احمد نے حیدر کو خوشخبری سنائی۔

''کرنا کیا ہوگا مجھے؟'' حیدر نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

''وہی جو نواب عالم کی فیکٹری میں کرتا تھا..... نائٹ چوکیدار۔'' احمد نے بتایا۔

''تو ٹھیک ہے میں یہ نوکری کرنے کیلئے تیار ہوں۔'' حیدر تیز لہجے میں بولا۔

''تو ٹھیک ہے جب میری شفٹ ختم ہوگی، شام کو چلیں گے، آج کی رات تیری جگہ مجھے ہی ڈیوٹی کرنا ہوگی شاید مجھے نواب دو تین گھنٹے کی چھٹی دیدے نہیں تو کل چلیں گے۔'' احمد نے کہا تو حیدر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمد کو فارغ کرنے کے بعد حیدر گھر میں داخل ہوا تو اس کی ماں نے بے چینی کے عالم میں پوچھا۔ ''کون تھا باہر بیٹا؟''

''احمد تھا ماں۔'' حیدر نے بتایا۔

''تو کیا نواب نے تمہیں واپس بلا لیا۔'' حیدر کی ماں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' لیکن میں نے انکار کر دیا۔ حیدر نے بتایا۔

''کیوں؟'' حیرانگی کے باعث حیدر کی ماں کے منہ سے نکلا۔ ''میں نے کہہ دیا ناں ماں میں وہاں نوکری نہیں کروں گا۔'' حیدر نے کہا۔

''تو پھر کیا کرو گے؟'' حیدر کی ماں بے زار لہجے میں بولی۔

''ماں میں نے کہا تھا نہ کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے احمد نے مجھے ایک ملازمت کے بارے میں بتایا ہے تنخواہ بھی زیادہ ہے اور مالک بھی اچھا ہے۔'' حیدر خوشی سے چہکتے ہوئے بولا۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' حیدر کی ماں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکرانہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شام کو احمد آیا تو وہ دونوں اس سیٹھ سے ملے وہ اچھا آدمی تھا اور اس نے کل سے ہی نوکری پر آنے کیلئے کہہ دیا۔ حیدر نے احمد کا شکریہ ادا کیا اور گھر آ گیا ماں بہن کو یہ خوشخبری سنائی وہ بھی بہت خوش ہوئیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہ چارپائی پر آ کر لیٹ گیا۔ اب ماریہ نے اس کے خیالوں پر بسیرہ کرلیا تھا۔ حیدر اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا مگر اسے اس کے گھر کے بارے میں بالکل بھی معلوم نہیں تھا وہ بار بار کروٹیں بدل رہا تھا۔ ''میرے خیال میں مجھے فیکٹری کے قریب جانا چاہئے وہ یقیناً آج بھی وہیں کہیں گھوم رہی ہوگی.....'' حیدر نے سوچا وہ اٹھ کر بیٹھا اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ماریہ یقیناً وہیں کہیں ہوگی اس نے چپل پہنی اور کمرے سے باہر نکل آیا وہ دروازے کے قریب پہنچا تو دروازے پر زور دار انداز میں دستک ہوئی حیدر چونکا..... ''کک..... کون ہے؟'' حیدر نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''حیدر جلدی سے دروازہ کھولو میں ماریہ کی سہیلی فاخرہ ہوں۔'' ایک تیز زنانہ آواز حیدر کے کانوں میں پڑی حیدر نے جلدی سے دروازہ کھولا سامنے ایک درمیانی شکل کی لڑکی کھڑی تھی..... ''جج..... جلدی چلو ورنہ تمہاری ماریہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔'' وہ لڑکی ہکلاتے ہوئے پریشان کن لہجے میں بولی۔

''کک..... کیا ہوا؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔'' حیدر نے پریشانی سے پوچھا۔ ''وہ..... وہ نواب عالم اسے اٹھا کر لے گیا ہے۔''!!!..... فاخرہ نے عجیب بات بتائی۔

''کک..... کیا.....؟'' حیدر چلایا اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ''میں اس کمینے کا خون پی جاؤں گا۔''

وہ دوبارہ گھر میں آیا اور ایک طرف پڑی کلہاڑی اٹھا کر باہر نکل آیا۔ ''جج..... جلدی چلو حیدر ورنہ وہ کمینہ ماریہ کو بے آبرو کردے گا۔'' فاخرہ بھرائی ہوئی آواز سے تیز لہجے میں بولی۔

حیدر تیزی سے فیکٹری کی طرف جانے والے راستے کی طرف بھاگا اس کے گھر سے فیکٹری زیادہ دور نہیں تھی، حیدر کے دماغ میں انگارے دہک رہے تھے آج وہ نواب عالم کو ختم کرنے کے ارادے سے باہر نکلا تھا، وہ گیٹ کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی نہیں تھا حیدر چھوٹا گیٹ کھول کر تیزی سے فیکٹری میں داخل ہوا اور تیزی سے نواب کے کمرے کی طرف بڑھا، قریب پہنچنے پر حیدر نے ایک زوردار لات دروازے پر ماری دروازہ ایک جھٹکے سے اندر کی جانب کھل گیا۔ حیدر اندر داخل ہوا، اس نے دیکھا نواب برہنہ حالت میں ماریہ پر جھکا ہوا تھا اور ماریہ اپنے بچاؤ کے لئے چیخ رہی تھی، وہ بھی برہنہ حالت میں تھی۔

''کمینہ..... ذلیل'' حیدر چلایا تو نواب عالم نے حیرانگی سے غصے کے عالم میں اپنی طرف بڑھتے حیدر کی طرف دیکھا حیدر نے زوردار انداز میں کلہاڑی نواب کے سر پر دے ماری۔ تیز دھار کلہاڑی نے نواب عالم کے سر کے دو ٹکڑے کردیئے، نواب عالم کو چیخنے کا موقع بھی نہ ملا۔ ہاں ایک زنانہ چیخ ضرور حیدر کے کانوں میں پڑی جو بستر پر پڑی ماریہ کی تھی، حیدر نے ماریہ کی طرف دیکھا تو اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا بستر پر ماریہ کی بجائے کوئی اور لڑکی موجود تھی!!!

''دد..... دیکھو..... مم..... مجھے مت مارنا۔'' وہ لڑکی ہاتھ جوڑتے ہوئے منت آمیز لہجے میں بولی۔

''مم..... ماریہ کہاں ہے؟'' حیرت کے باعث حیدر کے منہ سے خود بخود نکلا۔

''کک..... تک..... کون ماریہ؟'' لڑکی نے پوچھا اس نے جلدی جلدی کپڑے پہن لئے تھے۔

''وہی جس کی عزت یہ نواب کمینہ لوٹنا چاہتا تھا۔'' حیدر نے زمین پر پڑی نواب کی لاش کو گھورتے ہوئے کہا۔

''یہاں تو صرف میں تھی اور اس کے ساتھ میں اپنی مرضی سے آئی تھی کیونکہ میرا پیشہ یہی ہے۔'' لڑکی نے حیرانگی کے عالم میں کہا۔ حیدر نے کوئی جواب نہ دیا

اور نواب کی لاش کو گھورتا رہا وہ لڑکی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ حیدر نے اس لڑکی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔

''جلدی چلو حیدر یہاں سے۔'' اچانک فاخرہ اندر داخل ہوتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

''مم..... ماریہ کہاں ہے؟'' حیدر نے پوچھا۔

''تم یہاں سے چلو تو سہی پھر میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں.....'' فاخرہ نے حیدر کا بازو پکڑ کر اسے باہر کی طرف کھینچا تو حیدر کو فاخرہ کا ہاتھ برف کی طرف ٹھنڈا محسوس ہوا۔

''پہلے مجھے بتاؤ..... ماریہ کہاں ہے؟'' حیدر غصے سے چلایا۔

''وہ..... وہ باہر ہے۔'' فاخرہ نے کہا۔

''کیا.....؟'' حیدر ایک مرتبہ پھر چلایا..... ''تم نے جھوٹ بول کر مجھ سے نواب عالم کا خون کروادیا۔''

''نہیں..... تم نے نواب عالم کا خون کر کے اپنا انتقام لیا ہے!!!! اس لڑکی نے عجیب بات کہی۔''

''انتقام..... کیسا انتقام؟'' حیدر نے فاخرہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''ہاں انتقام..... کیونکہ نواب عالم نے تمہارے باپ کا خون کیا تھا۔''!!!! اس لڑکی نے بظاہر حیدر پر بم پھینکا۔

''کیا''!!! حیدر پھر چلانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

''ہاں اس ظالم انسان نے تمہارے باپ کا خون کیا تھا۔'' اس لڑکی نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن وہ تو''..... ابھی حیدر کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ فاخرہ نے اسے ٹوکا..... ''ہاں تمہارے خیال اور دنیا کے حساب سے تو وہ طبعی موت مرے تھے لیکن یہ اس حرامزادے کا کام تھا..... اب میرے ساتھ چلو ورنہ تم اس کے قتل کے الزام میں پھنس جاؤ گے۔''

حیدر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا، وہ دونوں فیکٹری سے باہر نکل آئے کافی دور چلنے کے بعد حیدر رکا..... ''ہاں اب تم مجھے بتاؤ اصل معاملہ کیا ہے؟ اور ماریہ کہاں ہے؟ حیدر نے پوچھا۔

''ماریہ..... میں ہی تو ماریہ ہوں۔'' فاخرہ نے کہا، ساتھ ہی حیدر نے ایک عجیب منظر دیکھا فاخرہ کے چہرے کے خدوخال بدلنا شروع ہوگئے، اب وہاں ماریہ کھڑی تھی۔

''یہ..... یہ کیا..... یہ تم ماریہ کیسے بن گئی؟'' حیدر گھبراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''میں ہی ماریہ ہوں حیدر..... دراصل میں زندہ نہیں ہوں۔'' ماریہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب؟'' حیدر دھڑکتے دل کے ساتھ بولا۔

''حیدر میں ایک روح ہوں۔''!!! ماریہ نے ایک خوفناک بات بتائی۔

''روح'' حیدر خوف کے باعث ہکلایا۔

''ہاں روح اور میرا نام ماریہ نہیں بلکہ خوشبو ہے۔'' اس دفعہ ماریہ نے حیرت انگیز انکشاف کیا۔ ''میں تمہیں شروع سے ساری بات بتاتی ہوں..... میرا نام خوشبو ہے اور میں ایک خانہ بدوش تھی، یہاں قریب ہی میری بستی ہے ایک دفعہ میری ملاقات اس نیچ نواب سے ہوئی، میں اس دن ندی سے پانی کا گھڑا بھر کر لا رہی تھی میں اچانک اس کی گاڑی کے سامنے آ گئی بد حواسی میں میرا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا اس نے مجھے گھڑے کے پیسے دے دیئے اور اپنا نام شہباز بتایا۔ کچھ دنوں کے بعد میرے بابا کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی، ڈاکٹر نے دس ہزار روپیہ مانگ لیئے اتنی رقم تو میں نے حقیقت میں بھی نہیں دیکھی تھی دوسرے دن یہ کمینہ مجھے دوبارہ ملا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر اس سے کردیا اس نے مجھے پانچ ہزار روپے دیتے ہوئے کہا شام کو میری فیکٹری میں آ کر پانچ ہزار روپے لے جانا۔ میں اس کی ہوس بھری نگاہوں کا مطلب نہ سمجھ سکی میں اس کی فیکٹری پہنچی تو گیٹ پر تمہارا باپ کھڑا تھا۔ چاچا جی شاہ جی کی فیکٹری یہی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں بیٹی یہ تو نواب عالم کی فیکٹری ہے۔"
تمہارے والد نے کہا اسی وقت یہ کمینہ وہاں آ گیا اور مجھے اپنے کمرے میں لے آیا اور پانچ ہزار دینے کے بعد میرے ساتھ زبردستی کرنے لگا۔ میں نے کافی کوششیں کی مگر اس کمینے نے میری عزت برباد کردی اور مجھے گلا گھونٹ کر مار دیا۔ اس نے تمہارے والد کو اندر بلوایا۔ "یہ..... یہ کیا مالک؟" تمہارے والد نے حیرانگی سے میری لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ..... وہ دراصل اس لڑکی نے خودکشی کرلی ہے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جھوٹ بولا۔

"لیکن مجھے تو نہیں لگتا..... تمہارے والد نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔"

"میں نے کہہ دیا ناں کہ اس نے خودکشی کی ہے۔" نواب غصے کی حالت مین بولا۔ "اس لاش کو ٹھکانے لگادو۔"

"نہیں نواب صاحب میں اس گناہ کے کام میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔" تمہارے والد نے صاف انکار کیا۔

"تم انکار کررہے ہو۔" نواب دانت پیسے۔

"جی ہاں اگر میں نے اس لڑکی کو دفنایا تو میں اس گناہ میں برابر کا شریک ہوجاؤں گا۔ میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا، نواب صاحب" تمہارے والد نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"تو ٹھیک ہے پھر نکل جاؤ یہاں سے۔" نواب نے غصے سے کہا۔

تمہارا والد گھر آ گیا تمہاری ماں نے کافی پوچھا کہ وہ آج اتنی جلدی کیوں گھر آ گئے مگر تمہارے والد نے کچھ نہ بتایا۔ ادھر نواب کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں تمہارا والد کسی سے اس بات کا ذکر نہ کردے، لہذا اس نے تین آدمی تمہارے والد کو مارنے کیلئے بھیج دیئے ان تین آدمیوں نے بے ہوشی والی دوا سے تم تینوں کو بے ہوش کیا اور تمہارے والد کو گلا گھونٹ کر مار دیا اور پھر تمہیں کام پر رکھ لیا۔ میری روح انتقام کی آگ میں جھلس رہی تھی۔ میرا اور تمہارا دشمن ایک تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ میں اپنے دشمن کے بارے میں جانتی تھی اور تم اپنے دشمن سے انجان تھے، میں نے اسے مارنے کے لئے تمہیں چنا اور تمہارے لئے میں نے ماریہ کا روپ دھارا، تم میرے حسن کے جال میں پھنس گئے اس طرح یہ کمینہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔"

"لل..... لیکن پولیس مجھے پکڑے گی کیونکہ کمرے میں موجود اس لڑکی نے مجھے دیکھ لیا ہے۔" حیدر بولا۔

"قدرت جب مہربان ہوتی ہے ناں حیدر تو وہ سارے راستے صاف کردیتی ہے..... احمد واش روم میں گیا تو میں نے اسے چند منٹوں کیلئے بے ہوش کردیا اب اسے ہوش آئے گا تو اسے یہی محسوس ہوگا جیسے اسے اونگھ آئی تھی جہاں تک اس لڑکی کا سوال ہے تو بدحواسی میں اس کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی اور کلہاڑی وہاں سے غائب ہے۔

پولیس اس کیس کی چھان بین میں الجھتی رہے گی مگر انہیں مجرم نہیں ملے گا۔ وہ اس لئے کہ اس کیس کا مجرم ہے ہی نہیں اس کمینے نے تو اپنے کیئے کی سزا بھگتی ہے۔" یہاں تک کہہ خوشبو خاموش ہوگئی۔

"پر میں تم سے محبت کرتا ہوں ماریہ۔" حیدر نے بولا۔

"مجھے معاف کردینا حیدر تمہارا اور میرا ملاپ نہیں ہوسکتا کیونکہ تم ایک زندہ انسان ہو اور میں ایک روح ہوں مگر میں تمہارے لئے دعا کرسکتی ہوں کہ اللہ مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت بیوی تمہیں دے جو چہرے کی نہیں بلکہ دل کی خوبصورت ہو، اچھا حیدر اب میں چلتی ہوں۔" اتنا کہہ کر خوشبو وہاں سے غائب ہوگئی۔

حیدر کافی دیر اس جگہ کو گھورتا رہا جہاں تھوڑی دیر پہلے خوشبو کھڑی تھی، پھر وہ بوجھل قدموں کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

لنگڑی چڑیل

ایس حبیب خان۔ کراچی

اچانک ایک بھیانک شکل عورت سامنے آئی تو نوجوان کا خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا، نوجوان ڈر و خوف کی وجہ سے زمین پر گرگیا تو اس عورت نے اپنے دونوں نوکیلے ہاتھ نوجوان کے سینے پر مارے، اور نوجوان کا سینہ چاک کرکے.....

ایک دہشت ناک اور خوفناک شاخسانہ جس نے لوگوں کو اچنبھے میں ڈال دیا تھا

آکاش نے لمبی سانس کھینچی اور گھر والوں کو یاد کرنے لگا۔ آکاش بہترین انجینئر تھا اور ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں شہر سے دور جارہا تھا۔ جہاں اسے جانا تھا وہ زیادہ آبادی والا علاقہ نہیں تھا بلکہ اس کو تو پہلی مرتبہ اس جگہ کے متعلق پتا چلا تھا۔ دراصل ایک بہت بڑے بزنس مین نے جگہ خرید کر ہوٹل، اپارٹ مینٹس، اور شاپنگ مال بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ اس علاقے کو ایک چھوٹا شہر بنانا چاہ رہا تھا۔ مگر سب سے پہلے ہوٹل بننا تھا اور آکاش اس کے ڈیزائن کو فائنل کرنے جارہا تھا۔ سفر کافی لمبا تھا، اوپر سے ٹرین تین گھنٹے لیٹ ہوگئی تھی۔

جب آکاش وہاں پہنچا تو سورج ڈھل چکا تھا۔ وہ اس اسٹیشن پر اترنے والا اکیلا مسافر تھا۔ اسٹیشن سے باہر آکر آکاش کو کوئی نظر نہیں آیا۔ اس کو لینے تو بندہ آنے والا تھا، وہ اب پریشان تھا کیونکہ وہ اس جگہ کے بارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ سردی کڑاکے کی تھی منہ سے نکلتی سانسیں بھی جمتی معلوم ہورہی تھیں۔ آ کاش کپکپاتا، سمٹتا نظریں دوڑانے لگا مگر اندھیرا اور دھند کے سوا اسے کچھ دکھائی نہیں پڑ رہا تھا وہ واپس اسٹیشن پر آ گیا۔ وہاں ایک چائے کا ڈھابا موجود تھا۔ وہ اسی طرف چلا گیا۔

''ایک کپ گرم چائے ملے گی؟'' اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ٹیبل کو ہاتھ سے تھپتھپایا تو چند لمحے بعد جوتیاں سرکنے کی آواز آئی پھر ڈھابے والا دانتوں میں چادر کا کونا دبائے سامنے آیا۔

''معاف کرنا باؤ جی ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔''

تھوڑی دیر بعد گرم چائے پی کر آ کاش کو اپنے جسم میں زندگی دوڑتی محسوس ہوئی۔

''باؤ جی! آپ نے جانا کہاں ہے؟'' ڈھابے والے نے پوچھا۔

''بھئی میں یہاں کا ہوں نہیں اور مجھے اس جگہ کا کچھ نہیں معلوم مجھے تو بندہ لینے آنے والا تھا، مگر اس کا کچھ پتا نہیں ہے، ہاں اتنا پتا ہے کہ مندر کے آس پاس ہی جانا ہے۔'' آ کاش نے کہا۔

''باؤ جی! چھوٹا مندر تو اسٹیشن سے تھوڑا ہی دور ہے۔

''ہاں یاد آیا! ''راجا گجیندر کا مندر'' وہاں جانا ہے؟'' آ کاش کو یاد آ گیا۔

''کیا کہا؟ باؤ جی! راجا گجیندر کا مندر!''

''ہاں وہاں ہوٹل اور دوسری چیزیں بنیں گیں۔''

''ناں باؤ جی! کیا آپ مذاق کر رہے ہو؟''

''ارے اس میں مذاق کی کیا بات ہے!'' آ کاش نے حیرت سے کہا۔

''میری بات مانو گے باؤ جی، آپ یہ کام نہ کرو!

......''

''آ کاش آپ کا نام ہے؟''

ڈھابے والے کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ پیچھے سے ایک آواز آئی، اس نے مڑ کر دیکھا تو وہاں ایک آدمی کھڑا تھا ''ہاں میرا نام آ کاش ہے!''

''وہ جی میں آپ کو لینے آیا تھا، گاڑی لیٹ تھی تو میں جا کر دوبارہ آیا ہوں، آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' اس نے کہا۔

''نہیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی'' اور ڈھابے والے سے کہا۔

''چائے بہت اچھی تھی'' اور اس آدمی کے ساتھ چلا گیا۔ ڈھابے والا صرف گردن ہلا کر رہ گیا۔ آ کاش گاڑی میں بیٹھ گیا تو گاڑی آگے کو بڑھ گئی، وہ باہر دیکھنے لگا۔ علاقہ زیادہ ترقی یافتہ نہ تھا۔ ''بھئی اس جگہ ہوٹل اور دیگر چیزیں؟ یہاں تو......''

''صاحب یہ تو شروعات ہے۔ ابھی ایک کمپنی بنا رہی ہے۔ پھر دوسری، تیسری دیکھتے جاؤ، یہ کاروباری لوگ ایک دوسرے سے مقابلہ رکھتے ہیں۔'' وہ آدمی جلدی سے بولا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔''

چلتے چلتے علاقہ اور ویران ہونے لگا۔ ''اور کتنی دور ہے ہماری منزل، موسم کے تیور اچھے نہیں ہیں!'' آ کاش نے کہا ہی تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔

''بس تھوڑی دور ہے۔'' آدمی نے کہا اور پھر چند منٹ بعد گاڑی ایک گیسٹ ہاؤس کے سامنے رک گئی۔ ملازم نے آ کاش کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا۔

''آ کاش صاحب اب میں چلتا ہوں آپ کل کا دن آرام کریں پھر بات ہوگی۔'' اور وہ آدمی کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں گیسٹ ہاؤس کا ملازم کھانا لے کر آ گیا، ''سر کھانا کھالیں۔ گرم گرم پوریاں، ترکاری اور اچار''

آ کاش نے کھانا شروع کیا۔ ''کھانا بہت لذیذ ہے'' اور ملازم مسکرانے لگا۔ ''سر آپ کھانا کھالیں تو بیل بجادیئے گا، اور کوئی خدمت ہو تو بتادیں۔'' یہ بول کر وہ چلا گیا۔ کھانا کھا کر آ کاش بستر پر دراز ہوگیا اور فوراً ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

اگلی صبح روشن و چمکدار تھی سورج نکلا ہوا تھا، رات کی بارش سے سب کچھ دھل گیا تھا اور ہر چیز نکھر گئی تھی۔ آ کاش نے گرم پانی کا شاور لیا اور ڈائننگ ہال میں آ گیا۔ آ کاش نے لائٹ ناشتہ کیا اور علاقہ دیکھنے نکل گیا۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا، علاقے کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جگہ بھی بے حد پرسکون تھی پہاڑ، دریا، سبزہ، درخت سب ہی کچھ تو تھا یہاں۔ ''میرا اندازہ غلط تھا۔ یہ جگہ ہوٹل اور باقی چیزوں کے لئے بہت موزوں ہے۔'' اس نے دل میں سوچا، چلتے چلتے وہ کافی دور نکل آیا، اب علاقہ ویران ہوگیا تھا۔ جانے کیوں اس کو عجیب سی وحشت ہورہی تھی اچانک اسے اپنے اندر سنسناہٹ محسوس ہوئی تو وہ فوراً واپس پلٹ گیا اور گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دیا۔ گیسٹ ہاؤس میں داخل ہوتے وقت اس نے گھڑی دیکھی شام کے سات بج رہے تھے، وہ آدمی اس کا انتظار کر رہا تھا جو اسے لینے اسٹیشن آیا تھا۔

آ کاش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہماری دوسری ملاقات ہے مگر مجھے ابھی تک آپ کا نام نہیں معلوم۔''

''اوہ میں تو بھول ہی گیا نام بتانا! مجھے پارس کہتے ہیں۔ اب بتائیں کام کیسے شروع کریں گے؟'' اس نے کہا۔

''پہلے پروجیکٹ کی جگہ دیکھتے ہیں پھر اس کے مطابق کام کریں گے۔'' پارس اگلی صبح آنے کا پروگرام طے کر کے چلا گیا۔

اگلے روز آ کاش پارس کے ساتھ جگہ دیکھنے کے لئے نکل گیا۔ چلتے چلتے وہ لوگ اسی ویران جگہ پر آ گئے یہاں سے آ کاش لوٹ گیا تھا۔ ''یہ جگہ کچھ عجیب نہیں؟'' آ کاش نے کہا۔

''ہاں تھوڑی سنسان ہے۔'' پارس نے کہا پھر وہ اس علاقے سے بھی آگے نکل گئے۔ یہ تو اور بھی ویران جگہ لگتا تھا جیسے وہاں کبھی کوئی آیا ہی نہ ہو، ہر طرف نحوست ہ فاصلے پر ایک بہت بڑا مندر تھا۔ ''یہ کا مندر!'' پارس نے آ کاش کو بتایا۔

ت پرانا مگر خوبصورت تھا۔ اور مندر شیو بھگوان کا تھا۔ مندر اور اس کے آس پاس کا علاقہ دیکھ لینے کے بعد آ کاش تھکن سے چور ہوگیا۔ گیسٹ ہاؤس پہنچ کر آ کاش سیدھا ڈائننگ ہال میں آ گیا۔ اس کو بے انتہا بھوک لگ رہی تھی۔ ویٹر نے کھانا سرو کر دیا۔ گرم گرم آلو کے پراٹھے، دال چاول، دہی کا رائتہ سلاد، یہ سب دیکھ کر آ کاش کی بھوک مزید چمک اٹھی۔

کئی دن ہوگئے تھے مگر آ کاش نقشے کے مطابق بہت پریشان تھا۔ راجا گجیندر کا مندر نقشے کے مطابق ہوٹل کے بیچ میں آ رہا تھا۔ آ کاش نے بہت کوشش کی مگر کسی طرح بھی مسئلہ حل نہیں ہوا تو یہ طے ہوا کہ اس مندر کو توڑ دیا جائے۔ اور آ کاش کے حکم پر مندر توڑنے کا کام شروع ہوگیا۔

ایک عجیب بے چینی سی ہورہی تھی، آ کاش کو، اس کے اندر سے کوئی آواز تھی جو کہہ رہی تھی کہ ''اس مندر کو نہ توڑا جائے۔'' مگر یہ آ کاش کے ہاتھ میں نہ تھا اس نے تو پہلے ہی کوشش کی تھی کہ وہ مندر کسی طرح ہوٹل کے بیچ نہ آئے مگر مندر بہت بڑا تھا اور کسی طرح بھی وہ ہوٹل سے الگ نہیں رہ پاتا۔ پھر مندر کو توڑ دیا گیا، بس پچھلا حصہ رہتا تھا، اسے آ کاش نے طے کرنا تھا کہ وہ ٹوٹے گا یا نہیں۔

مندر سے شیو بھگوان کی مورتی کو ہٹا دیا گیا۔ آ کاش نے پچھلا حصہ دیکھا، وہاں کچھ نہ تھا بس ایک بہت بڑا، موٹا مگر اجڑا اور سوکھا درخت تھا جو بظاہر بے کار تھا۔ آ کاش نے اسے کاٹنے کا حکم دے دیا۔

جیسے ہی مزدوروں نے کلہاڑی کی چوٹ درخت کے تنے پر ماری تو ایک زوردار قسم کی آندھی چلی اور پورا علاقہ ''زرد مٹی'' میں نہا گیا۔ جانے کتنی دیر بعد آندھی تھمی! کوئی اپنی جگہ پر نہ تھا اور سب سے حیران کن بات تھی کہ مزدوروں کے اوزار غائب تھے۔ سارا علاقہ چھان مارا گیا مگر کچھ نہ ملا، مزدوروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ شہر سے دوسرے مزدور بلائے گئے مگر ان کی حالت پہلے والوں سے زیادہ خراب ہوگئی۔ کیونکہ ان میں سے تین چار مزدوروں نے مل کر درخت کاٹنے کا ارادہ کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ان سب کو سانپوں نے ڈس لیا اور وہ مر گئے۔ باقی سب شہر واپس چلے گئے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ آکاش کی سمجھ سے باہر تھا۔

اس واقعہ کے تیسرے دن کی بات ہے کہ رامو دودھ والا اپنے گھر کے آنگن میں کھڑی سائیکل پر دودھ کے ڈرم لٹکا رہا تھا، وہ منہ اندھیرے ہی گھر سے نکل جاتا تھا کیونکہ اسے بہت سارے گھروں میں صبح سے پر دودھ پہنچانا ہوتا تھا۔ آدھے راستے جا کر اس کی سائیکل ایک دم لڑکھڑا گئی، اب جو اس نے دیکھا تو ٹائر کی ہوا نکل گئی تھی۔ ''ہے رام! ابھی گھر پر تو دونوں ٹائر ٹھیک تھے، ہوا کیسے نکل گئی؟'' رامو بڑبڑانے لگا۔ وہ سائیکل لئے کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ ''چھن، ٹھک! .....چھن، ٹھک!.....''

ایک عجیب آواز تھی جو دور کہیں سے آ کر رامو کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ غور سے اندھیرے میں آواز کی سمت گھورنے لگا، پھر جب آواز قریب آئی، قریب، اور قریب، بالکل قریب تو رامو کی آنکھیں خوف سے باہر ابل پڑیں اور آواز حلق میں پھنستی چلی گئی۔

جب سورج نے اپنا منہ دکھایا تو لوگوں کا گزر شروع ہوا، اور سب سے پہلے ادھر سے گزرنے والا۔ بھولا حلوائی تھا اور پھر بھولا کی چیخوں نے تمام لوگوں کا ہجوم اکٹھا کر لیا۔ سب بھولا کو جھنجھوڑ رہے تھے مگر اس کی چیخیں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

''رام! رام!'' ایک اور آدمی کی آواز پر سب دوسری طرف متوجہ ہوئے۔ سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ کیونکہ رامو دودھ والے کی لاش بیچ راستے سے ہٹ کر کنارے پر پڑی تھی، اس کا نرخرہ بری طرح ادھڑا ہوا تھا، سینہ چاک اور اندر سے خالی تھا یہاں تک کہ پسلیوں سے گوشت تک غائب تھا۔ دیکھنے والے سکتے میں تھے۔ بڑی مشکل سے لاش اٹھا کر اس کا انتم سنسکار کیا گیا۔ سب لوگ خوف اور سوگ کی ملی جلی کیفیت کا شکار تھے۔ آکاش الگ ہوٹل کا کام نہ شروع ہونے پر پریشان تھا۔ وہ بھی رامو کی موت پر افسردہ تھا۔

دو روز بعد شام کا وقت تھا جب راگنی اپنے بچے کی دوا مٹھی میں دبائے تیزی سے قدم اٹھاتی اپنے گھر کی اور بڑھ رہی تھی۔ راجو کو صبح سے ہی بخار تھا جو دوپہر کے بعد بہت تیز ہو گیا تھا یہی وجہ تھی جو راگنی شام کے وقت دوا لینے نکلی تھی اور واپس جاتے جاتے اندھیرا ہونے لگا تھا۔ راگنی کوڈر کے ساتھ بیٹے کی بھی چنتا تھی جو بخار میں پھنک رہا تھا۔ ایک دم بے دھیانی میں اس کا پیر پتھر سے ٹکرایا اور منہ کے بل جا پڑی۔ چند لمحے زمین پر پڑی رہنے کے بعد وہ اٹھنے لگی تو درد کی ایک شدید لہر اس کو اپنے پاؤں میں محسوس ہوئی جو بری طرح مڑ گیا تھا، اور تو اور دوا کی پڑیا بھی ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں گر گئی تھی۔ ''ہے بھگوان میرے بچے کی دوا!'' اور وہ درد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گھسٹ گھسٹ کر دونوں ہاتھوں سے زمین ٹٹولنے لگی، ایک دم پڑیا اس کے ہاتھ میں آ گئی ساتھ ہی چھن! ٹھک!.....کی ایک عجیب آواز اس کو بہت قریب سے سنائی دی۔ راگنی نے سوچا شاید کوئی اور عورت بھی اس طرف آ رہی ہے اور پھر چھن! ٹھک! کی آواز اس کے سر پر پہنچ گئی۔

اگلی صبح موہن لال اپنے گھر میں زور زور سے دھاڑیں مار رہا تھا! پڑوس کے لوگ گھبرا کر اس کے گھر جمع ہو گئے۔ موہن نے ہچکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ ''اس کے بیٹے راجو کا دیہانت ہو گیا ہے اور اس کی پتنی راگنی بھی کل رات سے لاپتہ ہے، جو راجو کے لئے دوا لینے گئی تھی۔'' بچے کی لاش صحن میں پلنگ پر پڑی تھی۔ عورتیں وہیں رک گئیں اور مرد موہن کو دلاسہ دیکر راگنی کو ڈھونڈنے نکل گئے۔ علاقے سے تھوڑی دور آگے جا کر دور سے ہی سامنے درخت پر کوئی چیز لٹکی نظر آ رہی تھی، قریب جانے پر لوگوں کے چلتے قدم زمین پر جم گئے۔

درخت کی شاخ پر ایک الٹی لاش لٹکی ہوئی تھی اور اس سے خون ٹپک کر نیچے زمین پر جما ہوا تھا۔ پھر بندوں نے ہمت کر کے اسے نیچے اتارا، وہ راگنی کی لاش تھی خون میں لتھڑی ہوئی، اس کا پیٹ چاک، انتڑیاں آدھی کھائی اور آدھی باہر نکلی ہوئی تھیں، سینہ بری طرح

ادھڑا ہوا تھا اور جبڑے ہوئے خون میں ایک طرف کلائی سے الگ ہوا ہاتھ کٹا پڑا تھا جس کی تین انگلیاں چبائی ہوئی تھیں اور بند مٹھی میں اب بھی دوا کی پڑیا تھی۔

موہن اپنے ہوش گنوا بیٹھا اور وہیں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس روز ہر آنکھ اشکبار تھی ''دو چتائیں'' ماں اور بچے کی، ہر آنکھ آنسوؤں سے سرخ تھی، بہت ہی درد ناک منظر تھا۔

دوسری طرف آکاش نے بہت سوچ بچار کے بعد مزدوروں کو بلایا اور کہا۔ ''دوسری طرف سے کام کرنا شروع کر دو!'' دن پر دن گزر رہا تھا اور کام تھا کہ شروع ہی نہیں ہو رہا تھا، ایسا کب تک چلے گا؟ آکاش کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ ''بھگوان نے چاہا تو یہاں کی باری آتے ہوئے کوئی نہ کوئی اپائے اوش نکل آئے گا۔''

کام دوسری طرف سے شروع ہو گیا۔ ''مگر آکاش چین سے نہیں بیٹھا۔ اگر یہ سب ہو رہا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی کارن تو ہوگا؟ بنا کارن کے تو کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس سمسیا کا حل تو تلاش کرنا ہی پڑے گا!'' اس نے فیصلہ کر لیا، دوپہر میں وہ لنچ کرنے ڈائننگ ہال میں آیا اور کھانا آنے کا انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ میں ویٹر نے کھانا سرو کر دیا۔ اس نے کھانا کھایا اور پھر ویٹر سے پوچھا۔

''ایک بات تو بتاؤ تم یہیں کے رہنے والے ہو؟''

''جی سر! لیکن ہم زیادہ پرانے نہیں ہیں، پتا جی اب یہاں آئے تھے تو میں زیادہ بڑا نہیں تھا۔ آٹھ، نو سال ہوئے ہونگے ہمیں یہاں۔'' ویٹر نے بتایا۔

''یہاں کوئی اتنا پرانا ہے جو اس جگہ کی تاریخ جانتا ہو؟''

''ایسا کوئی.....ہاں سر! دو کو تو میں جانتا ہوں، چھوٹے مندر کے سوامی جی اور دوسرے مرلی کاکا۔'' کہہ کر ویٹر جانے لگا۔

''ٹھہرو ایسی بھی کیا جلدی ہے؟'' کہہ کر آکاش نے پچاس کا نوٹ ویٹر کی اور بڑھا دیا۔ ''نہیں سر! میں تو آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوں، آپ بہت اچھے ہیں، میں آپ کو اپنا سمجھتا ہوں۔''

''تو پھر اپنوں کی بات رد نہیں کرتے، رکھ لو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔'' اور ویٹر نے نوٹ جیب میں رکھ لیا۔

آکاش نے دو تین دن میں مندر کے سوامی جی اور مرلی کاکا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں۔ سوامی جی تو ایک مہینے سے یاترا پر گئے ہوئے تھے چند روز بعد لوٹنا تھا اور مرلی کاکا بہت بوڑھے تھے انکا اس سنسار میں ایک پوتے کے علاوہ کوئی نہ تھا!

☆.....☆.....☆

پرتاب کا روز کا معمول تھا کہ رات میں بھوجن کرنے کے بعد وہ دوستوں میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتا تھا۔ چھ، سات دوست ہوتے تھے۔ آج بھی وہ دیر تک بیٹھے تھے کہ گوتم نے کہا۔ ''چلو دوستو! بہت دیر ہو گئی ہے کل ملاقات ہوگی۔'' پرتاب نے دوستوں سے ہاتھ ملایا اور اٹھ گیا، گوتم اور اس کا گھر ایک طرف تھا، دونوں گھر کی طرف مڑ گئے۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے، زور سے دھم! کی آواز آئی تو دونوں چونک گئے پھر کافی دیر تک خاموشی رہی پھر درختوں میں ہل چل ہونے لگی! ''لگتا ہے کوئی مشکل میں پھنس گیا ہے! میں دیکھتا ہوں تو یہیں رک!'' کہہ کر گوتم آواز کی سمت چل پڑا۔ پرتاب اسی جگہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ ''چھن! ٹھک!'' کی آواز آئی۔

''کون؟'' پرتاب نے حیرت سے پوچھا۔ پھر آواز قریب آ گئی تو اس نے کھڑے ہو کر اور مڑ کر دیکھا۔

دوسری طرف آکاش مرلی کاکا کے گھر گیا تو وہ گھر پر نہ تھے۔ اس نے ایک آدمی جو شاید پڑوس سے نکلا تھا بڑی جلدی میں تھا اسے دیکھ کر پوچھا تو وہ بولا۔ ''مرلی کاکا کا پوتا پرتاب رات سے لاپتہ ہے، دوستوں سے اٹھ کر وہ اور ایک لڑکا ساتھ گئے تھے مگر دونوں گھر نہیں پہنچے! لوگ انہیں تلاش کرنے گئے ہیں میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ چلو ساتھ چلتے ہیں!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں جب کچھ دور گئے تو مرلی کاکا کے چیخنے کی آواز آئی، وہ دونوں دوڑ کر آگے گئے تو لوگوں کا ہجوم تھا وہاں۔ آکاش نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کا دل دہل گیا کیونکہ۔ سامنے زمین پر مرلی کاکا کا پوتا پرتاب پڑا تھا اور وہ ایسے تھا کہ

''اس کے دونوں پیر گھٹنوں تک غائب تھے، جگہ جگہ گوشت کے چیتھڑے بکھرے ہوئے تھے اس کا بھی سینہ چاک تھا، دل کلیجہ غائب تھا اور منہ بے انتہا کھلا ہوا تھا جیسے کسی نے چیر دیا ہو۔

آکاش کو اپنا دل حلق میں آتا محسوس ہوا، ''اوہ بھگوان! اتنا وحشی کون ہوسکتا ہے؟'' آکاش کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے۔ پھر دوسری طرف سے شور اٹھا وہاں کچھ دور گوتم پڑا تھا۔ آدھے لوگ اس طرف بھاگے۔ گوتم زندہ تھا مگر وہ ہوش سے بیگانہ تھا، لوگوں نے اسے اٹھایا اور اسے گھر پہنچا دیا۔ وہ چار دن تک بے ہوش رہا۔ دوسری طرف مرلی کاکا کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔ آکاش مستقل ان کے ساتھ تھا مگر وہ ان کے دکھ کو کسی طرح کم نہیں کرسکتا تھا۔ پانچویں روز آکاش نے زبردستی انہیں کھانا کھلایا۔ تھوڑی دیر میں ایک لڑکے نے آکر بتایا کہ ''گوتم کو ہوش آگیا ہے۔''

گوتم کو پانچویں روز ہوش آیا تھا مگر وہ سکتے کی حالت میں تھا۔ جیسے ہی اس نے مرلی کاکا کو دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور مرلی کاکا بھی رونے لگے۔ گوتم کے پتا آگے بڑھے تو آکاش نے انہیں روک دیا۔ ''چاچا اسے رو لینے دیجئے۔ رونے سے اس کا دل ہلکا ہوجائے گا تو پھر یہ شانت ہوجائے گا۔ پھر دونوں روتے روتے چپ ہوگئے۔ پھر پانی پی لینے کے بعد آکاش بولا۔ ''گوتم بتاؤ اس رات کیا ہوا تھا؟'' مگر گوتم چاہ کر بھی بول نہیں پا رہا تھا اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''ہمت کرو گوتم! تم اپنے دوست کو کھو چکے ہو اور اس سے پہلے بھی کئی لوگ اس آفت کا شکار ہوچکے ہیں۔ اب آگے کوئی اور اس کا شکار نہ بنے اس لئے تم بتاؤ یہ سب کیسے ہوا؟'' آکاش نے اسے سمجھایا۔

گوتم نے آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔ ''ہم دونوں دوستوں کے پاس سے اٹھ کر گھر واپس آرہے تھے کہ درختوں والے حصے میں کچھ آواز پیدا ہوئی، میں نے پرتاب کو وہیں رکنے کا کہا اور خود دیکھنے کے لئے آگے چلا گیا، وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں پلٹ کر واپس آنے لگا تو سامنے!'' کہہ کر گوتم رک گیا۔

آکاش نے اسے دو گھونٹ پانی پلایا۔ پانی پینے کے بعد گوتم پھر بولا۔ ''سامنے پرتاب پتھر پر بیٹھا تھا اور اس کے پیچھے ایک کالی عورت کھڑی تھی، اتنی کالی کہ تو ابھی کیا ہوگا، ناک مڑی ہوئی، چہرے پر انگارہ برساتی بڑی بڑی آنکھیں، اس کا ایک پیر نہیں تھا اور پیر کی جگہ شاید لکڑی کی ٹانگ تھی، دوسرے پیر میں جھانجھر پہنی ہوئی تھی، جب وہ چل رہی تھی تو چھن کے ساتھ ٹھک کی آواز بھی آرہی تھی، الجھے بال بکھرے ہوئے جھول رہے تھے۔ ہاتھ کی انگلیاں بہت بڑی تھیں۔ جن پر نوکیلے ناخن تھے اس نے آگے بڑھ کر پرتاب کے سینے پر دونوں ہاتھ مارے اور پوری طاقت سے بیچ میں سے اسے چیر دیا۔ پرتاب گر کر لمحے میں ٹھنڈا ہوگیا۔ پھر وہ عورت زمین پر اکڑو بیٹھ گئی اور پرتاب کے سینے سے کلیجہ، دل نکال کر چبانے لگی، اس سے زیادہ میں وہاں نہیں ٹھہرا اور پوری طاقت سے بھاگنا شروع کردیا پھر مجھے یاد نہیں'' اور وہ زور زور سے رونے لگا گوتم کی ماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا جبکہ مرلی کاکا رونے کے بجائے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ آکاش نے انہیں ہلایا تو وہ بولے۔ ''چلو گھر چلو! کام ہے۔'' اور اپنے گھر آگئے۔

''بیٹھو بیٹا! اور میرے سوال کا جواب دو، تم نے راجا گجیندر کے مندر میں کچھ کیا ہے؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''میں نے تو کچھ نہیں کیا، ہاں وہ مندر نقشے کے حساب سے ہوٹل کے بیچ میں آرہا تھا، اس لئے وہ مندر ہم نے توڑ دیا۔'' آکاش بولا۔

یہ سن کر مرلی کاکا جیسے اچھل گئے۔ ''اور وہ! وہ شیو جی کی مورتی؟'' انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہ ہم نے عارضی طور پر چھوٹے مندر میں رکھوادی ہے۔'' آکاش نے بتایا۔

''ہے بھگوان! یہ کیا غضب کردیا تم نے آکاش بابو؟''

''میں نے کیا کردیا؟'' آکاش بولا۔

''تم نے جو کیا ہے، اسی کا تو نتیجہ نکل رہا ہے، اس کا تو یہاں کے لوگوں کو علم ہی نہیں ہے؟ بس سب کو یہ حکم تھا کہ راجا گجیندر کا مندر اور شیو جی کی مورتی، راجا جی کے حکم کے مطابق وہیں رہیں گے، کسی کو انہیں ہٹانے کا ادھیکار نہیں۔ تم نے کسی سے بنا کچھ پوچھے، بنا کچھ بتائے اسے وہاں سے ہٹا دیا!''

''دیکھئے مرلی کاکا، میں نے مورتی جان بوجھ کر نہیں ہٹائی مجھے بھلا اس کو ہٹا کر کیا ملے گا! میری نوکری ہے۔ یہ زمین کمپنی نے خرید لی ہے اور یہاں ہوٹل بنے گا، اگر مندر ہوٹل کے بیچ نہ آرہا ہوتا تو ہم.....''

''کچھ بھی کہو بابو، یا کسی بھی کارن ہٹائی مورتی، اب جو کچھ ہورہا ہے اس کے ذمہ دار کیول تم ہو!'' انہوں نے آکاش کی بات کاٹ کر کہا۔

''آپ مجھے پوری بات بتائیں جب ہی تو سمجھ آئے گا مجھے!'' آکاش بولا۔

''یہ راز یا واقعہ جو بھی کہو میرے دادا جی نے سنایا تھا۔ میرے دادا راجا گجیندر کے محل میں کام کرتے تھے اور وہ راجا صاحب کے خاص سیوکوں میں سے تھے ہر سے وہ راجا صاحب کے ساتھ ہوتے تھے اور راجا صاحب بہت سی ایسی باتیں جو کسی سے نہ کرتے، وہ میرے دادا پر بھروسہ کرکے ان سے کر لیتے تھے۔ میں انہی کی زبانی تمہیں بتاتا ہوں۔

برسوں پہلے یہاں راجا گجیندر کا راج تھا، وہ کوئی ظالم راجا نہ تھے بلکہ بے حد دیالو تھے ان کے خزانے کا منہ ضرورت مندوں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ پرجا اپنے راجا سے بہت پریم کرتی تھی۔ پھر راجا گجیندر نے اچانک ایک بہت خوبصورت ناری سے وواہ کرلیا، وہ کہیں گئے تھے اور جب واپس آئے تو ان کی رانی کے روپ میں وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت ان کے ساتھ تھی اور ساتھ ہی اس عورت کا ماما مہیندرا بھی۔ وہ لوگ کون تھے کسی کو ان کا اتا پتا معلوم نہ تھا۔ صرف راجا صاحب کے قریبی ساتھیوں کو معلوم تھا کہ راستے میں راجا صاحب کہیں ٹھہرے تھے، وہیں وہ عورت ان کو ملی تھی اور ایک رات جانے کیا ہوا کہ راجا گجندر نے اس سے وواہ کرلیا۔ اور یہ بات بھی میرے دادا نے بتائی کہ بہت کم لوگوں کو پتا تھا کہ رانی صاحبہ کا ایک پیر نہیں تھا۔ کیونکہ محل میں رانی صاحبہ کے پاس عام لوگ نہیں جاسکتے تھے اور باہر وہ سواری پر آتی تھیں۔"

مرلی کا کا سانس لینے کو رکے تو آکاش بے صبری سے بولا۔ "اس کا نام کیا تھا؟"

"آشا دیوی" یہی نام سب کو پتا تھا، اصل کا نہیں پتا، خیر کچھ دن تو اچھے گزرے پھر گاؤں میں ایک روز ایک چھوٹا دودھ پیتا بچہ اپنے گھر سے غائب ہوگیا اس کی ماں پاگلوں کی طرح اس کو ڈھونڈنے لگی۔ سارے لوگ اس کے ساتھ لگے تھے۔ پھر کنوئیں کے پاس ایک کپڑے کی پوٹلی ملی جب اسے کھولا گیا تو سب کے دل حلق میں آگئے۔ کیونکہ اس میں سے بچے کی کھرچی ہوئی کھوپڑی اور نچے نکلے۔ بچے کے ماتا پتا کا رو رو کر برا حال تھا، پورے علاقے میں شور مچ گیا کہ کوئی خونخوار بھیڑیا آگیا ہے۔

راجا صاحب خود بچے کے ماتا پتا کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے سپاہیوں کو علاقے میں گشت کرنے کا حکم دیا۔ مگر اس سے کچھ نہ ہوا۔ روز کوئی نہ کوئی بچہ غائب ہوجاتا۔ بچے سہم گئے اور ان کے ماتا پتا نے انہیں باہر نکالنا چھوڑ دیا۔ تو یہ خونی سلسلہ کچھ دن کے لئے رک گیا۔

مگر ایک ہفتہ بعد چند عورتیں ہنستی گاتی کنوئیں پر پانی بھرنے آئیں اور ڈول کھینچا تو اس میں خون کے دھبے لگی ساڑھی پڑی تھی اور پھر جب ڈول کو الٹا کیا گیا تو اس میں ہڈیوں کا ڈھیر نکلا، پھر آہستہ آہستہ ہڈیوں کے ساتھ ناک، کٹے ہوئے کان..... سب ڈول سے باہر گر گیا۔ عورتیں چیخیں مارتی ہوئی وہاں سے بھاگیں انہوں نے کنوئیں پر جانے سے انکار کردیا کئی روز تک کوئی کنوئیں پر نہ گیا۔

مگر کب تک؟ ایک آدمی ان کے ساتھ جاتا اور انہیں واپس لے کر آتا۔ مگر اس سے بھی یہ سلسلہ نہ رکا۔

ایک روز راجا صاحب کہیں جارہے تھے کہ ان کے گھوڑے نے آگے جانے سے انکار کردیا، وہ بری طرح بدک رہا تھا، آگے زمین پر کچھ پڑا تھا۔ راجا صاحب گھوڑے سے اترے اور انہوں نے جو دیکھا تو وہ بھی چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ وہ بنسی لال جو راجا صاحب کا منشی تھا، اس کا سر تھا، جس کی آنکھیں غائب اور کھوپڑی خالی تھی جس میں سے بھیجا غائب تھا۔ راجا صاحب کو بڑی مشکل سے محل واپس لایا گیا۔ ان کی حالت بہت بری ہورہی تھی وہ صدمے سے نڈھال تھے۔

چند روز گزرے تھے کہ ایک پراگ نامی شخص دوسرے شہر سے آرہا تھا وہ کپڑے کا بیوپاری تھا اور آج اسے آتے ہوئے رات ہوگئی تھی ابھی وہ علاقے میں داخل ہوا تھا کہ اس نے دو سایوں کو درختوں میں جاتے دیکھا وہ چوکنا ہوگیا اور دبے پاؤں لپک کر درخت پر چڑھ گیا۔ اور کافی اونچائی پر جا کر بیٹھ گیا، اسے ذرا فاصلے پر ایک ناری اور پرش نظر آئے، اندھیرے میں چہرہ نظر نہیں آرہا تھا، عورت زمین پر اکڑوں بیٹھی جانے کیا چپ! چپ! کر کے کھا رہی تھی اور پرش زمین پر پڑی چیز کو زبان سے چاٹ رہا تھا۔ لمبے بھرکیلئے چاند نے اپنا منہ بادلوں سے نکالا تو پراگ نے پورا منظر واضح طور پر دیکھ لیا۔

زمین پر ایک تازہ لاش پڑی تھی جسے وہ عورت نوچ نوچ کر ماس کھا رہی تھی اور پرش خون زبان سے چاٹ رہا تھا۔ پراگ کے ذہن میں گونجا "آدم خور چڑیل" اور چاند پھر نکلا اب کی بار پراگ کی نظر اس عورت پر پڑی، اس نے وہ ساڑھی پہنی تھی جو اس نے رانی آشا دیوی کو دی تھی۔ اس کا ذہن کام نہیں کررہا تھا پھر کافی دیر بعد وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

پراگ سیدھا مندر کے بڑے مہاراج کے پاس گیا اور اس نے پورا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ پراگ کی باتیں

سن کر مہاراج کے ماتھے پر چنتا کی لکیریں پڑ گئیں، انہوں نے پراگ سے کہا۔ "وہ گھر جائے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔" اور پراگ کے جاتے ہی مہاراج اپنے استھان پر آئے اور جاپ شروع کردیا۔

جب انکا جاپ مکمل ہوا تو ان کی سرخ دہکتی انگارہ آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں، ساتھ رانی آشا دیوی جو صرف نام کی دیوی تھی اس کی اصلیت بھی مہاراج پر کھل گئی۔ انہوں نے راجا گجیندر کو پیغام بھیجا کہ وہ ان سے اکیلے میں ملیں اور اس ملاقات کا کسی کو علم نہ ہو۔

راجا صاحب کو بہت چنتا ہوئی پیغام سن کر "آخر ایسی کیا بات ہے؟" پھر اگلے روز راجا گجیندر مجھے ساتھ لے کر خاموشی سے مندر میں پدھارے اور سیدھے مہاراج کے کمرے میں چلے گئے۔ "شما چاہتے ہیں۔" راجا صاحب کہ ہم نے آپ کو یہاں آنے کا کشٹ دیا مگر بات ہی کچھ ایسی ہے اور آپ ہمارے لئے بچوں جیسے ہیں۔" مہاراج نے نرم لہجے میں کہا۔

"مہاراج یہ میرا سوبھاگیہ ہے کہ میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں، مجھے شرمندہ نہ کریں۔" راجا گجیندر نے مہاراج کے پیروں کو چھو کر کہا۔

"راجا صاحب ہم آپ سے ذاتی کچھ ذاتی بات کرنا چاہتے ہیں اگر آپ کو برا لگے تو آپ انکا اتر ہمیں دیجئے گا۔" مہاراج بولے۔

"جو بات کرنی ہے مہاراج کریں! ہم روش اس کا اتر آپ کو دیں گے۔" راجا صاحب نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کی پتنی آپ کو کہاں ملیں اور آپ کا وواہ کیسے ہوا؟"

"ہم خود نہیں جانتے کہ یہ سب کیسے ہوا، ہم اس روز اپنے سینکوں کے ساتھ واپس آرہے تھے کہ آگے راستہ بند تھا، اور اس میں کافی سے لگتا اس لئے سینکوں نے ہمارے ٹھہرنے کا انتظام کردیا۔ ہم اپنے خیمے میں آرام کررہے تھے کہ ہمیں اطلاع دی گئی کہ ایک بھٹکے ہوئے پرش اور ناری ہیں بھوکے پیاسے مصیبت زدہ ہم نے انہیں اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔ پہلے پرش اندر آیا وہ چالیس کے اندر تھا، اس نے اپنا نام مہیندرا بتایا، اس کے پیچھے ایک ناری آئی، کم سن سترہ، اٹھارہ سال کی لگتی تھی، بہت خوبصورت دبلی پتلی، پیلا گھاگھرا چولی پہنے ہوئے۔ ہم نے سینکوں سے کہہ کر ان کے لئے ایک خیمہ لگوادیا۔ دونوں نے ہمیں دھنے واد کہا اور چلے گئے۔ پرش تو نکل گیا مگر ناری اس بیچاری کی ایک ٹانگ نہیں تھی۔ بلکہ لکڑی کی ٹانگ لگی تھی وہ ٹھہر کر باہر نکلی۔

مہاراج اس کے بعد جانے ایسا کیا ہوا کہ ہم نے صبح اس ناری جس نے اپنا نام آشا دیوی بتایا تھا اس کے مانگ میں سیندور بھر کے اس کو اپنی دھرم پتنی کے روپ میں شویکار کرلیا اور اس کے ماما مہیندرا سمیت اپنے ساتھ لے آئے۔" کہہ کر راجا صاحب خاموش ہوگئے۔

پھر مہاراج بولے۔ "اب جو حقیقت آپ کے سامنے آئے اسے آپ دل تھام کر دیکھئے گا! راجا صاحب۔"

سامنے پڑی ایک تھالی پر سے مہاراج نے اپنی ہتھیلی گزاری، اس تھالی میں ایک منظر ابھرا۔ ایک بے حد سیاہ رنگت کی کوئی عورت تھی، جس کے چہرے اور ہاتھ کی کھال جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی، پیلے غلیظ خون لگے نوکیلے دانت جن پر خون جگہ جگہ جم کر سیاہ ہوگیا تھا، پیلے رنگ کی گھاگھرا چولی پہنے، درخت پر چڑھی ڈالی پر بیٹھی اپنا ایک پیر ہلا رہی تھی جس میں بندھی جھانجھر آواز پیدا کررہی تھی، ساتھ اپنے نوکیلے پنجوں سے درخت کی شاخیں کریدرہی تھی، اس سے دو ڈالی اوپر ایک ہیبت ناک گنجا آدمی، انسانی کلائی ہاتھ میں لئے اس پر لگا گوشت اپنے نوکیلے دانتوں سے نوچ رہا تھا۔

ایک دم اس گنجے آدمی کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے اس کالی بھجنگ عورت کی طرف دیکھا اور اس نے آدمی کی طرف، اور دونوں کھی..... کھی کر کے ہنسنے لگے پھر دونوں زمین پر کود گئے چھن! ٹھک! کی آواز پیدا کرتے وہ عورت آگے بڑھی۔ اس کا ایک پیر نہیں تھا شاید لکڑی تھی جو آواز پیدا کررہی تھی۔ "چل بہت دن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے جنگل میں، اب انسانی آبادی میں چلتے ہیں۔ روز تازہ خوراک ملے گی۔'' دونوں نے ہونٹوں پر زبان پھیری، مہیندرا اور آشا دیوی کا روپ دھارن کرلیا۔ پھر دونوں کو راجا صاحب نے خیمے میں ٹھہرانے کا حکم دیا، سارے لوگ اپنے اپنے خیمے میں سو گئے۔

نیا منظر تبدیل ہوا، راجا گجیندر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ ''چھن! ٹھک!'' کی آواز ہوئی۔ پھر اس مکروہ شکل چڑیل نے اپنی نوکیلی انگلیوں سے راجا صاحب کا منہ کھولا اور منہ میں تھوک دیا! اور اپنے غلیظ پیلے دانت نکال کر کھی کھی کرتی باہر نکل گئی۔

پھر علاقے میں ہوئی ساری اموات کی کہانی کے مناظر راجا صاحب کی آنکھوں کے سامنے آتے گئے۔ ہر منظر کی ابتداء اور اختتام ایک جیسا تھا، دونوں خبیث محل سے اپنے اصل روپ میں نکلتے اور شکار کر کے محل لوٹ آتے۔

راجا گجیندر ایک دم پھٹ پڑے اور مہاراج کے پیروں پر گر کر رونے لگے۔ ''راجا صاحب ہمت رکھیں! ہم ضرور ان دونوں پلیدوں کا صفایا کریں گے۔ ابھی آپ لوٹ جایئے اور بھول کر بھی کسی سے ذکر مت کیجئے گا ورنہ جان سے جائیں گے! ہم کل سورج ڈھلنے کے بعد آئیں گے۔'' مہاراج نے راجا صاحب کو سمجھایا۔ راجا صاحب دل مسوس کر نڈھال قدموں سے محل واپس آ گئے۔

رات میں راجا صاحب کی آنکھ کھلی تو رانی بستر پہ نہیں تھی۔ ایک دم کھڑکی سے دھم سے کوئی اندر کودا!

راجا صاحب نے آنکھوں کی جھری سے دیکھا وہ چڑیل کے روپ میں خون سے لتھڑی ہوئی تھی پھر اپنے ہونٹوں اور ہاتھوں پر لگا خون چاٹنے لگی۔ پھر ایک دم اسے کچھ خیال آیا، وہ راجا صاحب کو گھورتی ہوئی ان کے چہرے پر آ کر جھک گئی، راجا گجیندر کی ناک سے بدبو کا ایک زبردست بھبکا ٹکرایا جو ان کی برداشت سے باہر تھا انہوں نے سانس روک لی۔ پھر وہ چڑیل اپنا شک دور کرنے کے بعد کہ راجا صاحب سو رہے ہیں۔ وہاں سے چلی گئی۔ راجا صاحب اپنا دل پکڑ کر رہ گئے، ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

سورج ڈھلتے ہی مہاراج نے پورے محل کے گرد سیندور سے کنڈل (حصار) کھینچ دیا مگر جیسے ہی انہوں نے محل کے اندر قدم رکھا تو وہ چونک گئے۔ ''سالی جل دے گئی! دیکھتا ہوں کہاں تک جا پائے گی۔''

رانی کے روپ میں چڑیل کا نام و نشان نہ تھا۔ بلکہ مہیندرا پکڑا گیا اس نے بتایا۔ ''وہ دونوں صدیوں سے زندہ ہیں اور انسانی گوشت ان کی خوراک ہے۔''

مہاراج نے مہیندرا کو اسی سے جلوا کر بھسم کر دیا۔ پھر مہاراج، محل سے باہر اس پرانے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور جاپ کرنے لگے۔ صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے اس بھیانک شکل چڑیل کی چیخیں سنائی دیں۔ ''چھوڑ دے مجھے! مجھ پر دیا کر، میں اس علاقے سے کوسوں دور چلی جاؤں گی، مجھے چھوڑ دے۔'' اور پھر وہ چیخیں گھٹی گھٹی آواز میں بدل گئیں اور غائب ہو گئیں۔

پھر مہاراج بولے: ''وہ میری پہنچ سے نکل گئی تھی اس لئے اسے مار نہیں سکا! مگر میں نے اسے اس درخت میں قید کر دیا ہے، اس درخت کو کبھی کاٹنے کی کوشش مت کرنا ورنہ میرا کیا ہوا جاپ ٹوٹ جائے گا، یہاں بھگوان شیو کی مورتی رکھ دو! شیو جی کی مورتی اس خونی کو آزاد نہیں ہونے دے گی!''

راجا صاحب نے اس جگہ بھگوان شیو کا بہت بڑا مندر بنوا دیا۔

اس دن کے بعد سے یہاں سب شانتی ہی شانتی تھی مگر تم نے اس شانتی کو بھنگ کر دیا۔'' کہہ کر مرلی کاکا خاموش ہو گئے۔

''زمانہ کہاں سے کہاں جا رہا ہے اور آپ ''بھوت چڑیل'' کی بات کر رہے ہیں۔'' آکاش بولا۔

مرلی کاکا نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ ''بھگوان کرے! سوامی مہاراج جلدی آ جائیں۔

سوامی مہاراج بڑے مہاراج کی سنتان میں سے ہیں۔ انہوں نے اس ''لنگڑی چڑیل'' کو قید کیا تھا۔''

چند روز بعد سوامی مہاراج اپنی یاترا سے واپس آ گئے تو مرلی کاکا یہ گھمبیر سمیسا لے کر سوامی مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ آکاش بھی تھا، وہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہا تھا۔

سوامی مہاراج کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ غصے سے بولے۔ ''مورکھ! جب من صاف نہیں ہے تو یہاں کیا لینے آیا ہے۔ سنسار میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کا دوش اس نہیں ہوتا لیکن وہ موجود ہیں۔''

''مہاراج میں شما چاہتا ہوں۔'' آکاش نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''مرلی! جی اس بار وہ پلید چھل نہیں کر سکے گی۔'' مہاراج نے کہا اور مرلی کاکا سے بات کرنے لگے۔

آکاش اکیلا آدھی رات کو اسی درخت کی سمت روانہ ہو گیا۔ اس کے دل میں یقین، بے یقینی اور خوف کے ملے جلے احساسات تھے۔ وہ اس درخت سے ذرا فاصلے پر پتھر پر بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ ہی سے گزرا تھا کہ دھم! کیساتھ چھن کی آواز سنائی دی۔ کوئی چیز زمین پر گری تھی۔ آکاش کے پورے وجود میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

پھر چھن! ٹھک!.....چھن! ٹھک!.....کی عجیب طرح کی آواز اسے قریب ہوتی محسوس ہونے لگی اور ساتھ ساتھ بے انتہاء غلیظ بدبو اس کی ناک سے ٹکرانے لگی۔ جو کہ ناقابل برداشت تھی۔ پھر آواز کے ساتھ ایک وجود بھی قریب آ گیا۔ جب آکاش نے نگاہ اوپر کی تو اس کا خون رگوں میں جیسے جم گیا۔

گوتم کے بیان سے زیادہ بھیانک تھی وہ! تو سے بھی زیادہ سیاہ، اتنی سیاہ کے اندھیرے میں نظر بھی نہ آئے۔ آنکھوں کی جگہ جیسے دو انگارے دہک رہے تھے، وہ آکاش کو گھور رہی تھی۔ آکاش اس قدر خوفزدہ تھا کہ اسے جو کرنا تھا وہ بھول گیا!، پھر وہ چڑیل آگے بڑھی اور اپنے نوکیلے پنجے آکاش کے سینے میں گھسانے شروع کر دیئے، درد کی شدت سے آکاش جھنجھنا اٹھا۔ پھر بڑی مشکل سے اس نے جیب میں پڑے سیندور کو مٹھی میں دبایا اور اس چڑیل کی آنکھوں میں ڈال دیا۔

وہ ڈکراتی ہوئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چیخنے لگی۔ پھر وہ چیختے چیختے ایک دم خاموش ہو گئی اور ایک سمت بھاگنے لگی۔

آکاش نے پیچھے دیکھا تو سوامی مہاراج پدھار چکے تھے۔ سوامی مہاراج نے دور خلا میں کچھ دیکھا اور پھر پڑھائی کرتے ہوئے اپنی مٹھی کس کر بھینچی تو چڑیل ایک ان دیکھی جکڑ میں آ گئی اور بے دردی سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اس کی کوشش بیکار تھی، وہ خود بخود کھنچتی ہوئی درخت کی جانب بڑھنے لگی اور بڑھتے بڑھتے درخت کے تنے سے جا کر چپک گئی۔ ایک ان دیکھی طاقت نے اس کو درخت سے باندھ دیا تھا۔ وہ گلا پھاڑے چلا رہی تھی۔

''بہت خون خرابا کیا ہے تو نے! اب تیرا انت نشچت ہے۔''

اور پھر مرلی کاکا نے ایک سنہرا کلش سوامی مہاراج کی اور بڑھا دیا۔ انہوں نے کلش تھام کر قدم درخت کی اور کر لئے اور منہ ہی منہ میں پڑھائی کرتے ہوئے درخت کی طرف کلش کو لڑھکا دیا، کلش میں موجود کنکر پھیل کر درخت کے گرد دائرہ بنا کر بھڑک اٹھے! اور پھر آگ آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ چڑیل کی چیخیں کان پھاڑ رہی تھیں اور فضا میں نہایت گندی بدبو پھیل گئی تھی۔ پھر وہاں راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

سوامی مہاراج مڑے تو آکاش نے جلدی سے جھک کر ان کے چرن چھو لئے۔ ''مجھے شما کر دیجئے!'' سوامی مہاراج نے مسکرا کر اس کو اٹھایا۔ ''بھگوان تمہیں سپھلتا دے!'' اور چلے گئے۔ مرلی کاکا بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ آکاش نے راکھ کے ڈھیر کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر گیسٹ ہاؤس کی جانب چل پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چندرا دیوی

ایم الیاس

دسویں قسط

خوف و ہراس پھیلاتی، ذہن پر سکتہ طاری کرتی، حیرت انگیزی کی دھوم مچاتی، جور و ستم کی بجلی گراتی، کالی شکتیوں میں تھلکہ مچاتی، لھولھان وادی کی پگڈنڈیوں پر دوڑتی بھاگتی، جادوئی کرشمہ سازیاں دکھلاتی، دل و دماغ پر ڈر کا سکہ بٹھاتی، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چنگھاڑتی، ہر پل ہر سو ہیبت ڈھاتی، اپنی نوعیت کی انوکھی کھانی۔

پرتحیر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ذہن سے محو نہ ہونے والی ایک اچھوتی کہانی

''اس بات سے ظاہر تو یہی ہوتا ہے۔'' پونم بولی۔ اب ہمیں بہت ہوشیار اور محتاط رہنا ہوگا۔''

رات کا وقت تھا..... سمندر تاریک، پرسکون اور کسی لق و دوق صحرا کی طرح بے کنار نظر آتا تھا۔ لیکن اس کی سطح سے ہوا کے فرحت بخش لطیف جھونکے اٹھ اٹھ کر جہاز کے عرشے کو چوم چوم رہے تھے۔ فضا پر گہرا سناٹا مسلط تھا۔

پونم..... محسوس کر رہی تھی کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک اس جہاز کے ریلنگ پر جھکی رہے گی اور اس کی زندگی تمام ہوجائے گی..... مرتے مرتے پانی کی سرگوشیاں سنتی رہے گی۔

اس کے پتا جی کی ناگہانی موت کا زخم جو بہت ہی گہرا اور تازہ تھا..... ایسا زخم جلد نہیں بھرتا ہے۔ گو کہ وقت بڑے سے بڑا زخم بھر دیتا ہے۔ لیکن اس میں وقت لگتا ہے..... کسی پر قتل کا شک نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی الزام عائد کیا گیا تھا..... مقدمہ چلتا بھی تو کس پر چلتا..... یہ تو اس وقت ہوتا کسی کو شک پر گرفتار کیا جاتا..... کوئی گواہ ہوتا..... اسے دکھ سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ نامعلوم قاتلوں نے کیوں اور کس لئے اس کے بے گناہ، معصوم اور بدنصیب کی جان لی.....

جب کہ وہ کسی کا دشمن نہ تھا۔ ایک بے ضرر سا آدمی تھا..... وہ کسی کو نہ تو کوئی تکلیف پہنچاتا تھا اور نہ ہی کسی کو دکھی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر سوچا..... کاش! اس قتل کا سبب تو معلوم ہوجائے۔ وہ اندھیرے میں تھی۔

آخر اس کے باپ کا جرم کیا تھا.....؟ یہ ایک معمہ تھا۔ ایک ایسا راز بن گیا تھا جو کبھی ظاہر نہیں ہوسکتا تھا..... شاید وقت کی گرد دوسروں کے ذہن کی طرح اس واردات کو اپنی آغوش میں چھپالے۔ ایک بھولا بسرا بھیانک خواب بن جائے۔

دور سے جہاز کے آرکسٹرا کی دھیمی دھیمی مسحور کن آواز آرہی تھی جو کشاں کشاں اپنی طرف کسی طلسم کی طرح کھینچ رہی تھی۔ آتما میں دھیرے دھیرے کسی امرت کی طرح رس رہی تھی..... عرشے پر سکون اور سکوت دونوں ہی تھے..... لیکن اس کے نچلے حصے کے بارے میں پونم کو چین و اطمینان نہیں تھا۔ جہاز..... قہقہوں..... موسیقی اور طمانیت سے پرے..... ترنگا رام کا مجسمہ جس پر کسی ممی کا گمان ہوتا تھا..... اور اس کے ساتھ اس کی سمادھی کے زیورات بھی رکھے تھے۔ پونم ان کا بوجھ اپنے اعصاب پر کسی چٹان کی طرح محسوس کر رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی جس نے اسے بے کل اور پریشان کردیا تھا۔ وہ بڑی مضطرب بھی ہورہی تھی۔

"کتنی سہانی اور خواب ناک اور حسین رات ہے......" اچانک اس کے کانوں میں سرگوشی ابھری اور ایک ہاتھ نے اس کے مرمریں ہاتھ کو بڑی محبت سے تھام لیا۔

"تمہیں شاید یاد ہو کہ نہ یاد ہو...... میں ایک عورت ہونے کے ناتے نہیں بھول سکتی۔" پونم کہنے لگی۔ "جب ہم چین کی بندرگاہ جارہے تھے۔ ایسی ہی رات تھی...... کیوں......؟ بعض باتیں...... لمحات اور گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں کہ لاکھ بھلانے کے باوجود بھی نہیں بھولتی ہیں...... وہ دل کے نہاں خانے پر نقش ہوکر رہ جاتی ہیں۔"

پونم جذباتی سی ہوکر سوچنے لگی...... وہ سفر کتنا حسین، یادگار اور سہانا تھا جب پتا جی آثار قدیمہ کے سروے کے لئے گئے تھے تو اسے بھی ساتھ لے لیا تھا۔ جگن ناتھ اور شاستری بھی تھے، ان دنوں وہ شاستری سے بہت قریب ہوگئی تھی اور ایک جذباتی رشتہ جسے رفاقت نے جنم دیا تھا...... ان دنوں وہ ایک پرجوش، اولعزم اور اس ٹیم کے مستعد کارکن تھے جو ماضی کے سربستہ رازوں کو ان پاتال کی گہرائیوں سے نکالنے کا عزم اور ایک جذبہ لے کر یہ ٹیم گئی تھی۔ ہر ایک نے کس قدر بڑھ چڑھ کر خلوص نیت سے اس مہم میں حصہ لیا تھا جس سے کامیابی نے قدم چومے تھے۔

لیکن یہاں کیا ہوا تھا......؟ جو کچھ ہوا وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ یہاں اس مہم کا ذائقہ زہریلا اور انتہائی تلخ اور اذیت ناک ہوکر رہ گیا تھا...... اس نے اپنے مشفق باپ اور ان کی چاہت کو کھودیا تھا۔ اب وہ ٹھنڈی چھاؤں سے محروم ہوگئی تھی۔ وہ اس کی دنیا تھے۔ اس کا محبت بھرا خزانہ تھے...... باپ کے بغیر دنیا کتنی ویران اور غیر اہم معلوم ہوتی تھی۔ باپ اور بیٹی کے درمیان محبت کا جو اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے وہ کسی اور رشتہ میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔ اس ناخوشگوار اور الم ناک واقعہ کی یاد نے اس کے سارے جسم میں ایک جھرجھری سی دوڑادی۔ اس کے سراپا میں ارتعاش سا ابھرا۔

پونم کے جسم میں جو ارتعاش پیدا ہوا تھا اسے شاستری نے محسوس کرلیا تھا۔ اس نے کہا۔

"پونم......! کیا سردی لگ رہی ہے......؟ موسم تو سرد نہیں ہے۔"

"نیچے جو مجسمہ رکھا ہوا ہے اس کی موجودگی کے احساس نے مجھے پریشان اور خوف زدہ کردیا ہے۔" پونم نے سراسیمگی سے کہا۔

"وہ صرف ایک بے جان اور قدیم مجسمہ ہے اس سے خوف زدہ کیوں ہورہی ہو؟" شاستری متعجب لہجے میں بولا۔

"نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجسمہ بے جان نہیں ہے بلکہ اس میں زندگی موجود ہے۔" پونم نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام کر جواب دیا۔ "جب بھی اسے دیکھا ایسا لگا اس میں کوئی آتما سمائی ہوئی ہے۔"

"بہتر ہے کہ تم اپنے وسوسے اور وہم کو دل سے نکال دو۔" شاستری نے اس کی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کرلیا اور اس کے چہرے پر جھک گیا تاکہ اس طرح سے پونم کے ڈر اور خوف کو اس کے دل کی گہرائیوں سے نکال دے۔ چند لمحوں کے بعد پونم کے ہونٹوں کی مٹھاس اپنے لبوں میں جذب کرکے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے تسلی دی۔ "یہ بات تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ اس مجسمے کو کتنی احتیاط اور حفاظت سے بند کیا ہوا ہے۔ اگر اس مجسمے میں کوئی آتما موجود ہوتی تو اسے جہاز پر لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... وہ مجسمہ قابو میں نہیں ہوتا اور اس کی آتما تنگ و ہراساں کرتی...... اور پھر وہ کسی نہ کسی طور پر ظاہر ہوجاتی...... اب تم اس کے بارے میں سوچنا بند کرو۔"

شاستری کے طویل بوسے اور اس کی تسلی نے پونم کے دل سے خوف کو بڑی حد تک زائل کردیا تھا۔

دوسرے لمحے وہ چونک پڑی...... ملگجے

اندھیرے میں کوئی شخص غیر متوازن قدم اٹھاتا ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس کا انداز پونم کو بڑا پراسرار اور جارحانہ لگا۔ پونم نے شاستری کا ہاتھ جو تھام رکھا تھا اس پر اپنی گرفت سخت کرلی۔ اس کا ایک شرابی کے انداز سے لڑکھڑا کر چلنا سمجھ میں نہیں آیا۔ جب کہ جہاز ہچکولے بھی نہیں کھارہا تھا...... پھر پونم کو ایک خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ شاید یہ کوئی مسافر ہے جو شراب خانے سے خوب چڑھا کر اس طرف نکل آیا ہے۔

جب وہ قریب آیا تو پونم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "انکل جگن ناتھ آپ......؟"

"ہاں...... میں......" جگن ناتھ نے بھی دونوں کے نمسکار کا جواب دے کر کہا تو اس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ سی تھی۔

"آئی ایم ساری...... میں تم دونوں کی تنہائی میں مخل ہوا......" پھر اس نے توقف کرکے پونم کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ "میری پیاری بچی...... تم کتنی سندر لگ رہی ہو...... پونم نام ہے...... اور تم پونم لگ رہی ہو ...مین کی...... گڈ نائٹ...... میں ادھر ہوا خوری کے لئے چلا آیا تھا لہٰذا تم میرے ڈسٹرب کرنے کا کوئی خیال نہ کرنا......"

جگن ناتھ نے اتنا کہہ کر ان کی بات کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا جدھر سے آیا تھا ادھر لوٹ گیا۔

"اگر انکل کی یہ کیفیت رہی تو کسی دن وہ ایک مجسمہ بن جائیں گے۔" شاستری نے کہا۔

پونم نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا...... شاستری کی آغوش سے نکل آنے کے بعد پونم نے اپنا لباس اور بال درست کرلیا تھا...... شاستری نے دلاسا ...ے جذباتی انداز سے دیا تو اس کی ساڑی کا پلو شانے اور سینے سے ڈھلک گیا تھا۔

پونم نے پلو سینے اور شانے پر پھیلانے کے بعد پھر ریلنگ پر جھک کر پھر سے لہروں کو دیکھنے لگی۔

اسے باپ کی موت کے گہرے صدمے کے باوجود انکل جگن ناتھ کی بڑی فکر تھی۔ پریشان تھی...... اس کے نزدیک یہ بدترین المیہ تھا...... کیوں کہ واپسی کا سفر شروع ہوا تو دیکھ رہی تھی کہ...... انکل جگن ناتھ نے جیسے کیبن میں خود کو مقید کرلیا تھا۔ شراب جیسے ان کی تنہائی کی رفیق بن گئی تھی۔ وہ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے۔ ان کا کھانا پینا بھی چھوٹ گیا تھا۔ پونم کو ڈر اور خدشہ تھا کہ کثرت سے شراب نوشی انہیں موت سے ہمکنار نہ کردے...... ایسا ہوا تو یہ صدمہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگا۔

اس کی وجہ کیا تھی وہ اس کے ساتھی جانتے تھے۔ پرکاش مہرہ نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا تھا یہ اس کا منفی ردعمل ہوا تھا...... پرکاش مہرہ کی طرف سے انکل جگن ناتھ کو جو خط ملا تھا وہ نہ صرف غیر مہذبانہ بلکہ اہانت آمیز بھی تھا۔ پرکاش مہرہ کو زیب نہیں دیتا کہ ایسا خط لکھے...... بات یہاں تک محدود رہتی تو قابل برداشت تھی...... لیکن وہ خط میڈیا کو اشاعت کے لئے دے دیا گیا تھا۔ اخبارات میں جو خط چھپا تھا اس میں انہیں تنبیہ کی گئی تھی کہ وہ آئندہ سرکاری طور پر سری لنکا کی سرزمین پر قدم نہ رکھیں...... کھدائی کرنے والے ادارے ان کے بجائے کسی اور کی خدمات حاصل کریں۔ کیوں کہ اب یہ اس کام کے اہل نہیں رہے گا۔

اس خط کی اشاعت سے جگن ناتھ کا دل ٹوٹ گیا تھا اور ان کے سارے سپنوں کو جیسے بے دردی سے پامال کردیا گیا تھا۔

جب دل ٹوٹ جاتا ہے تو آدمی دنیا کی ہر چیز سے بے زار، متنفر اور بدظن ہوجاتا ہے۔ اسے نفرت ہوجاتی ہے۔ اس لئے انہوں نے شراب کا سہارا لیا تھا۔ شراب انہیں ہر غم، صدمے اور فکر اور پریشانی سے نجات دے دیتی ہے۔

"معلوم نہیں...... اب انکل جگن ناتھ کیا کریں گے......؟" پونم نے لہروں پر سے نگاہ اٹھا کر شاستری کی طرف دیکھا جو اسے اپنی نظروں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ "وہ بہت دکھی ہوگئے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اصولاً انہیں ریٹائر ہوجانا چاہئے۔" شاستری نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"وہ کس لئے.....؟" پونم حیرت سے بولی۔ "وہ بڑے قابل آدمی ہیں۔"

"اس لئے انہیں ریٹائر ہونا پڑے گا کہ اب وہ جوان نہیں رہے۔" شاستری نے سرد مہری سے کہا۔ اب اس شخص کو باقی ماندہ زندگی گھر میں گزارنا چاہئے۔ کسی ادارے میں رہ کر اس کی مٹی پلید تو نہ کریں۔"

پونم کو اس کا لب و لہجہ اور گفتگو کا انداز بڑا زہر ناک لگا۔ چند لمحوں کی اذیت ناک خاموشی کے بعد اس کی طرف دیکھے بغیر تلخی سے بولی۔

"اپنے محسن اور باس کو اس انداز سے مخاطب کرتے ہوئے تمہیں ذرا برابر خجالت کا احساس نہیں ہورہا ہے.....؟ تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ وہ صرف تمہارے باس ہی نہیں بلکہ محسن بھی ہیں..... کیا محسنوں کے ساتھ احسان فراموشی کرنا تمہیں اچھا لگتا ہے۔"

پونم نے کھری کھری سنا کر شاستری کی طبیعت صاف کردی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ معاً ایک شکستہ چیخ سنائی دی..... ایسے لگا جیسے کسی نے چیخنے والے کو اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخنے سے روک دیا ہو۔ یہ مردانہ چیخ تھی۔ جگن ناتھ کی چیخ لگتی تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" شاستری نے اسے تاکید کی۔ "میں دیکھ کر آتا ہوں کہ معاملہ کیا ہے؟"

شاستری بجلی کی سی سرعت سے اس دروازے کی سمت کو ندا بن کر لپک گیا جو دو کیبنوں کے درمیان واقع راہ داری میں کھلتا تھا۔

پونم نے لمحہ بھر توقف کیا..... پھر اس سے رہا نہیں گیا۔ کیوں کہ یہ چیخ انکل جگن ناتھ کی تھی اس لئے وہ اس سمت بے تحاشا دوڑ پڑی..... اسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ ان دونوں کے سوا کسی اور نے یہ چیخ نہیں سنی تھی۔ کیوں کہ اس چیخ کو سن کر کوئی بھی باہر نہیں آیا تھا۔ البتہ اس نے ایک دراز شخص کو عرشے پر ٹہلتے ہوئے پایا۔

پونم جب دروازے کے قریب پہنچی تو اندر سے ایک شخص بڑی سرعت سے باہر آیا تو وہ اس سے ٹکرا گئی۔

وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی۔ وہ گرنے لگی تو اس نے ٹکرانے والے شخص کا بازو پکڑ لیا تو اس شخص نے اس کی نظروں کے سامنے ایک خوفناک خنجر لہرایا۔ اس کی تیز دھار اندھیرے میں چمکی تو وہ لرز گئی اور اس نے خوف زدہ ہو کر اس شخص کا بازو چھوڑ دیا اور ساتھ ہی لڑکھڑا کر قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کا سارا خون خشک ہوگیا تھا۔

وہ شخص فضا میں خنجر بلند کر کے پونم پر جھپٹا جیسے اسے قتل کردے گا۔ عرشہ پر جو دراز قد شخص ٹہل رہا تھا وہ لپک کر آیا اور اس اجنبی حملہ آور کے پیٹ میں دو زبردست گھونسے جڑ دیئے تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فرش پر چاروں شانے چت ہو کر گر پڑا۔

لیکن وہ دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور دراز قد شخص سے گتھم گتھا ہوگیا۔ دونوں لڑتے لڑتے عرشے کے وسط میں پہنچ گئے۔

اندھیرے کے باعث پونم کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کس کا پلہ بھاری تھا..... چند لمحوں کے بعد حملہ آور لڑکھڑاتا ہوا ریلنگ پر جا گرا..... پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سمندر کی آغوش میں سما گیا۔

"کوئی شخص پانی میں گر گیا ہے۔"

ایک زوردار سی آواز سکوت کا سینہ چیرتی ہوئی فضا میں گونجی۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک طوفان سا بپا ہوگیا۔ بہت سارے وہ لوگ جو رات جگا کر رہے تھے۔ رات کی رنگینی اور مختلف قسم کی تفریحات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ سب عرشے پر آ گئے۔ ہر کسی کو حیرت اور تجسس تھا کہ ایک آدمی پانی میں کیسے گر گیا.....؟ کیا کسی نے اسے سمندر میں پھینک دیا ہے.....؟ یا پھر وہ نشے کی حالت میں ریلنگ پر جھکا ہوا تھا اور آدھا جسم باہر نکالے جھانک رہا تھا۔ وہ سب مل کر ہذیانی انداز سے چیخنے اور شور مچانے لگے تھے کہ "ایک آدمی سمندر میں

گر گیا ہے۔" پھر کان کے پردے پھاڑنے والا بھونڈا سائرن بجنے لگا۔

پونم کا محسن اور نجات دہندہ اپنا جیکٹ ٹھیک کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے پاس آیا۔ دروازے سے باہر آنے والی روشنی میں پونم نے پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا اور اس کی نگاہیں ناقدانہ انداز سے جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ نہ تو نوجوان تھا اور نہ ہی درمیانہ عمر کا تھا۔ وہ ایک متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے چہرے سے اس کے تجربے اور بردباری ظاہر ہوتی تھی۔ اس میں جو وقار تھا اور تمکنت تھی اس نے پونم کو مرعوب سا بھی کیا تھا۔

وہ دشمن کون تھا جو آپ کی جان لینے کے درپے تھا؟" اس نے پونم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی وہ حملہ آور کون تھا.....؟" پونم نے جواب دیا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "معاف کیجیے۔ میں شاستری کو دیکھ لوں..... معلوم نہیں وہ کہاں ہے؟"

پونم کو ایک دم سے شاستری کا خیال آ گیا تھا کہیں وہ حملہ آور کا نشانہ تو نہیں بنا..... اس لئے وہ بے تحاشا دوڑتی ہوئی کیبنوں کی طرف بڑھی۔ جگن ناتھ کا چھوٹا کیبن تھا اور اس کا دروازہ تقریباً کھلا ہوا سا تھا۔ دہلیز پر شاستری گٹھری سا بنا ہوا تھا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو اس نے شاستری کو کراہتا ہوا پایا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

پونم نے اسے سہارا دے کر بیٹھا دیا۔ شاستری نے اسے نیم وا آنکھوں سے دیکھا اور ہاتھ سے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ جگن ناتھ بھی اسی حالت میں الجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام رکھا تھا۔

"شاستری.....! شاستری کیا ہوا.....؟" پونم نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ "تم ٹھیک تو ہو نا.....؟ انکل بھی کیسی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

"پہلے تو حملہ آور نے انکل کے سر پر حملہ کیا تھا۔" شاستری نے جگن ناتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا تو اس کے لہجے میں نقاہت تھی۔ "میں نے انہیں بچانے کی کوشش کی تو اس نے مجھ پر حملہ کردیا۔"

جگن ناتھ کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے کھڑے ہوگئے..... آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جہاز میں نصب الماری سے بوتل نکالی اور شاستری سے پوچھا۔ "کیا تم وہسکی پینا پسند کرو گے.....؟ اس سے کم زوری دور ہوجائے گی۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں شراب نہیں پیتا۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا میں کوئی مدد کرسکتا ہوں.....؟"

پونم کو اپنی پشت پر آواز سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہی نجات دہندہ کھڑا ہوا تھا۔

"انہوں نے اس حملہ آور سے میری جان بچائی تھی۔" پونم نے شاستری سے کہا۔ "اگر یہ بروقت نہ آتے تو میں اس کے ہاتھوں قتل ہوجاتی..... اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک خنجر تھا۔" اتنا کہہ کر وہ کانپ سی گئی۔

"میرا نام ونود کھنہ ہے۔" اجنبی نے اپنا تعارف کرایا۔

دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا..... جگن ناتھ بستر پر ان سے بے نیاز بیٹھے ہوئے شراب پیے جا رہے تھے۔

"سر!..... کوئی چیز غائب تو نہیں ہوئی ہے؟" شاستری نے جگن ناتھ سے سوال کیا۔

"غائب.....؟" جگن ناتھ نے اسے احمقوں کی طرح دیکھا۔ "یہاں ایسی کوئی قیمتی شے ہے نہیں ہے جو غائب ہوجائے..... البتہ میرا بٹوا تھا..... اس میں خاصی رقم رکھی ہوئی ہے۔" جگن ناتھ نے توقف کر کے تکیے کے نیچے سے بٹوا نکال کر رقم گنی۔ پھر اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رقم تو پوری موجود ہے۔ اس میں ایک روپیہ بھی کم نہیں ہے۔"

"اگر رقم چوری نہیں ہوئی تو پھر وہ کیا چرا کر لے گیا ہوگا.....؟" ونود کھنہ نے کہا۔

شاستری نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس نے سوچا..... کہیں نوادرات کی فہرست تو چوری نہیں ہوگئی.....؟ پھر اسے نوادرات اور مجسمہ کا خیال آیا۔ انہیں نہ پا کر چور اس کے کیبن میں بھی چوری کے لئے گھس سکتا تھا۔

"یہ محض کوئی اتفاقیہ امر نہیں ہوسکتا....." پونم نے فکرمندی کے لہجے میں ونود کھنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کچھ جانتے ہیں؟"

"مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ونود کھنہ مسکرا دیا۔ "آپ کی ٹیم کی شہرت دور دور تک پھیل چکی ہے..... البتہ پروفیسر جگن ناتھ کوئی قیمتی شے اپنے کیبن میں رکھی نہیں ہوگی؟"

"بالکل بھی نہیں....." شاستری نے صاف جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ "نوادرات جہاز کے اسٹور روم میں کڑے پہرے میں رکھی ہوئی ہیں۔"

"کیا آپ لوگوں نے کوئی پروگرام بنایا ہوا ہے.....؟" ونود کھنہ نے پوچھا۔

"ہم ان تمام نوادرات کو ممبئی لے جا رہے ہیں؟" شاستری نے جواب دیا۔

"کیا انہیں وہاں لے جا کر فروخت کردیں گے.....؟" ونود کھنہ نے سوال کیا۔

"فروخت کرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" شاستری بولا۔ "مسٹر پرکاش مہرہ ممبئی میں ان کی نمائش کریں گے۔"

"آپ کہاں قیام کریں گے.....؟ کیا وہاں کوئی ذاتی فلیٹ وغیرہ ہے؟" ونود کھنہ نے دوسرا سوال کردیا۔

پونم نے شاستری کے بشرے سے محسوس کیا کہ وہ ونود کھنہ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے..... اور یہ ایک طرح سے ٹھیک بھی تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ شاستری اپنے کیبن میں جا کر چیزوں کی جانچ پڑتال کرنا چاہتا تھا۔ پونم نے شاستری کی اس مشکل کو حل کرنے کے لئے دروازے کی طرف قدم بڑھایا تو وہ دونوں اس کے پیچھے ہولئے۔

"جی نہیں..... کوئی ذاتی فلیٹ یا سکونت نہیں ہے۔" شاستری نے جواب دیا۔ "میں نے ہالی ڈے ان میں بک کرائے ہوئے ہیں..... میں اور پونم اسی ہوٹل میں قیام کریں گے۔"

"لیکن وہ جگہ اچھی ہے نہ علاقہ۔" ونود کھنہ بولا۔

پونم نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا کہ شاستری اس کی بات کا کیا جواب دیتا ہے۔ وہ اس کا جواب سننا چاہتی تھی۔ شاستری کے چہرے پر ناگواری اور تندی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک اجنبی کی دخل اندازی جیسے زہر لگی تھی۔ اس نے قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"ممبئی شہر کا کوئی علاقہ اور جگہ اچھی نہیں ہے..... دوسری بات یہ ہے کہ وہ پارک کے قریب ہے۔ اس کے برابر میوزیم بھی ہے..... اور پھر اس کے سامنے ایک وسیع و عریض ہے جس میں نمائش کے انتظامات کئے جائیں۔ اس لحاظ سے اس سے اچھی، مناسب اور موزوں جگہ کوئی اور نہیں ہے..... اور وہ جگہ چوں کہ شہر کے وسط میں ہے۔ اس لئے لوگ آسانی سے نمائش دیکھنے پہنچیں گے۔"

"میری ایک بہت بڑی کوٹھی ہے۔" ونود کھنہ نے کہا۔ "اگر میں آپ کو اس میں قیام کرنے کی پیشکش کروں تو کوئی خیال تو نہیں کریں گے..... ایک تو وہ شہر کے ہنگاموں سے دور اور ایک پرسکون اور اعلیٰ رہائشی علاقے میں واقع ہے۔ اسی طرح آپ ہوٹل کے اخراجات سے بچ جائیں گے۔"

زینہ طے کرتے کرتے ان کے قدم یک لخت رک گئے..... پونم نے شاستری کے چہرے کے تاثرات سے محسوس کیا کہ اسے اس پیشکش سے ایک دھچکا سا لگا ہے۔ اس کا مزاج خالص مدراسی تھا۔

اس قسم کی بے تکلفی کو پسند نہیں کرتا تھا اور پھر اس بے تکلفی کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ اس سے ونود کا آخر تعلق بھی کیا تھا۔ اور پھر اس دعوت کا کوئی معقول جواز ہوتا تو سوچا بھی جاسکتا تھا۔ صرف تھوڑی دیر کی شناسائی تھی..... اور وہ محسن بھی تھا۔

پونم کے دل کے کسی کونے میں شک و شبہ نے کسی زہریلے سانپ کی طرح اپنا پھن لہرایا۔

کہیں ونود کھنہ اس کے حسن و شباب اور غیر معمولی کشش سے متاثر ہو کر اس کے قرب کے لئے تو پیش کش نہیں کر رہا ہے.....؟ پھر اس نے اپنے اس خیال کی نفی کردی..... کیوں کہ ونود کھنہ اتنا خوب صورت، وجیہ اور دراز قد اور سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا اور ایک امیر کبیر شخص تھا..... جانے نوجوان اور حسین لڑکیاں اس کی شیدائی ہوں۔

ان تمام باتوں کے باوجود پونم کے دل میں ایک ان جانی خواہش نے جنم لیا کیوں نہ ونود کھنہ کی اس فراخ دلانہ پیشکش کو قبول کرلیا جائے۔

وہ جانتی تھی کہ یہ ایک عجیب سی بات ہوگی..... لیکن ونود کھنہ اس سے جو ایک سحر سا محسوس کیا تھا وہ اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

"آپ کی اس پر خلوص پیشکش کا بہت بہت شکریہ..... لیکن میں معافی چاہتا ہوں کہ کسی وجہ سے یہ پیشکش قبول نہیں کرسکتا۔" شاستری نے بڑی سنجیدگی سے اس کی پیشکش مسترد کردی۔

"آپ کی اس عنایت کا بہت بہت شکریہ۔" پونم نے فوراً بات بنائی تھی۔ کیوں کہ شاستری کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ روکھا پن بھی تھا۔

"دراصل بات کچھ ایسی ہے اور پھر آپ کا کام ہی کچھ ایسا ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔" ونود کھنہ کہنے لگا۔ "میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت آرٹ کے لئے وقف کردوں..... آرٹ بچپن سے میری کمزوری رہا ہے۔"

"یہ علم آثار قدیمہ ہے..... اس کا آرٹ سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ تفریح طبع کا سامان ہے۔ یہ سائنس ہے۔" شاستری نے تراخ سے جواب دیا۔

"مجھے آپ کی یہ بات سن کر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔" ونود کھنہ نے اس کے لب و لہجے کی تلخی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے اس بات کی وضاحت کریں گے کہ..... آپ نے جو کھدائی سے نوادرات برآمد کئے ہیں ان کا مقام آرٹ میں ہے یا سائنس میں.....؟ دونوں میں.....؟ اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو مجھے آپ سے بڑی مدد ملے گی۔"

"میں آپ کی مدد ضرور کرتا اور تعاون بھی مسٹر ونود کھنہ!..... بات یہ ہے کہ ہم نے جو پروگرام بنایا ہوا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے سے بھی قاصر ہیں اور نہ ہی ہمیں اس کی اجازت ہے۔" شاستری نے معذرت کی۔

"ونود کھنہ نے مدد طلب نظروں سے پونم کی طرف دیکھا۔

لیکن پونم نے اس سے لاتعلقی ظاہر کرنے کی کوشش کی..... کیوں کہ وہ شاستری سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتی تھی..... حالاں کہ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ ونود کھنہ کی بات مان لے۔

"اچھا چلیں..... چل کر کچھ پی لیتے ہیں..... وہاں اس معاملے پر غور اور تبادلہ خیال کریں گے۔" ونود کھنہ اصرار کرنے لگا۔

"ہاں..... یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔" پونم نے اس خیال سے فوراً ہی تائید کردی کہ کہیں شاستری انکار نہ کر بیٹھے۔

شاستری نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور تیز لہجے میں بولا۔

"اس میں غور کرنے کی کون سی بات ہے..... کیا یہ وقت ضائع کرنے والی بات نہ ہوئی؟"

"لیکن کچھ دیر اکٹھے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حرج ہی کیا ہے۔" پونم نے کہا۔

"ہمیں کچھ ضروری کام بھی تو کرنے ہیں۔" شاستری نے بہانہ تراشا۔ "اس لئے میں ساتھ دینے سے معذرت چاہوں گا۔"

"تم چل کر کام دیکھو۔" پونم نے کہا۔ "میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔"

پھر ونود کھنہ اور پونم ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گئے۔ وہ انہیں جاتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔

شاستری نے اپنے کیبن میں جا کر اپنی چیزوں کو دیکھا۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ وہ سب چیں کہ جوں اپنی جگہ موجود ہیں۔ کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ وہ پراسرار شخص اس کے کیبن میں نہیں آیا تھا۔ جگن ناتھ کے کیبن میں کس نیت سے گیا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر وہ کیبن سے نکل کر ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ کیوں کہ اطمینان ہونے کے بعد اب اسے کچھ کھانے کی خواہش ہونے لگی تھی۔

سفر کے بقیہ دنوں میں ونود کھنہ کی یہ کوشش جاری رہی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح شاستری کا دل جیت لے۔ اس کا انداز بڑا دوستانہ تھا اور وہ بڑے خلوص اور جذبے سے شاستری سے ملتا..... کسی بات پر کبھی شاستری قدرے تلخی سے جواب دیتا..... لہجے میں ترش روئی ہوتی بھی تھی ونود کھنہ اس بات کا قطعی برا نہیں مناتا تھا۔ وہ ایک صاف دل اور نرم خو شخص تھا۔

ونود کھنہ ان کے لئے نہ صرف عجیب و غریب بلکہ ایک طرح سے پراسرار اور مشکوک سا شخص بن گیا تھا۔

شاستری اور پونم نے لاکھ سوچا..... ایک دوسرے سے تبادلہ خیال بھی کیا..... کئی باتوں اور پہلوؤں پر غور بھی کیا لیکن وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے کہ..... ونود کھنہ آخر انہیں اہمیت کیوں اور کس لئے دے رہا ہے.....؟ اس کی تہہ میں کون سا جذبہ کار فرما ہے؟

ونود کھنہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے اور جس کیبن میں ٹھہرا تھا وہ اول درجے کا وی آئی پی تھا..... اس لئے کہ وہ ایک دولت مند شخص تھا۔ اس کیبن کا کرایہ ہوائی جہاز کے کرائے سے ڈیڑھ گنا زیادہ تھا۔ وہ چاہتا تو ہوائی جہاز سے ممبئی جا سکتا تھا۔ ہوائی جہاز کے سفر میں صرف تین گھنٹے لگتے تھے۔ جب کہ بحری جہاز میں چار دن..... لیکن اس نے بحری جہاز کو ترجیح دی تھی۔

وہ لوگ ساز و سامان کے باعث بحری جہاز سے سفر کر رہے تھے..... ان کے خیال میں ایک امیر کبیر آدمی کا بحری جہاز سے سفر کرنا شوق ہی کہا جا سکتا تھا..... لیکن ایسے جنون نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جنون کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ لیکن اس امیر آدمی کے نزدیک شاید کوئی حد نہ تھی۔ انہوں نے اشارے کنایے میں بحری جہاز سے سفر کی وجہ معلوم نہیں کی۔ یہ معیوب اور خلاف تہذیب بات تھی۔

وہ دولت مند ہوتے ہوئے بھی اس میں اتنی انکساری اور خلوص اور دوستانہ انداز تھا کہ وہ اس سے متاثر ہوئے جا رہے تھے۔ اس کے برتاؤ اور باتوں سے اس کی امارت ظاہر نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اس نے کبھی اس کا اظہار کیا تھا۔

ونود کھنہ نے پونم کے سامنے اپنے مکان کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ..... اس کا دل اور سپنا ونود کھنہ کے مکان کی طرف کھنچنے لگا تھا۔ وہ سپنوں اور طلسماتی محل کی طرح تھا۔ اسے ایسا لگتا تھا کہ یہ مکان نہیں کوئی محل ہے جس کی وہ مہارانی ہے..... یہ مکان اس کی پسند اور خواہش کے مطابق بنایا گیا ہے..... کیا ایسا مکان جو سپنے میں بھی نظر نہیں آتا ہے اس کا وجود حقیقی دنیا میں ہو سکتا ہے۔

اور پھر ونود کھنہ نے شاستری کے سامنے بھی الگ تھلگ خواب ناک اور سکون کی ایسی منظر کشی کی کہ اس کا دل بھی ڈانوا ڈول ہونے لگا۔ ونود کھنہ نے جدید انداز کا ایک آئیڈیل مکان بنایا تھا۔ جہاں ہوٹلوں کی طرح ٹریفک کا شور تھا اور نہ فضا میں آلودگی تھی اور نہ ہی

کسی قسم کی خرافات..... شاستری وہاں اطمینان اور یکسوئی نمائش کے لئے کاغذی تیاریاں کر سکتا تھا۔

"پونم!..... کیا تم نے اس بات پر غور کیا.....؟" شاستری نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کس بات پر.....؟" پونم نے اپنی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

"ونود کھنہ..... ہمیں اپنے ہاں لے جا کر ٹھہرانے پر اس قدر زور کیوں اور کس لئے کر رہا ہے.....؟ اس کا اصرار پراسرار مشکوک محسوس نہیں ہوتا ہے.....؟" شاستری نے کہا۔ "آخر اپنے قیام کو وہ اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے.....؟" شاستری نے کہا۔ "کیا اس سے اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ بے حد پراسرار اور مشکوک ہو رہا ہے۔ اس کی نیت میں فتور اور دل میں کالا ہے۔"

"نیت میں فتور.....؟" شاستری نے اس جملے پر بڑا زور دیا تھا..... شاستری کی کسی بات کا پونم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا جب کہ اس کے پاس جواب تھا۔ لیکن ایک عورت ہونے کے ناتے وہ شاستری سے کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ حالاں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے۔ کوئی حجاب نہیں تھا۔ اس نے شاستری کو کئی مرتبہ من مانیاں کرنے دیا تھا لیکن حد سے تجاوز اور ناشائستہ حرکت کرنے نہیں دیا اور نہ ہی شاستری نے ایسی کوئی حرکت کی تھی جو معیوب ہو۔ دوستی اور محبت میں اتنی اجازت ہوتی ہے۔ آج کی محبت کل کی محبت کی طرح نہیں رہی تھی۔ تنہائی میں موقع ملا فائدہ اٹھا لیا جاتا تھا۔ کوئی حد سے نہیں بڑھتا تھا۔ لیکن بہت سے رومانی جوڑے حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔

پونم کے ذہن میں کوئی وضاحت تھی بھی تو وہ اتنی ذاتی نوعیت کی تھی اس پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی..... وہ حقیقت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی..... جہاز جوں جوں ممبئی شہر سے قریب ہوتا جا رہا تھا وہ ایک ہیجان اور ان جانی تشویش میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی..... اس نے بارہا ونود کھنہ کی نظروں میں اپنا چہرہ اور سراپا جکڑا پایا تھا۔ گو کہ اس میں کوئی میل نہیں تھا۔ چہرہ جو دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ صاف و شفاف تھا..... اس کے باوجود وہ ونود کھنہ سے نظریں چراتی رہی تھی..... وہ ان دونوں میں سے ایسے متضاد جذبوں میں جکڑی گئی تھی کہ جن سے وہ اب تک نا آشنا رہی تھی۔

جب جہاز ممبئی کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو حالات نے شاستری کو ونود کھنہ کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔

اس لئے کہ وہ ان ساری کی ساری بے بدل اشیا کو تنہا ساحل پر اتروا نہیں سکتا تھا..... کیوں کہ اس کے علاوہ ان کی وہ فہرست بھی غائب تھی جس سے ملکی قوانین پوری ہو سکتی تھی۔ اس فہرست کے بغیر کسٹم کلیرنس نہیں دے سکتا تھا۔

شہر میں ایک سیاسی حکومت مخالف پارٹی نے کال دی تو جلاؤ، گھیراؤ اور ٹرانسپورٹ کا سارا نظام معطل ہو کر رہ گیا۔ پرکاش مہرہ غصے سے بھن بھناتا پھر رہا تھا۔ پولیس نے ان حالات میں اس کی ہر قسم کی مدد سے معذرت کر لی تھی اور کسی بات کی ضمانت دینے کو تیار نہ تھی..... ایسے میں ونود کھنہ ہی ان کے کام آیا..... اس کی دولت اور اثر و رسوخ نے سارے کام باآسانی بڑی سہولت اور حفاظت سے کروا دیئے، کسٹم نے جانچ پڑتال کئے بغیر سارا سامان کلیئر کر دیا تھا..... حالاں کہ پرکاش مہرہ بھی بڑا بااثر، طاقت ور تھا۔ لیکن آج اس کی گھن گرج اور اثر و رسوخ کوئی کام نہ آ سکا تھا۔ ونود کھنہ نے جس معقول طریقے سے دوستوں کی مدد کی تھی وہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر اس نے پیشکش دہرائی تو شاستری کو اس کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس لئے بھی کہ جس ہوٹل میں انہوں نے کمرے بک کئے ہوئے تھے وہ سب سے شورش بردہ علاقہ تھا اور مغادات کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ پونم نے اس بات سے دل میں خوش تھی کہ بالآخر شاستری نے ہار مان لی۔

ونود کھنہ نے اپنے مکان کی جتنی تعریف کی وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے کہیں زیادہ اچھا نکلا۔

سرسبز درختوں میں گھرا ہوا..... کشادہ پرسکون اور پرشکوہ..... آرائش و زیبائش..... راحت و آسائش کے لوازمات شاہانہ تھے..... اندر وہ کسی محل سے کم دکھائی نہ دیتا تھا..... پونم لمحے کے لئے سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ لوگ اپنے آرام و سکون کے لئے پیسہ کتنا بہاتے ہیں..... اس دیش میں جو غربت و افلاس ہے کتنے لوگ ایسے ہیں کہ انہیں ایک چٹائی اور ٹھاٹ تک نصیب نہیں..... وہ ننگے فرش اور زمین کو بستر بناتے ہیں۔

گرد و پیش میں جنگل جیسا سناٹا تھا۔ پونم اور شاستری کو یہ جگہ آئیڈیل لگی..... وہاں ایک سنجیدہ اور پروقار مزاج کے دیرینہ ملازم جگ دیپ سنگھ نے انہیں ان کے کمرے دکھائے۔ وہاں کا خواب ناک ماحول دیکھ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ واقعی سورگ میں آ گئے ہوں..... پونم کا کمرا بہت بڑا اور کشادہ تو نہ تھا لیکن اس کا حسن، دلکشی اس کے در و دیوار سے ٹپک رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی رنگین سپنا دیکھ رہی ہو..... اور جیسے وہ برسوں سے اس کی متلاشی تھی..... نرم و گداز بستر دیکھ کر بے ساختہ اس کا دل سونے کو چاہا..... چوں کہ مشروط بات کے لئے نیچے جانا تھا اس لئے وہ بستر پر دراز نہ ہو سکی۔

نشست گاہ میں پہنچ کر جو اس نے اس کی آرائش، و زیبائش دیکھی تو ششدر ہو کر رہ گئی۔ ایسی سجاوٹ کا تصور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ میز پر بہترین، عمدہ چکن سوپ جس کا ذائقہ اور لذت اس نے آج تک کبھی کسی سوپ میں محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے خوب سیر ہو کر سوپ پیا۔ پھر وہ سوپ کا پیالہ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر وہ کمرے میں گھوم پھر کر سجاوٹ کی چیزیں قریب سے دیکھنے لگی..... اس کے قدم ایک قیمتی شوکیس کے سامنے رک گئے۔ جس میں تمام زیورات رکھے ہوئے تھے۔ جن پر بڑی نفاست، نزاکت اور مہارت سے کام کیا ہوا تھا..... ان سے ان کے مالک کی نفیس اور عمدہ ذوقی کا اظہار ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں ایسے زیورات کسی محل ہی میں ہو سکتے تھے۔

"کیا آپ کو پسند آئے.....؟"

معاً اسے اپنی پشت پر ونود کھنہ کی آواز سنائی دی۔ وہ نہ جانے کب سے کھڑا ہوا اس کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان زیورات کو دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ وہ ونود کھنہ کی آہٹ تک سنائی نہیں دی تھی۔

"بہت ہی خوب صورت اور نادر قسم کے ہیں۔" پونم نے تعریفی لہجے میں کہا۔

وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ تنگا رام کے نوادرات سے کہیں خوب صورت اور قیمتی معلوم دیتے ہیں..... میں نے سپنے میں بھی ایسے زیورات نہیں دیکھے۔ آپ کے انتخاب اور ذوق کی داد نہ دینا بد ذوقی ہوگی۔

ونود کھنہ نے شوکیس کا ڈھکن اٹھا کر ایک چھوٹا لاکٹ نکالا جس کی آب و تاب نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ جب اس نے پونم کی مرمریں صراحی دار گردن سے لگایا تو اس کا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ شاید اس کی دھڑکن شاید ونود کھنہ نے بھی سن لی ہوگی۔

"میں نے اسے کسی حسین اور نازک خاتون کے لئے سنبھال کر رکھا تھا۔"

پونم نے اس کے ہاتھ سے لاکٹ لے کر دیکھا۔ زیور عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ وہ زیر لب بولی۔

"اوہ! کتنا خوب صورت لاکٹ ہے.....؟ کسی ماہر سنار نے بنایا ہوگا؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے آپ کی نذر کر دوں....." ونود کھنہ نے سرگوشی کی۔

پونم جلدی سے دو قدم ہٹ کر لاکٹ کو یوں دیکھنے لگی جیسے کوئی زہریلا ناگ ہوا سے ڈس لینا چاہتا ہو۔

ونود کھنہ کی سرگوشی نے اسے چونکا دیا تھا۔ ایک طرح سے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے کانوں میں گرم گرم سیسہ انڈیل دیا گیا ہو..... اور پھر ایک ان جانا سا

خیال بڑی تیزی سے ذہن میں کوندا بن کر لپکا..... یہ سب کچھ بڑی تیزی سے ہو رہا ہے..... بڑی شدت سے.....

"لیکن یہ تو بڑا نایاب، انمول اور قیمتی لاکٹ ہے۔" وہ بہ مشکل کہہ پائی۔ اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش صاف نمایاں تھا۔

"یہ میرے لئے بڑی مسرت کی بات ہوگی کہ آپ کے گلے کی زینت بن جائے۔ اگر آپ نے اسے قبول نہ کیا تو میرے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں رہے گی....."

ونود کھنہ کی ٹھہری ہوئی آواز اسے کانوں میں رس گھولتی اور کانوں سے دل میں اترتی محسوس ہوئی اس کی آواز میں ایک ایسا عجیب سا سحر تھا جس نے اسے جکڑ لیا تھا۔

اس کے پرتعین انداز نے پونم کی خود اعتمادی کو متزلزل کر دیا..... وہ کتنا بھرپور انسان اور کسی اوتار کی طرح نظر آیا تھا اور ایک شاستری..... کشن پر پاؤں پھیلائے بیٹھا ہوا شاستری اسے دور بہت دور ہٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا.....

پونم نے ونود کھنہ سے نظر بچا کر شاستری کو کن انکھیوں سے مدد طلب نظروں سے دیکھا..... لیکن اس کا پیارا شاستری جو اسے نظر انداز کئے ہوئے کسی خیال میں غرق بھلا بیٹھا تھا۔

"آپ اسے رکھ لیں گی نا.....؟" ونود کھنہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس میں حکم تھا اور نہ ہی درخواست.....

"اسے قبول نہ کرنا..... آپ کے پرخلوص پیش کش کی ناقدری ہوگی۔"

پونم نے بے جان لہجے میں کہا..... اس نے سوچا۔ وہ مہمان نہ ہوتی تو اسے قبول نہ کرتی۔

ونود کھنہ نے بڑی نرمی سے اس کے نازک، سڈول اور خوب صورت ہاتھ کو تھام کر اس کی پشت پر بوسہ دیا۔

"آپ نے اسے قبول کر کے مجھے جو عزت اور اعزاز بخشا ہے میں اسے کبھی نہ بھول سکوں گا۔" ونود کھنہ نے کہا۔

ونود کھنہ نے وہ لاکٹ اس کی مرمریں صراحی دار گردن میں پھنسا دیا۔

پونم خواب کی سی حالت میں چلتی ہوئی بڑے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اسے یہ سب سندر سپنا جیسا لگا تھا کہ اس قدر قیمتی، نایاب اور انمول لاکٹ اس کی گردن کی زینت بن جائے گا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

شاستری خالی مگ تھامے اسے گھور رہا تھا۔ ونود کھنہ نے اس کے قریب آ کر اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا..... اور پھر اسے دوبارہ بھرتے ہوئے فاتحانہ مسکراہٹ سے پونم کی طرف دیکھا۔ اس مسکراہٹ میں شاستری کے لئے تمسخر تھا۔ پونم کو اس کی یہ حرکت بڑی ناگوار لگی۔ وہ ایسی باتوں کو بالکل بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

"مجھے ایک جام تجویز کرنے کی اجازت ہے....." ونود کھنہ نے شگفتگی سے کہا۔ "نمائش کی شاندار کامیابی کا جام....."

اتنا کہہ کر ونود کھنہ نے دو خالی مگ میں بیئر انڈیل دی تو ان دونوں نے اپنے اپنے مگ اٹھا لئے۔

پھر ان تینوں نے ایک ساتھ پرتکلف ڈنر لیا۔ شاستری بے دلی سے کھا رہا تھا لیکن پونم کے اصرار پر اس نے پھر شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر وہ فراغت پا کر سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

اس آرام اور ریشم کا سا گداز لئے بستر نے پونم کے سارے بدن میں ایک لطیف سی فرحت بھر دی تھی۔ بستر پر دراز ہو کر پہلے تو اس نے ان نوادرات کے بارے میں سوچا جو ایک خوب صورت الماری میں سجے ہوئے تھے، یہ نوادرات سینکڑوں برس قدیم زمانہ کے تھے۔ اس کا اندازہ ان کی ساخت سے ہوتا تھا۔ کاریگری اور مہارت جیسے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی ہم سیکڑوں برس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے کے فیشن کے مطابق بنائے گئے ہیں..... اور یہ جڑاؤ لاکٹ جس میں ننھے منے ہیرے جڑے تھے ان کی آب وتاب برقرار تھی..... کہیں ونود کھنہ نے اسے قریب لانے کے لئے چارہ تو نہیں ڈالا.....؟ اگر اس کے عوض ونود کھنہ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی وہ اس کی یہ آرزو پوری ہونے دے گی اور یہ لاکٹ اسے واپس کردے گی۔ شاستری کو لے کر یہاں سے چلی جائے گی۔

ایک سوال جو اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا کہ..... ایسے قدیم نوادرات اس کے پاس کہاں سے کیسے آئے..... ! یہ ہزاروں کے نہیں..... لاکھوں کے نہیں..... بلکہ کروڑوں کی مالیت کے ہیں..... کیا یہ ارب پتی ہے.....؟ پونم یہ سب کچھ سوچتی ہوئی ایک دم سے چونک پڑی..... کیا ونود کھنہ اس دور اور اس دھرتی کا باسی معلوم نہیں ہوتا ہے.....؟ ایسا لگتا ہے کہ صدیوں قبل جن راج کماروں اور مہاراجاؤں کی قصہ کہانیاں سنی تھیں وہ ان سے معلوم ہوتا تھا..... کیوں کہ ایسی قامت و جاہت، وقار اور خوب صورتی تمام اور آج کے دور کے کسی مرد میں دکھائی نہیں دیتی تھی..... اس پر نیند کی غنودگی طاری ہونے لگی۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ نیند اور ونود کھنہ اسے اپنی آغوش میں لے رہے ہیں۔ پھر اس نے چہرے پر گرم گرم سانسیں اور ہونٹوں پر تپش سی محسوس کی تو اس نے ایک جھٹکا دے کر آنکھیں کھول دیں۔ یہ اس کا واہمہ تھا..... ایک لمحاتی سپنا تھا۔ اس کے پراگندہ احساسات نے اسے شک میں ڈال دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

پونم اور شاستری اپنے اپنے کام کو نمٹانے لگے..... پرکاش مہرہ نے رام جی پارک میں اس سے متصل میدان میں ایک لمبا چوڑا پنڈال لگا لیا تھا جس پر بلدیہ نے سخت اعتراضات کئے تھے..... پرکاش مہرہ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ خاندانی تھا۔ مہرہ فیملی پورے ملک میں عزت و احترام سے دیکھی جاتی تھی وہ اس خاندان میں سب سے بڑا اور اہم فرد تھا۔ پرکاش مہرہ کے سامنے بلدیہ کیا بیچتی تھی۔

اس نے نہ صرف اپنے آدمیوں بلکہ زیر اثر میڈیا کے ذریعے یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ اگر اسے نمائش کی اجازت نہ دی گئی تو امریکہ اور یورپ جا کر ان کی نمائش کرے گا جس سے وہ لاکھوں ڈالر اور پونڈ کمائے گا..... وہاں وہ کہہ دے گا کہ وہ ہندوستان کی نہیں بلکہ سری لنکا کی نمائندگی کر رہا ہے۔ وہاں اس کی جو پذیرائی ہوگی اس کا ہندوستانی حکومت سوچ بھی نہیں سکتی ہے۔ اس طرح ہندوستان کے لاکھوں لوگ ان نوادرات کی نمائش سے محروم رہیں گے۔ پھر وہ تمام نوادرات برٹش میوزیم کو فروخت کردے گا۔

اس کا یہ نفسیاتی حربہ کارگر ثابت ہوا۔ میڈیا نے تو ایک طوفان کھڑا کر دیا تو عوام کا غصہ اور جوش وخروش بڑھ گیا۔ حکومت نے اس دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس طرح خوب پبلسٹی بھی ہوگئی۔

شاستری نمائش کے انتظامات میں بڑی سرگرمی سے لگ گیا۔ اس نے نوادرات کو صندوق سے نکالنے کی ذمے داری لے لی۔

پرکاش مہرہ نے نمائش کا بڑے سلیقے، ترتیب اور ندرت اور شاندار طریقے سے اہتمام کیا تھا..... تین دن تک اس نے نہ صرف خود کام کی نگرانی کی اپنا زیادہ تر وقت صرف کیا..... پنڈال کے اندر اس نے سادھی کا سا ماحول بنانے کی کوشش کی تھی تاکہ تماشین زیادہ متاثر اور مرعوب ہوں۔ بڑے بڑے پوسٹروں پر تنگا رام اور اس کے خاندان کے حالات کے علاوہ نوادرات کے کوائف بھی درج کئے گئے تھے۔ ساری چیزیں اس نے بڑی مناسب اور مخصوص جگہ پر رکھی تھیں۔ ٹھیک وسط میں رنجیت کمار کے مجسمے کو ایک تابوت میں رکھا ہوا تھا۔

یہ تابوت اشارہ تھا..... اس پر ڈھکن تھا۔ اس لئے کہ یہ مجسمہ خالص سونے کا تھا..... تنگا رام کی کہانی پوسٹروں میں اس طرح بیان کی گئی تھی کہ وہ اور دلشان..... مہاراجا واسیو کے جڑواں بیٹے تھے۔ جب ان دونوں نے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو وہ مختلف کردار کے مالک تھے۔ تنگا رام سچائی اور ابدیت کا

متلاشی تھا اور ایک سادھو کی سی زندگی گزار رہا تھا..... اس کے برعکس دلشان دنیاوی لذتوں کا قائل تھا اور جسمانی لذت کو متاع حیات سمجھتا تھا..... جب اسے کسی لڑکی کی بلوغت کی خبر ملتی تو اس لڑکی کی شامت آجاتی تھی اور اس کی عزت محفوظ نہیں رہتی تھی۔ وہ داغدار ہو جاتی تھی..... جب کسی شادی شدہ عورت کے حسن و شباب کی تعریف سنتا تو وہ اسے بستر کی زینت بنائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔

تنگا رام کو رعایا میں ایک مقام حاصل تھا وہ اس پر جان چھڑکتی تھی اور اس کی ایک دیوتا کی طرح پوجا کی جاتی تھی۔

دلشان کو بھائی کی عزت، اس کے اعلیٰ مقام اور اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے حسد ہونے لگا۔ حسد کی آگ نے اس کا سکون اور سارا چین غارت کر دیا تھا۔ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اسے ایک خون آشام بھیڑیا کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ امر اس کے لئے روح فرسا اور اذیت ناک تھا۔ اس نے اپنے سازشی مشیروں اور ہم منصب ساتھیوں کی مدد سے اس کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی۔ جب اس کے بوڑھے باپ نے دیکھا کہ بہت بڑی خون ریزی ہونے کا خوف وخدشہ ہے تو اس نے اپنے وزیروں اور مخلص دوستوں کی رہنمائی اور مشورے سے خانہ جنگی سے بچنے کے لئے اپنے محبوب بیٹے کو بن باس کر دیا۔ تنگا رام اپنے گنے چنے مخلص، وفادار اور جانثار ساتھیوں کے ہمراہ سنسان اور ویران علاقوں میں پناہ کی تلاش میں گھومتا رہا۔ گو کہ وہ بہت ساری دولت لے کر نکلا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی ایک جگہ مستقل قیام ہو جائے۔

آخر چند مہینوں کی خاک چھاننے کے بعد ایک دور افتادہ بستی کے ایک سردار نے اسے پناہ دی..... وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس کے فلسفے اور کردار سے متاثر ہونے لگے اور اسے اپنا مہاراجا بنا لیا۔ دو ایک برسوں کے بعد اس نے وطن واپسی کا تہیہ کر لیا۔ کیوں کہ اس کے علم میں یہ بات آرہی تھی کہ وہاں کے حالات بڑے ابتر ہیں اور لاقانونیت کا دورہ ہے۔ نوجوان لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں تک کی عزت وآبرو کو درندگی اور تشدد سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جا رہا ہے..... وہاں ہر برائی اپنے عروج پر تھی۔ کوئی پرسان حال نہ تھا اور نہ ہی کوئی اوتار ان کی مدد کو آیا تھا۔

جب تنگا رام کے بھائی دلشان کے کانوں میں بھنک پڑی کہ تنگا رام اس کی سرکوبی کے لئے آرہا ہے تو اسے بہت غصہ آیا۔ وہ اپنے بھائی کی جان لینے کے درپے ہوگیا۔ قاتلوں نے تنگا رام کا بازو کاٹ لیا جس کے ہاتھ کی انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں اور اسے وہ بطور نشان اس کے بھائی کے پاس لے گئے۔ اس کی لاش نذر آتش کرنے کے بجائے بے سروسامانی کی حالت میں دفن کر دی گئی۔

لیکن اس کے باپ سیوا نے مرنے سے پہلے اس کی لاش منگوالی..... پھر اس کی چتا جلائی گئی۔ پھر اس کی سمادھی میں جو شاہانہ تھی۔ اس میں تنگا رام کا سونے کا مجسمہ بنوا کر دفن کر دیا گیا۔ اس کی چتا کی راکھ دریا برد کر دی گئی۔

☆.....☆.....☆

''کیا چبوترے پر تابوت کو کھولو گے.....؟'' ونود کھنہ نے سوال کیا جو بڑی مستعدی سے شاستری اور پونم کے ہرکام میں ہاتھ بٹا رہا تھا اور پیش پیش تھا۔

''کیوں نہیں.....؟ کیا یہ دیکھو گے کہ یہ کیا ہوگا.....؟'' پرکاش مہرہ بولا۔

اس سے پہلے کہ ان تینوں میں سے کوئی کچھ کہتا پرکاش مہرہ نے خنجر سے تابوت کے گرد لپٹا ہوا فیتہ کاٹا اور اس کا ڈھکن اٹھایا۔

تنگا رام کا مجسمہ جو کسی ممی کی طرح اپنا دیدار کرانے کا منتظر تھا..... ونود کھنہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے ہٹ گیا۔

پونم بھی اس کے ساتھ ساتھ چل دی اور جاتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے اس نے شاستری سے دریافت کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جارہا ہے کہ نہیں؟

''ابھی کچھ کام باقی ہے۔'' شاستری نے جواب دیا۔ ''اسے نمٹا کر تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔''

انہوں نے گھر پہنچ کر کچھ دیر تک شاستری کا انتظار کیا..... چوں کہ ان دونوں کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی اس لئے کھانے بیٹھ گئے۔ شاستری کا اب مجھے بھی انتظار کرنا محال تھا۔

کھانے سے فراغت پا کر پونم کمرے میں آئی۔ اس نے لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اپنے اٹیچی میں کوئی مناسب جوڑا تلاش کرتے سے اس کی نظر سونے کی دھات کی طرح اس گول ٹکڑے پر پڑی جو وہ سری لنکا سے لائی تھی..... یہ بے سایہ تختہ نقش اس کے پتا جی نے کھدائی کے دوران ایک روز اسے دیا تھا..... اس پر کسی قدیم سری لنکن زبان کے الفاظ کندہ تھے، جن کے بارے میں اس کے باپ نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا..... اس کے پتا جی نے یہ چیز کہیں پڑی پائی ہوگی یا پھر کسی مقامی باشندہ سے خریدا ہوگا جو کسی وجہ سے اسے فروخت کرنے آیا ہوگا..... سادھی سے برآمد ہونے والے زیورات اور جواہرات کے مقابلے میں یہ گھسا ہوا نقش ہے وقعت تھا۔ اس کی کوئی مالیت بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اس کے پتا جی کی اس نشانی کو پونم نے بڑی حفاظت سے اس طرح سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ جیسے یہ کوئی انمول، نایاب اور قیمتی شے ہو۔ اب جو نظر اس پر پڑی تو باپ کی یاد اسے شدت سے تڑپانے لگی۔ اس لئے بھی کہ بیٹی کو باپ سے کچھ زیادہ ہی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس نے نقش کو ایک پتلی زنجیر میں پرو کر گلے میں اس طرح ڈال لیا جیسے یہ واقعی یہ نایاب شے ہو۔

جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھے تو ونود کھنہ کی نظر اس نقش پر پڑی اور وہ بڑے غور سے اس نقش کو دیکھنے لگا جو اس کے دیئے ہوئے لاکٹ کے سامنے دو کوڑی کا دکھائی دیتا تھا۔

''کیا یہ نیا خریدار ہے.....؟'' ونود کھنہ نے اس کی نظروں میں اپنے آپ کو جذب کرتے ہوئے پوچھا۔ لیکن اس کی نظروں کی گرفت میں نقش بھی تھا جس نے اس کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کیا ہوا تھا۔

''بہت پرانا ہے.....'' پونم نے اس کے تجسس سے متاثر ہو کر کہا۔ ''آج اس پر نظر پڑی تو پہن لیا۔''

وہ سوچ رہی تھی کہ ونود کھنہ نے مزید نہیں کریدا..... لیکن اس کی نظریں پونم کے چہرے کا طواف کرتی رہیں..... جیسے ہپناٹزم کے زیر اثر پونم نے الف سے یے تک اپنے حالات اسے سنا دیئے۔ کوئی بات اس سے نہیں چھپائی..... ونود کھنہ بڑے انہماک سے سنتا رہا۔ اس دوران میں شاستری کا تذکرہ آنا ناگزیر تھا۔

پونم جب اپنی رام کہانی سنا چکی تو وہ ونود کھنہ نے جیسے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

''تو آپ نے شاستری سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے.....؟''

''پونم کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ یہ بات کہتے ہوئے اسے زبان پر اختیار نہ رہا تھا۔

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی..... شاستری ایک مخلص ساتھی ہے۔ میں اس کی بڑی عزت کرتی ہوں۔''

''تو پھر آگے بڑھنے سے پہلے خود کو اچھی طرح سے یقین دلا دیں۔'' ونود کھنہ نے کہا۔ ''زندگی کے زیاں سے بڑا کوئی المیہ نہیں ہے..... اور آپ جیسی ہستی کے لئے تو یہ دگنا المیہ ہوگا..... یہ ایک ایسا دکھ ہے جسے آپ سہہ نہ سکیں گی۔''

''ونود کھنہ.....! آپ بہت پریشان کن باتیں کررہے ہیں۔'' پونم نے صاف گوئی سے کہا۔

''بات یہ ہے پونم.....! تم بہت حسین ہو.....! میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔'' وہ خواب ناک لہجے میں آپ سے تم کے تخاطب سے بولا۔''

وہ اس کے قریب آنے کا انتظار کرتی..... اور جب وہ قریب آتا تو مزاحمت نہ کرتی..... پوری خود

سپردگی سے اس نے اپنے آپ کو ونود کھنہ کے حوالے کردیا تھا..... طوفان میں سمندر کی طغیانی میں جس طرح ایک بار ہوا ملاح کشتی کو بے رحم موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح پونم نے اپنے آپ کو اس کے تند جذبات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا..... دنیا سوئی کی طرح گھوم رہی تھی..... اور وہ اسے روکنا نہیں چاہتی تھی..... اور اسے روکنا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی..... بالکل ایسا ہی تھا جیسے شاستری کے جذباتی ہوتے سے ہوتا تھا۔

شاستری کمرے میں داخل ہوا تو وہ اس طرح بھونچکے ہوگئے جیسے دو اداکار اپنا اپنا کردار ادا کرتے کرتے کسی کی اچانک مداخلت سے سب کچھ بھول گئے ہوں..... لیکن شاستری نے اس پر چنداں توجہ نہ دی۔

''معاف کرنا..... کچھ کام ایسا پھنسا کہ مجھے دیر ہوگئی.....'' شاستری نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''اگر آپ زیادہ تھک گئے ہوں تو کھانا آپ کے کمرے میں بھجوادوں۔'' ونود کھنہ نے کہا۔

''نہیں..... میں کھا کر آیا ہوں۔'' شاستری نے جواب دیا۔

وہ پرکاش مہرہ کا کھانا زہر مار کر آیا تھا۔ جب کہ وہ اس کے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہتا تھا۔

پھر وہ محبت بھرے انداز سے پونم کی طرف بڑھا پونم لاتعلقی کے انداز سے ایک طرف لوٹ گئی..... اس نے فوراً ہی غیر محسوس انداز سے اپنا لباس، بال اور حلیہ درست کرلیا تھا۔ تھکاوٹ کے باوجود اسے پونم کی حرکت ناگوار گزری..... پہلی مرتبہ اس کے دل کے کسی کونے میں شبہے نے سر اٹھایا تھا..... اس نے کمرے میں داخل ہوتے وقت جو منظر دیکھا اور پونم کا لباس، بال اور حلیہ جو بے ترتیب سا تھا وہ اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ اب اسے اپنے شبہے کی تصدیق کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

پونم اور ونود کھنہ تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے جارہے تھے اور وہ جیسے اسی تیزی سے پیچھے ہٹتا جارہا تھا۔ اس نے پونم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا..... پونم اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکی اس نے کسی مجرم کی طرح نگاہیں جھکالیں۔ اس کا شک پکا ہوگیا۔ اس نے جو کچھ دیکھا تھا اسے پونم جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ ونود کی من مانیاں اور اس کی خود سپردگی نے کچھ بھی پوشیدہ رہنے نہیں دیا تھا۔ اس لمحے اس کی نظر پونم کی گردن میں پڑے ہوئے نقش پر پڑی۔ وہ پونم کی طرف بڑھا۔

''یہ کیا ہے..... میں نے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا؟'' وہ پونم پر جھکتے ہوئے بولا۔

پونم نے جلدی سے گلے سے اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''یہ لو..... دیکھ لو.....''

شاستری پلکیں جھپکا جھپکا کر نقش کو دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس پر ابھری ہوئی لکیریں..... الفاظ ہیں یا ڈیزائن..... وہ کوئی زمانہ کا زیور ہے یا کچھ اور.....؟

''یہ کیا اس نے دیا ہے.....؟'' شاستری نے ونود کھنہ کی طرف اشارہ کیا۔

''انہوں نے نہیں بلکہ میرے پتا جی نے دیا تھا۔'' پونم نے جواب دیا۔ ''لیکن میں نے اسے آج پہنا ہے۔''

''کب دیا تھا.....؟'' شاستری نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کردیں۔

''سورگ باش ہونے سے ایک دن پہلے.....'' پونم نے بتایا۔

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' شاستری نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''کھدائی سے ملنے والی ایک ایک چیز کا اندراج کیا جاتا تھا۔ لیکن مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ فہرست میں اس کا اندراج نہیں تھا..... فہرست موجود ہوتی تو معلوم ہوجاتا۔''

''شاستری.....!'' پونم نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میرے پتا جی نے کھدائی کے دوران.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ میرے باپ پر چوری کا الزام لگانا چاہتے ہو۔

"میری بات سنو....." ونود کھنہ ان کے درمیان آ گیا۔ "یہ سادھی میں سے نکلا ہوا نہیں لگتا ہے۔" اس نے شاستری کے ہاتھ سے نقش لے کر الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو تنگا رام سے بھی دو ہزار برس قبل قدیم لگتا ہے۔"

شاستری یہ سن کر بھنا گیا۔ وہ اس شخص کی لاف زنی سے تنگ آ چکا تھا۔ ونود کھنہ نے اندھیرے میں تیر چلا کر اپنا رعب ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ جیسے وہ بھی بہت کچھ جانتا ہو۔ اب جب کہ وہ اپنی سرزمین پر تھا وہ ونود کھنہ کی ساری برائی کی باتوں کو ختم کر دینا چاہتا تھا..... اب اسے اس شخص سے شدید نفرت ہوتی جا رہی تھی۔

"اس بات کا علم آپ کو کیوں کر ہوا.....؟" شاستری کے لہجے میں تلخی اور طنز سا تھا۔

"آپ کے کام میں میری دلچسپی محض شوقیہ نہیں ہے۔" ونود کھنہ نے چوٹ کی۔

"آپ پہلی بار یہ سنسنی خیز اور حیرت انگیز انکشاف کر رہے ہیں۔" شاستری نے پھر طنزیہ لہجے میں کہا اور اس نے تائید کی غرض سے پونم کی طرف دیکھا۔ لیکن پونم دوسری طرف متوجہ تھی۔

"میں ان موضوعات پر سر کھپانا نہیں چاہتا تھا جو آپ کے دائرہ کار میں زیادہ اور میرے کم ہیں۔" ونود کھنہ نے جس لہجے میں کہا وہ بڑا شائستہ اور مودبانہ تھا لیکن شاستری نے اسے اپنے اوپر طنز محسوس کیا۔ ونود نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میرا مطالعہ دراصل قدیم تہذیب اور زبان کا ہے..... اس لئے میں نے اندازے سے یہ بات کہی۔"

"لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ یہ سادھی سے ملا ہے۔" شاستری نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

ونود کھنہ کے چہرے اور آنکھوں سے سختی جھلکنے لگی تو شاستری دل میں خوش ہوا کہ اس نے بالآخر تند خو مزاج کو کھلی دشمنی پر اتر آنے پر مجبور کر دیا ہے۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں مسٹر شاستری! ..... یہ بہت پرانے زمانے کی چیز ہے۔" ونود کھنہ نے لہجہ بدل کر کہا۔

"تفصیلی معائنہ کے بغیر سوائے آپ کے اور کوئی اتنے یقین اور اعتماد سے نہیں کہہ سکتا۔" شاستری نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تو پھر تفصیلی معائنہ تک اپنے فیصلے کو محفوظ کیوں نہیں رکھتے.....؟" ونود کھنہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور ہاتھ نقش کی طرف اس انداز سے بڑھایا جیسے اسے ہتھیانا چاہتا ہو۔

شاستری نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر اپنا ہاتھ قدرے ایک طرف ہٹا لیا اور پوچھا۔

"پونم!..... تمہاری اجازت ہے۔"

"کس بات کی.....؟" پونم نے حیرت سے لانبی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

"صرف ایک ہی ایسا شخص ہے جو ہر عہد پوری معلومات فراہم کر سکتا ہے اور وہ ہے سر پروفیسر جگن ناتھ....." شاستری نے کہا۔ "ان سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"کیا ابھی اور اسی وقت..... ونود کھنہ نے بدستور شائستگی سے کہا۔ "مسٹر شاستری.....! اس وقت بہت دیر ہو چکی ہے..... وہ آرام کر رہے ہوں گے..... ایسی جلدی کیا ہے..... کل صبح دیکھ لیں گے۔"

"نہیں..... میں ابھی اور اسی وقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" شاستری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "وہ اتنی جلدی سوتے نہیں ہیں....."

کمرے سے نکلتے وقت شاستری دل میں خوش تھا کہ..... اس نے پونم اور ونود کھنہ کو ایک ذہنی الجھن میں ڈال دیا ہے اور وہ اس کی عدم موجودگی سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے..... یہ ذہنی تناؤ ان کی پریشانی، ان کا سکون غارت کر دے گا۔

جیسا کہ اس کا خیال تھا کہ جگن ناتھ جاگ رہے ہوں گے..... جگن ناتھ ابھی تک جاگ رہے تھے۔

بشرطیکہ اسے جاگنا سمجھا جائے۔ وہ لائبریری میں بیٹھے پی رہے تھے۔ ان کی صحت بہت گر گئی تھی..... شاستری نے بغیر کسی تمہید کے نقش ان کے سامنے رکھ دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ جگن ناتھ اسے اس نقش کے بارے میں بتانے کے بجائے اپنا دکھڑا رونے لگے۔

"میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے اس نقش کے بارے میں کچھ بتائیں؟" شاستری نے تیز اور اخلاق کو پس پشت ڈالتے ہوئے خود غرضی کے انداز میں کہا۔ "اسے شناخت کر لیں۔ اس کا تاریخی زمانہ اور اس کی اہمیت بتائیں۔"

جگن ناتھ نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نقش پر گہری نظر جمع کر کے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا..... لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اس نے کتابوں کے شیلف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں کوشش کر کے دیکھو..... تیسرے شیلف میں..... نہیں چوتھے شیلف میں بیرونی اور ایم ڈی گپتا داس جو کتابیں جو قدیم مہاراجاؤں اور پراسرار کہانیوں کے موضوع پر ہیں..... ان میں شاید اس کا ذکر ہو۔"

شاستری کتابیں کھنگالنے لگا۔ اس دوران میں جگن ناتھ نشے کی کیفیت میں پرکاش مہرہ اور حکومت کو برا بھلا کہتا رہا۔ جن کی وجہ سے نہ صرف اس کا مستقبل تباہ ہو گیا تھا بلکہ اس کی ساری زندگی کی جدوجہد اکارت ہو گئی تھی۔

کتابوں کی ورق گردانی سے شاستری کے کچھ پلے نہ پڑا تھا..... پھر اس نے جگن ناتھ کی منت سماجت کی کہ وہ اس کی مدد کرے۔ اس کی قابل رحم حالت دیکھ کر جگن ناتھ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ سی ابھر آئی اور نقش لینے کے لئے شاستری کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ میز پر رکھے ہوئے گلاس سے ٹکرا گیا..... اور گلاس ایک چھناکے سے فرش پر گر گیا۔

"اوہ..... تم بے ڈھنگے بوڑھے شرابی....." شاستری سے بے ساختہ منہ سے نکل گیا تو جگن ناتھ اس لب و لہجے اور انداز تخاطب دکھ اور حیرت سے اسے منہ کھولے دیکھنے لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اس کی اہانت کی جائے گی۔

شاستری کو احساس ہوا تو وہ خجل سا ہو گیا۔ وہ اپنے مربی، محسن اور استاد سے معافی مانگنے والا ہی تھا کہ جگن ناتھ کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے اور وہ اس کے رخسار پر ڈھلک گئے۔

"تو تم بھی میری عزت نہیں کرتے ہو..... میں اس قدر حقیر ہو گیا ہوں۔" جگن ناتھ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب مجھے کیا کیا دن دیکھنا پڑ رہا ہے..... کیا یہ بھلائی کا صلہ ہے.....؟"

شاستری کا دل اندر سے کٹ کر رہ گیا۔

"سر! میں بے حد شرمندہ ہوں۔" شاستری نے ندامت سے کہا۔ "جن جھلاہٹ پر میرے منہ سے یوں ہی نکل گیا تھا..... سر پلیز!..... سر آپ مجھے شما کر دیجئے....." اس نے چرن چھو لئے۔

"شب بخیر....." جگن ناتھ اپنی طاقت جمع کر کے اٹھا اور بڑے سپاٹ لہجے میں بولا۔ "جب اپنا کام ختم کر لو گے تو باہر جانے کا راستہ تمہارا دیکھا بھالا ہے۔"

جگن ناتھ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔ شاستری دیر تک سناٹے میں رہا۔ اس کا دل اندر سے ملامت کئے جا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا..... پھر اس نے میز پر رکھا محرب شیشہ اٹھا لیا۔ اپنی سمجھ کے مطابق اس کی جانچ پڑتال کرنے لگا۔

وہ سر جھکا کر اپنے کام میں منہمک تھا کہ اسے اپنی پشت پر قدموں کی ہلکی چاپ سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ وہ سر گھما کر دیکھتا اس کے سر پر ایک ضرب لگی اور کرسی سمیت وہ فرش پر لڑھک گیا۔

☆.....☆.....☆

نمائش کے افتتاح سے دس منٹ قبل سنیل داس پنڈال میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا پرکاش مہرہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔ پونم اور ونود کھنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان سے قدرے فاصلے پر ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی باتوں کا انداز دیکھ کر پونم نے ونود دھنہ سے کہا کہ "چل کر دیکھنا چاہئے کہ کیا ہو رہا ہے؟ ان کے درمیان تناؤ سا پیدا ہو رہا ہے اور لب و لہجے میں تلخی بھر گئی ہے۔" پھر وہ ونود دھنہ کو ساتھ لے کر ان کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

سنیل داس تیز لہجے میں پرکاش مہرہ سے کہہ رہا تھا۔

"دو لاکھ پچاس ہزار برٹش پونڈ کی رقم کم نہیں ہوتی ہے مسٹر پرکاش مہرہ.....!"

"یہ تو چوزوں کے لئے چارہ ہے..... مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ ساری چیزیں جہاز پر لاد کر واپس چھوڑ آؤں؟" پرکاش مہرہ کے لہجے میں تمسخر تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"میری حکومت ٹرانسپورٹ کے تمام اخراجات برداشت کرنے کو تیار ہے۔" سنیل داس اصرار کر رہا تھا۔

"یہ تو اور بھی بچکانہ بات ہوگی....." پرکاش مہرہ نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ "میں پورے ہندوستان میں اس کی پبلسٹی کرا چکا ہوں اور پیسہ پانی کی طرح بہایا ہے..... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے دیس کے لوگوں کو مایوس کروں..... تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ کتنی بے چینی سے اس کی نمائش کا انتظار کیا جا رہا ہے..... اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں بھی اس کی پبلسٹی ہو رہی ہے۔ وہاں کا پریس بھی بڑی دلچسپی لے رہا ہے۔"

"میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ آپ میری حکومت کی پیشکش قبول کر لیں۔" سنیل داس نے اضطراب سے کہا۔

"بہت خوب..... آپ کی حکومت کو اب ہوش آیا.....؟ کیا وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی..... میں اس کی مد میں ایک بہت بڑی رقم کی ادائیگی کر چکا ہوں اور کیا چاہئے..... جب تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو واپس نہیں آتا ہے..... اپنے نصیب نصیب کی ہے۔" پرکاش مہرہ نے کہا۔

"تو پھر تمام تر نتائج کی ذمے داری آپ پر ہوگی....."

سنیل داس نے چیلنج دیتے ہوئے کہا تو پرکاش مہرہ اسے ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف چلے جانے کو کہا۔

"بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ ایسے موقع پر شاستری نہیں ہے..... کیا حال ہے اس کا.....؟" سنیل داس کے جانے کے بعد پرکاش مہرہ نے کہا۔ "اس کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔"

پونم اور ونود دھنہ یہاں آنے سے پہلے شاستری کو جگن ناتھ کے ہاں جا کر دیکھ آئے تھے۔ وہ اس وقت تک بے ہوش تھا اور ڈاکٹر نے اسے جگن ناتھ کے ہاں سے لے جانے سے منع کر دیا تھا۔ جگن ناتھ نے انہیں ساری روداد سناتے ہوئے بتایا تھا کہ نقش غائب ہو چکا ہے۔

تینوں باتیں کر رہے تھے کہ میڈیا کے نمائندے اپنے ساتھیوں کے ساتھ پنڈال میں آنا شروع ہو گئے۔ یہ لوگ پریس کلب سے ساتھ آئے تھے۔ پرکاش مہرہ نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان کی خاطر تواضع کے لئے خصوصی اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس لئے بھی کہ ان سے جو پبلسٹی مل سکتی تھی وہ لاکھوں خرچ کرنے اور کسی بھی ذریعہ سے نہیں..... اس کے نزدیک بزنس کے لئے ایک کامیاب گرتھا۔ ان کی نشستیں جو مخصوص تھیں وہ ان پر براجمان ہو گئے۔

پھر پرکاش مہرہ نے خود ہی نظامت کے فرائض بھی سنبھال لئے۔ اس نے چبوترے پر چڑھ کر افتتاحی تقریر شروع کر دی۔ مجسمہ کا تابوت بھی وہیں رکھا تھا..... اس نے اپنی تقریر کا آغاز اپنی کھدائی کی ٹیم کے ممبروں کا تعارف..... اپنی تعریف اور نوادرات کے تاریخی پس منظر سے کیا..... اخباری نمائندوں اور حاضرین کی توجہ پرکاش مہرہ کی تقریر سے زیادہ ان نوادرات پر تھی جو تابوت کے ارد گرد سجائی ہوئی

نوادرات پر تھی۔

جگن ناتھ کو اس نمائش میں پونم بڑے اصرار سے لائی تھی۔ وہ آنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ جب سے پرکاش مہرہ نے اس کی اہانت کی تھی اس کا دل اندر سے ٹوٹ گیا تھا اور اس کا دل ساری دنیا اور ہر چیز سے اچاٹ ہو کر رہ گیا تھا۔

پونم ایک کونے میں کھڑی مہمانوں اور شائقین کا جائزہ لے رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ سنیل داس پر پڑی وہ بری طرح چونکی..... اس وقت وہ اسے بے حد پراسرار، مشکوک اور خطرناک سا لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اچھے نہ تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے ارادے اچھے نہیں ہیں..... اس کی کیفیت کیا ہے.....؟ اس کے دل میں کیا فتور ہے۔ پونم جان نہ سکی۔ اس کی نگاہیں تابوت پر جمی ہوئی تھیں..... اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جسے پونم سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس نے اپنے سارے جسم پر ایک عجیب سی سن سناہٹ محسوس کی جس نے اس کا خون جیسے خشک کر دیا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میں اس مجسمے کی رونمائی کروں اس کے بارے میں کچھ بتانا پسند کروں گا۔" پرکاش مہرہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "یہ نٹ راج کا مجسمہ ہے جو خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس پر کسی ممی کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس کا وزن دو من تیس کلو....."

پرکاش مہرہ کے اس انکشاف سے سارے مجمع میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ کیوں کہ اس وقت سونا عالمی اور ہندوستانی مارکیٹ میں روز بروز مہنگا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ساٹھ ہزار روپے تولہ ہو گیا تھا۔ سونے کی کبھی اتنی قیمت نہ ہوئی تھی۔ گویا یہ اربوں کی مالیت کی مورتی تھی۔ ایک نے اپنے ساتھی سے سرگوشی کی۔ "یار! پرکاش مہرہ کتنا خوش قسمت ہے.....؟ کتنا اونچا ہاتھ مارا....."

ان دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ پرکاش مہرہ تابوت کے پاس قینچی لئے ہوئے آیا تو اخباری نمائندوں اور فوٹو گرافروں اور بہت سارے شائقین اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ اس نے تابوت پر لپٹا ہوا فیتہ کاٹا۔ پھر قینچی ایک طرف رکھ کر وہ تابوت کا ڈھکن آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا۔ تابوت بہت ہی مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ کیوں کہ مجسمہ سوا دو من وزن کا تھا۔

پرکاش مہرہ نے تابوت کا ڈھکن اٹھا کر پاس کھڑے ہوئے ملازم کے حوالے کر دیا۔

جو لوگ پرتجسس نظروں سے تابوت میں جھانک رہے تھے وہ ایک دم سے اچھل پڑے۔

"مسٹر پرکاش مہرہ!" ٹائمز آف انڈیا کے نمائندے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے.....؟ کیا آپ نے ہم سب کو بے وقوف بنانے کے لئے بلایا تھا....."

پھر تمام صحافی ایک طرف ہٹ کر واپس چل دیئے..... البتہ فوٹو گرافروں نے کھٹ کھٹا کھٹ تصویریں بنا لیں۔

خالی تابوت ان سب کا منہ چڑا رہا تھا۔

پرکاش مہرہ بھونچکا سا ہو گیا..... اس پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ وہ ساکت جامد ہو کر خود مجسمہ بن گیا تھا..... کہیں یہ اس کی نظر بندی تو نہیں..... اس کا واہمہ تو نہیں.....؟ وہ سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا۔

اس وقت کسی نے دیکھا نہ دیکھا ہو..... اسے نظر آیا ہو یا نہ آیا ہو..... لیکن ایک جگن ناتھ تھا جس نے ایک عجیب و غریب سا منظر دیکھا..... حقیقت یہ تھی کہ یہ منظر اس کے سوا کسی اور کو نظر نہ آیا تھا۔

جس وقت پرکاش مہرہ نے تابوت کا ڈھکن اٹھایا تھا اس میں سے مجسمہ بہت ہی ہلکی دھند میں کسی آتما کی طرح باہر آیا تھا۔ یہ دھند اتنی ہلکی تھی کہ اس کے سوا کسی اور کو نظر نہ آئی تھی..... پھر وہ مجسمہ پنڈال کے ایک کونے میں کسی زندہ آدمی کی طرح کھڑا استہزائیہ انداز میں چند لمحوں تک پرکاش مہرہ اور پنڈال میں موجود لوگوں کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ ایک دم سے گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔ پھر وہ جگن ناتھ کو پنڈال کے کسی کونے کھدرے میں نظر نہ آیا۔

اگر تابوت میں مجسمہ ہوتا تو جگن ناتھ اس منظر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا واہمہ سمجھتا..... یا پھر نشے کا اثر..... اس وقت وہ بغیر شراب کے موجود تھا۔ پورے ہوش وحواس میں تھا..... لیکن یہ اس کا واہمہ نہ تھا..... وہ اپنی زندگی میں بھوت پریت، بدروحوں اور چڑیلوں کو اپنے علم کے باعث دیکھ چکا تھا۔ وہ تھوڑا بہت سفلی علم جانتا تھا۔ اسے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پرکاش مہرہ کی بے عزتی اور جگ ہنسائی ہوئی..... پرکاش مہرہ نے جو اس کی توہین کی تھی..... ذلیل ورسوا کیا تھا ایشور نے اس کا بدلہ لے لیا تھا..... کل کے اخبارات میں جب اس مجسمے کے بارے میں خبریں شائع ہوں گی تو پرکاش مہرہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس وقت اس نے جو کیف و مسرت کو محسوس کیا تھا وہ کبھی شراب سے نہیں ملی تھی۔

اس سے پہلے کہ شائقین اور اخباری نمائندے پنڈال سے باہر نکلتے۔ پونم بجلی کی سی سرعت سے لپک کر پنڈال کے باہر گئی۔ وہاں پولیس کی بھاری نفری موجود تھی..... پونم کا خیال تھا کہ یہ ڈکیتی کی واردات ہے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس مجسمہ کو غائب کردیا ہے..... حیرت کی بات یہ تھی کہ نوادرات میں سے ایک چیز بھی غائب نہ تھی۔ مجسمہ کا تابوت میں سے غائب ہوجانا ناقابل فہم تھا۔ اس تابوت کو چار پانچ مزدور وین سے اتار کر لائے تھے۔ وہ بھی موجود تھے۔

اس وقت پونم بڑی سراسیمہ تھی اور اس کی عقل کام نہیں کررہی تھی..... اس نے پولیس افسر کو واقعہ بتایا اور اندر لے آئی۔ اس افسر نے پنڈال میں داخل ہوتے ہی بغیر سوچے سمجھے اعلان داغ دیا۔

"جو بھی پنڈال سے باہر نکلے گا اسے اپنی تلاشی دینا ہوگی۔"

اس کا یہ احمقانہ اعلان سن کر لوگ ہنسنے لگے۔ ایک نے اس پولیس افسر کے پاس آکر کہا۔

"جناب.....! جو مجسمہ تابوت سے غائب ہوا ہے۔ وہ دو من تیس کلو کا تھا..... کیا آپ کے خیال میں اسے بغل میں داب کر لے جایا جاسکتا ہے.....؟"

"سر!" دوسرے نے جیسے چوٹ کی۔ "وہ مجسمہ کوئی بالشت بھر کا نہیں بلکہ پورے چھ فٹ کا تھا..... جیسا کہ پرکاش مہرہ صاحب نے بتایا..... کیا اسے آستین میں چھپا کر لے جایا جاسکتا ہے.....؟"

پولیس افسر خجل سا ہوگیا۔ اس نے سپاہیوں سے کہا کہ لوگوں کو بغیر تلاشی کے جانے دیں۔

مسٹر پرکاش مہرہ.....!" ایک اخباری نمائندے نے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ دو تین تابوت ہوں۔ غلطی سے خالی تابوت اٹھا کر لایا گیا ہو..... آپ کیوں نہ چیک کرلیں۔"

"جی نہیں۔" پرکاش مہرہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے خود اپنے سامنے مجسمہ کو تابوت میں رکھوا کر فیتہ باندھا تھا۔ وہ پانچ مزدور بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے اسے وین میں اٹھا کر رکھا تھا۔"

پرکاش مہرہ نے ان مزدوروں کو بلایا۔ جنہوں نے تابوت اٹھا کر وین میں رکھا تھا۔ اس نے ان سے پوچھا۔

"جب تم لوگوں نے تابوت اٹھا کر وین میں رکھا تھا۔ وہ بھاری تھا یا ہلکا.....؟"

"بہت ہی بھاری تھا.....!" ان میں سے ایک مزدور نے جواب دیا۔ "وین میں تابوت رکھتے وقت اور وین سے اتار کر یہاں چبوترے پر لاتے لاتے ہماری حالت خراب ہوگئی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجسمہ یہاں لایا گیا تھا اور آپ ہی عجیب پراسرار طور پر غائب ہوگیا؟" صحافی کے لہجے میں طنز اور تمسخر بھی تھا۔

"لیکن ایسی کوئی بات نہیں....." پرکاش مہرہ بولا۔ "جب میں انتظامات میں مصروف تھا۔ تابوت بہت پہلے ہی لایا گیا تھا..... مجھے تھوڑی دیر کے لئے پنڈال سے باہر جانا پڑا تھا..... میرے خیال میں میرے خلاف سازش کی گئی اور منصوبہ بنایا گیا..... مجھے بدنام اور ذلیل کرنے کے لئے وہ تابوت جس میں مجسمہ تھا غائب کردیا گیا اور ویسا ہی تابوت لاکر رکھ دیا گیا....."

"آپ کو کون ذلیل اور رسوا کرسکتا ہے؟"

دوسرے صحافی نے کہا۔

"ایک دوست اور ہزار دشمن ہوتے ہیں۔" پرکاش مہرہ بولا۔ "میرے پاس جو دولت ہے اس سے حسد کرتے ہیں۔ حاسد ہی اور دشمن ہی ایسا کرسکتا ہے۔"

"کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟"

"ہاں..... پرکاش مہرہ نے قدرے ہٹ کر کھڑے ہوئے سنیل داس کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے مجھے دھمکی دی تھی۔ اس کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔"

پولیس افسر جو قریب کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا اس نے سنیل داس کو قریب بلا کر پوچھا۔

"مسٹر پرکاش مہرہ..... آپ پر جو الزام عائد کررہے ہیں اس سے کیا آپ کو انکار ہے؟"

"میں کیوں ایسی گھٹیا حرکت کرنے لگا۔" سنیل داس نے کہا۔ "ان کا الزام بے سروپا ہے..... اگر مجسمہ چوری کرنا ہی ہوتا تو میں یہاں کیوں موجود ہوتا۔ مجھے اس سے کیا حاصل تھا۔"

"یہ شخص اس نمائش کا سخت مخالف تھا..... اور مجسمہ مجھ سے اونے پونے خرید کر کسی میوزیم کو منافع پر فروخت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کردیا تو اس نے مجسمہ کو غائب کروادیا۔"

"کوئی آخر اپنا اور کسی میوزیم کو فروخت کرنا جرم نہیں ہے۔" پولیس افسر نے کہا۔ "صرف اس بنا پر ان پر الزام عائد نہیں کیا جاسکتا....."

"اگر میں نے یہ کارنامہ انجام دیا ہوتا تو کیا میں احمق ہوں جو یہاں موجود ہوں۔" سنیل داس نے کہا۔ "یقیناً کسی اور نے اس مجسمے کے بارے میں سن کر اسے پراسرار طور پر چوری کرلیا ہے..... ہاں..... میں نے ان سے یہ بات ضرور کہی تھی کہ فروخت نہ کرنے کی صورت میں تمام تر نتائج کی ذمے داری ان کے سر ہوگی۔"

"میں ابھی شہر بھر کی پولیس الرٹ کئے دیتا ہوں۔" پولیس افسر نے پرکاش مہرہ سے کہا۔ "اتنا بڑا مجسمہ چوری کے لئے آسانی سے ہضم نہیں ہوگا..... پولیس سارے شہر کی ناکہ بندی کرے گی اور وین، گاڑیوں اور سوزوکیوں کو چیک کیا جائے گا۔"

"میں بتاتا ہوں کہ اصل ماجرا کیا ہے؟" جگن ناتھ جو ایک طرف کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا پولیس افسر کے پاس آکر بولا۔ "یہ مجسمہ نمائش کے لئے لاکر پرکاش مہرہ نے سخت حماقت کی ہے..... مجسمہ چوری ہوا اور نہ اسے کسی نے چوری کیا ہے..... یہ حقیقت ہے جب اسے تابوت میں لایا گیا تھا۔ وہ بہت دیر تک تابوت میں ہی موجود تھا....."

"اس بات کا علم آپ کو کیوں کر اور کیسے ہوا.....؟" پولیس افسر نے حیرت سے جگن ناتھ کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ "کیا آپ نے اس مجسمہ کو چوری ہوتے ہوئے دیکھا..... کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ کس نے اور کس طرح اسے غائب کیا؟"

"مزدور اس تابوت کو جس طرح سے اٹھا کر لائے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تابوت منوں بھاری ہے۔" جگن ناتھ نے جواب دیا۔ "یہ مجسمہ کیسے اور کس طرح سے غائب ہوا آپ اس بات کو تسلیم کریں گے نہیں..... بلکہ مذاق اڑائیں گے۔ یہ امر آپ کے لئے ناقابل فہم ہوگا۔ بہتر ہے آپ نہ پوچھیں۔"

"بتانے میں کیا حرج ہے؟" پولیس افسر بولا۔ "یقین کرنا نہ کرنا یہ ہمارا کام ہے.....؟"

"یہ پرکاش مہرہ..... جو بڑا دولت مند ہے..... اسے اپنی دولت پر بڑا ناز اور گھمنڈ ہے..... اس کے نزدیک آدمی کی نہیں بلکہ دولت کی قدر اور عزت..... چوں کہ اس نے میرے ساتھ بدسلوکی..... میری اہانت و توہین کی..... مجھے کیڑے کی طرح حقیر جانا..... سارے دیش میں ذلیل ورسوا کیا جس کی اسے سزا ملی ہے۔" جگن ناتھ نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"یہ ان کا اور آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔" پولیس افسر نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ قانون کی مدد کریں۔ یہ بتائیں کہ مجسمہ کس طرح چوری کیا گیا.....؟ چور کون ہے.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس شخص نے میری جو بے عزت کی مجسمہ نے اس کی سزا اسے دی ہے..... وہ خود بہ خود تابوت سے غائب ہوا..... اسے کون چرا کر لے جاسکتا تھا۔ جب کہ پولیس کی بھاری نفری موجود تھی اور اس نے پنڈال کو چاروں طرف سے حصار میں لیا ہوا تھا۔ چڑیا تک پر نہیں مار سکتی تھی۔" جگن ناتھ نے کہا۔

"ایک مجسمہ بے جان..... سونے کی دھات کا بنا ہوا..... کس قدر خود بہ خود غائب ہوسکتا ہے.....؟" پولیس افسر نے اسے اس طرح سے دیکھا جیسے وہ خبطی ہو۔ یہ ناممکن سی بات ہے۔ اس بات کو عقل تسلیم نہیں کرتی ہے۔"

"میں نے خود اس مجسمہ کو ایک سفید دھند میں اس وقت تابوت سے باہر آتے دیکھا جب پرکاش مہرہ اپنی تقریر جھاڑ رہا تھا..... یہ اس کی آتما تھی جو باہر نکل آئی تھی..... وہ کچھ دیر حاضرین کو دیکھتی رہی، مسکراتی رہی..... پھر وہ ایک دم سے غائب ہوگئی۔ وہ اپنا شریر بھی لے گئی۔" جگن ناتھ نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "آپ شاید یقین کریں یا نہ کریں..... یہ ایک حقیقت ہے۔"

"یہ بڈھا خبطی اور شرابی بھی ہے۔" پرکاش مہرہ نے جل کر کہا۔ اسے جگن ناتھ کا انداز تخاطب زہر لگا تھا۔ وہ سب کے سامنے اس سے بداخلاقی سے بات کررہا تھا۔ "نشے کی حالت میں ہذیانی بک رہا ہے۔"

"یہ صاحب جو بھی ہیں ان کی باتوں کو جھٹلایا نہیں جاسکتا....." ایک صحافی نے تائیدی لہجے میں کہا۔ "جیسا کہ مزدوروں کا کہنا ہے کہ وہ تابوت اس قدر بھاری تھا کہ پانچ مزدوروں نے اسے بڑی دقت سے اتارا اور پنڈال میں پہنچایا۔ ان کی حالت غیر ہوگئی..... ان صاحب کا کہنا بھی سو فیصد درست ہے کہ پنڈال کے گرد پولیس کی بھاری نفری موجود تھی اور اب بھی ہے۔ چڑیا تک پر نہیں مار سکتی..... لہٰذا چوری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے..... لیکن دوسری بات جو ناقابل فہم ہے وہ یہ کہ مجسمہ زندہ ہوگیا وہ اپنے شریر اور آتما سمیت غائب ہوگیا۔"

"یہ دو ہزار برس قدیم مجسمہ ہے....." پرکاش مہرہ بھنا گیا۔ "کیا اسے آج ہی زندہ ہونا تھا.....؟" وہ دو سو برس پہلے بھی زندہ ہوسکتا تھا..... دو ہزار برس پہلے بھی یہ جنم لے سکتا تھا..... انسپکٹر! اس بڈھے کی باتوں پر نہ جائیں۔ میرے خیال میں کوئی اور ہی چکر ہے۔ یہ ناممکن سی بات ہے کہ ایک مجسمہ دو ہزار برس بعد اچانک زندہ ہوجائے۔ غائب ہوجائے۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتا..... نہ ہی اس بڈھے شرابی کی بات میں کوئی وزن ہے....."

"یہ پرکاش مہرہ کیا جانے یہ اسرار و رموز کیا ہوتے ہیں۔" جگن ناتھ نے پولیس افسر سے کہا۔ "یہ دولت کے اسرار و رموز سے واقف ہے..... میں اس وقت پورے ہوش و حواس میں ہوں۔ میرے بجائے پرکاش مہرہ کی دماغی حالت کا معائنہ کرائیں..... میں نے ایک سچی بات عرض کردی..... مانیں یا نہ مانیں..... میری بلا سے....."

جگن ناتھ اتنا کہہ کر اور پرکاش مہرہ جلتی پر تیل گرا کر آگے بڑھ گیا۔ پرکاش مہرہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ پھر اس نے پولیس افسر سے کہا۔ "اس بڈھے کی جھوٹی باتوں پر نہ جائیں..... فوراً ہی کارروائی تیز کردیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس مجسمے کو کسی نہ کسی ذریعے اور راستے سے اس شہر سے چور نکال کر لے جائیں....."

"یہ چھ فٹ کا مجسمہ ہے اسے اتنی آسانی سے اسمگل کرکے لے جایا نہیں جاسکتا۔" پولیس افسر نے یقین دلایا۔ "آپ بے فکر رہیں۔"

"کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ اس مجسمے کو آپ میری حکومت کو ایک بڑی رقم کے عوض فروخت کردیں۔" سنیل داس نے کہا تو پرکاش مہرہ کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہا ہو۔ "آپ نے میری بات نہیں مانی۔ آپ ادھر کے رہے نہ ادھر کے..... ایک دم کاروباری بن گئے..... مسٹر جگن ناتھ

بالکل سچ ہی کہا..... وہ مجسمہ زندہ ہوکر چلا گیا..... اب ساری زندگی کف افسوس ملتے رہیں۔ اب وہ ہاتھ آنے سے رہا....."

پرکاش مہرہ یہ چوٹ برداشت نہ کرسکا۔ اس کی کھوپڑی گھوم گئی۔ وہ بگڑ کر برہمی سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سارے کرتوت تمہارے ہیں تم نے جادو کے زور سے اسے غائب کرایا ہے۔"

"اگر ایسا جادو آتا ہوتا تو وہ مجسمہ سری لنکا سے یہاں آنہیں پاتا..... اور پھر میں نے جب دولا کھ پچیس ہزار برٹش پونڈ کی پیشکش کی تو آپ نے بڑے تمسخر اور غرور و تکبر سے کہا کہ یہ تو چوزوں کا چارہ بھی نہیں ہے..... یہ چارہ مل جاتا تو آپ کے کیا تمام اخراجات نکل نہیں آتے.....؟ غرور کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے..... مجسمہ غائب کرنا ہی ٹھہرتا تو میں اتنی بڑی پیشکش کیوں کرتا۔" سنیل داس نے اس کے وجود پر جیسے دہکتا انگارہ رکھ دیا۔

"میں کہتا ہوں میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" پرکاش مہرہ ہذیانی لہجے میں چیخا۔

اس کی حالت پاگل کتوں کی سی ہورہی تھی..... اس کا دماغ ماؤف تھا۔ وہ پریشان ہورہا تھا..... اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ یہ کیا ہوگیا.....؟ وہ دو تین بار خالی تابوت میں جا کر جھانکتا رہا..... اسے سب سے زیادہ شک سنیل داس پر ہورہا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر ونود کھنہ اور پونم اس کے پاس گئے۔ پونم بولی۔

"مسٹر پرکاش مہرہ.....! جو کچھ ہوا۔ "بڑا افسوسناک ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اس وقت آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔ آپ ہوٹل میں جا کر آرام کریں..... میرا خیال ہے کہ پولیس جلد یا بدیر مجسمہ برآمد کرلے گی۔ مایوس اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں....."

"مس پونم ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ونود کھنہ نے کہا۔ "اس وقت آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

"میری اتنی بدنامی اور رسوائی ہوگئی اور میں جا کر آرام کروں؟" پرکاش مہرہ الجھ کر بولا۔

"میرے لائق کوئی سیوا ہو تو بتائیں.....؟" ونود کھنہ نے رسمی لہجے میں کہا۔

"ایسا کرو..... تم تابوت میں لیٹ جاؤ۔ میں اعلان کردوں گا کہ مجسمہ لوٹ آیا ہے۔" پرکاش مہرہ بل کھا کر بولا۔

ونود کھنہ اور پونم نے محسوس کرلیا کہ..... مجسمہ کے غائب ہوجانے کے باعث پرکاش مہرہ کو گہرا صدمہ پہنچا ہے اور وہ دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اس لئے اس کے منہ لگنا فضول سا تھا۔ پونم نے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر دونوں پنڈال سے نکل گئے۔ پرکاش مہرہ کی بات کا جواب دیئے بغیر جو وہ دونوں نکل گئے تو پرکاش مہرہ کو اور غصہ آ گیا۔

ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد شاستری آیا تو پنڈال بھائیں بھائیں کررہا تھا۔ کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ دو خالی کرسیوں پر دو سپاہی بیٹھے اس مجسمہ کے غائب ہوجانے پر چہ میگوئیاں کررہے تھے۔ ایک کرسی پر پرکاش مہرہ حسرت و یاس کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

پرکاش مہرہ اسے دیکھ کر چونکا۔ لمحے بھر کے لئے وہ اپنا صدمہ بھول گیا۔ وہ بولا۔

"تم اس حالت میں کیوں چلے آئے..... تمہیں کسی نے شدید زخمی کردیا اور ڈاکٹر نے چلنے پھرنے سے منع کیا تھا؟"

"میں نے ریڈیو پر مقامی خبروں پر مجسمہ کے پراسرار طور پر غائب ہوجانے کی خبر سنی تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔" شاستری نے جواب دیا۔ "مجھے یقین نہیں آیا۔ اس لئے میں خود معلوم کرنے چلا آیا ہوں۔"

"یہ سچ ہے۔" پرکاش مہرہ نے اسے سارا واقعہ سنایا..... اور جگن ناتھ کی بات بھی بتائی۔

"جگن ناتھ نے جو کچھ کہا وہ سولہ آنہ سچ ہے۔" شاستری نے کہا۔ "آپ انہیں پاگل، خبطی اور شرابی نہ سمجھیں..... مجسمہ واقعی غائب ہے۔ یہ کوئی ڈکیتی یا چوری کی واردات نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسا کیسے ممکن ہے.....؟" پرکاش مہرہ نے تکرار کے انداز میں کہا۔ "دو ہزار برس کے بعد مجسمہ زندہ ہوجائے..... جب کہ وہ ممی نہیں..... اگر وہ ممی ہوتا تو میں اس بات کا یقین کرلیتا۔ میں جادو وغیرہ کو نہیں مانتا....."

"بات یہ ہے کہ تنگا رام مہاراجہ کی آتما اس مجسمہ کے شریر میں بس گئی۔" شاستری بتانے لگا۔ "پھر وہ اسے لے گئی۔ لیکن یہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ ایک طاغوتی طاقت بن گیا ہے۔ جو بہت خطرناک اور خونی ثابت ہوگا۔"

"یہ بات تم اتنے وثوق سے کس بنا پر کہہ رہے ہو.....؟" پرکاش مہرہ بولا۔ "کیا تم سفلی علوم کے ماہر ہو؟"

"بات یہ ہے کہ میں نے نقش پر کندہ حروف کے معنی پالیے ہیں۔" وہ کہنے لگا۔ "میں سفلی علوم تو جانتا نہیں ہوں لیکن قدیم سے قدیم زبان جاننے کا ماہر ہوں۔ یہ نقش ایک طلسماتی شے ہے۔ اس نقش سے مجھے بہت ساری باتوں کا علم ہوا..... اس بات کا بھی پتا چلا کہ تنگا رام کی شکتی کا راز کیا ہے....."

"وہ نقش کہاں ہے؟" پرکاش مہرہ نے سوال کیا۔ "تم نے اور کیا کیا باتیں معلوم کیں اس نقش سے.....؟"

"میں اس نقش کو دیکھ رہا تھا کہ کسی نے میری پشت پر خاموشی سے آکر میرے سر پر شدید ضرب لگا کر بے ہوش کردیا اور وہ نقش لے کر فرار ہوگیا....." اتنا کہہ کر اس نے لمبی سرد آہ بھری۔

"یہ نقش کون لے جاسکتا ہے.....؟" پرکاش مہرہ بولا۔ "یہ کسی اور کے کیا کام آسکتا ہے؟"

"میرے خیال میں تنگا رام کی آتما لے گئی ہوگی.....؟" شاستری نے کہا۔

"یہ نقش لے کر وہ کیا کرے گی.....؟ پرکاش مہرہ کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا..... چوں کہ شاستری اس خبطی پروفیسر کا شاگرد ہے اس لئے اپنے خبطی استاد کی سی بات کررہا ہے۔ "کیا وہ اس کا اچار ڈالے گی.....؟ مجھے جو نقصان پہنچا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے....."

شاستری کو اس کی بات سن کر غصہ آیا کہ یہ کس قدر خودغرض، مفاد پرست اور زر پرست ہے۔ اس نے محض دولت کمانے کے لئے یہ نمائش منعقد کی تھی۔ اس نے میڈیا کو مدعو کیا اور ان کی بڑی خاطر مدارات اس لئے کی تھی کہ اسے مفت کی پبلسٹی مل جائے۔ وہ ایک سوداگر تھا۔ جس کی ذہنی سطح موجود دور کے یہودی خوروں سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔ اگر سپودی کے دام لگ سکتے تھے وہ ان کا بھی سرکس کھول کر بیٹھ جاتا تاکہ دمڑی بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

شاستری کو حملہ آور نے ایسا شدید زخمی کیا تھا کہ اس کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ لیکن مجسمہ کے غائب ہوجانے کی خبر ایسی سنسنی خیز اور ناقابل یقین تھی کہ اسے برداشت نہ ہوسکا۔ بڑا درد اور تکلیف سہتے ہوئے پرکاش مہرہ کی دل جوئی اور تجسس لئے پہنچا تھا۔ پرکاش مہرہ کی باتوں نے اس کے تن بدن میں نفرت اور غصے کی آگ بھر دی تھی۔

"کیا معلوم وہ آدمیوں کا اچار ہی ڈال دے۔" شاستری نے جل کر کہا۔ "آپ اس بات کو تسلیم کریں کہ جگن ناتھ نے جو کچھ کہا وہ سو فیصد درست ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔"

"تم کچھ بھی کہہ لو میں اپنی بات پر قائم ہوں اور رہوں گا کہ یہ مجسمہ اس لئے ایک بہت بڑے اور سوچے سمجھے منصوبے کے کارن چوری کیا گیا ہے کیوں کہ وہ سوا دو من کا مجسمہ تھا۔" پرکاش مہرہ نے تکرار کی۔

"اب یہ سوچنا ہے کہ کیا پیش بندی کی جائے..... کیسے اور کس طرح.....؟ کیوں کہ مجسمہ زندہ ہوگیا ہے۔" شاستری نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرے خیال میں تمہارا دماغی معائنہ ضروری ہے۔" پرکاش مہرہ بگڑ گیا۔ "چوں کہ تمہاری کھوپڑی پر ضرب لگی ہے اس لئے تم بہکی بہکی باتیں کررہے ہو؟ دو

ہزار برس بعد مردہ زندہ ہوجاتا ہے..... کیوں اور کس لئے.....؟"

دو برس کی دس ہزار برس کے بعد ان مجسموں، ممیوں اور مورتیوں میں جان پڑ جاتی ہے اور دوسرا جنم لیتے ہیں جو آدمیوں کی ہوتی ہیں۔ ان کے مرنے اور مرنے سے پہلے اور بعد میں مجسمے بنائے جاتے ہیں۔ ممیوں نے بھی دوسرا جنم لیا ہے..... آپ ان اسرار و رموز اور دیوتاؤں اور بھگوانوں کی اچھا کو بھی سمجھ نہیں سکتے..... ایسا صدیوں سے چلا آرہا ہے..... آپ میری بات سن لیں۔ اسے بکواس نہ سمجھیں..... یہ مجسمہ جس نے اب جنم لے لیا ہے۔ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے..... اسے جس نے بھی جنم دیا وہ کسی دیوتا کی پرارتھنا کرکے..... بھگوان نے شاید اس مجسمے میں جان ڈالنے کی شکتی دی ہوگی..... اس نے اس لئے اس مجسمے میں جان ڈالی ہوگی کہ وہ انتقام لے سکے..... ماضی کے کسی ایسے شخص سے جو آج بھی زندہ ہے..... اس کی آتما کہیں موجود ہے....."

"میرا خیال ہے کہ اب تم جاکر آرام کرو..... کل میں کسی بڑے ماہر نفسیات معالج کے پاس تمہیں لے جاؤں گا۔" پرکاش مہرہ بولا۔ "میں ویسے تمہاری باتوں پر سوچ وبچار ضرور کروں گا۔ اب تم جاؤ۔"

"گویا آپ کو میری کسی بات کا یقین نہیں آیا ہے.....؟" شاستری نے کہا۔ "آپ اسے بکواس سمجھ رہے ہیں؟"

"شاستری..... یہ بتاؤ کہ تم کس دنیا میں رہتے ہو....." پرکاش مہرہ تیز لہجے میں کہنے لگا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور سائنس نے دنیا میں کیسے کیسے عظیم انقلاب برپا کئے ہیں..... لیکن تم ہو کہ دو ہزار برس کے آدمی کی سی باتیں کررہے ہو..... اس عظیم دور میں..... میں کیا ایک بچہ بھی اس توہم پرستی کو نہیں مانے گا..... ایک سونے کے مجسمے میں جان پڑ جائے جو دو ہزار برس پہلے کا ہے..... یہ مجسمہ جو خالص سونے کا تھا..... سوا دو من بھاری..... اسے ایک زبردست منصوبے کے تحت چرا لیا گیا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا اور وزنی مجسمہ کون پراسرار طور پر غائب کرسکتا ہے جب کہ زبردست حفاظتی انتظامات موجود تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی لالچ میں سنیل داس نے یہ حرکت کی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا ہے۔"

"سنیل داس کو کس بنا پر آپ مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں؟" شاستری حیرت سے بولا۔ "کیا وہ یہاں موجود تھا؟"

"وہ میری بربادی کا تماشہ دیکھنے کے لئے موجود تھا۔" پرکاش مہرہ کہنے لگا۔ "تم ہوتے اس کے بشرے سے بھانپ لیتے..... میں ایک کاروباری ہوں..... کامیاب بزنس میں قیافہ شناس ہوتا ہے..... میرے خیال میں اس نے پولیس، مزدوروں، مجھے اور بھی لوگوں کو ہپناٹائز کرکے مجسمہ اڑا لیا۔ اس کے ساتھیوں نے ڈکیتی کی ہے..... مجسمہ غائب کروانے کے بعد وہ اس لئے یہاں موجود رہا کہ کہیں اس پر بھی شک نہ کروں میں نے خفیہ پولیس کو اس کا پتا دے دیا ہے۔ وہ اس کا تعاقب کریں گے۔ غیر محسوس انداز سے....."

شاستری اس کی بات سن کر خاموش ہوگیا۔ کیوں کہ پرکاش مہرہ سے تکرار اور بحث ومباحثہ فضول تھا۔ اس وقت پنڈال کی تمام بتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ صرف دو ایک بتیاں روشن تھیں جن کی روشنی بڑی مدھم سی تھی۔

شاستری باہر جانے کا ارادہ کررہا تھا کہ اس نے ایک ہیولا سا دیکھا جو پنڈال میں نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا تھا۔ اس کا بدن سنہرا سا تھا۔ جیسے وہ خالص سونے کا بنا ہوا ہو۔ جب وہ مدھم روشنی میں ظاہر ہوا تو ایک دم سے پرکاش مہرہ چونکا۔ اسے لگا تنگا رام کا مجسمہ جو اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پرکاش مہرہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کوئی مذاق کررہا ہے۔

"کون ہو تم.....؟" پرکاش مہرہ نے غضب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناک ہو کر کہا۔ ”کیا مجھے بے وقوف بنانے آئے ہو.....؟“

”میں تنگا رام ہوں.....“ اس نے جواب دیا۔

”تم نے مجھے پہچانا نہیں.....؟“

”تم جھوٹ بول رہے ہو..... میں اس قسم کا بے ہودہ مذاق پسند نہیں کرتا۔“ پرکاش مہرہ نے برہمی سے کہا۔ ”میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ مجھے اور پریشان نہ کرو۔ ورنہ.....“

”حیرت کی بات ہے کہ تم نے میرے حصول اور میری نمائش پر لاکھوں خرچ کر دیئے اور کروڑوں کمانے کا منصوبہ بنایا..... مجھے پہچان نہیں رہے ہو.....؟ دھمکی دے رہے ہو؟ ورنہ کیا.....؟ کیا کر لو گے؟“

”میں تمہارا سر توڑ دوں گا..... تمہارا حلیہ بگاڑ دوں گا۔ پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“ پرکاش مہرہ رعونت سے بولا۔

”تم میرا کیا منہ توڑ دو گے..... میں تمہارا قیمہ کر کے رکھ دوں گا.....“ مجسمہ نے تمسخر کے انداز میں کہا۔

اس کا جواب سن کر پرکاش مہرہ بے قابو ہو گیا۔ اس نے اپنی پوری قوت سے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔

پرکاش مہرہ بھونچکا ہو گیا۔ پھر درد اور تکلیف سے تڑپ کر اس نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ مارا تو ایسا لگا تھا کہ کسی آہنی چیز پر مارا ہے..... وہ کراہنے لگا۔ اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ شخص سنہرا لباس پہن کر آیا ہے۔ یہ سنہرا لباس نہ تھا..... سونے کا مجسمہ تھا۔ زبردست چوٹ پڑی تھی۔ اسے تارے نظر آ گئے تھے۔

”اب یقین آیا کہ نہیں..... میں کون ہوں.....؟“ مجسمے نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ”اب بھی یقین نہیں آیا ہے تو ایسا کرو کہ تمہاری جیب میں بھرا ہوا پستول موجود ہے..... اس کی ساری گولیاں مجھ پر برسا دو۔“

پرکاش مہرہ نے بغیر سوچے سمجھے جیب سے پستول نکال لیا..... اس نے پستول کی نالی پر سائی لنسر لگا لیا تو شاستری نے چیخ کر کہا۔ ”ایسی حماقت نہ کرنا..... یہ واقعی تنگا رام کا مجسمہ ہے..... اس سے معافی مانگ لو.....“

پرکاش مہرہ نے شاستری کی ایک نہ سنی..... اس نے پے در پے مجسمہ پر گولیاں چلا دیں۔ پستول سے ٹھس ٹھس کی آوازیں نکلیں۔ مجسمہ سے گولیاں ٹکرا کر زمین پر گر پڑیں..... مجسمہ بڑے مغرورانہ انداز سے کھڑا مسکراتا رہا۔

پرکاش مہرہ نے یہ دیکھ کر مجسمہ کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ اس نے غضب ناک ہو کر پستول مجسمہ کے منہ پر دے مارا۔ دوسرے لمحے وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ اب اس کے مغز میں آیا کہ یہ واقعی تنگا رام کا سونے کا وہی مجسمہ ہے جو وہ سری لنکا سے لایا تھا۔ پھر وہ تیزی سے پنڈال کے دروازے کی طرف لپکا۔ اس نے صرف دو قدم اٹھائے تھے کہ مجسمہ نے اسے کمر سے پکڑ لیا۔ اسے اس طرح فضا میں اٹھا لیا جیسے وہ کوئی بے وزن سی شے ہو..... اسے لکڑی کی طرح تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔

پرکاش مہرہ کی نظروں کے سامنے ہر چیز چکر کھانے اور گھومنے لگی۔ زمین، آسمان..... دروازہ..... پنڈال..... شاستری..... پھر اس نے پرکاش مہرہ کو گھما کر بلند کیا..... فضا میں اسے کرکٹ کی گیند کی طرح اچھالتا رہا..... پھر اسے اس طرح ایک طرف پھینکا جیسے فیلڈر باؤنڈری لائن کی طرف پھینکتا ہے..... وہ گیند کی طرح فضا میں بہت بلند ہوتا جا رہا تھا جیسے چھکا مارا گیا ہو۔ وہ گیند کی طرح پنڈال سے نکلا..... پارک کے ایک گوشے میں سوئمنگ پل کا ڈاک تھا اس کے تختے پر گر کر وہ پھر فضا میں بلند ہوا اور سمندر میں جا گرا..... اس کے منہ سے سسکی بھی نہیں نکلی۔ وہ سمندر کی آغوش میں چلا گیا۔

(جاری ہے)

حصار

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

عمارت کے تین اطراف جنگل تھا۔ گھٹا ٹوپ اور بھیانک اندھیرا ہر سو مسلط تھا۔ تاریکی میں عمارت بھوتوں اور چڑیلوں کا مسکن معلوم ہو رہی تھی۔ اچانک کئی الوؤں کی کریہہ اور دل دہلاتی آواز نے پورے ماحول کو لرزا کر رکھ دیا اور پھر ایک.....

شیخی بگھارنے اور اترانے والوں کے لئے اس کہانی میں دل گرفتہ سبق موجود ہے

وہ سڑک ہائی وے کے برابر چوڑی نہیں تھی اور چھوٹے چھوٹے قصبوں سے گزرتی ہوئی فلوریڈا پہنچتی تھی۔ اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ جانے والوں کے لئے دوسرا آنے والوں کے لئے۔ اسٹین اپنی بیوی بابرا کے ساتھ کار میں سفر کر رہا تھا۔ اس نے ہائی وے سے اپنی کار صرف چند منٹ پہلے اس سڑک پر موڑی تھی۔ اسٹین اور بابرا سردی کے موسم میں اکثر نیویارک سے فلوریڈا جاتے تھے۔ رات ہو جاتی تو وہ ہمیشہ اپنے ایک پسندیدہ ہوٹل میں قیام کرتے۔ اس بار بھی انہیں اسی ہوٹل میں ٹھہرنا تھا۔ کار کی رفتار مقررہ رفتار سے زیادہ تھی کیونکہ اسٹین آدھی رات ہونے سے قبل ہی اپنے پسندیدہ ہوٹل پہنچ جانا چاہتا تھا اس کی نئی شاندار سیڈان تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ صبح سے مسلسل سفر کر رہے تھے۔ اسٹین کے علاوہ بابرا بھی کار چلانا جانتی تھی۔ وہ باری باری کار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلاتے تھے، اس طرح دونوں کو باری باری آرام کا موقع مل جاتا تھا۔

اسٹین نیو یارک کی ایک کمپنی کا اعلیٰ عہدے دار تھا۔ اس کی عمر صرف اڑتیس سال تھی اس نے اپنی ذہانت اور محنت سے خاصی رقم کمائی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو ملازمت ترک کر دیتا اور اس رقم کے منافع سے باقی زندگی نہایت خوش حالی سے گزار لیتا مگر وہ مصروفیت کا عادی تھا اس لئے ملازمت کے علاوہ زمینوں کی خرید و فروخت بھی کرتا تھا۔ فلوریڈا جانے کا مقصد تفریح بھی تھا اور تجارت بھی۔

بابرا کھال کا ایک قیمتی کوٹ پہنے ہوئے اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ اس کی عمر اکتیس سال تھی۔ اسے بہت زیادہ خوبصورت نہیں کہا جاسکتا تھا پھر بھی اس میں ایک دل کشی تھی۔ اس نے تھرماس سے کپ میں کافی انڈیل کے اپنے شوہر کو دی۔ یہ کافی انہوں نے راستے میں خریدی تھی۔ اسٹین نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ ”کافی پینے کو دل نہیں چاہ رہا ہے کیونکہ اس کا ذائقہ اچھا نہیں ہے۔ راستے کے تمام کیفے بدذائقہ کافی بیچتے ہیں۔ پرانی اور سستی کافی خریدتے ہوں گے۔“

”ان سب کا باورچی بھی ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔“ بابرا نے کھنکتی ہوئی ہنسی سے کہا۔ ”ہر کیفے کے کھانے ایک جیسے لگتے ہیں۔“

”ان لوگوں کا بنیادی کاروبار کافی اور کھانے بیچنا نہیں ہے۔“

اسٹین نے کہا۔ ”یہ لوگ دراصل پیٹرول فروخت کرتے ہیں۔ کھانے پینے کا انتظام محض مسافروں کی آسانی کے لئے ہوتا ہے۔“

”اور پیٹرول میں پانی ملا کے بیچتے ہیں۔“

”یقیناً“۔ اسٹین بولا۔ ”ذرا مجھے ایک سگریٹ سلگا دو۔“ بابرا نے ایک سگریٹ سلگا کے اسٹین کو دیا۔ اسٹین نے پوچھا۔ کیا وقت ہوا ہے؟

”دس بجنے والے ہیں۔ بابرا بولی۔ کیا نیند آرہی ہے؟“

”نیند تو نہیں البتہ تھکن محسوس ہو رہی ہے۔“ اسٹین بولا۔

”تم یہاں آجاؤ۔ کار میں چلاتی ہوں۔“ بابرا بولی۔

”کوئی پیٹرول پمپ آجانے دو۔ پیٹرول بھروانا ہے۔“ اسٹین نے کہا۔ ”وہاں سے تم چلانا۔“

انہوں نے ایک پل پار کیا۔ پل کے کنارے ایک دوسری ریاست کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ قریب ہی گاڑیوں کی رفتار کے لئے یہ ہدایت درج تھی۔ رات کو سفر کی انتہائی رفتار پچاس میل فی گھنٹہ، اسٹین نے راستے کی دوسری ہدایتوں کی طرح یہ ہدایت بھی نظر انداز کر دی اور پینسٹھ میل سے زیادہ رفتار سے کار چلاتا رہا۔ چند منٹ بعد اسے عقبی شیشے میں سرخ روشنی نظر آئی اور ایک پولیس کار زن سے اس کی کار سے آگے نکل کے رک گئی۔ ایک کانسٹیبل نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اسٹین کو جرمانے کی پروا نہیں تھی لیکن چالان کی کارروائی سے تاخیر ہو جانے کا امکان تھا۔ اس کی کار کارجسٹریشن دوسری ریاست کا تھا۔ پولیس معمولی معمولی باتوں پر چالان کرتی رہتی ہے اس لئے اسٹین کو خطرہ تھا کہ وہ مقررہ وقت پر ہوٹل نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس نے کار روکتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔ ”ممکن ہے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت لگ جائے۔“

بابرا نے کہا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دیا جائے۔“

”ناممکن۔“ اسٹین نے ناگواری سے کہا۔ ”یہ لوگ ہماری شان دار کار دیکھیں گے پھر تمہارے قیمتی کوٹ پر نظر ڈالیں گے اور جرمانہ دگنا کر دیں گے۔ انہیں سیاحوں کو پریشان کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔“

پولیس کار میں دو کانسٹیبل تھے۔ ایک کانسٹیبل اتر کر ان کے قریب آیا۔ اسٹین نے کھڑکی کا شیشہ نیچے گرا دیا۔ کانسٹیبل دراز قد تھا۔ اس کے چہرے سے کرختگی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے سخت لہجے میں اسٹین سے کہا۔

”لائسنس؟“

اسٹین نے بٹوے سے لائسنس نکال کے کانسٹیبل کو دے دیا۔ کانسٹیبل نے ٹارچ کی روشنی میں لائسنس کے

اندراجات سرسری نظر دیکھے۔ تمہیں تھانے چلنا ہوگا۔ وہ درشتی سے بولا۔

”جناب! میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری رفتار تیز تھی۔ اسٹین نے نرمی سے کہا۔ لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ اس لئے میں آپ کو جرمانے کے علاوہ پچاس ڈالر مزید پیش کر سکتا ہوں۔“ اس نے جیب سے پچاس ڈالر کا نوٹ نکالا۔

کانسٹیبل نے اسٹین کے ہاتھ میں دبا ہوا نوٹ دیکھا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے۔ ”رشوت دینے کی کوشش مت کرو مسٹر! معاملہ محض تیز رفتاری کا نہیں ہے۔ ایک اور سنگین بات بھی ہے۔“

اسٹین کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔ اس نے نوٹ فوراً جیب میں رکھ لیا۔ ”کیا آپ مجھے کوئی دھمکی دینا چاہتے ہیں؟“

میں کیا چاہتا ہوں یہ تمہیں تھانے چل کے معلوم ہو جائے گا۔ کانسٹیبل نے بابرا کو گھور کر دیکھا پھر اپنے ساتھی کو پولیس کار آگے بڑھانے کا اشارہ کیا اور اسٹین کی کار کا دروازہ کھول کے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ پولیس کار کے پیچھے پیچھے چلو۔ اس نے حکم دیا۔

اسٹین نے سوچا کہ اس اجڈ کے ساتھ بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں چنانچہ اسے تھانے پہنچ کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کرنی چاہئے۔ اس نے اپنی کار پولیس کار کے پیچھے لگا دی۔ بابرا نے ترش لہجے میں کانسٹیبل سے پوچھا۔ ”مسٹر! کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ ہمیں تھانے کیوں لے جایا جا رہا ہے؟ تمہارا طرز عمل تو ایسا ہے جیسے ہم نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہو حالانکہ تیز رفتاری کے سوا ہماری کوئی غلطی نہیں ہے۔“

”بابرا!“ اسٹین نے نرمی سے اپنی بیوی کو سمجھایا۔ ان سے کچھ نہ کہو۔ انہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔ ہم تھانے پہنچ کے ان کے کسی افسر سے بات کر لیں گے۔“

کوئی ڈیڑھ میل بعد دونوں گاڑیاں ایک کچی سڑک پر مڑ گئیں۔ یہ سڑک ایک تھانے کے پھاٹک پر جا کے ختم ہوئی۔ تھانے کی عمارت خاصی پرانی اور چھوٹی تھی۔ اسٹین اور بابرا کانسٹیبلوں کے ساتھ ایک مستطیل کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں تین فٹ اونچے ایک جنگلے کے اندر دو پرانی میزیں پڑی تھیں۔ میزوں کے گرد لکڑی کی چند کرسیاں تھیں۔ ایک میز پر ٹائپ رائٹر رکھا ہوا تھا۔ اور ایک گوشے میں فائلوں کی الماری تھی۔ جو کانسٹیبل گشتی کار چلا رہا تھا اس نے ایک بٹن دبایا اور انتظار کرنے لگا۔ خاصی دیر بعد کمرے کی پشت کے دروازے سے ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ انسپکٹر کی وردی پہنے ہوئے تھا اور اپنے بدنما بھدے ہاتھ سے بال سنوارتا ہوا آرہا تھا۔ وہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کی ناک بہت لمبی تھی اور چہرہ چوکور تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سوتے سوتے اٹھ کر آیا ہو۔ اس نے اسٹین اور بابرا کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر اسٹین کی گاڑی میں آنے والے کانسٹیبل سے پوچھا۔ کیا معاملہ ہے فلائڈ؟

فلائڈ چپ رہا۔ فلائڈ کا ساتھی کانسٹیبل اب ایک گوشے میں سگریٹ پینے لگا تھا۔ انسپکٹر جنگلے میں داخل ہو کر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ فلائڈ اس کے پاس پہنچا۔ ان دونوں میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں ہوئیں۔ اسٹین کچھ نہیں سن سکا۔ فلائڈ کی باتوں سے انسپکٹر کی پیشانی پر بل پڑنے لگے۔ فلائڈ نے ایک نوٹ بک نکالی۔ وہ راستے بھر اس نوٹ بک میں کچھ لکھتا رہا تھا۔ انسپکٹر نے اس کے اندراجات دیکھے اور الماری تک گیا۔ خاصی تلاش کے بعد اس نے الماری سے ایک کاغذ برآمد کیا اور کرسی پر بیٹھ کر نوٹ بک سے اس کا موازنہ کرنے لگا۔ پھر اس نے سر اٹھا کے قہر آلود نظروں سے اسٹین کی طرف دیکھا۔ مجھے تیز کار چلانے والوں سے نفرت ہے۔ میری حدود میں ایسے لوگوں کے ساتھ بہت سختی کی جاتی ہے۔ ہم انہیں انتہائی عبرتناک سزائیں دیتے ہیں۔ انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ مقررہ حد سے زیادہ تیز کار چلانا کتنا بڑا جرم ہے لیکن میرا خیال ہے تمہارے پاس اپنی تیز رفتاری کا معقول جواز ضرور ہوگا۔

”جی نہیں۔“ اسٹین نے شرمندگی سے کہا۔ میرے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ محض عجلت میں ایسا ہو گیا۔ مجھے اپنی عجلت پر افسوس ہے۔ اب آپ جو بھی جرمانہ عائد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کریں گے۔ میں ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

سوچ لو۔ کیا واقعی تمہارے پاس تیز کار چلانے کا کوئی جواز نہیں ہے؟ ویسے میں تم سے اختلاف کروں گا۔ انسپکٹر نے درشتی سے کہا۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص چرائی ہوئی کار لے جارہا ہو تو وہ تیز رفتاری کے لئے مجبور ہوجاتا ہے جب کہ کار کی قیمت بھی کم سے کم دس ہزار ڈالر ہو۔ ہر چور جلد از جلد بہت دور بھاگ جانا چاہتا ہے تاکہ اسے گرفتار نہ کیا جاسکے۔ میں سمجھتا ہوں یہ بہت مناسب جواز ہے۔

"چرائی ہوئی کار؟" اسٹین نے حیرت سے کہا۔ جناب! یہ کار میں نے تین ماہ پہلے نیویارک میں خریدی تھی۔ میرے پاس اس کار جسٹریشن سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔ اس نے جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کے انسپکٹر کے سامنے ڈال دیا۔

انسپکٹر نے شناختی کارڈ پڑھا پھر الماری سے نکالا ہوا کاغذ دوبارہ دیکھا۔ میری اطلاع کے مطابق یہ کار چوری کی ہے۔

"آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اسٹین تیزی سے بولا۔

"غلط فہمی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ تم نے اور تمہاری ساتھی عورت نے اسٹین نامی ایک شخص سے کار چھین لی ہے کوئی فریب دے کے یا دھمکی دے کے۔ ساتھ ہی تم نے اس کا شناختی کارڈ اور رجسٹریشن سرٹیفکیٹ بھی اڑالیا ہے۔"

"جناب! اسٹین نامی شخص میں خود ہوں۔" اسٹین نے بابرا کی طرف اشارہ کیا۔ اور یہ میری بیوی ہے بابرا۔

"جی ہاں" بابرا بھی خاموش نہ رہ سکی۔ میرا نام بابرا ہے اور یہ میرے شوہر اسٹین ہیں۔ کیا ہم آپ کو چور نظر آرہے ہیں؟"

انسپکٹر نے بابرا کا کوٹ دیکھتے ہوئے کہا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس چرائے ہوئے قیمتی کوٹ میں تم ایک باوقار خاتون معلوم ہورہی ہو لیکن ریاست کی زنانہ جیل میں کچھ مجرم عورتیں اور بھی ہیں۔ وہ دیکھنے میں تم سے کہیں زیادہ باوقار معلوم ہوتی ہیں۔"

"میں آپ کے اس مذاق پر احتجاج کرتا ہوں مسٹر انسپکٹر....." اسٹین نے ناگواری سے کہا۔

"میرا نام انسپکٹر کلائڈ ہے۔" انسپکٹر کو غصہ آگیا۔ بہتر ہوگا کہ تم میرے مذاق سے لطف اندوز ہونے کی عادت ڈال لو کیونکہ میرا اور تمہارا ساتھ اب بہت دنوں تک رہے گا۔ اس نے ایک سگار سلگایا۔

گویا میں اپنی ہی کار چرانے کے الزام میں پکڑا جارہا ہوں؟ اسٹین نے کہا۔ لیکن انسپکٹر! آپ میرے دستخط کے متعلق کیا کہیں گے۔ آپ شناختی کارڈ پر دستخط غور سے دیکھ لیجئے۔ میں آپ کے سامنے بھی ویسے ہی دستخط کرکے دکھا سکتا ہوں۔

"ذہین مجرم اچھے جعل ساز بھی ہوتے ہیں۔ کیوں برٹ! میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟" انسپکٹر نے دوسرے کانسٹیبل سے کہا۔ تم ریاستی جیل کے پہرے دار رہ چکے ہو۔ تمہاری معلومات کیا کہتی ہیں؟"

آپ کا خیال درست ہے سر! برٹ نے تائید کی۔

کانسٹیبل فلائڈ نے اسٹین سے کہا۔ اگر یہ تمہاری کار ہے تو ہمیں اس کی رسید یا اس کا بل یا اس کا کیش میمو دکھاؤ۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ چیزیں اپنے ساتھ لئے پھرتا ہوں، کار کا کیش میمو میرے بینک میں محفوظ ہے۔ اسٹین نے جواب دیا۔

اسے تمہاری بدقسمتی کہا جاسکتا ہے۔ کیش میمو بینک میں رکھ کے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

میں اپنے وکیل کو فون کرنا چاہتا ہوں۔ اسٹین نے کہا۔

"ضرور۔ کیا تمہارا وکیل اسی ریاست میں ہے؟"

"جی نہیں" اسٹین نے جواب دیا۔ میرا وکیل نیو یارک میں رہتا ہے۔"

"افسوس۔ ہم طویل فاصلوں کے لئے ٹیلی فون کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

"اس کال کا خرچ برداشت کرلوں گا۔"

"خرچ کا سوال نہیں ہے، یہ ہمارا اصول ہے۔ ہم اپنے اصول نہیں توڑتے۔ اس کے علاوہ نیو یارک کے وکیل کو فون کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ ایک دو دن سے پہلے یہاں نہیں پہنچ سکتا۔ ریاست کی عدالت خود تمہارے لئے وکیل مقرر کردے گی۔"

"خوب" اسٹین نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ اب براہ کرم یہ بتادیجئے کہ اس فرضی الزام سے بچنے کے لئے ہمیں کتنی رقم پیش کرنی ہوگی!"

"مسٹر! تم ہمیں رشوت کا لالچ دے رہے ہو؟" انسپکٹر کلائڈ غرایا۔ "رشوت دینے کی ایک کوشش تم پہلے بھی کرچکے ہو۔ کلائڈ نے مجھے بتادیا ہے کہ تم نے اسے پچاس ڈالر دینے کی کوشش کی تھی۔ اب بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنا منہ بند رکھو ورنہ زبردست مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ نجات ملنا محال ہوجائے گی۔

میں اپنی ضمانت دینا چاہتا ہوں۔

رات کا وقت ہے۔ یہ کام بھی اس وقت نہیں ہوسکتا۔ کلائڈ نے نفی میں سر ہلایا۔ کار کی چوری سنگین جرائم میں شمار ہوتی ہے۔ تمہاری ضمانت صرف جج منظور کرسکتا ہے۔

"جج صاحب کب تک دستیاب ہوسکیں گے؟" اسٹین نے زہرخند سے پوچھا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے پاس بے شمار مقدمات ہوتے ہیں پھر بھی اگر تمہاری قسمت اچھی ہوئی تو شاید کل کچھ ہوسکے۔ بہرحال میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔

"اس دوران میں ہمارے ساتھ سلوک کیا کیا جائے گا؟" اسٹین نے غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

مطمئن رہو۔ یہ جگہ تمہارے لئے ایک ہوٹل سے کم ثابت نہیں ہوگی۔ انسپکٹر کلائڈ بولا۔ عمارت کے عقبی حصے میں اچھے کمرے ہیں اور بالکل مفت۔ کھانا بہت اچھا تو نہیں ہوگا مگر ایسا برا بھی نہیں ہوگا۔ خیر ذرا آگے بڑھو اور تمہاری جیبوں میں جو کچھ ہے، وہ نکال کے میز پر رکھ دو۔

اسٹین ہچکچایا۔ کانسٹیبل فلائڈ نے اس کا بازو موڑتے ہوئے اسے ایک دھکے سے میز کے قریب کھڑا کردیا۔ نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوا، چابیاں، رومال، سفری چیک بک، عام چیک بک، ایک قیمتی گھڑی اور ایک سونے کی انگوٹھی۔ یہ چیزیں اسٹین نے میز پر رکھ دیں۔ سفری چیک بک کی مجموعی رقم پندرہ سو ڈالر تھی۔ انسپکٹر نے ٹائپ رائٹر میں ایک سادہ کاغذ لگایا۔

"تمہارا نام"

"اسٹین کے لہجے میں طنز تھا۔"

"تمہارا اصل نام؟"

"اسٹین۔" اسٹین کے لہجے میں دہرایا۔

نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا اصل نام جان ہے۔ انسپکٹر نے یہی نام ٹائپ کیا اور پوچھا۔ پتہ؟"

"وہی جو رجسٹریشن بک اور ڈرائیونگ لائسنس میں ہے۔"

انسپکٹر نے ٹائپ کیا۔ پتہ نامعلوم

"پیشہ؟"

اسٹین نے اپنے دونوں پیشے بتادیئے۔ ملازمت بھی، کاروبار بھی۔ انسپکٹر ٹائپ کرتا رہا۔ اس نے میز پر رکھی ہوئی چیزوں کی فہرست ٹائپ کی۔ بٹوے کی رقم اور سفری چیک بک کی رقم ٹائپ کی پھر کاغذ مشین سے نکال کر اسٹین کو دے دیا۔ اسٹین نے غصے اور جھنجلاہٹ سے کاغذ پڑھا۔ اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کوئی پریشان کن خواب دیکھ رہا ہو۔ اسے توقع تھی کہ ابھی اس کی آنکھ کھل جائے گی۔ اس نے نگاہ اٹھا کے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ بابرا جنگلے کے دوسری جانب خوف زدہ سی کھڑی تھی۔ اسٹین کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ بابرا کو ایسے حالات سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ وہ کیا محسوس کررہی ہوگی مگر اس موقع پر اسٹین اس سے ضبط اور استقامت کی توقع رکھتا تھا۔

انسپکٹر نے اسٹین کی طرف قلم بڑھایا۔ کاغذ پہ دستخط کردو۔ اسٹین نے حکم کی تعمیل کی۔ انسپکٹر نے کاغذ کی دراز میں رکھ لیا پھر اس کی خوں خوار آنکھیں بابرا کی طرف اٹھیں۔ اب تمہاری باری ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بابرا ساکت وصامت کھڑی رہی۔ کانسٹیبل برٹ نے اسے کلائی سے گھسیٹ کے انسپکٹر کے سامنے کھڑا کردیا۔ اسٹین نے تیزی سے کہا۔ کانسٹیبل! اپنے گندے ہاتھ میری بیوی سے الگ رکھو۔

"تم میں ہمت ہے تو اس کا ہاتھ چھڑا لو۔" برٹ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ اس نے بابرا کی کلائی اور مضبوطی سے پکڑ لی۔ اس کے دوسرا ہاتھ ریوالور کے دستے پر رکھا ہوا تھا۔

"ہاں، مجھ میں ہمت ہے۔" اسٹین دانت بھینچتے ہوا آگے بڑھا۔

"طیش میں آنے کی ضرورت نہیں اے مسٹر!" انسپکٹر کلائڈ نے اپنے ہونٹوں سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "ایسی باتوں سے تم اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کرلو گے۔" اس نے بابرا کی جانب دیکھا۔ اپنی ہر چیز میز پر رکھ دو۔ بابرا ٹس سے مس نہ ہوئی۔ انسپکٹر نے ایک جھٹکے میں اس کے ہاتھ سے پرس چھین لیا اور بولا۔ تمہارے ہاتھ میں ایک گھڑی اور ایک انگوٹھی بھی ہے۔ یہ چیزیں بھی اتاردو۔ قانون کی رو سے قیدی اپنی کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ اور ہاں جس کوٹھری میں تمہیں رکھا جائے گا، وہاں خاصی گرمی ہوگی لہٰذا اپنا کوٹ بھی اتاردو۔ وہاں تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اسٹین کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے علاوہ اس کی بیوی بھی جیل میں ٹھونس دی جائے گی۔ وہ چیخا۔ انسپکٹر! تم میری بیوی کو گرفتار نہیں کرسکتے۔ اس معاملے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہاں، تم اگر چاہو تو اسے اپنی بیوی کہہ سکتے ہو۔ انسپکٹر نے اطمینان سے کہا۔ لیکن قانون کی نظر میں یہ تمہاری شریک جرم ہے اس لئے اسے بھی ضرور گرفتار کیا جائے گا۔

اسٹین نے انسپکٹر کی میز پر جھکتے ہوئے کہا۔ تم اور تمہارے نائب اس وقت جو چاہیں کرلیں لیکن جب مجھے یہاں سے نجات ملے گی تو میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بخشوں گا نہیں۔ تم لوگ پوری ریاست میں کہیں صورتیں دکھانے کے قابل بھی نہیں رہو گے۔"

انسپکٹر نے سرسری انداز میں اپنے منہ سے سگار نکالا۔ ایک لمحے تک وہ اس کا جلتا ہوا سرد دیکھتا رہا پھر اس نے ایک دم اچھل کے اسٹین کے بال پکڑ لیے اور جلتا ہوا سگار اس کے گال سے لگا دیا۔ مجھے یقین نہیں کہ اب تمہیں یہاں سے نجات مل سکے گی۔ اسٹین کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے جھٹکے سے اپنے بال چھڑائے اور جلے ہوئے گال پہ ہاتھ رکھ لیا۔ انسپکٹر اس کی طرف سے بے تعلق ہوکے بابرا کا پرس کھولنے لگا۔ پرس کھول کے اس نے اسے میز پر الٹ دیا۔ نصف درجن کے قریب مختلف چیزیں میز پر گریں۔ ایک لپ اسٹک فرش پر لڑھک گئی۔ انسپکٹر نے ہاتھ بڑھا کے بابرا کا کوٹ بھی کھینچ لیا۔ پھر بابرا کا دستانہ اتار کر اس کی انگلی سے ہیرے کی قیمتی انگوٹھی اتارنے لگا۔

اسٹین نے آگے بڑھ کر اسے دھکا دیا اور اس کے منہ پر پوری طاقت سے ایک گھونسا مارا۔ انسپکٹر کرسی سمیت فرش پر گرا مگر فوراً لڑکھڑاتا ہوا اٹھ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے منہ پر رکھا تو اس کی انگلیاں خون سے تر ہوگئیں۔ اس نے تیزی سے ریوالور نکال کے فائر کردیا۔ گولی اسٹین کے بائیں کان کی لو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ انسپکٹر دوسرا فائر کرتا، کانسٹیبل فلائڈ نے اس کی کلائی پر ہاتھ مارا۔ ریوالور زمین پہ گر گیا۔ اسی لمحے کانسٹیبل برٹ نے آگے بڑھ کر ریوالور کے دستے سے اسٹین کے سر پر ضرب لگائی۔ اسٹین بے ہوش ہوگیا۔

اسٹین کو ہوش آیا تو وہ ایک کوٹھری میں نچلی برتھ پر لیٹا ہوا تھا۔ کوٹھری بے حد تنگ اور تاریک تھی۔ اس میں کھڑکی نہیں تھی۔ البتہ چھت میں بلب کے ساتھ ایک ہوا دان بنا ہوا تھا۔ دروازہ لوہے کا تھا۔ دروازے میں کھانے پینے کی چیزیں داخل کرنے کیلئے تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ عقبی دیوار کے ساتھ ایک کموڈ رکھا ہوا تھا۔ اسٹین نے لیٹے لیٹے ان چیزوں کا جائزہ لے لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا اور بائیں کان کی لو پر ایک پٹی چپکی ہوئی تھی۔ اس کے گال میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کا اوور

کوٹ اور دستانے اتار لیے گئے تھے۔ باقی لباس جسم پر موجود تھا۔ کمرے میں انتہائی تکلیف دہ حبس تھا۔ اسٹین نے سوچا کہ شاید کوٹھری میں کوئی اور قیدی بھی ہو۔ وہ اٹھ کے کھڑا ہوگیا مگر اوپر کی برتھ خالی تھی۔ اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ جیبیں بھی خالی تھیں۔ وہ ناگواری سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوٹھری ایک بڑے تابوت سے کچھ بڑی تھی۔ کیا بابرا بھی کسی ایسے ہی مقبرے میں بند کی گئی ہے؟ اس خیال نے اسٹین کو اور افسردہ کردیا۔ کوٹھری کے باہر ایک بلب لگا ہوا تھا۔ اس کی روشنی بہت کم تھی۔ نیم تاریکی میں یہ جھانکنے کی کوشش کی۔ باہر ایک چھوٹی سی راہ داری تھی۔ سامنے کی دیوار میں تین دروازے اور تھے۔ ایک کوٹھری دائیں جانب بالکل آخر میں نظر آرہی تھی۔ وہاں لکڑی کی ایک کرسی پہ کوئی سنتری بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ کرسی کے قریب دیوار کے سہارے ایک شاٹ گن رکھی تھی۔ اسٹین نے کوشش کر کے اس تنگ جگہ سے اپنا سر باہر نکالا اور سنتری کو آواز دی۔ سنتری ایک دبلا پتلا نوجوان تھا۔ اس نے سگریٹ ہونٹوں سے نکالے بغیر پوچھا۔ کیا بات ہے؟ کیوں چیخ رہے ہو؟

"بھائی!" اسٹین نے لجاجت سے کہا۔ کیا بجا ہوگا؟"

"گیارہ بج کر دس منٹ۔ سنتری نے اپنی دستی گھڑی دیکھ کر کہا۔"

"رات کے؟"

"اور نہیں تو کیا دن کے۔ تم آدھے گھنٹے سے زیادہ بے ہوش تھوڑی رہے ہو۔ اب کیا خیال ہے؟"

سنتری نے حال پوچھا تو اسٹین کو اس کے لہجے میں ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس نے تڑپ کے کہا۔ بس بھائی! زندہ ہوں۔"

"تم بہت خوش قسمت ہو دوست!" سنتری نے ایک کش لے کے کہا۔ ورنہ انسپکٹر اور اس کے نائب، قیدیوں کے ساتھ عموماً بہت سختی سے پیش آتے ہیں۔" پھر وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔ "تم نے انسپکٹر کے منہ پر گھونسا خوب مارا۔ اس کے دو دانت ٹوٹ گئے ہیں۔"

اسٹین کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس نے دھیمی آواز میں سنتری سے کہا۔ تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم انسپکٹر سے خوش نہیں ہو؟" سنتری نے ایک سرد آہ بھری۔ ظالم افسروں سے کون خوش ہوتا ہے اور جہاں تک میرا سوال ہے میں انسپکٹر سے نفرت کرتا ہوں۔ اگر میں تمہیں اپنی کہانی سنانے بیٹھ جاؤں تو ایک سال سے کم نہیں لگے گا۔ بہرحال یہ خیال رکھنا کہ انسپکٹر اور اس کے نائبوں نے تم سے اور تمہاری بیوی سے جو سلوک کیا ہے، اس میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر کبھی تمہیں یہاں سے چھٹکارا مل جائے تو تم میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ مجھے یہاں سے کب چھٹکارا ملے گا؟"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ تم نے اسے گھونسا مارنے کی جسارت کی ہے اس لئے تمہیں شاید جلدی چھٹی نہ ملے۔ دو تین ماہ بھی لگ سکتے ہیں۔ وہ بہت غصے میں ہے۔ جب تک اس کا غصہ نہیں اترے گا۔ وہ تمہاری رہائی کے سلسلے میں کوئی بات نہیں سنے گا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟ کیسی ہے وہ؟"

"اپنی جیسی حالت اس کی بھی سمجھ لو"

انسپکٹر ہمیں زیادہ دنوں تک قید نہیں رکھ سکتا۔ اسٹین کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے۔

"یہاں صرف انسپکٹر کلائڈ کا قانون چلتا ہے۔"

"مگر وہ اپنے اعلیٰ حکام کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ ہم اس کے اعلیٰ حکام تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"مگر کب؟" غالباً اس وقت جب تمہاری داڑھی پیٹ تک پہنچنے لگے گی۔ اس کے علاوہ کلائڈ اور اس کے نائب خود کو بچانے کے لئے بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں۔ اور ملزم کے خلاف جعلی ثبوت تیار کرسکتے ہیں۔

"دیکھا جائے گا۔ اسٹین نے کہا۔ کیا تم اپنا نام بتانا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں۔ مجھے سام کہتے ہیں؟"

اسٹین چند لمحوں تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے تذبذب کے ساتھ سنتری سے کہا۔ سام! یقین کرو ہم قطعی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے قصور ہیں۔ ہمیں محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے قید کرلیا گیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں تم ہماری کوئی مدد کرسکتے ہو؟ سام چپ ہوگیا جیسے اس کی زبان گنگ ہوگئی ہو۔ اسٹین نے بے تابی سے اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں بعد اس نے التجا کے انداز میں اپنا سوال دہرایا۔ سام! تم ایک اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ یقین کرو ہم بھی کوئی برے لوگ نہیں ہیں۔ کیا تم ہماری کوئی مدد کرسکتے ہو؟"

خاصے سکوت کے بعد سام نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ مگر کس طرح؟ تم ریاست کے کسی بڑے آدمی تک ہمارا پیغام پہنچا سکتے ہو۔

"نہیں نہیں" سام سہم گیا۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ انسپکٹر کو معلوم ہوگیا تو وہ میرے سر کے دو ٹکڑے کردے گا۔

"میں تمہیں نہایت معقول انعام دوں گا۔"

"مگر انعام سے پہلے ہی انسپکٹر مجھے مار ڈالے گا۔ ایک مردہ آدمی کے لئے بڑے سے بڑا انعام بیکار ہے۔ میں انسپکٹر کی دشمنی مول نہیں لے سکتا۔ وہ دیوانہ ہے۔ اس کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ سام چند لمحوں تک خاموش رہا پھر بولا۔ انسپکٹر کے ساتھ چند روز پہلے ایک حادثہ پیش آیا تھا۔ اس حادثے نے اسے جانور بنادیا ہے۔"

"اسٹین نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ گویا تم ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتے؟"

سام کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ اس نے کہا۔ ممکن ہے کچھ غور کرنے کے بعد میں تمہاری مدد کا کوئی محفوظ طریقہ سوچ لوں۔"

"اس وقت میری بیوی کہاں ہے؟" اسٹین نے بے تابی سے پوچھا۔

"راہ داری کے آخر میں عورتوں کے لئے ایک مخصوص کوٹھری ہے؟" سام نے بتایا۔ کیا وہ واقعی تمہاری بیوی ہے؟"

"ہاں کیا عورتوں کی کوٹھری بھی ہماری کوٹھری جیسی ہے؟"

"تمام کوٹھریاں ایک جیسی ہیں" سام نے بتایا۔ البتہ عورتوں کوٹھری کچھ بڑی ہے۔ اس میں چار عورتیں قید ہیں۔ کبھی کبھی ایک وقت میں آٹھ دس عورتیں بھی قید ہو جاتی ہیں۔"

"آہ میری بیوی نے کبھی جیل کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔"

"سنا ہے کہ بہت جلد ایک نیا جیل خانہ تعمیر ہونے والا ہے۔ سام نے کہا۔ تمہیں سگریٹ چاہئے؟"

"اگر مل جائے تو مہربانی ہوگی"

سام نے جیب سے پیکٹ نکال کے اسٹین کو ایک سگریٹ دیا اور ماچس سے خود سلگایا پھر کچھ سوچ کے اس نے پورا پیکٹ اسٹین کو دے دیا۔ یہ تم رکھ لو لیکن ماچس نہیں ملے گی۔ قیدیوں کو ماچس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب بھی سگریٹ پینا ہو، مجھے آواز دے لینا۔ یہ کہہ کے وہ چلا گیا۔

تھانے میں ایک تازہ شکار آیا تھا۔ وہ ایک طویل قامت باوقار بوڑھا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کے درمیان ہوگی۔ اس کا لباس صاف ستھرا اور قیمتی تھا۔ انسپکٹر کلائنڈ اور اس کے ماتحت اس سے مختلف سوالات کررہے تھے۔ دفعتہً بوڑھے نے کہا۔ یہ ایک چھوٹا اور بے بنیاد الزام ہے۔ اس کی آواز غصے سے بھرائی ہوئی تھی۔ تم مجھے ایک منٹ کے لئے بھی حراست میں نہیں لے سکتے۔ آخر تمہارے پاس ثبوت کیا ہے؟ گواہ کہاں ہیں؟

"بکواس بند کرو۔ انسپکٹر غرایا۔ اس کا نچلا ہونٹ سوج گیا تھا۔ سوجے ہوئے ہونٹ کو آرام پہنچانے کے لئے اس نے ایک رومال تہہ کرکے منہ پر رکھ لیا تھا۔ رومال کی وجہ سے اس کے ٹوٹے ہوئے دانت نظر نہیں آرہے تھے۔ ہمیں اوپر سے ڈرائیور کو گرفتار کرنے کا حکم ملا ہے جو ایک عورت کو کچل کے بھاگ گیا تھا۔ یہ واقعہ یہاں سے ساٹھ میل دور ایک قصبے میں پیش آیا تھا۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ مجرم کو گرفتار کرکے اس وقت تک بند رکھیں جب تک اس قصبے کی پولیس یہاں نہ پہنچ جائے۔"

"ہمارے پاس جو رپورٹ پہنچی ہے۔" انسپکٹر

والا۔ اس کے مطابق یہ حادثہ 68 ماڈل کی ایک ہلکی سبز سیڈان سے ہوا ہے۔ اس کے پہیوں پر وھائٹ وال کے ٹائر چڑھے ہوئے ہیں اور سامنے کی جانب دایاں ٹینڈر مڑا ہے۔ یہ سب باتیں تمہاری کار سے مطابقت رکھتی ہیں۔ ہمیں مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ وہ ٹینڈر کسی حادثے میں مڑا نہیں ہوا بلکہ میری کار کے سامنے ایک کار کھڑی تھی وہ پیچھے ہوئی تو ٹکر لگ گئی۔"

انسپکٹر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ حادثے کے عینی گواہوں نے تمہاری کار کا رجسٹریشن بھی نوٹ کرلیا تھا۔ 82347۔ ڈی آئی۔ اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا یہ نمبر تمہاری کار کا نہیں ہے؟ کاغذات کے مطابق وہ کار تمہارے ہی نام رجسٹر ہے۔"

"ہاں لیکن......"

"تمہارا حلیہ بھی رپورٹ میں درج ہے انسپکٹر نے اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر نگاہ دوڑائی۔ ایشیا کا رہنے والا، عمر ساٹھ سال سے اوپر، بال سفید، جسم دبلا، قد لمبا۔ یہ بالکل تمہارا حلیہ ہے۔"

تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی......"

"بس بہت ہوچکا مسٹر اسٹون۔" انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔ اپنی جیبوں سے تمام چیزیں نکال کر میز پر رکھ دو۔ بوڑھا اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ انسپکٹر نے اپنے ماتحت سے کہا۔ فلائنڈ! ذرا دیکھو کیا اس آدمی کے قدم زمین میں دھنس گئے ہیں؟ اسے میرے پاس لاؤ۔"

تین دن بیت گئے اور تین راتیں گزر گئیں۔ اسٹین کی کوٹھری میں ایک قیدی اور آگیا۔ اس کا نام ڈینس تھا۔ ڈینس چھوٹے قد کا ایک خاموش طبع آدمی تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ اسٹیل کے فریم کا چشمہ لگاتا تھا اور نیشنل فوڈ پروڈکٹس میں نائب صدر تھا۔ اسٹین کی طرح اس کے پاس بھی ایک نئی کار تھی۔ گرفتاری کے وقت وہ بھی مقررہ رفتار سے تیز کار چلا رہا تھا۔ اس کی کار سے اسکاچ وھسکی کی ایک کھلی ہوئی بوتل بھی ملی تھی۔

انسپکٹر نے اس کی بیوی سے جرح کرکے یہ اگلوالیا تھا کہ کار چلاتے وقت انہوں نے وھسکی پی تھی۔ ان دونوں پر شراب کے نشے میں کار چلانے کا الزام تھا۔ انہیں بھی یہی کہہ کر حراست میں رکھا گیا تھا کہ جیسے ہی ریاست کے جج کو وقت ملا، وہ اس کے سامنے پیش کردیئے جائیں گے۔

ڈینس نے اسٹین سے کہا۔ صاف ظاہر ہے کہ ہمیں پھانسا گیا ہے۔ شاید انسپکٹر کلائنڈ کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ خصوصاً آسودہ حال لوگوں سے اسے شدید نفرت معلوم ہوتی ہے۔ پتہ نہیں اس نے ہماری طرح کتنے شرفا کو بند کر رکھا ہو لیکن میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ اس سب کے پاس نئی کاریں ہوں گی۔ ایسی کاریں اس علاقے میں بہت کم نظر آتی ہیں۔"

"نہ معلوم اس مصیبت کا خاتمہ کب ہو" اسٹین نے بیزاری سے کہا لیکن یہاں کا سنتری سام بہت اچھا آدمی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انسپکٹر نفسیاتی مریض ہے۔ شاید ماضی میں اسے کوئی زبردست حادثہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ ہم لوگوں سے وہ اسی حادثے کا انتقام لے رہا ہے۔"

"مجھے جب بھی رہائی ملی" ڈینس نے جوش سے کہا۔ میں کلائنڈ کو جیل بھجوا کے رہوں گا۔ خواہ اس کے لئے گورنر کے پاس جانا پڑے۔ یہ غیر قانونی ظلم وتشدد انسپکٹر کو راس نہیں آئے گا۔"

جب سے ڈینس آیا تھا۔ سنتری سام نے اسٹین سے مدد وغیرہ کی گفتگو ترک کردی تھی۔ ایک بار تنہائی میں اس نے اسٹین سے کہا۔ دوست! مطمئن رہو۔ میں اس سلسلے میں برابر غور کررہا ہوں لیکن تم اپنے ساتھی سے اس کا ذکر نہ کرنا سمجھے۔"

جیل کا غسل خانہ کوٹھری سے بھی زیادہ چھوٹا اور تنگ تھا۔ چوتھے روز اسٹین کی مایوسی اور افسردگی انتہا کو پہنچ گئی۔ سنتری سام ڈینس کو غسل کے لئے غسل خانے لے گیا۔ جاتے وقت اس نے آنکھ مار کر اسٹین کو اس طرح اشارہ کیا جیسے اس سے کوئی بہت خاص بات کہنی ہو۔ اسٹین بے چین ہوگیا۔ وہ سام کے اشارے کا کوئی مطلب نہیں نکال سکا تھا۔ پھر اس کی باری آئی تو اسے غسل خانے لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جایا گیا۔ جب تک اس نے غسل نہیں کرلیا۔ سام غسل خانے کے باہر اپنی شاٹ گن لئے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر جب اسٹین شیو بنانے لگا تو سام نے زبان کھولی۔ میں نے دانستہ تمہارا نمبر سب سے آخر میں رکھا تھا تاکہ ہمیں باتیں کرنے کا موقع مل سکے۔ میں پہلی بات تمہیں انسپکٹر کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ وہ ذہنی طور پر معتدل نہیں ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی، نو سال کی ہوگی۔ اس کی ماں کا انتقال ہوچکا تھا۔ انسپکٹر اسے بے حد چاہتا تھا۔ ایک دن کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک شان دار کار میں ہائی وے سے گزر رہا تھا۔ اس نے انسپکٹر کی معصوم بچی کو کچل کے مار ڈالا۔ وہ نشے میں تھا اور نوے میل سے زیادہ تیز کار چلا رہا تھا حالانکہ اس ریاست میں رفتار کی حد تیس میل فی گھنٹہ ہے۔ لوگ اس پابندی کی پرواہی نہیں کرتے، خاص طور سے نیویارک کے لوگ۔ انسپکٹر کی بچی کا بھیجا پاش پاش ہوگیا تھا۔ اس کی صورت نہیں پہچانی جاتی تھی۔ وہ شخص حادثے کے بعد ٹھہرا تک نہیں، فوراً فرار ہوگیا اور آج تک گرفتار نہیں کیا جاسکا۔ کچھ لوگوں نے حادثہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا مگر کار کی رفتار بہت تیز تھی اس لئے وہ نمبر نوٹ نہیں کرسکے تھے۔

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نشے میں کار چلا رہا تھا؟" اسٹین نے پوچھا۔

"جو شخص تیس میل کے علاقے میں نوے میل کی رفتار سے جا رہا ہو، وہ یقیناً نشے میں تھا۔

"گویا انسپکٹر اب نیویارک کے ہر نئی کار والے سے اپنی لڑکی کا انتقام لے رہا ہے؟"

"ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے" سام نے تسلیم کیا۔ وہ ایسے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک قید رکھ کے بہت خوش ہوتا ہے۔"

"لیکن اب تک کسی نے اس کے خلاف رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"انسپکٹر بہت ہوشیار آدمی ہے" وہ اپنی رپورٹ اس طرح تیار کرتا ہے کہ کسی کو اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں ملتا اور ظاہر ہے کہ ایک عام شخص کے مقابلے میں انسپکٹر اور اس کے نائبوں کی بات زیادہ درست مانی جاتی ہے"

"مجھے اس کی لڑکی کے حادثے پر افسوس ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے زیادتی کرے۔ اسے اس سلسلے میں معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اسٹین نے تولیئے سے چہرہ پونچھا۔ خیر تم یہ بتاؤ کہ ہماری مدد کے لئے تم نے کچھ سوچا؟"

اسٹین نے کچھ ہچکچا کے پوچھا۔ کیا تمہارا اشارہ رشوت وغیرہ کی طرف ہے؟ گو تمہاری طبیعت نیک ہے مگر تم تو پولیس والے"

میں رشوت لینا نہیں چاہتا۔ سام نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن میری خدمات تمہیں مفت حاصل نہیں ہوسکتیں۔ ظاہر ہے کہ میں انسپکٹر کو تمہاری رہائی پر آمادہ نہیں کرسکتا اس لئے صرف یہ کیا جاسکتا ہے کہ تم لوگوں کو فرار ہونے کا موقع دیا جائے۔"

"کیا تم ایسا کرسکتے ہو؟" اسٹین نے بے قراری سے پوچھا۔

"رات گئے انسپکٹر سو جاتا ہے اور اس کے دونوں ساتھی گشت پر ہوتے ہیں۔ میں ان کی نظر بچا کے یا کسی اور طریقے سے تمہیں فرا ہونے کا موقع دے سکتا ہوں مگر وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ کام میں نے کیا ہے۔ یہاں صرف میں سنتری ہوں اور تقریباً ہر وقت ڈیوٹی پر رہتا ہوں۔ صرف دن کے وقت کچھ دیر کے لئے برٹ میری جگہ لے لیتا ہے مگر ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے کیونکہ اسے اکثر کوئی دوسرا کام مل جاتا ہے اور میری مصیبت آجاتی ہے۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ میرا کوئی گھر نہیں ہے دوست! میں یہ ذلیل ملازمت مجبوراً کر رہا ہوں۔

"اگر انہیں معلوم ہوگیا کہ ہمیں تم نے فرار کرایا ہے تو کیا ہوگا؟"

"وہ کسی تامل کے بغیر مجھے گولی ماردیں گے۔"

"تم نے اپنے بچاؤ کا بھی کوئی حل سوچا؟"

"ہاں ایک حل ہے" سام نے جواب دیا۔

تمہارے ساتھ مجھے بھی فرار ہونا پڑے گا۔ تم مجھے اگلی ریاست میں اتار دینا یا اپنے ساتھ فلوریڈا لے چلنا۔ میں نے فلوریڈا کی سنہری دھوپ، ناریل اور حسین لڑکیوں کی بہت تعریفیں سنی ہیں۔

"مجھے منظور ہے"

"فلوریڈا تک تو مجھے کوئی بھی لفٹ دے سکتا ہے۔ سام بولا۔ تمہیں اپنی رہائی کے لئے کچھ اور بھی کرنا پڑے گا کیونکہ ظاہر ہے فرار ہونے کی صورت میں مجھے معقول رقم کی ضرورت ہوگی۔ میں اپنی ملازمت چھوڑ کے تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ میری ہمیشہ سے خواہش ہے کہ میں اپنا کوئی کاروبار کروں۔ مثلاً کوئی کیفے یا ریستوران کھول لوں۔

"صاف بات کرو۔ تم کتنی رقم چاہتے ہو؟"

"اندازاً دس ہزار ڈالر۔"

"دس ہزار ڈالر؟" اسٹین چونکا۔ "سام! کوئی قابل قبول بات کرو دوست! سام نے ایک سگریٹ سلگا کے گہرا کش لیا۔ دس ہزار ڈالر سے کم میں میرا کام نہیں چلے گا۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ منظور کرو یا نہ کرو۔ میرے لئے ایک سنہرا موقع ہے۔ ایسا موقع زندگی میں بار بار نہیں آتا اور تم جیسے دولت مند کے لئے دس ہزار ڈالر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ کھڑا ہوگیا۔ اگر تم چاہو تو غور کرنے کے بعد جواب دے دینا لیکن یہ سوچ لو، نہ معلوم تمہیں یہاں سے کتنے دن قید رہنا پڑے۔ ہوسکتا ہے چھ مہینے لگ جائیں۔ چھ مہینے تک جیل کی صعوبت کون برداشت کرسکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دس ہزار ڈالر کی اہمیت ہی کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم چھ مہینے گزارنے کی ہمت کرلو مگر تمہاری بیوی ہرگز اتنا وقت نہیں گزار سکتی۔ تمہیں اس پر رحم آنا چاہئے۔

"اسٹین نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ لیکن میرے پاس یہاں اتنی رقم نہیں ہے۔"

"تم مجھے چیک دے سکتے ہو۔" سام نے کہا۔ میں اسے اپنے چھوٹے سے اکاؤنٹ میں جمع کرادوں گا۔ پھر وہ میرے حساب میں منتقل ہوجائے گا تو میں تمام رقم نکال لوں گا اور ہم تینوں یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔

"اس کام میں تو تین چار دن لگ جائیں گے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ یہ کام جلد از جلد ہو جائے۔"

"لیکن میرے پاس چیک بک نہیں ہے۔ وہ میری دوسری چیزوں کے ساتھ انسپکٹر نے لے لی تھی۔"

"وہ سب چیزیں ایک الماری میں بند ہیں۔ میں موقع پاکر الماری کی چابی غائب کرلوں گا۔"

"کیا تم میری اور بابرا کی باقی چیزیں بھی واپس لا سکتے ہو؟"

"ہاں دس ہزار ڈالر کے لئے میں یہ بھی کرسکتا ہوں"

"کار کی چابیاں بھی؟"

"ظاہر ہے، کار کے بغیر ہم فرار کیسے ہوں گے۔"

اسٹین نے کچھ سوچ کے تذبذب سے کہا۔ معاف کرنا اگر تم نے رقم حاصل کرنے کے بعد ہمیں فریب دیا تو؟"

"تم کیا چاہتے ہو کیا میں تمہیں رقم کی رسید دے دوں؟ میرے سوا کوئی شخص ہے جس پر تم بھروسا کرسکو؟ مجھ پر اعتماد کرو دوست! میں تمہیں فریب نہیں دوں گا۔ تمہیں فریب دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں خود کو فریب دے رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے" اسٹین نے آہستہ سے کہا۔

میں آج رات پچھلے پہر تمہیں کوٹھری سے نکال کے انسپکٹر کے دفتر لے چلوں گا اور چیک بک تمہیں دے دوں گا۔ تمہارا ساتھی ڈینس اس وقت سو رہا ہوگا۔ اگر اسے معلوم ہوگیا تو ممکن ہے وہ انسپکٹر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ راز فاش کردے۔ تم اس سلسلے میں کسی سے ایک لفظ بھی مت کہنا۔"

"اسٹین نے اثبات میں سر ہلایا۔ کیا تم مجھے میری بیوی سے ملا سکتے ہو؟"

"ناممکن" سام نے نفی میں سر ہلایا۔ اگر میں نے تمہیں اس سے ملوایا تو دوسری عورتوں کو اعتراض ہوگا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطالبہ کریں گے کہ انہیں بھی ان کے شوہروں سے ملوایا جائے۔ اس نے اپنی شاٹ گن اٹھائی۔ اب تم اپنی کوٹھری میں چلو۔

رات کے دو بجے سام اسٹین کے پاس آیا۔ ڈینس گہری نیند سو رہا تھا۔ اسٹین دبے پاؤں کوٹھری سے نکلا۔ سام اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرہ بہت چھوٹا تھا۔ اس میں ایک بستر تھا۔ ایک چھوٹی میز تھی اور ایک کرسی۔ دیوار کی کھونٹی پر سام کی یونی فارم لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے شاٹ گن بستر پر رکھ کے میز کی ایک دراز کھولی۔ میں تمہاری چیک بک نکال لایا ہوں۔ اس نے دراز ٹٹولتے ہوئے کہا۔ تم چیک پر دستخط کردو۔ میں چیک بک واپس وہیں رکھ آؤں گا۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔

اسٹین کی نظریں شاٹ گن پر جمی ہوئی تھیں۔ شاٹ گن اس کی دسترس میں تھی اور سام اس کی جانب پشت کئے کھڑا تھا۔ چند لمحوں میں کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ اگر انسپکٹر اور اس کے نائب چوکی میں موجود ہیں تو ان سے بھی مقابلہ کرنا پڑے گا۔ ان میں سے کوئی مر بھی سکتا ہے اور زخمی بھی ہوسکتا ہے۔ بابر ابھی لپیٹ میں آسکتی ہے۔ دوسری جانب اگر سام نے اسے فریب دیا تو؟..... اسٹین نے ہاتھ بڑھا کے گن اٹھالی۔ میری طرف گھوم جاؤ سام! ذرا احتیاط سے۔"

سام ایک لمحے کے لئے جم کے رہ گیا پھر آہستہ آہستہ اسٹین کی طرف گھوم گیا۔ تم مجھ پر یہی اعتماد رکھتے تھے؟ میرا خیال تھا کہ ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں؟"

"میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس نے رقم لے کے دوستی بیچی ہو اور بعد میں دھوکا نہ دیا ہو" اسٹین نے جواب دیا۔ سوال رقم کا نہیں ہے۔ رقم تو میں دوبارہ کما سکتا ہوں۔ مجھے صرف اپنی بیوی کا خیال ہے۔ میں اسے ہر قیمت پر یہاں سے نکالنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں مجھے تم سے زیادہ تمہاری شاٹ گن پہ اعتماد ہے۔ یہ فی الفور کام آسکتی ہے۔"

سام نے اطمینان سے ایک سگریٹ سلگایا اور میز کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ وہ بہت پرسکون معلوم ہو رہا تھا۔ اسٹین اس کی خود اعتمادی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کہا۔ مجھے چابیاں درکار ہیں سام! اپنی بیوی کی کوٹھری کی اپنی کار کی اور اس الماری کی جس میں ہماری چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔

"تم مجھے باندھ کر چھوڑ جاؤ گے یا میرے ساتھ مار پیٹ کرو گے۔" سام نے نہایت بے فکری سے پوچھا۔

"میں یہ دونوں کام نہیں کروں گا۔" اسٹین نے جواب دیا۔ بلکہ تمہاری مدد سے فرار ہونے کا انتظام کروں گا۔"

"فرض کرو میں تمہیں چابیاں نہ دوں اور بندوق چھیننے کے لئے تم پر حملہ کردوں۔ کیا ایسی صورت میں تم مجھ پر گولی چلادو گے؟"

"نہیں سام! گولی چلانے سے شور ہوگا۔ میں بندوق کے دستے سے تمہارا سر توڑنا بہتر سمجھوں گا۔"

میں تمہیں صرف آزما رہا تھا۔ سام مسکرایا، اب یہ مذاق ختم کرو اور چیک پر دستخط کردو۔ بندوق میں گولیاں نہیں ہیں۔ اس نے بے پروائی سے گھوم کے چیک بک نکالی۔ اسٹین نے دیکھا کہ بندوق واقعی خالی ہے۔ اس نے اسے بیزاری سے ایک طرف پھینک دیا۔ سام نے کہا۔ میں بھری ہوئی بندوق اپنی ماں کے پاس بھی چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں اور اگر بندوق بھری ہوئی بھی ہوتی تو تمہارے فرار ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میز کے نیچے ایک بٹن لگا ہوا ہے۔ میرا ہاتھ اس کے قریب تھا۔ گھنٹی بجتے ہی ایسا شور ہوتا کہ اگلی ریاست کے لوگ بھی جاگ جاتے۔ ویسے تمہیں بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری ہمت کو سراہتا ہوں۔ اب کرسی پر بیٹھ جاؤ اور میرے نام دس ہزار ڈالر کا چیک لکھ دو۔ اسٹین نے بے بسی سے کندھے اچکائے اور کرسی پر بیٹھ کے چیک لکھ دیا۔

"وقت بہت زیادہ ہوگیا ہے" سام نے چیک اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ اب تم اپنی کوٹھری میں چلو۔"

ایک اور رینگتا ہوا دن گزر گیا جیل کا کھانا سخت بے مزا ہوتا تھا۔ مگر مجبوراً حلق سے اتارنا پڑتا تھا۔ شام کے کھانے کے بعد ایک اور رات آگئی۔ سام ڈیوٹی پر آچکا

تھا اور راہ داری کی بتی روشن ہوگئی تھی۔ پھر رات گزری اور صبح ہوئی۔ یہ نیا دن بھی گزشتہ دنوں سے مختلف نہیں تھا۔

اس پوری مدت میں اسٹین کو انسپکٹر کلائڈ کی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ کانسٹیبل فلائڈ اور برٹ صرف پہلی دو راتوں کو راہ داری سے گزرتے ہوئے نظر آئے تھے۔ دونوں بار ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی قیدی ضرور تھا، خواہ مرد ہو یا عورت۔

رات کی تاریکی پھیلتے ہی اسٹین گہری نیند سو گیا مگر کچھ دیر بعد اس کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ صبح ہونے میں خاصا وقت تھا۔ اسٹین بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ کچھ دیر بعد کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ اس کا ساتھی ڈینس اندر آرہا تھا۔ اور سنتری سام اسے کوٹھری تک پہنچانے کے بعد واپس جارہا تھا۔ اسٹین ایک دم اٹھ کے بیٹھ گیا۔ ڈینس چونکا۔ اسٹین نے اس سے پوچھا۔ تم کہاں گئے تھے؟ وہ محسوس کررہا تھا کہ اسے اس سوال کا جواب خود معلوم ہے۔

"میں سام سے کچھ گفتگو کرنے گیا تھا" ڈینس نے ہکلاتے ہوئے بتایا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے ذریعے اعلیٰ حکام تک اپنی بپتا پہنچادوں۔"

"اس نے کیا کہا؟"

"پھر تم نے اسے ایک چیک لکھ کر دیا ہوگا؟" اسٹین نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"چیک؟ کیسا چیک؟" ڈینس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسٹین نے کہا۔ تم بہت شریف آدمی ہو دوست! تم جھوٹ کامیابی سے نہیں بول سکتے۔ ڈینس سر جھکا کے لیٹ گیا۔ اسٹین نے دریافت کیا۔ ڈینس! تمہیں اس سے بات کرنے کا موقع کب ملا؟ کیا اس وقت جب وہ تمہیں غسل خانے لے گیا تھا؟ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ، میں تمہارا ساتھی ہوں۔ ڈینس نے اثبات میں گردن ہلادی۔ اسٹین نے کہا۔ اس نے تمہیں تنبیہہ کیا ہوگا کہ اس سلسلے میں مجھے کچھ نہ بتانا؟"

"شاید تم بھی اس مرحلے سے گزر چکے ہو؟" ڈینس بے دلی سے ہنسا۔

"ہاں میں بھی گزر چکا ہوں۔" اسٹین نے بتایا۔ ہمیں دراصل فریب دیا جارہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ڈراما ہر قیدی کے ساتھ کھیلا گیا ہے۔"

"ڈینس نے تائید انداز میں سر ہلایا اور پوچھا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"صبر اور انتظار کے سوا ہم کیا کرسکتے ہیں۔" دیکھنا یہ ہے کہ ان کا آئندہ اقدام کیا ہوتا ہے"

"مگر یہ مدت چھ مہینے بھی ہوسکتی ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمیں آزاد کریں؟ ہم ان کے بارے میں بہت کچھ سمجھ چکے ہیں اور کئی آدمی ہیں اس لئے ہمیں آسانی سے جھٹلایا نہیں جاسکتا لہذا جلد ہی ہم ان بدنصیبوں میں شامل کردیئے جائیں گے جو اس علاقے میں آئے اور نہ جانے کہاں گم ہوگئے۔ پولیس ہمیں تلاش ہی کرتی رہ جائے گی۔"

"اس کے باوجود ہمیں آزاد کرنے پر مجبور ہیں یا پھر....." ڈینس خاموش ہوکے کچھ سوچنے لگا۔

اسٹین نے کہا۔ فرض کروان کی جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے؟ تم ایک مجرم پولیس والے ہوتے اغوا اور حبس بے جا کے الزام میں کوئی بھی ہوشیار سرکاری وکیل تمہیں زندگی بھر کے لئے جیل بھجوا سکتا تھا لہذا تم اپنے قیدیوں کو اتنی مہلت ہرگز نہ دیتے کہ وہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرسکیں۔ ہم لوگوں سے جتنی جتنی رقم طلب کی گئی تھی وہ ہم نے ادا کردی ہے۔ ایسی صورت میں انہیں ہم جیسے معزز شہریوں سے کیا سلوک کرنا چاہئے؟ بولو؟"

ڈینس سہم گیا۔ میں اس سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔"

"اس سوال کا جواب تمہارے اسی جملے میں موجود ہے" اسٹین نے کہا۔

پانچ دن نہایت صبر آزما گزرے۔ انسپکٹر کلائڈ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ سام ایک دن اور ایک رات غائب رہا۔ اس کی جگہ برٹ نے پہرا دیا۔ پھر سام واپس آیا تو چار دن تک بالکل خاموش رہا۔ وہ کسی سوال کا جواب نہیں دیتا تھا۔ چھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھریوں کے قیدی چیخ چیخ کر اس پر فریب دہی کا الزام لگا رہے تھے مگر اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ وہ صرف کھانے کے وقت آتا اور خاموشی سے کھانے کی ٹرے کوٹھریوں میں کھسکا دیتا۔ اس کا چہرہ سپاٹ نظر آتا۔ پھر اس کی شکل دوسرے کھانے کے وقت دکھائی دیتی۔

پانچویں دن سام راہ داری کی بتی بجھنے تک شام کا کھانا لے کر نہیں آیا۔ بتی عموماً نصف شب کے بعد بجھائی جاتی تھی۔ سام پہرا دیتا ہوا بھی دکھائی نہیں دیا۔ اسٹین نے معنی خیز نظروں سے ڈینس کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دونوں گلے پھاڑ پھاڑ کے سام اور اس کے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگے مگر جواب میں صرف قیدیوں کی آوازیں آئیں۔ ان میں سے ایک آواز بابرا کی تھی۔ بابرا ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ آخر قیدی چیخ چیخ کر تھک گئے۔ جیل پر قبرستان جیسی خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد خاموشی میں ایک آواز ابھری۔ اسٹین کا خیال تھا کہ یہ کسی مشین یا کسی انجن کی آواز ہے۔ آواز ابھرتے ہی تمام بتیاں گل ہو گئیں۔ قیدیوں نے گھبرا کے کوٹھریوں کے دروازے توڑنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور جلد ہی تھک کے ہانپنے لگے۔ ڈینس ابھی تک دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسٹین نے اس سے کہا۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟ وہ لوگ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

"کیا وہ ہمیں بھوکا مرنے کے لئے چھوڑ گئے ہیں؟" ڈینس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"یقیناً" اسٹین گہری افسردگی سے سوچ رہا تھا کہ بابرا اس سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر موجود ہے لیکن اب وہ شاید اس تک کبھی نہ پہنچ سکے۔ وہ دروازے کے قریب جا کے زور سے پکارا۔ بابرا گھبرانا نہیں، پر سکون رہنا۔ ہم باہر نکلنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور سوچ لیں گے۔"

جواب میں اسے رونے اور سسکنے کے سوا کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ دوبارہ اپنے بستر پر آ کے بیٹھ گیا۔ ڈینس اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً ایک منٹ بعد اس نے ناک سکوڑ کے کچھ سونگھا اور اسٹین سے پوچھا۔ کیا تمہیں دھویں اور پٹرول جیسی کوئی بو محسوس ہو رہی ہے۔"

اسٹین نے سر اٹھا کر سونگھنے کی کوشش کی پھر بولا۔ نہیں، آگ صرف تمہارے تصور میں لگی ہوئی ہے۔

"میں نے دھواں صاف سونگھا ہے۔ شاید وہ ہمیں زندہ جلا دینا چاہتے ہیں کہ تاکہ ان کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہ رہے۔ بعد میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جیل میں اچانک آگ لگ گئی تھی۔ سارے قیدی جل مرے۔"

اسٹین نے دوبارہ ہوا سونگھی۔ وہ بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اسے بھی دھویں اور پیٹرول کی ملی جلی بو آ رہی تھی۔ تمہارا اندازہ درست معلوم ہوتا ہے ڈینس! لیکن شور مت مچانا ورنہ قیدی باہر نکلنے کے لئے دروازوں سے سر ٹکرا ٹکرا کے مر جائیں گے۔

"سردی بڑھ رہی ہے۔" ڈینس بولا۔ انہوں نے غالباً حرارت پہنچانے والی مشین بند کر دی ہے تاکہ ہم ٹھٹھر کر مر جائیں۔ آہ، اب ہم اسی تاریکی میں ختم ہو جائیں گے۔ اب ہمیں سورج دیکھنا نصیب نہیں ہوگا۔"

"تمہاری باتیں میرے اعصاب پر سوار ہو رہی ہیں۔" اسٹین نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے بازو سمیٹ کے سینے سے لگا لئے تاکہ جسم میں کچھ حرارت پیدا ہو پھر اچانک اسے آنکھیں کھولنی پڑیں۔ فرش پر دھات کی کوئی چیز پڑی ہوئی تھی۔ اسٹین جلدی سے اٹھا اور ڈینس سے ٹکرا گیا۔ وہ فوراً سنبھل کے گھٹنوں کے بل جھکا اور دونوں ہاتھوں سے فرش پر کچھ ٹٹولنے لگا۔ اس کا ہاتھ ایک لمبی سی چابی پر پڑا۔ اسٹین نے جلدی سے چابی مٹھی میں بند کر لی جیسے وہ کہیں گم ہو جائے گا۔ چابی لے کر اسٹین دروازے پر پہنچا اور کھانے والے خانے سے ہاتھ نکال کر چابی کوٹھری کے قفل میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد قفل کھل گیا۔ "ہماری پریشانیوں کا خاتمہ ہو چکا ہے ڈینس!" وہ جوش سے بولا۔ اب ہم آزاد ہیں۔

اس نے چابی مضبوطی سے پکڑ لی اور دروازہ کھول لیا پھر ڈینس کا بازو پکڑ کے عمارت کے بیرونی حصے کی طرف لپکا۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح روشنی کا انتظام کرنا ہے۔ خواہ ماچس کی ایک ڈبیا ہی کیوں نہ ہو۔"

وہ حوالات اور دفتر کا درمیانی دروازہ کھول کے اندر داخل ہو گیا۔ ایک روشن لالٹین نے ان کا استقبال کیا۔ لالٹین کلائڈ کی میز پر رکھی ہوئی تھی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ ڈینس بڑبڑایا۔ خوب، گویا آخری لمحے میں ان لوگوں کو ہم سے ہمدردی ہو گئی۔

میز کی درازوں میں انہیں کوئی چیز نہیں ملی۔ الماری بھی خالی تھی۔ سیف بھی کھلا ہوا اور صاف تھا۔ البتہ ایک میز پر کوٹ اور دستانے ڈھیر تھے۔ بابرا کا قیمتی کوٹ بھی وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسٹین عمارت سے باہر نکلا۔ اس نے تاریکی میں ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔ ان کی کاریں غائب تھیں۔ عمارت کے تین اطراف جنگل تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک کھلیان کی چھوٹی سی عمارت نظر آ رہی تھی۔ اسٹین نے عمارت کا ایک چکر لگایا۔ پھر واپس آ کے ڈینس سے بولا۔ یہ ایک ویران عمارت ہے۔ اب وہ یہاں کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ ہماری ہر قیمتی چیز وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ کاریں، نقدی، زیورات اور گھڑیاں، سب کچھ۔ اسٹین نے لالٹین اٹھائی۔ خیر آؤ۔ ابھی ہمیں دوسرے قیدیوں کو آزاد کرانا ہے۔"

وہ رات کی سرد ہوا میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑے تھے۔ چھ مرد اور پانچ عورتیں۔ اسٹین نے ایک ہاتھ سے لالٹین اٹھا رکھی تھی۔ اور دوسرے ہاتھ سے بابرا کو اپنے قریب کئے ہوئے تھا۔ تاریکی میں عمارت بھوتوں کا مسکن معلوم ہو رہی تھی۔ دور دور تک گہرا اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ باہر آ کے ان کے اوسان کسی قدر درست ہوئے اور جب انہوں نے وہاں اپنی گاڑیاں کھڑی ہوئی دیکھیں تو حیرت اور مسرت سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ڈینس سب سے پہلے دوڑ کے اپنی گاڑی کے پاس پہنچا مگر جلد ہی اس کی شادمانی شکستگی اور پسپائی میں بدل گئی۔ تینوں گاڑیوں کی ٹنکیاں خالی کر دی گئیں تھیں اور اس کے باوجود نہ جانے کیوں ٹائروں کی ہوا بھی نکال دی گئی تھی۔ اسٹین نے پھونک مار کر فوراً لالٹین بجھا دی۔ فضا میں پیٹرول کی بو رچی ہوئی تھی۔ قصبہ یہاں سے کتنی دور ہوگا؟ ایک عورت نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

سام نے بتایا تھا کہ قصبہ ہائی وے سے تین میل دور ہے۔ اسٹین نے پژمردگی سے جواب دیا مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ بہرحال قصبہ، تین میل دور ہو یا تیس میل۔ ہمیں ہر حالت میں اب یہاں سے چلنا ہوگا۔

"اتنی سردی میں تین میل کا سفر ممکن نہیں ہے۔" ڈینس نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

"میری جوتیاں اونچی ایڑی کی ہیں۔ ایک دوسری عورت بولی۔ میں اس ناہموار زمین پر زیادہ دور نہیں جا سکتی۔"

"تم ضرور چلو گی" چاہے تمہیں جوتے اتار کے چلنا پڑے یا مجھے تمہیں اپنے کاندھوں پر اٹھانا پڑے۔"

ان کے جسم ٹوٹ رہے تھے۔ سردی سے وہ تمام کانپ رہے تھے تاہم وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے، ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے چلتے رہے۔ جب وہ قصبے کے پولیس اسٹیشن پہنچے تو رات کا آخری حصہ تھا۔ باہر بیٹھا ہوا سنتری سو رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار سے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ اندر انسپکٹر بھی نیم خوابیدہ حالت میں تھا۔ بابرا عمارت میں داخل ہوتے ہی بے ہوش ہو گئی۔ انسپکٹر ان کی روداد سن کے مسکرانے لگا اور اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ان شکستہ حال لوگوں کو اس انداز سے دیکھا جیسے وہ سب پاگل ہوں یا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

مگر جب وہ ان لوگوں کے احتجاج پہ ان کی روداد کی تصدیق کے لئے اسٹین کے ہمراہ وہاں پہنچا تو وہ اپنی آنکھیں مسلنے لگا۔ کسی زمانے میں یہ ایک رہائشی عمارت تھی جو آس پاس کی زمین کے دلدلی اور ناکارہ ہو جانے کے سبب سے خالی پڑی تھی اور اب ایک کھنڈر میں بدل گئی تھی۔ وہاں ایک بورڈ لگا ہوا تھا اور عمارت کا کچھ حصہ ایک چھوٹے دیہاتی پولیس اسٹیشن کے قابل بنا دیا گیا تھا۔ اپنی اس محنت کے عوض وہ نوے ہزار ڈالر کی نقدی، زیورات اور بیش قیمت سامان اپنے ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

پیار میں جب کچھ لوگ مسکرا کے ملے ہیں
تیری یادوں کے کیا کیا پھول کھلے ہیں
یہ انداز وفا کا یہ تیرے بدلے ہوئے تیور
کانٹوں سے بھی مہربان ہمیں زخم ملے ہیں
محمد اسلم جاوید.........فیصل آباد

اُسکی آنکھوں میں کوئی دُکھ بسا ہے شاید
یا مجھ کو کوئی وہم ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کے بھول گئے ہو تم بھی مجھے ظفر؟
پہلے مسکرایا وہ پھر بولا "شاید"
رانا ظفر اقبال.........جنڈانوالہ

لہو میں رنگ کی صورت بسا ہے تیرا خیال
میں کس طرح تیری یادوں سے فاصلہ رکھوں
کسی بھی شخص سے کوئی غرض نہیں ہے مجھے
میں صرف تیرے لئے سب سے واسطہ رکھوں
شرف الدین جیلانی.........ٹنڈوالہ یار

کسی کو کھو کر پھر پانا مار دے گا
درد بھرا تجھے فسانہ مار دے گا
مئے خانے میں کہہ رہا تھا کوئی رند سے
کبھی نہ آنا ہوش میں زمانہ مار دے گا
محمد بشیر احمد پرواز.........جنڈانوالہ

تمہیں یاد کیے بغیر نہیں گزرتا کوئی دن بھی ہمارا
جس دن تمہیں نہ سوچوں وہ دن جانے کیسے گزرے ہمارا
تمہاری یاد کے سہارے ہی زندگی ہے اب یہ دل ہمارا
آ جاؤ لوٹ کہ تم کر تم بن بہت اُداس ہے اب یہ دل ہمارا
آصفہ پروین سراج.........لاہور

تیرے آس پاس گھومتے ہیں میری زندگی کے معاملے
تجھے پالنے کے شوق میں ہم نے اپنے آپکو گنوا دیا
مس فوزیہ کنول.........کنگن پور

کریں کس سے شکایت ہے یہ اپنی اپنی قسمت
مجھے ڈھونڈتے ہیں طوفان تیرے ساتھ کنارے ہیں
محمد اسحاق انجم.........کنگن پور

لوگ کہتے ہیں شاعری کرلی
ختم اپنی کیوں ہر خوشی کرلی
وہ محبت کو کھیل کہتا ہے منیر
ہم نے تو برباد زندگی کرلی
منیر احمد ساغر.........میاں چنوں

آج اس کی مجھے یاد بہت آئی ہے
جس نے کی میرے ساتھ بے وفائی ہے
وہ میرے ساتھ تھی تو زمانہ بھی تھا ہمسفر میرا
اب زمانے میں بھی ہوئی میری جگ ہنسائی ہے
صباء محمد اسلم.........گوجرانوالہ

تیرا چاند جیسا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں
میں تو صرف تجھے دیکھنا چاہتا ہوں
تڑپتا رہا برسوں صدی تیرے عشق خیال میں
پیوست لب یار میں سیراب ہونا چاہتا ہوں
محمد عثمان علی.........میاں چنوں

حالات سے بہت مجبور ہیں ہم
اِسی لیے تم سے دور ہیں ہم
لوگوں کو تم کہتے ہو بے وفا ہیں ہم
تم کو کیسے سمجھائیں کہ بے قصور ہیں ہم
مجاہد لیاقت.........ملتان

زندگی جینے کے قابل نہ ہوتی
اگر خدا نے محبت بنائی نہ ہوتی
کوئی موت کی تمنا نہ کرتا دانش
اگر محبت میں بیوفائی نہ ہوتی
لاہوتی عماد.........آھدی موڑ دولتالہ

محبت کے قیدیوں کو زنجیر کی کیا ضرورت
محبت دل میں ہو تو تصویر کی کیا ضرورت
سید وہاب علی.........کراچی

جب تیرا درد میرے ساتھ "وفا" کرتا ہے
اِک سمندر میری "آنکھوں" سے بہا کرتا ہے
اُسکی باتیں مجھے "خوشبو" کی طرح لگتی ہیں احسان
پھول جیسے کوئی صحرا میں کھِلا کرتا ہے
احسان سحر.........میانوالی

یہ چاند اور ستارے رفیق ہیں میرے
میں روز ان سے بیان اپنا حال کرتا ہوں
غلام سرور کھوکھر.........قصور

☆☆

غزل

انہیں کیوں پھول دشمن عید میں خوشیوں میں پہنائے جاتے ہیں
وہ شاخِ گل کی صورت ناز سے بخوشی بل کھائے جاتے ہیں
ہم سے خوشی کے دن بھی اگر وہ گھبرائے جاتے ہیں
تو کیا اب عید ملنے کو فرشتے آئے جاتے ہیں
رقیبوں سے نہ ملئے عید بغلگیر اتنی گرمجوشی سے
تمہارے پھول سے رخسار پر کیوں پسینے آئے جاتے ہیں
وہ ہنس کے کہہ رہے ہیں مجھ سے سُن کر غیر کے شکوے
یہ کب کب کے فسانے عید میں دہرائے جاتے ہیں
نہ چھیڑ اتنا انہیں اے وعدۂ شب کی پشیمانی
کہ اب تو عید ملنے پر بھی وہ بے تحاشہ شرمائے جاتے ہیں
واجد افشاں چنی ہے رخ پہ اس نے اس سلیقے سے
ستارے آسمان سے دیکھنے کو آئے جاتے ہیں
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.........کراچی)

اپنی فطرت سے بغاوت نہیں کرسکتا میں
ہاں! محبت میں تجارت نہیں کرسکتا میں
تیرے ہر دکھ کو لگایا ہے گلے سے ہنس کر
زندگی! تجھ سے شکایت نہیں کرسکتا میں
دشمنو! جان تو دے دوں گا میں اپنی لیکن
اپنے لوگوں سے بغاوت نہیں کرسکتا میں
جس نے لکھ دی ہے مقدر میں جدائی میرے
اُس سے ملنے کی جسارت نہیں کرسکتا میں
مجھ سے مظلوم کے آنسو نہیں دیکھے جاتے
کسی ظالم کی حمایت نہیں کرسکتا میں
اچھا لگتا ہے ترے رخ پہ خوشی کا موسم
دکھ تجھے اپنے عنایت نہیں کرسکتا میں
اب تجھے چھوڑ کے جانا ہی پڑے گا مجھ کو
زندگی اور رعایت نہیں کرسکتا میں
(حکیم خان حکیم.........اٹک)

محبت خُدا ہے، خُدا ہے محبت
زمانے میں سب سے جُدا ہے محبت
یہ جذبہ ہے کوئی تجارت نہیں ہے
کہ چاہت میں ڈوبی وفا ہے محبت
لگے جس کی جاں کو وہ جاں سے ہی جائے
یوں لگتا ہے جیسے بلا ہے محبت
جسے دیکھو وہ تو یہی گیت گائے
کبھی دھڑکنوں کی صدا ہے محبت
پہنچتی ہے خوشبو کی طرح دِلوں تک
مجھے تو لگا ہے، صبا ہے محبت
چھپانے سے یہ کب چھپی ہے بتاؤ
یہ لگتا ہے سب پر ہی وا ہے محبت
بھٹکنے نہ دے گی کسی کو بھی خانم!
ہر اِک راہ میں رہنما ہے محبت
(فریدہ خانم.........لاہور)

آنکھوں میں عکس اور دل میں چاہتیں رکھنا
سنبھال کے جذبوں کی صداقتیں رکھنا
لفظوں کے موسم اگر بنجر ہو بھی جائیں تو
سوچ کی زمین پر سدا بارشیں رکھنا
جراُتوں کی فضا کو گرمائے رکھتی ہے آرزو
انجان ہوا کے ہاتھ میں بھی خواہشیں رکھنا
سونپ دینا رعنائی قربتوں کی اپنی
آنچل میں میرے تمام محبتیں رکھنا
ضروری ہوں چاہے لاکھ بکھیڑے دنیا کے
کار عشق کے نام پہ فرصتیں رکھنا
تحل آرزو پہ تان دینا چادر خوشی کی
رگ جاں میں حسن کی ندرتیں رکھنا
میسر ہے جو تم کو عطا کر دو بیتابی وہ ہم کو
اترنا جب روح میں تو یہی شدتیں رکھنا
قرب میں اپنے چھوڑ دینا لمحے تمام قیمتی
پناہ میں اپنی پیار کی امانتیں رکھنا
بہ ظاہر چہرے پہ اک تاثر روشنی کا
پس گفتگو مبہم سی الجھنیں رکھنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے دھیانی میں بھی رہے لگن یہی تمنا کی
خواب سے بھی قائم سچی نسبتیں رکھنا
(کائنات بلوچ.....کراچی)

وہ روٹھ جاتا ہے اکثر شکوہ کیے بغیر
ہم بھی تو سہہ جاتے ہیں شکایت کیے بغیر
ہم سوچتے رہے محبت بے لوث ہوتی ہے
یہ یوں ہی ہو جاتی ہے عنایت کیے بغیر
قصور ان کا نہیں قصور تو ہمارا ہے
ہم نے محبت بھی کی تو ان کی اجازت لیے بغیر
تو کتنا نادان ہے واصی یہ سوچ لے
جنت کب ملتی ہے عبادت کیے بغیر
(شفیق رضا.....میاں چنوں)

یاد کرکے رویا کرو گے ہماری باتیں
لب پر کسی کا نام لوگے ہوں گی ہماری باتیں
اس طرح کون تجھ کو اتنا چاہے گا
تو روٹھے گا کون تجھ کو منائے گا
پھر آئیں گی یاد ہماری ہی چاہتیں
فرصت کے وقت یاد کرکے رویا کروگے
دن کو چین نہ ملے گا رات کو نہ سویا کروگے
چونک کر دیکھو گے جب ہوا کریں گی آہٹیں
میرے ساتھ گزارا ہر لمحہ آنکھوں میں لہرائے گا
کیسے بھول سکو گے مجھے جب میرا پیار ستائے گا
بے چین کریں گی پھر تمہیں کالی راتیں
یاد کرکے رویا کرو گے ہماری باتیں
بچھڑ کر مجھ سے تو کیسے مجھ کو بھول پائے گا
میری یادوں سے ہی اپنے دل کو جلائے گا
بھول جائے گا تو اپنی ساری مسکراہٹیں
یاد کرکے رویا کروگے شرافت کی پیاری باتیں
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

کبھی روبرو تھے تیرے کبھی زخم تیرے کھائے
یہی اطمینان دل تھا، میری زندگی کا دھوکا
تو ہی خواب و راحت و دل یہی مقصد حیاتی
تیری ہر ادا نرالی، یہ بھی زندگی کا دھوکا
کوئی جائے کیوں کر خالی، تیرا ملنا ایسے بھائے
تیری چشم تر انوکھی، یہ بھی زندگی کا دھوکا
کبھی لب پہ میرے آئے، تجھے زندگی پکاروں
تیری الفت فریبی، یہ بھی زندگی کا دھوکا
لگے داغ مجھ پہ سارے، تیری دوستی کی خاطر
تونے پھر نہ مجھ کو جانا، یہ بھی زندگی کا دھوکا
جو بھی ساتھ دے تمہارا یہ بھی جان لینا اس سے
کیا یہ دوستی ہے تیری، میری زندگی کا دھوکا!
جسے چاہا دل نے اب تک وہی شخص بے وفا تھا
وہ چلا گیا یہاں سے، یہ بھی زندگی کا دھوکا
(حافظ محمد زید یزدی.....میاں چنوں)

میں تجھے یوں بھلانہ پاؤں گا
تیرے بن اک پل نہ رہ پاؤں گا
تو جو روٹھے گی مجھ سے میری جان
میں تجھے دل و جان سے مناؤں گا
تیرے لیے میں آسمان پہ جاکے
چاند تاروں کو توڑ لاؤں گا
جب بھی دیکھوں گا تیری آنکھوں کو نم
میں ان آنکھوں میں تصویر اپنی بناؤں گا
تم میری محبت ہو تم ہی میری چاہت ہو
تیرے بغیر اس دنیا میں تنہا میں رہ جاؤں گا
تیری اک ہنسی کی خاطر میں فنا ہو جاؤں گا
تیرے لیے ہی تو فقط میں مسکراؤں گا
میں تیری محبت میں یوں ڈوب جاؤں گا
اپنے خون کے ہر قطرے سے تیرا نام لکھ جاؤں گا
(صبا محمد اسلم.....گوجرانوالہ)

جو خیال تھے نا قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کی اساس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ ہیں میرے ہم سفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے عذاب اور ستائیں گے
میری عمر بھر کی جو پیاس تھی وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نا قبول میں وہی شریک راہِ سفر ہوئے
جو میری طلب میری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
میری دھڑکنوں کے قریب تھے میری چاہ تھے میرا خواب تھے
جو روز و شب میرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
(شعیب شیرازی.....جوہر آباد)

تیرے حسن کے جلووں کی تاب کیسے لاؤں
جل جل کر راکھ ہوتا چلا جاؤں
مکتبِ نادان ہوں علمِ عشق سکھا دیجئے
کہ چادرِ محبت اوڑھ کر محبت زدہ ہو جاؤں
اک دیوانہ گداگر ہوں یوں ٹھوکریں مت دو
مے حسنِ امیری ہو خیراتِ عشق لیکر مہمان ہو جاؤں
انگارہ ہو، مجسم حسن ہو، اُف کیا کیا نہیں ہو
تیری حاصلِ جستجو لا حاصل ہو تو مرکیوں نہ جاؤں
اپنی تیر نظروں سے سینہ چاک و لال کردو
امانتِ محبوب ہے خوش خوش قربان ہو جاؤں
کیوں کر ممکن ہو کبھی ایسے بھی سوچا کر عثمان
وہ تو حسنِ بے مثال ہے اسے پاؤں تو فنا نہ ہو جاؤں
(محمد عثمان علی.....میاں چنوں)

دیکھ لے آکے ذرا چین سے سونے والے
کیسے روتے ہیں تیری یاد میں رونے والے
نہیں آیا میری میت پے کوئی بھی "اپنا"
میرے قاتل ہیں میری لاش پہ رونے والے
تجھ کو آئے گی لہو سے بھی وفا کی خوشبو
میرے اشکوں کے نشاں چہرے سے دھونے والے
آدمی لاکھ سنبھل کر بھی چلے تو یارو!
حادثے ہو کر ہی رہتے ہیں یہ ہونے والے
مجھ کو غیروں سے نہیں کوئی شکایت اب تک محسن
میرے اپنے ہیں میری کشتی کو ڈبونے والے
(رانا ظفر اقبال.....جنڈانوالہ)

کبھی کبھی تم مجھ کو مجھ جیسی لگتی ہو
کبھی پہیلی اور کبھی سہیلی جیسی لگتی ہو
زندگی جس سے روٹھ جائے وہ خوشی بھی لگتی ہو
موت جس کے پاس نہ آئے وہ بے بسی بھی لگتی ہو
دنیا جسے مٹا دے وہ کہانی بھی لگتی ہو
نصیب جسے جلا دے وہ قسمت لگتی ہو
ان رنگوں کے پیچھے بھاگتی ایک تتلی لگتی ہو
کبھی کبھی تم مجھ کو مجھ جیسی لگتی ہو
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

نہ حسنِ یار سے پوچھو نہ زلفِ یار سے پوچھو
میری زندگی کا حال بس ٹوٹی دیوار سے پوچھو
آتا نہیں ہے ہمیں پیار میں بات کرنے کا گر
سب کچھ ان کے اقرار سے پوچھو
چھپی ہوئی ہیں کب سے میرے دل میں حسرتیں
گر جاننا چاہتے ہو تو ان کے اظہار سے پوچھو
ان کو پاکر بھی نہ آسکا میرے دل کو قرار
ایسی ہی بے قراری دلِ بے قرار سے پوچھو
نہ کرو تلوار سے بات نہ کرو خنجر سے
میں کس طرح قاتل ہوا میرے یار سے پوچھو
اگر مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو کوئی سزا بھی ہوگی
ارے سب کچھ بتادوں گا ذرا پیار سے پوچھو
ٹوٹے ہوئے دل میں کتنا درد ہوتا ہے تمہیں کیا معلوم
گر جاننا چاہتے ہو تو شام طوفان میں کسی کے انکار سے پوچھو
ہم سے کیوں پوچھتے ہو دردِ دل کی کیفیت
رضا سب کچھ جان جاؤ گے کسی بیمار سے پوچھو
(سکندر علی رضا عطاری.....فیصل آباد)

تجھ کو ہر پل میں صدائیں دوں گا
سب تجھے اپنی میں دفائیں دوں گا
ہجر کی آگ کو رکھوں گا منور جاناں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی پلکوں سے ہر روز ہوائیں دوں گا
جب بھی تجھے بھولنے کی کوشش کرے گا یہ دل
دل کو اتنی ہی کڑی میں سزائیں دوں گا
آنے والوں کو رکھوں گا سر آنکھوں پر
جانے والوں کو ساغر میں دعائیں دوں گا
منیر لوٹ کر آؤ نہ تم یہ ہے مرضی تیری
میں تو ہر روز مگر تجھ کو صدائیں دوں گا
(منیر احمد ساغر.....میاں چنوں)

ٹوٹ نہ جائے بھرم ہونٹ ہلاؤں کیسے
حال جیسا بھی ہے لوگوں کو سناؤں کیسے
خشک آنکھوں سے بھی اشکوں کی مہک آتی ہے
میں تیرے غم کو زمانے سے چھپاؤں کیسے
تیری صورت ہی میری آنکھوں کا سرمایہ ہے
تیرے چہرے سے نگاہوں کو ہٹاؤں کیسے
تو ہی بتلا میری یادوں کو بھلانے والے
میں تیری یاد کو اس دل سے بھلاؤں کیسے
وہ رلاتا ہے رلائے مجھے جی بھر کے ایاز
میری آنکھوں میں ہے وہ میں اس کو رلاؤں کیسے
(سید وہاب علی.....کراچی)

میرے خیالوں میں حسنِ چہرے والی انجان سی لڑکی رہتی ہے
کبھی نظریں ملاتی ہے کبھی نظریں چراتی ہے
کبھی دیوانہ کرتی ہے کبھی پاگل بناتی ہے
کبھی معصوم سا چہرہ بنا کر سہم جاتی ہے
میرے خیالوں میں حسین چہرے والی انجان سی لڑکی رہتی ہے
کبھی آنچل سمیٹتی ہے کبھی خود سمٹ جاتی ہے
کبھی چلتے ہی چلتے تھوڑا سا رک بھی جاتی ہے
کبھی خاموش سی خاموش چپ ہی رہتی ہے
میرے خیالوں میں حسین چہرے والی انجان سی لڑکی رہتی ہے
کبھی چلتی ہے تو لٹک مٹک کے چلتی ہے
کبھی پائل کی چھن چھن سے نیندیں اڑا لیتی ہے
کبھی خوابوں میں آ کر پریوں کی طرح مسکراتی ہے
میرے خیالوں میں حسین چہرے والی انجان سی لڑکی رہتی ہے
کبھی پس ساتھ رہنے کے جھوٹے وعدے کرتی ہے
کبھی چھوٹی سی چھوٹی بات پر روٹھ ہی جاتی ہے
کبھی غیروں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے
میرے خیالوں میں حسین چہرے والی انجان سی لڑکی رہتی ہے
کبھی بیگانا کرتی ہے کبھی اپنا بناتی ہے
کبھی اپنی چیزوں پہ میرا نام لکھے جاتی ہے
اسی لئے انس مجھ کو اتنا بھاتی ہے
میرے خیالوں میں حسین چہرے والی انجان سی لڑکی رہتی ہے
(ایم انس نہال.....میاں چنوں)

تیرے حسن کے جلووں کی تاب کیسے لاؤں
جل جل کر میں راکھ ہوتا چلا جاؤں
مکتبِ نادان ہوں علمِ عشق سکھا دیجئے
کہ چادر محبت اوڑھ کر محبت زدہ ہو جاؤں
اک دیوانہ گداگر ہوں یوں ٹھوکریں مت دو
مے حسنِ امیری ہو خیراتِ عشق لیکر مہمان ہو جاؤں
انگارہ ہو، مجسم حسن ہو، اف کیا کیا نہیں ہو
تیری حاصل جستجو لاحصل ہو تو مرکیوں نہ جاؤں
اپنی تیر نظروں سے سینہ چاک دلال کردو
امانتِ محبوب ہے خوش خوش قربان ہو جاؤں
کیوں کر ممکن ہو کبھی ایسے بھی سوچا کر عثمان
وہ تو حسنِ بے مثال ہے اسے پاؤں تو فنا نہ ہو جاؤں
(محمد عثمان علی.....میاں چنوں)

اور کچھ نہ ملا ہمیں پھر رسوائیاں ملیں
مانگی تھیں چاہتیں ہمیں پھر جدائیاں ملیں
دیوانگی ہی تو ہے جو دھند لکے میں رہے برسوں
انسان کی جگہ پھر ہمیں تو پرچھائیاں ملیں
مسلے گئے کچھ اس طرح پھول پاؤں تلے
تھا جنکا ہمیں انتظار وہ پھر نہ شہنائیاں ملیں
ملنے کو تو بہت ہی ملے تھے زمانے میں جاوید
کسی میں نہ پھر وہ ہمیں رعنائیاں ملیں
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)
☆☆

زندگی خواب کی ہے صورت میں
خواب بھی آب کی ہے صورت میں
دشمنوں کا جو ایک لشکر ہے
حلقۂ احباب کی ہے صورت میں
ایک چہرہ ہے جو نگاہوں میں
جیسے ماہتاب کی ہے صورت میں
اس طرح اس کا دیکھ کر ہنسنا
گہر نایاب کی ہے صورت میں
دیکھ آنکھوں کو پڑھ کے اے رانا
درد سیلاب کی ہے صورت میں
(قدیر رانا.....راولپنڈی)

چمکتی ہوئی چاندنی رات ہو
میرے سامنے اک تری ذات ہو
شبِ وصل پھر لوٹ آئے وہی
وہی پھر سے اپنی ملاقات ہو
یہی چاہتے ہیں غمِ ہجر میں
کہ ہم پہ کسی کی عنایات ہو
دبائے ہوئے ہیں جو سینے میں ہم
بھلا کس طرح اُن سے وہ بات ہو
گذر جاؤں میں بحرِ آتش سے بھی
اگر مجھ کو حاصل ترا ساتھ ہو
اے راغبؔ ڈبودوں گا میں شہر کو
اگر میرے اشکوں کی برسات ہو
(راغب عثمان کیانی.....راولپنڈی)

تم جب بھی گھر پر آتے ہو
اور سب سے باتیں کرتے ہو
میں اوٹ سے پردے کی جاناں
بس تم کو دیکھتی رہتی ہوں
اک تم سے ملنے کی خاطر
میں کتنی پاگل ہوتی ہوں
جب دروازے پر دستک ہو
یا فون کی گھنٹی بجتی ہو
میں چھوڑ کر سب کچھ بھاگتی ہوں
پر تم کو جب نہیں پاتی ہوں
جی بھر کے رونے لگتی ہوں
میں ایسی محبت کرتی ہوں

جان میری مجھکو تم بے پناہ چاہو
چاہا نہ ہو کسی نے اس طرح چاہو
میری ذات میں سما جاؤ تم اسطرح
نکل نہ پاؤ جو اگر تم نکلنا چاہو
(حمیر اغلام حسین کیریو.....کراچی)

میں اپنے ہوش وحواس میں رہ کر
اک وعدہ کرتی ہوں تم سے
کہ جب تک.....
جسم میں جان رہی
اور
ہونٹوں میں جنبش باقی
اس دل میں بھی
زبان پر بھی
آنکھوں کی گہرائیوں میں بھی
جسم کی روح میں بھی
بس.....!
آپ کا نام ہی آئے گا
دل بس آپکو ہی چاہے گا
اک آپکی چاہت کی خاطر
ہر حد سے پار
گزر جاؤں گی
رکھ کر اپنی انا کو ایک طرف
میں سب کے پاؤں پکڑ لوں گی
یہ دنیا پھر بھی نہ مانی
میں دنیا کی ہر طاقت سے
بے خوف وخطر تنہا
لڑ جاؤں گی
میں اپنے خون میں نہا جاؤں گی
جو تم نہ ملے مر جاؤں گی
ذکیہ نہیں.....
محبت میں ذکیہ سلمان کہلاؤ گی
(ذکیہ سلمان.....میاں چنوں)

روکتے کس لئے ہو مرنے دو
آتشِ عشق میں اُترنے دو
دل کے آئینے میں اُتر نے دو
زندگی کو مری نکھر نے دو
صبح دم تک رہو جھکائے سر
رات بے سود مت گزرنے دو
پل صراطِ وفا سے روزِ جزاء
اس گنہگار کو گزرنے دو
زندگی تو اُجڑ گئی اپنی
نسلِ نو کو ابھی اُبھرنے دو
اس کا وعدہ فریب ہوتا ہے
وہ مکرتا ہے تو مکر نے دو
پھول ہو تو کھلے رہو راہی
میں ہوں خوشبو مجھے بکھرنے دو
(نجیب راہی.....کراچی)

یہ کون دیوانی ہے
راہ تکتی ہے راجا کا
کس دیس کی رانی ہے
کوئی سائے سے ڈرتا ہے
لپٹا ہوا بدلی میں
جب چاند نکلتا ہے
جذبات کا میلہ تھا
پھولوں کی نمائش میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اک شخص اکیلا تھا
جوڑا کوئی سانپوں کا
یا ریل کی پٹڑی تھی
یا وہم تھا آنکھوں کا
(عامر ملک......راولپنڈی)

بہت ناراض ہیں احباب میرے
کہ میرے ساتھ ہیں سب خواب میرے
میں تن پر خاک وخون پہنے ہوئے ہوں
یہی ہیں اطلس و کمخواب میرے
میں ہوں تو دور کی تاریکیوں میں
مگر سب زخم ہیں مہتاب میرے
مری ہستی سمندر کی طرح ہے
میرے اندر ہیں سب گرداب میرے
(عمیر قدیر بھٹی......راولپنڈی)

دعاؤں کو مری اثر دے
مدینے کے لئے اذن سفر دے
مرے سینے میں رب مصطفیٰ اب
نبیؐ کے پیار کی تنویر بھر دے
طفیلِ پنجتن میری دعا ہے
زمانے بھر کے مسلم ایک کردے
اندھیرے نفرتوں کے دُور کرنا
دلوں کو مہر و الفت کا قمر دے
جو ہو آباد ذکرِ مصطفیٰ سے
مجھے ایسی کوئی شام و سحر دے
مرے مولا نبیؐ کے در کا صدقہ
مری آوارگی کو کوئی گھر دے
بجز اس کے نہیں کوئی طلب اب
اسی طیبہ نگر کی رہ گذر دے
مری فکر و نظر کی رہبری کر
مرے دل سے اٹھا دوئی کے پردے
جمال مصطفیٰ دیکھو قمر میں
مرے دل کی تو آنکھوں کو نظر دے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری......ملتان)

رنج اتنے کیوں یار دیتے ہو
میری خواہشوں کو مار دیتے ہو
ہمیں تو اک لفظ نہیں لکھ سکتے
غیروں کو تم خط ہزار دیتے ہو
ہمارے نام خزاں کی رُت کر کے
زمانے کو رُت بہار دیتے ہو
کسی کے لگاتے ہو پھول کالر میں
مجھ کو کانٹوں کے ہار دیتے ہو
ہمیں تو دے نہ سکے دُکھ بھی اپنے
لوگوں کو خوشیاں اُدھار دیتے ہو
بنا کے آئینہ پتھر پہ مار دیتے ہو مجھے
منیر یہ کس خطا کی سزا بار بار دیتے ہو
(منیر احمد ساغر......میاں چنوں)

محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی
ہزاروں رنگ ہیں اس کے
عجب ڈھنگ ہیں اس کے
کبھی صحرا، کبھی دریا، کبھی جگنو، کبھی آنسو
ہزاروں روپ رکھتی ہے
بدن جھلسا کے جو رکھ دے
کبھی وہ دھوپ رکھتی ہے
کبھی بن کر یہ ایک جگنو
شبِ غم کے اندھیروں میں
دلوں کو آس دیتی ہے
کبھی منزل کنارے پر
پیاسا مادیتی ہے
اذیت ہی اذیت ہے
مگر یہ بھی حقیقت ہے
محبت پھر محبت ہے
کبھی دل سے نہیں جاتی
(لاہوتی عماد......آھدی موڑ دولتالہ)

کتنا سہانا یہ سفر کٹ رہا ہے
غموں کا بادل چھٹ رہا ہے
خیال ہجر تو دل سے نکال چکے
تو کن خیالوں میں دل کٹ رہا ہے
سرِ راہ جو ملاقات ہوئی اسنے کہا
اب درمیاں ہمارے فراق مٹ رہا ہے
اس بندہ بے دام سے کیا بھول ہوئی جانے
کہ اب مجھ سے دور وہ ہٹ رہا ہے
کوئی آئے جو منزل کی خبر لائے
دشتِ تنہائی میں دل گھٹ رہا ہے
جلادی جائے تصویرِ صنم یارو
تک کے اسے یہ کلیجہ کٹ رہا ہے
ہر دھڑکن بے دھڑکن لگنے لگی ہے
شاید کہ دل یہ اس کا پھٹ رہا ہے
(فیصل عباس......میاں چنوں)

دُنیا والوں سن لو فسانہ میرا
کیسے چھلکا وفا کا پیمانہ میرا
اشک لے کر میں کیسے روانہ ہوا
گِر کے ٹوٹا جب آشیانہ میرا
ساحل سامنے تھا اور میں پیاسا رہا
بُرا لگا سمندر کو بھی آنا میرا
آنسو جھلکے پلکوں کے سہارے
کتنا رویا یہ دل دیوانہ میرا
سحر کی لے کر اُمید شب گزاری میں نے
پھر دن کے اجالے میں بچھڑا یارانہ میرا
حسرتیں سب مل کر اب ماتم کرو
پرواز اب ہوگا جنازہ روانہ میرا
(محمد بشیر احمد پرواز......جنڈ انوار)

☆☆

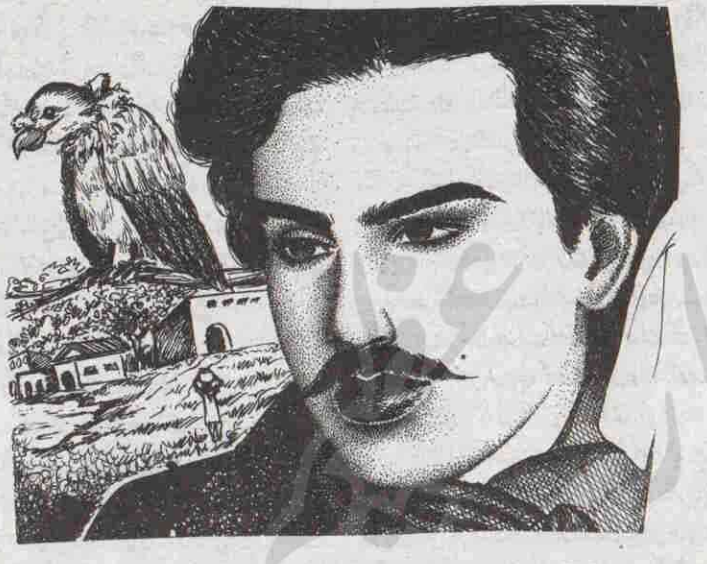

آخری خراج

محمد رضوان قیوم-راولپنڈی

اچانک آسمان کی وسعتوں میں پھڑپھڑاتی آواز سنائی دی اور پھر ناقابل یقین حد تک ایک عفریت نما پرندہ نمودار ہوا، ہر طرف جسم کو جھلسا دینے والی گرمی پڑنے لگی اور پھر وہ پرندہ دو بچوں کو اپنے پنجے میں دبوچ کر......

دل دہلاتا اور رونگٹے کھڑے کرتا ایک خونچکاں شاخسانہ جو کہ پڑھنے والوں کو لرزا کر رکھ دے گا

جن حضرات کو برصغیر کی قدیم تاریخ سے دلچسپی ہے وہ یقیناً چینی سیاح اور مورخ چون سانگ کو جانتے ہوں گے۔ وہ غالباً دوسری صدی کے عرصہ کے درمیان اس خطے میں آیا تھا۔ اس دور میں برصغیر کے زیادہ تر حصہ میں بدھ مت کے ماننے والے رہا کرتے تھے۔ اس نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی تھی۔ جو کہ چینی زبان میں تھی۔ اس کا ترجمہ بہت بعد میں ایک یورپین مورخ ڈوسن نے اپنی کتاب (The Ancient Time Stories) میں کیا ہے۔ اس کتاب میں ڈوسن ایک جگہ اس چینی سیاح اور مورخ کی زبانی ایک بہت دلچسپ اور مافوق الفطرت واقعہ یوں لکھتا ہے۔ ''میں برصغیر کے ایک تاریخی شہر قنوج کے گاؤں کلوم سے گزر رہا تھا کہ میں نے دیکھا ایک میدان میں کچھ لوگ پیٹ کے بل نیم برہنہ حالت میں لیٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے تھے، وہ بابلند اور روتی حالت میں چلا رہے تھے۔
"ثوما۔ ثوما۔ ثوما"۔ مجھے یہ عجیب منظر دیکھ کر بہت تعجب اور حیرانگی ہوئی، میں حالت تجسس میں اس مقام پر پہنچا تو ایک گٹھے ہوئے مضبوط نوجوان نے میرے سر پر ایسا زور دار تھپڑ مارا میں ایک لمحے کو لڑکھڑا گیا۔ "نیچے لیٹو۔ جلدی کرو۔"
"لیکن کیوں؟" میں نے اس سے سوال کیا۔
"بعد میں بتلاؤں گا۔ فی الحال جلدی سے نیچے اوندھے منہ لیٹو اور اپنی مُمیض جسم سے جدا کردو۔ وہ آنے والی ہے۔"
"کون؟" میں نے پوچھا۔
"بعد میں بتلاؤں گا۔" اس نے کہا۔
میں جلدی سے اس نوجوان کے کہنے پر اسی طرح زمین پر لیٹ گیا جیسے اس میدان میں کئی سو مقامی لوگ اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ "ثوما۔ ثوما۔" وہ آہ وزاری کرتے ہوئے چلا رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ کونسا رونے کا موقع ہے، میں نے تو برصغیر کے ان لوگوں کے مذاہب کا مطالعہ کیا تھا۔ میرے علم کے مطابق یہ کوئی عبادت کا حصہ نہ تھا۔ بہر حال میں نے بھی اس نوجوان کی ہدایت کے مطابق، "ثوما۔ ثوما" کے الفاظ دہرانے شروع کردیئے۔ حالانکہ مجھے اس کا مطلب، مقصد پتا نہ تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اچانک آسمان پر کوئی بڑا سا پرندہ نمودار ہوا اور اس نے انتہائی خوفناک انداز میں اس طرح آواز نکالی جیسے کوئی دیو ہیکل چیل ہو۔ میرا دل بیٹھنے لگا۔ اس ماحول میں ہلکی سی پہلے گرمی محسوس ہوئی جو کہ رفتہ رفتہ بڑھتی رہی۔ پھر لیٹے ہوئے وہ مقامی لوگ زور زور سے چلانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گرمی آہستہ آہستہ کافور ہوگئی۔ اور ماحول میں پہلے جیسی ٹھنڈک محسوس ہونے لگی۔ "وہ چلی گئی، آنکھیں کھول دو۔" اس نوجوان نے کہا جس نے مجھے لیٹنے کے لئے کہا تھا۔
میں نے اٹھ کر اپنے پیٹ اور ٹانگوں میں لگی مٹی کو صاف کیا۔ اور جب اس میدان کی طرف نگاہ ڈال کر دیکھا تو وہاں ایک جگہ سارے مقامی لوگ دو معصوم لڑکوں کے گرد کھڑے ان سے اپنی زبان میں کچھ کہہ رہے تھے۔ میرے لئے یہ منظر بڑا حیرت انگیز تھا۔
"مجھے معاف کردیں۔"
"آپ کو میرا نام کیسے پتا چلا اور یہ آپ کو کیسے علم ہے کہ میں چینی سیاح ہوں۔" میں نے کہا۔
"میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں آپ کا نام چون ہیون سانگ ہے اور آپ راج پاٹلی پتر کے خاص مہمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔ لیکن مہربانی کر کے میری راجہ کے سامنے شکایت نہ کرنا۔"
نہیں کرونگا۔ لیکن یہ بتلاؤ کہ یہ ماجرا کیا ہے؟"
اس نے مجھے اشارہ کیا کہ ابھی چپ کر جاؤ بعد میں بتلاؤں گا۔ میں نے دیکھا کہ اب وہاں کے مقامی باشندے خوشی سے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ اور ثوما۔ ثوما۔ کی جگہ کتمر کتمر کے الفاظ نکالتے چھوٹے بچوں کی طرح خوشی سے اچھلتے ہوئے اپنے گھروں کی جانب جارہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا میدان لوگوں سے خالی ہوگیا تھا۔
"ثوما۔ ثوما۔" کی جگہ یہ لوگ "کتمر، کتمر" کیوں کہہ رہے تھے۔ اور یہ ماجرا کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"اس نے روہانسی آواز میں کہا۔" جس جگہ تم کھڑے ہو، یہاں سے تقریباً 15 کوس تک کے علاقہ میں ایک چڑیل جس کا نام شنطورہ ہے۔ یہ اس کے زیر اثر ہے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ علاقہ اس کے اباؤ اجداد کی ملکیت رہا ہے۔ لہٰذا اسی ناطے وہ اس کی واحد مالک ہے۔"
اس نے مزید یہ بتلایا کہ "اس علاقہ میں اس چڑیل نے اپنا ماورائی اثر ڈالا ہوا ہے۔ یہ ہر سال اس گاؤں کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا خون چوس کر اپنا اور پھر اگلے سال کے لئے اپنا پسندیدہ خراج وصول کرتی

ہے۔ جوڑا چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں بھینٹ کے لئے چن لیتی ہے۔ وہ آسمان پر چیل کی شکل میں آتی ہے جس کو اس نے چننا ہوتا ہے اس پر اپنی رال ڈالتی ہے۔ اور جہاں تک رہا سوال ثوما کا تو ثوما در حقیقت پالی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے۔ "ہمیں معاف کردے بہت ہوگیا۔ ہمیں معاف کردے اور کتمر کا لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب وہ چڑیل چلی جاتی ہے۔" تو باقی بچے نوجوان۔ لڑکیاں اس امر پر خوش ہوتے ہیں کہ کم از کم ایک سال کے لئے ان کی جان بچ گئی۔
"اگر گاؤں کے لوگ اسے خراج نہ دیں تو کیا ہوتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
اس نے کہا "اگر شنطورہ چڑیل کو دو نوجوان لڑکے یا لڑکیوں کا خراج نہ دیں تو وہ پورا سال کسی بھی لمحے آکر کسی نہ کسی لڑکے یا لڑکی کو مسلسل اٹھاتی رہتی ہے۔ پھر ہم خود ہی ایک جوڑے کو خراج کے طور پر اس خاص میدان میں لے آتے ہیں۔" اس نے بتایا۔
مجھے یہ کہانی بڑی عجیب لگی تھی۔
اس کہانی کو ڈوسن نے یوں بڑھایا "کلوم کے باسی مسلسل برسوں سے ہر سال ایک نوجوان جوڑے کی جانوں کا خراج چڑیل شنطورہ کو دے رہے ہیں۔"
وہ اس عمل سے تھک چکے تھے انہوں نے بالآخر اس دائمی چڑیل سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک اوپائے کیا۔ انہوں نے اس زمانے کا ایک علاقہ جسے آج کل میوات کہتے ہیں۔ وہاں ایک بہت مشہور عامل تہور کی خدمات حاصل کیں۔ اس عامل کا دعویٰ تھا کہ وہ بڑے سے بڑے ضدی۔ جن اور خونخوار ڈائنوں، چڑیلوں اور آتماؤں کو قابو کرسکتا ہے۔
قنوج کے لوگوں نے اپنے راجہ سے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں لوگوں کی مدد کرے راجہ اچھا آدمی تھا۔ لہٰذا اس نے تہور کو اپنے دربار میں بلا کر اس سے کہا کہ "تم کسی طرح اس چڑیل سے ہماری جان چھڑا دو۔ میں تمہیں جو مانگو گے دوں گا۔"
"پکا اور مردوں والا وعدہ کرو جو میں چاہوں گا دو گے۔" تہور نے کہا۔
راجہ نے جذبات میں آکر کہا "دوں گا" تہور نے راجہ کی بات کی گواہی اس کے درباریوں اور کچھ عوام کے نمائندوں کے سامنے دلوائی، راجہ نے بڑے وثوق سے کہا۔ "ہاں جو تو کہے گا وہی دوں گا۔"
تہور کلوم پہنچ گیا۔ اس نے سب سے پہلے اہل کلوم کو اس میدان میں جمع ہونے کو کہا جہاں شنطورہ چڑیل عذاب ڈھانے آیا کرتی تھی۔ تہور عذاب زدہ عوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ۔ "میں شنطورہ چڑیل کو کھٹی نامی چڑیل سے لڑائی کراؤں گا۔"
لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ "کھٹی نامی چڑیل کون ہے۔؟"
اس نے جواب دیا کہ "شنطورہ چڑیل کی بہن۔ جسے شنطورہ نے اپنی جادوئی طاقت سے صدیوں کے لئے گہری نیند سلا دیا ہے تاکہ وہ اپنے اباؤ اجداد کی زمین جائیداد سے حصہ نہ مانگے لیکن تم کیا مجھ سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ اگر میں اپنے کام کے بدلے راجہ سے جو چیز مانگوں گا، راجہ وہ دے گا، اگر وہ نہیں دے گا تو تم لوگ میرا ساتھ دو گے۔"
"ہم لوگ تمہارا ساتھ دیں گے۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "لیکن اس کا تو راجہ نے تم سے پہلے ہی وعدہ کیا ہوا ہے۔" ایک بزرگ نے جواب دیا۔
"وہ راجہ ہے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کام ہوجانے کے بعد اکڑ جائے۔"
"نہیں ایسا نہیں ہوگا اگر راجہ اپنے وعدے سے پھرے گا تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔" لوگوں نے کہا۔
"اچھا سنو! میں کل سے اس میدان میں اپنا ایسا جادوئی عمل کرنے والا ہوں جس کی بناء پر شنطورہ چڑیل کی بہن کھٹی کو جگاؤں گا۔ اسے اپنے عمل سے شنطورہ کے خلاف بھڑکاؤں گا، اکساؤ گا اور پھر وہ اس سے اپنا زمینی حق مانگے گی۔"
"پھر کیا ہوگا؟" لوگوں نے پوچھا۔
"میں تم لوگوں کو سر دست ساری بات نہیں بتلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا، تم صرف اتنا کرو کہ مجھے اس گاؤں کے چند مضبوط نوجوان دو۔ جو کہ اس میدان میں شدید پڑتی گرمی میں مسلسل میرے ساتھ ننگے پیر کھڑے رہیں۔ اور میں جو شے بھی ان سے مانگوں وہ مجھے دیں۔"

تہور اپنے ساتھ صرف۔ سرخ، نیلے، کالے رنگ کے چھوٹے چھوٹے ڈنڈے لایا تھا۔ اس نے مجمع سے کڑیل اور چست نوجوانوں کو اپنے جادوئی مقصد کے لئے چنا تھا۔ لیکن اس نے پہلے ہی کلوم کے لوگوں کے سامنے اظہار کر دیا تھا کہ "ہوسکتا ہے ان نوجوانوں میں سے ایک آدھ اس تکلیف دہ عمل میں مر بھی سکتا ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ پہلے اچھی طرح سوچ لو۔"

تہور کی باتیں سننے کے بعد ایک ضعیف آدمی آگے بڑھ کر تہور سے بولا۔ "ہمیں آج کی رات اس بارے میں کچھ مشورہ کیلئے وقت دو، ہم اس معاملے کا سوچ کر صبح کے وقت تمہیں بتا دیں گے۔"

"تہور نے کہا۔" میں ایک صاف گو اور اصول پرست جادوگر ہوں۔ نہ جھوٹ بولتا ہوں اور نہ ہی جھوٹ سنتا ہوں اور کوئی مجھ سے دھوکہ دہی کرے تو میں اسے برداشت نہیں کرتا، اب تم لوگ جاؤ اور میری کی ہوئی بات پر ضرور غور کرو، ہوسکتا ہے کہ میری جانب سے کیے جانے والے سخت عمل کے دوران چنے ہوئے نوجوانوں میں سے کسی کی جان چلی جائے۔"

رات بھر کلوم کے بزرگ، سمجھدار مرد اور عورتیں ایک مقام پر اکھٹے ہو کر تہور کی اس بات پر صلاح مشورہ کرنے لگے۔ اب وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے ایک گروہ کا خیال تھا کہ "ہوسکتا ہے کہ تہور اپنے عمل میں ناکام ہو جائے اور شنطورہ چڑیل غصہ میں آ کر ہم گاؤں والوں پر مزید قہر برسائے لہذا بہتر یہی ہے کہ تہور کو چلتا کیا جائے۔" جبکہ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ "تہور ایک مانا ہوا جادوگر ہے اسے کام کرنے دیا جائے کیونکہ ویسے بھی شنطورہ چڑیل ہمارے نوجوانوں کا خون چوس کر اپنا خراج وصول کر رہی ہے۔"

وہ لوگ آپس میں اس مسئلہ کو سلجھاتے سلجھاتے آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ بڑی مشکل سے تہور کا حامی گروپ اپنے مخالف گروپ کے نظریات پر بھاری پڑ گیا۔ 8 کڑیل نوجوان تہور کے حوالے کر دیئے گئے۔ تہور نے ان نوجوانوں سے کہا۔ "پہلے میرے لئے اس میدان کے وسط میں اتنا گہرا گڑھا کھودو جس میں میرا ناف تک جسم سما جائے اور میرے لائے ہوئے رنگین ڈنڈے میرے قریب رکھو، اور جیسا میں کہوں اس پر فوری عمل ہونا چاہئے۔ ورنہ نقصان تمہارا ہی ہوگا۔"

پہلے دن یہ ہوا کہ تہور کھودے گئے گڑھے میں سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ اس سے پہلے اس نے ان نوجوانوں کو ہدایت کر دی تھی کہ جب وہ سر کے بل اس گڑھے میں چلا جائے تو تم اس پر مٹی ڈال دینا۔"

یہ سن کر نوجوانوں نے کہا۔ "اس طرح تو آپ کا سانس گھٹ جائے گا۔"

تہور نے کہا "جیسا میں کہہ رہا ہوں فٹافٹ ویسا کرنا۔ میرے کہنے پر دیر کرو گے تو پچھتاؤ گے۔" اس نے یہ بھی کہا۔ "جب میں اپنی ٹانگیں ہلاؤں تو گڑھے سے مٹی ہٹا دینا۔"

تہور کافی دیر تک گڑھے میں سر کے بل پڑا رہا۔ اب اس کا دھڑ مٹی میں دبا ہوا تھا صرف ٹانگیں نظر آ رہی تھیں۔ جو کہ بالکل ساکت تھیں۔ کلوم کے لوگ دور سے تماشائی بنے دیکھ رہے تھے۔

کافی دیر بعد تہور نے اپنی ساکت ٹانگوں کو ہلایا تو فٹافٹ نوجوانوں نے اس گڑھے سے مٹی نکال کر اسے باہر نکالا، اس کا منہ کسی بھوت کی مانند گیلی مٹی میں سنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو جھاڑا اور نوجوانوں سے کہا۔ "مجھے نہلاؤ"

نہانے کے بعد وہ صاف ستھرا ہو کر میدان میں موجود اہل کلوم سے مخاطب ہو کر بولا۔ "دیکھو میں نے شنطورہ چڑیل سے تم لوگوں کو چھٹکارہ دلانے کے لئے اپنا عمل شروع کر دیا ہے، میں اپنا عمل بہت احتیاط سے کر رہا ہوں۔ یاد رکھو کہیں بھی ذرا سی بھی لغزش میرے عمل کو نقصان دے سکتی ہے۔ لہذا جیسا میں کہوں اس پر

فوری طور عمل کرنا۔ جونہی تم لوگ دیر کرو گے تو مرو گے۔"

چار دن تک تہور اسی میدان میں اپنے عمل کرتا رہا۔ آہستہ آہستہ ماحول میں شنطورہ چڑیل کی آمد کے اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اہل کلوم کے لوگوں نے اس سے یہ بحث کرنا شروع کیا کہ۔ "شنطورہ تو چند ماہ بعد آتی تھی۔" یہ تم نے وقت سے پہلے کیوں، اس کی آمد کے اثرات پیدا کر دیئے یہ تو تم نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

تہور نے جواب دیا۔ "میں نے کھٹی چڑیل کو اپنے عمل سے بیدار کر دیا ہے اور اسے خوب بھڑکا دیا ہے کہ اسے اس کی بہن شنطورہ اپنے مذموم عزائم کے تحت اسے گہری نیند سلا دیا تھا۔ تم لوگ مجھ پر اعتماد کرو اور اس خطرے کا سامنا کرو۔ جس سے تمہیں آئندہ کے لئے فائدہ ہوگا۔"

شنطورہ کی آمد پر کالی چڑیاں آتی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کالا نظر آتا تھا۔ ٹھنڈے موسم میں بھی گرماہٹ طاری ہو جاتی تھی۔ جب کالی چڑیوں سے آسمان بالکل کالا ہو جاتا تھا تو سب سے آخر میں تقریباً تین دن بعد آسمان میں عام سائز سے بڑی سفید چیل نمودار ہوتی تھی۔ دراصل وہ چیل نہ تھی بلکہ یہ وہ اس روپ میں شنطورہ چڑیل ہوتی، جو کہ آہستہ آہستہ نیچے پرواز کرنا شروع کرتی تھی۔ کلوم کے باسیوں کے سروں پر ٹھونگے مارتی تھی۔ پھر یہ ہوتا کہ وہاں کے مجبور باشندے ایک مخصوص گراؤنڈ میں جمع ہو کر ٹوٹا۔ ٹوٹا پکارتے تھے۔ اور شنطورہ اپنا من پسند شکار چنتی تھی۔

اس بار حسب معمول آسمان پر کالی چڑیاں اپنے مقررہ وقت سے پہلے آ گئی تھیں جسے دیکھ کر کلوم کے لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ ان کے دل میں خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید تہور کا کیا ہوا عمل الٹا ہو رہا ہے جس کی بناء پر یہ کالی چڑیاں وقت سے پہلے ہی آسمان پر نمودار ہو گئی ہیں۔ کلوم کے لوگ دو گروہوں میں ایک بار پھر بٹ گئے۔ ایک کہتا تھا کہ اسے بھگا دیا جائے دوسرا کہتا تھا کہ اسے عمل کرنا چاہئے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ الغرض وہاں کے لوگ شش و پنج میں پڑ گئے کہ کیا۔ کیا جائے؟

دوسرا ان کے اوپر سفید چیل شنطورہ کے روپ میں تیزی سے نیچے آ کر ان کے سروں پر ٹھونگے مار مار کر زخمی کر رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ متعلقہ میدان میں جا کر اسے پچھلے سال چنے ہوئے جوڑے کا خونی خراج دیا جائے اور اگلے سال کے لئے نیا جوڑا منتخب کرنے دیا جائے۔

تہور کے پاس کلوم کے گھبرائے اور پریشان حال لوگ آئے اور برہم ہو کر بولے "یہ تم نے کیا کر دیا، ہمیں تو تم نے الٹا مصیبت میں ڈال دیا ہے۔" تہور ان لوگوں کو یقین دلانے لگا کہ "میں نے کھٹی چڑیل کو شنطورہ کے خلاف بھرپور طریقہ سے اکسایا ہے کہ شنطورہ اس حق اور زمینی حقوق کھا رہی ہے۔ لہذا اب تو اس سے لڑ کر اپنا حق مانگ۔"

"تو بکواس کرتا ہے تہور۔" ایک جوشیلے نوجوان نے تہور کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔

تہور نے بالکل بھی مزاحمت نہ کی۔ اس نے بڑے تحمل سے کہا۔ "میں بغیر لالچ کے اس عمل کو تمہارے فائدے کے لئے کر رہا ہوں، اس طرح میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے علم میں واقعی کچھ کرنے کی طاقت ہے کہ نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرے مخالفوں کی تعداد بھی قلیل ہے۔"

"کیا تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم شنطورہ چڑیل کو ہمارے سروں پر سے ہٹا سکو گے۔" ایک نوجوان بولا۔

سفید چیل جو کہ آہستہ آہستہ عام سائز سے بڑی ہو کر نیچے آ گئی تھی، وہ اس بار پہلے کے مقابلے میں بہت غضبناک لگ رہی تھی۔ ڈر کے مارے کلوم کے لوگ اس میدان میں جمع ہو گئے۔

تہور کے حمایتوں کی ایک محدود تعداد میدان سے باہر کھڑی تھی لیکن ان میں سے بھی رفتہ رفتہ حمائتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹوٹ ٹوٹ کر اس میدان میں ”ثوما۔ثوما“ کی آواز نکالتے ہوئے شامل ہوگئے۔ شنطورہ چڑیل کے پچھلے سال کے چنے ہوئے دونوں معصوم بچوں کو شنطورہ کی غذا (خراج) کے لئے عین میدان کے وسط میں کھڑا کردیا گیا تھا۔ لیکن تہور بیچ میدان میں اپنے گڑھے میں بدستور گھسا ہوا اپنا مخصوص عمل پڑھ رہا تھا۔ جبکہ اس کے خدمت گار نوجوان اس کو اس کی ہدایات کے مطابق اسے اس کے لائے ہوئے رنگین ڈنڈے وغیرہ دیتے رہے۔ جوں جوں چیل میدان میں اوپر سے نیچے آرہی تھی، تہور اپنے خدمتگاروں کو چیخ چیخ کر کہتا۔ ”اب اس رنگ کا ڈنڈا دو، یہ دو، وہ دو، وغیرہ وغیرہ۔“

چیل انتہائی نیچے پرواز کرتی ہوئی تہور کے قریب آکر اس پر اور خدمت گار نوجوانوں پر جھپٹا مارنے کی کوشش کرتی۔ لیکن نہ جانے تہور کیا پڑھ کر اپنے خالی ہاتھ سے ہوا میں کچھ پھینکتا کہ وہ چیل ڈر کر دور بھاگ جاتی تھی۔

ایک خدمت گار نے تہور کو سرخ ڈنڈا دینے میں دیر کردی تو اسے چیل نے جھپٹا مار کر ہلاک کردیا۔

تھوڑی دیر بعد چیل نے میدان کے دو چار چکر لگائے تو ساتھ ہی میدان میں حسب روایت گرمی ہونے لگی۔ چیل نے اپنی رال اس بار ایک جوان لڑکی اور ایک لڑکے پر ڈال دی۔

”ثوما۔ثوما“ کی آوازیں پورے میدان میں گونج رہی تھیں۔ اس کے بعد چیل نے میدان میں ایک خوفناک غوطہ لگایا اور اپنے بڑے بڑے خونخوار پنجوں میں دونوں بچوں کو دبوچا اور پہاڑوں کی اوٹ میں چلی گئی۔ اس کے فوری بعد تکبیر تکمیر کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن اس بار کلوم کے مقامی باشندے آپس میں خوشی سے گلے نہیں ملے۔

کچھ لوگ نڈھال قدموں سے اور آنسو بہاتے ہوئے تہور کے پاس آئے اور انہوں نے تہور کو زدوکوب کرتے ہوئے کہا۔ ”فراڈیا۔ تو نے ناحق اہل کلوم کو بیوقوف بنا کر شنطورہ چڑیل کو الٹا جلال میں لاکر ہمارے لئے نئی مصیبت کھڑی کردی۔“

تہور نے کہا۔ ”میں نے اپنے حساب سے شنطورہ چڑیل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے صحیح عمل کیا ہے۔ اور یقیناً کھنتی چڑیل بھی اب جاگ کر شنطورہ چڑیل کی جانب سے کی گئی زیادتیوں کا حساب مانگے گی۔“

”یہ تو بکواس کرتا ہے، ہمارے دونوں معصوم بچے چڑیل اٹھا کر پہاڑی کے اس پار چلی گئی ہے۔ اب تو اس نے بچوں کا خون بھی چوس لیا ہوگا۔“

”نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ وہ کسی قیمت پر ایسا نہیں کرسکتی۔“ تہور نے چلاتے ہوئے کہا۔

”مارو۔ اسے مارو۔“ مخالف لوگوں نے کہا تو تہور کے چند حمایتی جو رہ گئے تھے وہ درمیان میں آکر غصے میں بھرے اہل کلوم کو اس پر تشدد سے منع کرنے لگے۔ لیکن ان کا منع کرنا بے سود رہا، لوگوں نے تہور کو بری طرح پتھر مار مار کر بے ہوش کردیا۔ اس کی حالت غیر ہوگئی، غصے میں بھرے ہوئے لوگ تہور کو بے ہوشی کے عالم میں زدوکوب کررہے تھے کہ ڈرز ڈرز کی خوفناک دل ہلانے والی آوازیں اس میدان میں آنے لگیں۔

سب نے تہور کو چھوڑ کر ہونقوں کی طرف ادھر ادھر خوفناک آوازوں کی جانب دیکھنا شروع کردیا۔ آوازیں اس جانب سے آرہی تھیں جس طرف چیل دونوں بچوں کو اٹھا کر لے گئی تھی۔

ڈرز ڈرز کی ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے دو بھاری بھرکم لوہے کے ہتھیار آپس میں ٹکرا رہے ہوں، اس طرف سے سرخ مٹی اڑ رہی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے زلزلہ آگیا ہو، آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

تہور نے نیم بے ہوشی کے عالم اور زخموں سے چور حالت میں کہا۔ ”کلوم کے لوگوں پاگل نہ بنو، دیکھو میں نے اپنا عمل پورا کردیا ہے، دیکھو شنطورہ چڑیل سے

کھنتی چڑیل ٹکرا رہی ہے۔“

لوگ شرمندگی سے منہ کھولے پہاڑوں کی جانب پرتجسس نگاہوں سے دیکھنے لگے، ڈرز ڈرز کی آواز سے دو طاقتوں کے ٹکرانے کا عمل کافی دیر تک چلتا رہا بالآخر ایک زوردار کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دی، اور پھر دھڑام سے کوئی بہت وزنی چیز زمین پر گر پڑی تو جیسے زمین ہل گئی، کھڑے کھڑے لوگ ہل گئے، سب کی نظریں پہاڑی کی جانب تھیں کہ اچانک چیل جیسا ایک پرندہ پہاڑوں کی اوٹ سے جو کہ عام چیل سے کئی گنا بڑا تھا نمودار ہوا، وہ شنطورہ چڑیل چیل کے سائز سے کہیں بڑا تھا۔ اس نے اپنے پنجوں میں ان دونوں معصوم بچوں کو پکڑا ہوا تھا۔ وہ اس میدان کی جانب آیا۔

اہل کلوم یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے، خوف کے مارے ان کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ ”ان کے دل اندیشوں سے دہل رہے تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔؟“

اس چیل نے اپنے پنجوں میں دبوچے ہوئے دونوں بچوں کو زمین پر آرام سے چھوڑ دیا۔ اور آسمان پر واپس اڑ کر چلی گئی۔

بقول مورخ وہ چیل مسلسل آسمان پر منڈلاتی رہی۔ ایک طرف اہل کلوم اس خوشی سے خوش تھے کہ ان کے بچے زندہ واپس آگئے تھے، لوگوں نے شرمندگی سے تہور سے اپنے رویے کی معافی مانگتے ہوئے کہا۔ ”یہ واقعی کھنتی چڑیل ہے۔ ہم مان گئے تم بہت طاقتور جادوگر ہو، ہم تمہارے آگے سر جھکاتے ہیں۔ لیکن یہ مسلسل غصہ سے آسمان پر کیوں منڈلا رہی ہے۔“

تہور نے زخمی حالت میں جواب دیا۔ ”تمہارے اس سوال کا جواب میں راجہ کے محل میں دوں گا۔“

”اس میں کیا عجیب منطق ہے؟“ لوگوں نے کہا۔

تہور نے کراہتے ہوئے کہا۔ ”تم نے مجھے اتنا مارا ہے کہ میں اب مرنے والا ہوں، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ مجھے فوری طور پر راجہ کے محل میں لے چلو، اور ہاں اس میدان کے سارے لوگ محل سے ملحقہ میدان میں جمع ہوجاؤ۔“

وہ کھنتی چڑیل چیل کے روپ میں مسلسل ہجوم کے ساتھ ساتھ اوپر منڈلا رہی تھی۔ تہور آگے آگے تھا وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا۔ ”کیا پڑھ رہے ہو؟“ اس نے کہا۔ ”کھنتی چڑیل سے میں اپنے علم کی زبان میں کچھ باتیں کررہا ہوں۔“

”ہاں ہمیں یقین ہے کہ تم واقعی کھنتی چڑیل سے کچھ باتیں کررہے ہو۔ لیکن کیا باتیں کررہے ہو۔ یہ ہمیں بھی بتلاؤ۔“ لوگوں نے کہا۔

تہور نے کہا۔ ”میں کھنتی چڑیل سے کی گئی بات راجہ اور اہل کلوم کے سامنے روبرو بتاؤں گا۔“

راجہ نے جب سنا کہ تہور نے شنطورہ چڑیل کو کھنتی چڑیل سے لڑا کر مروا دیا ہے۔ تو بہت خوش ہوا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ کلوم کے لوگوں نے شک میں آکر تہور کو مار مار کر شدید زخمی کردیا ہے تو اسے بہت غصہ آیا، اس نے زخمی تہور کا پہلے شکریہ ادا کیا اور بولا۔ ”جن جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے، مجھے ان کے نام بتلاؤ، میں ان سے اس کا حساب لوں، حالانکہ اہل کلوم کو تو تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا۔ مجھے ان لوگوں کا نام بتلاؤ، میرا خون کھول رہا ہے۔ اپنے محسن کو اہل کلوم نے تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔“

تہور نے تکلیف کے باعث آہستہ آہستہ کہا۔ ”یہ تو معصوم عوام ہیں بیچارے شرپسند لوگوں کی سازشوں کا شکار ہوجاتے ہیں، اور شرپسندوں کا مرکز ایک ہی شخص ہوتا ہے اور اسے میں جانتا ہوں کہ وہ کون ہے؟“ راجہ نے شدید غصہ کے عالم میں اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ جلدی بتاؤ اس شرپسند کا نام۔“

تہور نے کہا۔ ”وہ تم شرپسند اور مفاد پرست راجہ ہو جس نے اپنی عوام کو شنطورہ چڑیل کے ظلم وعذاب کے نشانہ پر رکھنا چاہتے تھے۔“

”کیا بکواس کررہے ہو گستاخ، میں تمہاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گردن اڑا دوں گا، تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔ کیا میں نے وہ شر پسند بھیجے تھے جو کہ تمہارے محل میں رکاوٹ ڈال کر اسے ناکام بنانا چاہتے تھے۔'' راجہ نے طیش میں کہا۔

''جی ہاں۔'' تہور نے کہا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''مجھے یہ کھٹی چڑیل نے بتلایا ہے کہ قنوج کے راجہ نے اندرون خانہ یہ چاہا تھا کہ میری عوام ہمیشہ پریشان رہے اور سکھی نہ ہو۔ تم بظاہر ان حکمرانوں میں سے ہو۔ جو عوام کے سامنے اچھے خوش اخلاق، ان کے دکھ درد کے ساتھی۔ مددگار، ہمدرد ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں تم جیسے حکمرانوں کے دل کے اندر طویل اقتدار کی ہوس کبھی نہیں مرتی۔ تم ہی نے شر پسند بھیجے تھے۔ میں نے اپنے علم کے مطابق ان فسادیوں کے نام بھی معلوم کر لئے ہیں۔ کہو تو اہل کلوم کے سامنے بیان کر دوں۔''

''ہاں، بتلاؤ'' راجہ نے اپنی زبان سے ٹوٹتے۔ لڑکھڑاتے الفاظ میں یہ بات کہی۔

تہور نے صرف دو نام لیے۔ وہ دو نام ہجوم میں ہی موجود تھے۔ تہور نے ان دونوں کو اپنے پاس بلا کر پوچھا۔ ''صاف صاف بتلاؤ کہ تمہیں واقعی راجہ نے اس کام کے لئے بھیجا تھا کہ ایسے حالات پیدا کرو کہ میرا عمل ناکام ہو جائے۔''

''ہاں تم سچ کہتے ہو۔'' ان میں سے ایک بولا پھر دوسرے نے اس کی تائید کر دی۔

''میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔'' راجہ نے تہور سے کہا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں تو پہلے ہی موت کی دہلیز پر کھڑا ہوں۔ بلکہ اپنے جلادوں کو کہہ کہ میری گردن اڑا دیں۔ تاکہ مجھے اس تکلیف دہ اور اذیت ناک زندگی سے چھٹکارہ مل جائے۔'' پھر تہور نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''دیکھو یہ نئی چیل کھٹی چڑیل اس وقت تک آسمان سے مستقل طور پر نہیں ہٹے گی جب تک اپنی پہلی اور آخری انسانی جان کی قربانی نہیں لے لیتی۔

عوام میں سے بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔ ''کونسی اور کیسی جان کی قربانی؟''

تہور کے منہ سے اب زیادہ خون نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے کہا ''کھٹی چڑیل مجھ سے اپنی زبان میں کہہ رہی ہے کہ عوام نے ایک طویل عرصہ تک شطورہ چڑیل کو اپنے لہو کی قربانی دی ہے۔ اب یہ اس وقت تک یہاں منڈلاتی رہے گی جب تک راجہ اپنی جان کی قربانی نہ دے دے۔''

''یہ نہیں ہو سکتا، میں عوام کی خاطر اپنی جان کی قربانی کیوں دوں۔'' راجہ اینٹھ گیا۔

''دیکھو راجہ صاحب آپ کا مجھ سے وعدہ تھا کہ میں شطورہ چڑیل کو بھگانے کے عوض جو آپ سے مانگو گا، وہ آپ دیں گے تو میں آپ کی جان ہی تو مانگ رہا ہوں۔ دیکھو میں بھی تو ناحق مر رہا ہوں اور آپ تو حق پر مر جائیں۔''

''راجہ صاحب آپ اپنی جان کی قربانی دے دیں۔ ہم نے بھی تو برسوں اپنی جانیں دی تھیں۔'' عوام میں آوازیں گونجنے لگیں، پھر یہ ہوا کہ عوام نے اپنے سر سے کھٹی چڑیل سے مستقل جان چھڑانے کی خاطر تہور کی بات پر یقین کرتے ہوئے بار بار راجہ قنوج سے اس کی جان کی آخری قربانی مانگی، راجہ بدستور انکار کرتے ہوئے محل کی جانب بھاگنے لگا۔ بالآخر اہل کلوم نے راجہ کو زبردستی پکڑ کر زدوکوب کیا کہ وہ نڈھال ہو گیا۔ آسمان پر اڑتی کھٹی چیل نے ایک خوفناک جھپٹا مارا اور بجلی کی مانند جھپٹ کر زخمی منافق راجہ کا نڈھال جسم اٹھا کر آسمان کی وسعتوں میں غائب ہو گئی۔ اسی لمحہ تہور نے ہچکی لی اور دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کے بعد کبھی کسی چیل نما چڑیل نے اہل کلوم سے انسانی لہو کا خراج نہیں مانگا۔

یقین

فاروق سلیم

آخری حصہ

جنات شرر قبیلہ کا سردار کانجو کا سمندر کی ساتویں تھہ میں رھتا ھے اس کے ساتھ شیطانی طاقتیں ھیں اسے مارنے کا طریقہ یہ ھے کہ اس کے دونوں پائوں کے انگوٹھے کاٹ کر ان پر جلتا کوئلہ ڈال دیا جائے اور اس کے بالوں میں آگ لگادی جائے تو اس کی موت واقع ھوجائے گی

خیر و شر کے درمیان ہونے والا ایک حیرت انگیز خونی مقابلہ جو کہ لرزا کر رکھ دے گا

''**حاجی** صاحب عصر کی اذان کا وقت ہو رہا ہے۔ میں نماز سے فارغ ہو کر آپ کے بیٹے سے ملنا چاہوں گا۔'' میں نے حاجی امداد سے کہا۔

''ہاں جی۔ بالکل۔ مسجد نزدیک ہی ہے۔ تو آؤ چلیں۔ اتنی دیر میں اذان بھی ہو جائے گی۔'' حاجی امداد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے اور یوسف نے اثبات میں سر ہلایا اور حاجی امداد کے پیچھے ہو لیے۔

نماز سے فارغ ہو کر میں کچھ دیر مسجد میں ہی آنکھیں بند کر کے اپنے دماغ کی مدد سے حاجی امداد کی حویلی کا جائزہ لیتا رہا۔ کچھ دیر میں ساری حقیقت میری نظروں کے سامنے آ چکی تھی۔

حویلی پہنچ کر ہم سیدھے حاجی امداد کے چھوٹے لڑکے عبداللہ کے کمرے میں آ گئے..... عبداللہ بیس سال کے قریب تھا۔ اسکا جسم اس حد تک کمزور ہو چکا تھا کہ ایسے لگ رہا تھا کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔ وہ سیدھا لیٹ کر کمرے کی دیوار کو گھور رہا تھا۔

مگر ہم لوگ جیسے ہی اندر داخل ہوئے۔ وہ جلدی سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں ساکت تھیں۔

''عبداللہ بیٹا۔ مہمان تم سے ملنے آئے ہیں.....'' حاجی امداد نے پیار سے عبداللہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا..... ان کو میرے کمرے سے جلدی سے نکالو.....'' عبداللہ نے اچانک اونچی آواز میں چیختے ہوئے کہا۔

''عبداللہ یہ تمہیں کیا ہو گیا۔ مہمانوں سے ایسے بات کرتے ہیں.....'' حاجی امداد نے غصے سے کہا۔

''بڈھے اپنے مہمانوں کو لے کر نکل جا یہاں سے..... ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا.....'' عبداللہ نے حاجی امداد کو دھکا مارتے ہوئے کہا۔

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر حاجی امداد کو سنبھال لیا۔ ''حاجی صاحب..... آپ کچھ دیر کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔ عبداللہ بھائی کے ساتھ میں اکیلے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو دھکا عبداللہ نے نہیں دیا۔ اس پر حاوی شیطان نے دیا ہے..... بس اب آپ کوئی بات نہیں کریں گے اور باہر جا کر اللہ کا ذکر کریں۔'' میں نے حاجی امداد کو کمرے سے باہر بھیج دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یوسف یہ مردود بھاگنا نہیں چاہیے۔'' میں نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ نہیں بھاگے گا۔'' یوسف نے جواب دیا۔

وہ ایک سیاہ رنگ کا بدہیت جاندار تھا۔ جس کی لمبی سیاہ زبان اس کے منہ سے نکلی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں ایک دم لال انگارہ تھیں۔ سر کا آدھا حصہ اس بری طرح جلا ہوا تھا کہ اس میں سے پھٹا ہوا دماغ تک دکھائی دے رہا تھا۔

اس بدہیت جاندار نے خطرہ محسوس کرلیا تھا۔ اس لیے اس نے عبداللہ کے جسم کو چھوڑا..... اور دوسرے لمحے غائب ہوگیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یوسف بھی غائب ہو چکا تھا۔ عبداللہ کا زردی مائل رنگ تیزی سے سرخی مائل ہو رہا تھا۔ مگر عبداللہ اس وقت بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اس کو اس وقت ہوش میں لانا مناسب نہ سمجھا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ یوسف اپنے اصل روپ میں اس جاندار کو ایک ہاتھ میں پکڑے ظاہر ہوا۔ اس جاندار کی چیخوں سے پورا کمرا اس طرح گونج رہا تھا۔ جیسے کسی کو ذبح کیا جا رہا ہو مگر میں نے اس کے چیخنے کی پروا نہیں کی۔

''کون ہو تم.....'' میں نے اس بدہیت جاندار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان..... یہ زمین کی تہہ میں رہنے والی جہنمی مخلوق ہے جو کہ شیطان کے زیر اثر ہوتی ہیں۔ کالا جادو اور سفلی عمل کرنے والے لوگوں کی زبان میں ان کو بیر کہا جاتا ہے۔ جو ان کے سفلی عملیات پورا کرنے کے بدلے میں ان سفلی عاملوں کے غلام بن جاتے ہیں۔'' یوسف نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یوسف کیا اس کے ذریعے اس عامل تک پہنچا جا سکتا ہے، جس نے یہ عمل کیا ہے۔'' میں نے یوسف سے کہا۔

''نہیں.....'' یوسف نے مختصر سا جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے۔ اس کو تو جا کر جلا دو.....'' میں نے یوسف سے کہا۔

اگلے ہی لمحے یوسف اس مخلوق کو لیے غائب ہو چکا تھا۔

میں نے باہر جا کر حاجی امداد کو اطلاع دی جو بے چینی سے دروازے کے باہر ہی ٹہل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد عبداللہ بھی ہوش میں آچکا تھا۔ اب اس کی صحت پہلے سے بہتر نظر آرہی تھی۔

''حاجی صاحب آپ کو مبارک ہو کہ عبداللہ اس وقت پوری طرح تندرست ہو چکا ہے۔ اب اللہ نے چاہا تو بہت جلد آپ کے دونوں بیٹے بھی مل جائیں گے اور آپ کی بیوی بھی صحت یاب ہو جائیں گی۔'' میں نے حاجی امداد سے کہا۔

''بیٹا مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تم ہمارے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔'' حاجی امداد نے مجھے گلے لگا کر گلوگیر آواز میں کہا۔

''حاجی صاحب آپ کی حویلی کے پیچھے ایک باغ ہے۔ آپ کی تمام مشکلات سے چھٹکارے کا حل اسی باغ میں ہے۔'' میں نے عبداللہ کو غسل کرنے کا کہتے ہوئے حاجی امداد صاحب سے کہا۔

''اوہ مگر تمہیں ہماری حویلی کے پچھلے باغ کا کیسے پتہ چلا۔'' حاجی امداد نے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔

''بس حاجی صاحب کچھ باتیں راز میں رہیں تو اچھا ہے۔ بس آپ اس باغ تک میری رہنمائی کریں۔'' میں نے حاجی امداد سے کہا۔

کچھ دیر میں ہم باغ میں پہنچ چکے تھے۔ مگر باغ پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ درخت، پھول پودے سب مرجھا چکے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ باغ پر خزاں کا موسم آگیا ہو۔

''حاجی صاحب کیا اس باغ کا خیال نہیں رکھا جاتا.....'' میں نے باغ کی حالت دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا یہ باغ ایک سال پہلے تک بہت ہرا بھرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ مگر جب سے میرے خاندان کا زوال شروع ہوا ہے۔ تب سے اس کی حالت یہ ہوگئی ہے۔ میں نے کافی کوشش کی ہے کہ اس کو ٹھیک کیا جائے مگر یہ باغ اتنی محنت کرنے کے بعد بھی ویران ہوتا چلا گیا اور اب اس کی حالت یہ ہوگئی ہے۔'' حاجی امداد نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''صحیح.....!'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے حاجی صاحب..... آپ واپس حویلی میں جائیں..... میں کچھ دیر اس باغ میں رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا..... تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے بھی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔'' حاجی امداد نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

حاجی امداد کے جاتے ہی یوسف ظاہر ہو چکا تھا۔

''یوسف میں یہ معلوم کر چکا ہوں کہ اس باغ میں موجود کسی درخت کے نیچے حاجی امداد کے خاندان کے پتلے بنا کر دبائے گئے ہیں۔ مگر اب وہ درخت ڈھونڈنا ہے کہ وہ کونسا درخت ہے۔ یہ سب باتیں مجھے سردار ذوالقرنین نے بتائی ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس جادو کے توڑ کا طریقہ بھی مجھے ذہن نشین کرایا جا چکا ہے۔ میں نے کچھ دیر پہلے سردار ذوالقرنین سے رابطہ کیا تھا۔'' میں نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یوسف کچھ دیر تمام درختوں کو بغور دیکھتا رہا۔

''نہیں خاور چوہان..... میں اس بات کا اندازہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ ان درختوں میں پتلے کہاں چھپائے گئے ہیں۔'' یوسف نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ اس کے لیے مجھے کوشش کرنی پڑے گی۔ آج کی رات میں اس باغ میں گزاروں گا۔ تمہارے ذمہ یہ کام ہے کہ تم جبران ملک کے معمولات پر اس طرح جا کر نظر رکھو کہ اس کو معلوم نہ چل سکے کہ کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ کیونکہ مجھے پختہ یقین ہے کہ اس سارے سلسلے کے پیچھے بھی اسی مردود کا ہاتھ ہے۔ مگر تمہیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم چلا ہے۔ جبران ملک شیطان کا پیروکار بن چکا ہے۔ اب جانے سے پہلے تم مجھے کچھ اشیاء فراہم کردو اور آج کی رات کے عمل میں تم میری کوئی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

سردار ذوالقرنین نے اپنے قبیلے کے عالم جنات سے رابطہ کرنے کے بعد مجھے پوری تفصیل بتا دی ہے۔ اس کام کو مجھے اکیلے ہی کرنا ہوگا۔'' میں نے کچھ چیزوں کا نام بتاتے ہوئے یوسف سے کہا۔

یوسف نے اثبات میں سر ہلایا اور غائب ہوگیا..... یوسف کی واپسی تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی۔ اس نے ایک تھیلا میری طرف بڑھا دیا۔ جس میں میری مطلوبہ اشیاء تھیں۔ اس کے بعد یوسف نے مجھ سے رخصت لی اور پھر سے غائب ہوگیا۔

مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ اس لیے میں واپس حویلی میں آ گیا۔ اس کے بعد کافی دیر تک حاجی امداد صاحب کے ساتھ نشست جاری رہی۔ حاجی امداد نے یوسف کے بارے میں پوچھا۔ ان کے جواب میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ وہ ضروری کام سے واپس جا چکا ہے۔ جب دس بج گئے تو حاجی صاحب سے رخصت لے کر واپس باغ میں آ گیا۔ پھر اپنے تھیلے میں سے ایک بڑی کالی چادر نکالی اور اس کو زمین پر بچھا دیا اور ایک سفید چادر کو ایک جانب مرجھائے ہوئے پودوں پر ڈال دیا۔

میں زمین پر ایک حصار بنا کر بیٹھ گیا اور زیر لب کچھ آیات کا ورد کرنے لگا۔ تقریباً تین گھنٹے کا عمل تھا۔ اس عمل کے دوران مجھے ان آیات کا ہی صرف ورد کرنا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ایک بج چکا تھا کہ اچانک ایک طرف مرجھائے ہوئے درختوں کی جڑوں سے دھواں نکلنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس میں ویسی ہی مخلوق نکلنے لگی جو عبداللہ کے سر پر سوار تھی اور یوسف کے ہاتھوں جل کر خاک ہوگئی تھی۔

سوا یا ڈیڑھ سو کے قریب مخلوق تھی جو میرے حصار کے باہر کھڑی اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ میرا ورد ختم ہو چکا تھا۔ پودوں پر ڈالی گئی سفید چادر کا رنگ خون کی طرح سرخ ہو چکا تھا۔ اب اگلا مرحلہ اس مخلوق کو جہنم واصل کرنے کا تھا۔ مگر ذرا سی بھی غلطی مجھے موت کے منہ میں لے جا سکتی تھی۔ میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور ایک بڑا سا شیشے کا مرتبان باہر نکال لیا۔ اس مرتبان میں کچھ ریت جمع تھی۔ میں نے وہ ریت لے کر اپنی ہتھیلی پر ڈالی اور اس کو فضاء میں پھونک دیا۔ ہر طرف سے چیخ و پکار کی آوازیں آنی شروع ہو چکی تھیں۔ وہ مخلوق ڈر کر مرجھائے ہوئے درختوں کی طرف بھاگ رہی تھی۔ میں نے اپنے تھیلے میں سے اپنا آخری ہتھیار نکالا جو ایک دو فٹ لمبا ایک لوہے کا ڈنڈا تھا۔ اس ڈنڈے کو لیے میں اپنے حصار سے باہر آ گیا۔ میں نے جیسے ہی حصار سے باہر قدم رکھا۔ وہ جہنمی مخلوق ایک دم سے میری طرف رخ کر کے چلنے لگی۔ ان کے اور میرے درمیان کا فاصلہ چند قدموں کا رہ چکا تھا کہ اسی وقت ایک زوردار دھماکہ میری پشت کی جانب ہوا۔ مگر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔ کیونکہ یہ مجھے بھٹکانے کی چال تھی۔ اسی وقت مخلوق کے درمیان سے سیاہ دھواں اٹھنے لگا اور ایک کالا سیاہ انسان جس نے صرف ایک لنگوٹ باندھ رکھا تھا' ظاہر ہوا۔ اس کے ظاہر ہوتے ہی تمام مخلوق اس کے قدموں جھک گئی۔

''کیوں رے مورکھ..... کیوں ہمارے بیروں کو تنگ کرنے آیا ہے۔'' اس آدمی نے میرے سامنے رکتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو یہ مخلوق تمہاری وجہ سے اس خاندان کے لوگوں کو تنگ کر رہی ہے۔'' میں نے غصے سے جواب دیا۔

''ہاہاہا..... مورکھ تو اس وقت گردھاری لال کے سامنے کھڑا ہے۔ جس کے سامنے آنے سے جنات بھی ڈرتے ہیں۔ تو نے اچھا کیا کہ اپنے مترجن کو یہاں سے بھگا دیا۔ ورنہ اس کو دھرتی کی آخری تہہ میں پھینک دیتا۔ اس نے میرا ایک بیر جلا دیا ہے مگر کوئی بات نہیں۔ اس سے تو بدلہ میں لے لوں گا مگر اس سے پہلے تیری آتما کو میں نرکھ میں ڈال دیتا ہوں۔'' گردھاری لال نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''گردھاری لال اب بھی وقت ہے۔ تم اپنے بیروں کو لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ.....'' میں نے کہا۔

''اوہ مورکھ تیری یہ جرات کہ تو گردھاری لال کو آنکھیں دکھائے۔'' گردھاری لال غصے میں بولا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ بلند کیا تو میرے اردگرد کی زمین زور زور سے ہلنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ پھر زمین ایک طرف سے پھٹ گئی..... میں نے لوہے کا ڈنڈا مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں زلزلہ رک گیا اور پھٹی ہوئی زمین سے سانپ نکلنے لگے۔ میں نے جلدی سے پودوں پر رکھی چادر کی طرف دوڑ لگا دی جو اب سرخ رنگ کی ہو چکی تھی۔

سانپ بھی تیزی سے میری طرف لپک رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں سانپ میرے پیروں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ میں نے پھرتی سے وہ چادر پودوں سے اتاری اور ان کو سانپوں کے اوپر ڈال دیا۔ چادر کے اندر سے درد بھری غیر انسانی آوازیں ابھرنے لگیں اور چادر کے نیچے ہلچل مچ گئی۔ مگر وہ ہلچل زیادہ دیر جاری نہ رہی اور پھر چادر سے سیاہ رنگ کا دھواں اٹھا اور وہ دھواں واپس پھٹی ہوئی زمین میں جا کر غائب ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی زمین پھر سے اپنی پہلے والی حالت میں آ چکی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر چادر اٹھالی۔ ایک بھی سانپ باقی نہیں بچا تھا۔ گردھاری لال نے اپنے سفلی عمل سے اپنے بیروں کو سانپوں کی شکل میں بلایا تھا جو ہلاک ہو کر دھویں کی شکل میں واپس زمین میں جا چکے تھے۔ میں نے چادر کو جلدی سے دو ٹکڑوں میں پھاڑا اور پھر ایک ٹکڑا اپنے بازو کے ساتھ باندھ کر ایک ٹکڑے کو لوہے کے ڈنڈے کے ساتھ باندھ دیا۔ یہ کام میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس قدر پھرتی سے کیا تھا کہ گردھاری لال جو اپنے بیروں کے مرنے کی وجہ سے حیرت کی وجہ سے بت بنا کھڑا تھا۔ کچھ نہ کرسکا..... میں اب لڑنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے ایک پرزور تکبیر بلند کی اور چادر کا ایک کونا اپنے ہاتھ میں پکڑ کر ڈنڈے کو گھماتا ہوا گردھاری لال کے بدشکل بیروں پر حملہ کردیا..... میرا حملہ کچھ اس قدر زوردار تھا کہ گردھاری لال اور اس کے بیر کچھ نہ کرسکے اور چند منٹوں میں اس کے بیس تیس بیر ہلاک ہو کر دھویں میں بدل چکے تھے۔

''ارے او..... رک جا۔ کیوں اپنی موت کو آواز دے رہا ہے۔'' گردھاری لال حیرت کے جھٹکے سے نکلتا ہوا چلایا۔

اس نے ایک دفعہ پھر اپنا بایاں ہاتھ ہوا میں بلند کیا..... کہ آگ کے بلند شعلے میری طرف لپکے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مجھ پر آگ کی بارش ہوگئی تھی۔ میں نے اپنے بازو کے ساتھ بندھی چادر کا ٹکڑا اپنے سامنے پھیلا دیا۔ آگ کے شعلے جیسے جیسے چادر کے ساتھ ٹکرا رہے تھے۔ چادر کا رنگ سفید ہوتا جارہا تھا۔ ابھی تک کوئی بھی آگ کا شعلہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکا تھا..... اچانک گردھاری لال نے اپنے بیروں کو اشارہ کیا اور وہ سب کے سب زمین میں غائب ہونے شروع ہوگئے۔ مگر اگلے ہی لمحے اچانک میرے دونوں پاؤں کسی کی گرفت میں آچکے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو گردھاری لال کے بیر میرے آس پاس سے زمین سے نکل رہے تھے اور ان میں سے کئی بیروں نے میرے پاؤں پکڑ رکھے تھے۔ پھر ایک زوردار جھٹکے سے میں زمین پر گرگیا۔ میرے بازو سے بندھ ہوا چادر کا ٹکڑا بھی زمین پر پھیل گیا۔ جس کی وجہ سے میں براہ راست آگ کے شعلوں کی گرفت میں آگیا تھا۔ جنھوں نے مجھے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے لیٹے لیٹے ہی اپنا ہاتھ گھمایا اور لوہے کا ڈنڈا گھومتا ہوا ان بیروں کے سر پر لگا جو میرے پاؤں اپنی گرفت میں رکھے ہوئے تھے۔ میرے اس وار سے ان بیروں نے میرے پاؤں چھوڑ دیئے اور چیختے ہوئے دھویں میں تبدیل ہوگئے۔ میں نے تیزی سے چھلانگ ماری اور زمین پر بچھائی سیاہ چادر کے اوپر تیزی سے لوٹ گیا۔ جس کی وجہ سے میرے کپڑوں کو جلاتی آگ فوراً بجھ گئی۔ میں ایک بار پھر سے کھڑا ہو چکا تھا۔ مگر اب گردھاری لال کے بیر مجھے زمین کے نیچے سے نہیں پکڑ سکتے تھے۔ کیونکہ میں سیاہ چادر پر کھڑا تھا۔

گردھاری لال مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''دیکھا مورکھ..... تیری حالت کیسی بنادی ہے۔'' گردھاری لال نے تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

جواب میں میں نے اپنے بازو سے بندھی چادر اتاری اور پھر تیزی سے دوڑتا ہوا گردھاری لال کی طرف لپکا۔ گردھاری لال کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس کی طرف کیوں بھاگ رہا ہوں۔ اس کے قریب پہنچتے ہی میں نے چادر گردھاری لال کے اوپر ڈال دی۔ جس کے نتیجے میں فضا گردھاری لال کی چیخوں سے گونج اٹھی۔ گردھاری لال چادر سے نجات حاصل کرنے کے لیے بری طرح اچھل کود کررہا تھا۔ مگر چادر کسی جونک کی طرح گردھاری لال کے گرد چمٹ گئی تھی۔ گردھاری لال کے بیر اب ڈر کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر سے زوردار نعرہ لگایا اور ڈنڈے سے لپٹی چادر کو ہوا میں گھماتا ہوا گردھاری لال کے بیروں پر حملہ کردیا۔ کچھ ہی دیر میں تمام بیر مر کر دھویں میں تبدیل ہوکر غائب ہوچکے تھے۔ گردھاری لال اب بھی زمین پر گرا ہوا تڑپ رہا تھا۔

''مم..... مجھے معاف کردو..... میں اب تمہارے رستے میں نہیں آؤں گا۔'' گردھاری لال نے چیختے ہوئے کہا۔

''ابھی تو تم بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کررہے تھے۔ اب کیا ہوا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے معاف کردو.....'' گردھاری لال چیخ رہا تھا۔

''اچھا ایک صورت میں تمہیں معاف کرسکتا

ہوں۔ اس باغ میں جہاں تم نے اس خاندان کے پتلے بنا کر زمین میں دبائے ہیں۔ ان کو نکال کر میرے سامنے حاضر کرو۔'' میں نے کہا۔

کچھ ہی دیر میں گردھاری لال نے وہ پتلے میرے سامنے لاکر پھینک دیئے..... میں نے وہ پتلے سیاہ چادر کی مدد سے اٹھائے اور ان کو ایک طرف بنے ہوئے تل کے نیچے رکھ کر اس پر پانی کھول دیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ پتلے غائب ہوچکے تھے۔

''تم گردھاری لال اگر تم معافی چاہتے ہو تو بتاؤ' اس خاندان پر یہ سفلی عمل کس کے کہنے پر کیا تھا۔ اور اس خاندان کے دو افراد کدھر ہیں۔'' میں نے گردھاری لال سے پوچھا۔

''مم..... مجھے جبران ملک نے کہا تھا اور دونوں لڑکے بھی جبران ملک کی قید میں ہیں۔ مجھے معاف کردو۔ میں ادھر کا رخ کبھی نہیں کروں گا۔'' گردھاری لال اب رونے پر آگیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔'' میں نے ایک جھٹکے سے چادر کو اس کے جسم سے اتارتے ہوئے کہا۔

مگر جیسے ہی چادر اس کے جسم سے علیحدہ ہوئی۔ اس نے پھرتی سے اپنی جیب سے ایک خنجر نکال کر میرے اوپر حملہ کردیا۔ اس کا خنجر میرے جسم سے چھوتا ہوا گزر گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرا حملہ کرتا۔ میں نے پوری قوت سے ڈنڈا اس کے سر پر دے مارا۔ گردھاری لال کا سر پھٹ گیا۔ میں نے ایک بار پھر ہاتھ بلند کیا اور ڈنڈا پوری قوت سے اس کی گردن میں گھسا دیا۔ گردھاری لال چند لمحے تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے مردہ جسم میں آگ لگ گئی۔ آگ کی حدت کچھ اس قدر تیز تھی کہ مجھے جلدی سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گردھاری لال کی ہڈیاں بھی راکھ بن چکی تھیں۔ میں نے زمین سے پرگری ہوئی سیاہ چادر میں گردھاری لال کی راکھ' سفید چادر کے ٹکڑے اور لوہے کا ڈنڈا رکھ کر اس کی گٹھری بنادی۔ پھر اپنی جیب سے ماچس نکال کر اس گٹھری کو آگ لگادی۔ لوہے کے ڈنڈے سمیت تمام چیزیں جل چکی تھیں۔ ان سب چیزوں کو کیونکہ جادو کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے ان کو جلانا پڑا۔ لوہے کا ڈنڈا بھی حیرت انگیز طور پر جل کر راکھ بن چکا تھا۔ اس کے بعد میں نے وہ راکھ اکٹھی کی اور مرتبان میں ڈالنے کے بعد مرتبان تھیلے میں ڈال دیا۔ پھر تھیلا لے کر میں حویلی سے باہر آگیا۔ میں نے یوسف کو یاد کیا تو یوسف اگلے ہی لمحے میرے سامنے کھڑا تھا۔

''یوسف اس تھیلے کو جا کر کسی دریا پر بہانا ہے۔'' میں نے یوسف سے کہا۔

''خاور چوہان کیا جادو کا خاتمہ ہوچکا ہے۔'' یوسف نے بے تابی سے پوچھا۔

میں نے یوسف کو سب تفصیل بتادی۔ جس کو سن کر یوسف خوشی سے ہنسنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد یوسف کی مدد سے وہ راکھ ایک دریا میں بہا کر فارغ ہوکر واپس حویلی آچکا تھا۔

''یوسف کچھ پتہ چلا۔ حاجی امداد کے لڑکے کہاں ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

مگر یوسف نے نفی میں سر ہلادیا۔

''اور جبران ملک کے بارے میں کیا معلومات ہے۔'' میں نے مزید پوچھا۔

''جبران ملک شیطان کا چیلا بن چکا ہے۔ جس کی وجہ سے شیطان نے اس کو کافی کالی شکتیاں دے دیں اور ان شکتیوں کے بل بوتے پر اس نے اپنے علاقے اور اردگرد کے علاقوں میں ظلم کی انتہا کررکھی ہے۔ کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں ہے۔ آج بھی اس کے کارندے ایک لڑکی کو اغوا کرکے لے جارہے تھے۔ مگر میری دخل اندازی کی وجہ سے وہ لڑکی اپنے گھر میں محفوظ طریقے سے پہنچ چکی ہے اور اس کے کارندے موت کا شکار ہوچکے ہیں۔ اس کے علاوہ شیطان کو خوش کرنے کے لیے وہ بدذات جبران ملک مہینے میں دو دفعہ نومولود بچوں کو شیطان کے مجسمے کے سامنے ذبح کرتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یوسف نے نفرت سے تفصیل بتاتے ہوئے کہا

"حاجی امداد کے لڑکے بھی جبران ملک کے قبضے میں ہیں۔ اب ہمارا اگلا قدم جبران ملک کے خلاف ہوگا۔ یوسف تم ایک کام کرو۔ اب تم انسانی نظروں سے اوجھل ہو کر میرے ساتھ رہو گے۔" میں غصے سے کانپ اٹھا تھا۔

اتنی دیر میں صبح کی اذان ہو چکی تھی اور حاجی امداد بھی نماز کے لیے اٹھ چکا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاجی امداد میرے کمرے میں آ گیا اور ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ کر رات کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"خاور بیٹا..... رات کو بہت خوفناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تم خیریت سے تو ہو۔" حاجی امداد نے فکرمندانہ لہجے میں پوچھا۔

"جی حاجی صاحب۔ اللہ کا کرم ہو گیا۔ آپ کی حویلی سے سفلی عمل کا خاتمہ ہو چکا ہے..... اور اب آپ کا باغ بھی پھر سے ہرا بھرا ہو جائے گا..... اور باقی رہی بات آپ کے دونوں بیٹوں کی تو وہ بھی بہت جلد آپ کے پاس ہوں گے۔" میں نے مناسب الفاظ میں حاجی امداد کو کچھ تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا..... اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" حاجی امداد کی آنکھیں ایک دم مسرت سے جگمگا گئیں۔

☆☆☆

اسی وقت تاجو اندر داخل ہوا..... اور دوڑتا ہوا حاجی امدار کے پاس آ کر اس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔

"تم ان کو دروازے پر روکو۔ میں آتا ہوں۔" حاجی امداد نے کہا۔

تاجو بھاگتا ہوا پھر سے دروازے سے نکل گیا۔

"خیر تو ہے حاجی صاحب....." میں نے پوچھا۔

"بیٹا..... پولیس دروازے پر آئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تم ایک مفرور مجرم ہو اور میری حویلی میں چھپے ہوئے ہو۔" حاجی امداد نے آہستہ آواز میں کہا۔

"حاجی صاحب کچھ سال پہلے میں مفرور تو ہوا تھا۔ مجھے پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی اور مجھے میرے ہی خاندان کے قتل کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا اور یہ سب جبران ملک کی وجہ سے ہوا تھا۔" میں نے حاجی امداد کو مختصراً اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ تم بھی جبران ملک کے ظلم کا شکار ہو۔ مگر بیٹا اب کیا کرنا ہے۔ پولیس دروازے کے باہر آ چکی ہے۔" حاجی امداد نے کہا۔

"حاجی صاحب آپ اس بارے میں پریشان نہ ہوں۔ میں اب کمزور نہیں ہوں۔ اللہ کی مہربانی ہے مجھ پر۔ میں ان سے نمٹ سکتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ آپ دروازے پر جائیں....." میں نے حاجی امداد کو کہا۔

حاجی امداد سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"خاور تم اگر کہو تو ان سب پولیس والوں کو اٹھا کر کہیں دور پھینک آؤں۔" یوسف نے میرے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"نہیں یوسف۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ ایسا کام ہو کہ یہ پولیس والے دوبارہ میرے پیچھے نہ آئیں۔ اس کے لیے میرے ذہن میں ایک طریقہ کار ہے۔" میں نے تین دفعہ سردار طرم کا نام لے کر ہوا میں پھونک دیا۔

کچھ ہی لمحوں میں سردار طرم میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"سردار طرم کی زبانی معلوم چلا کہ وہ قبیلہ بھی مسلمان ہو کر سردار ذوالقرنین کو اپنا سردار مان چکا ہے۔"

میں نے اور یوسف نے سردار طرم کو مبارکباد دی۔

"سردار مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک طرح سے مجھے تمہارے سارے قبیلے کے جنات کی ضرورت ہے۔" میں نے سردار طرم کو کہا۔

"خاور چوہان..... تمہارے لیے میں اور میرا پورا قبیلہ حاضر ہیں۔" سردار طرم نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"سردار میں پولیس کے سامنے جا رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم سب جنات کسی بھی بھیانک روپ میں میرے ساتھ اس طرح رہو کہ صرف پولیس والوں کو نظر آ سکو۔ تاکہ وہ ڈر جائیں اور پھر میری طرف رخ نہ کریں۔" میں نے مختصراً اپنا ماضی سردار طرم کو بتاتے

ہوئے اپنا منصوبہ بتایا۔

سردار طرم نے اثبات میں سر ہلایا اور غائب ہو گیا۔

"یوسف جب تک میں پولیس سے نمٹتا ہوں۔ تم پولیس اسٹیشن سے اور عدالت سے میری فائل گم کر کے اس کو جلا کر دریا میں بہا دو۔ تاکہ پولیس کے پاس سے میرا ریکارڈ ختم ہو جائے۔" میں نے یوسف سے کہا۔

یوسف بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا غائب ہو گیا۔

اگلے ہی لمحے میں قریباً سارا قبیلہ ہی سردار طرم کے ساتھ حاضر ہو چکا تھا۔ سب اس وقت اس قدر بھیانک شکل میں تھے کہ ان کو دیکھ کر واقعی کمزور دل افراد کی موت واقع ہو سکتی تھی۔

میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بیرونی دروازے پر آیا۔ جہاں پر پولیس اور حاجی امداد میں بحث ہو رہی تھی۔ میں چلتا ہوا بالکل انسپکٹر کے سامنے جا کر کھڑا ہو چکا تھا۔

"اوہ تو تم یہاں ہو۔ پہلے تو تم فرار ہو گئے تھے۔ مگر اب تمہاری روح ہی یہاں سے بھاگ سکتی ہے۔" انسپکٹر نے مجھے پہچان کر جلدی سے میرے بازو کو پکڑ لیا۔

"بھوت بھوت....." اچانک انسپکٹر کے ساتھ آنے والی پولیس کی بھاری نفری چلا اٹھی۔

پھر جس کا منہ جدھر سمایا وہ ادھر بھاگ لیا۔

انسپکٹر بھی کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے سردار طرم کو اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے پولیس کی گاڑیاں ہوا میں اڑ اڑ کر دور دور گرنے لگیں۔

میں نے انسپکٹر سے بازو چھڑا کر اس کے منہ پر اس قدر زور کا مکہ مارا کہ اس کے منہ سے کچھ دانت تک جھڑ گئے۔ وہ زمین پر گرا۔ مگر اگلے ہی لمحے سردار طرم کے ایک جن نے اس کو ایک ٹانگ سے پکڑ کر ہوا میں الٹا لٹکا دیا۔ باقی بھاگتے ہوئے پولیس والوں کا بھی ہی حال ہوا تھا۔ سب ہوا میں الٹے لٹکے ہوئے تھے۔ کئی تو ان میں سے بے ہوش ہو چکے تھے۔ میں نے سردار طرم کو اشارہ کیا کہ بس اتنا ہی بہت ہے تو سردار طرم کے ساتھیوں نے ہوا میں لٹکے ہوئے پولیس والوں کو زمین پر پھینک دیا۔ ان میں سے جو ہوش میں تھا' وہ چیختا ہوا سر پر پیر رکھ کر بھاگ گیا تھا اور جو بے ہوش ہو چکے تھے۔ میرے اشارے پر ان کو اٹھا کر پولیس اسٹیشن جا کر پھینک دیا گیا۔ میں نے سردار طرم کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ اپنے قبیلے والوں کے ساتھ غائب ہو گیا۔

دروازے کے باہر حاجی امداد اور اس کے ملازم بت بنے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

"حاجی صاحب چلیے اندر چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بیٹا یہ سب کیا تھا..... پولیس والے تو ایسے ڈر کر بھاگ رہے تھے۔ جیسے ان کے سامنے بھوت آ گیا ہو اور پھر ہوا میں معلق ہونا۔ اتنا حیرت انگیز منظر دیکھ کر تو میرا سر بھی گھوم گیا ہے۔" حاجی امداد اب بھی انہی مناظر میں کھویا ہوا تھا۔

"ارے چھوڑیں..... حاجی صاحب..... آپ اور آپ کے ملازموں نے جو دیکھا ہے۔ اس کو بھول جائیں۔" میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا حاجی صاحب بھوک لگ رہی ہے۔ ناشتے کا بندوبست تو کروائیں۔" میں نے بات بدلنے کے لیے کہا۔

"بالکل بیٹا..... چل بھئی تاجو..... آج ودیا سا ناشتہ تیار کروا جا کر....." حاجی امداد نے تاجو کو کہا۔

ابھی ہم ناشتہ کر کے فارغ ہوئے ہی تھے کہ تاجو نے آ کر اطلاع دی کہ گاڑی بن چکی ہے۔

"اچھا حاجی صاحب اب اجازت دیں۔ بہت جلد واپس آؤں گا آپ کے بیٹوں کے ساتھ۔" میں نے حاجی امداد سے رخصت لیتے ہوئے کہا۔

حاجی امداد گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ پھر اس سے مصافحہ کر کے میں نے گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی کا رخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج نگر جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔

☆☆

یوسف پھر سے انسانی شکل میں میرے ساتھ تھا۔ تین گھنٹوں کے بعد ہم لوگ راج نگر میں داخل ہو چکے تھے۔ میں نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ جہاں کبھی میں اور میرا خاندان رہا کرتا تھا۔ مگر اس وقت اس گھر میں ایک دوسرا خاندان آباد ہو چکا تھا۔

''ارے بھائی خاور تم.....'' اچانک ایک آواز سنائی دی۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو رحمت تھا..... وہ بھی میرے ساتھ جبران ملک کے حفاظتی دستے میں تھا۔

''ہاں میں..... جبران ملک کو بول دو جا کر کہ خاور چوہان واپس آ گیا ہے۔'' میں نے غصے سے لرزتے ہوئے کہا۔

''خاور بھائی تمہارے خاندان کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ بلکہ میں نے تو کافی کوشش کی تھی کہ کچھ مددگار مل جائیں اور جبران ملک کے لوگوں کو روکا جا سکے۔ مگر میں اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' رحمت نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''جو ہو چکا ہو وہ ماضی تھا مگر اب جو ہو گا۔ اس سے جبران ملک جیسے لوگ عبرت حاصل کریں گے۔ تم میرا یہ کام کرو۔ جا کر جبران ملک کو اطلاع کر دو کہ خاور چوہان گاؤں کے چوک میں موجود ہے۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

تو رحمت نے اثبات میں سر ہلا کر دوڑ لگا دی۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ جبران ملک کے کارندے بڑی تعداد میں ادھر جمع ہو گئے تھے۔ یہ سب وہی تھے' جنھوں نے میرے معصوم گھر والوں کو مارا تھا۔

''ایک بھی نہیں بچنا چاہیے۔'' میں نے یوسف سے کہا۔

اور پھر اپنے سامان سے مشین پسٹل نکال لیے..... میں اس انتظار میں تھا کہ جیسے ہی وہ قریب آئیں' ان پر گولیاں برسا دوں۔

میں نے اچانک اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ گولیوں کی آواز گونجتے ہی لوگ اپنے گھروں میں دبک گئے۔

جبران ملک کے کارندوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ مگر کوئی بھی گولی مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ میرے سامنے یوسف اپنا سینہ سجائے کھڑا تھا۔

اس کے بعد یوسف اپنے اصل روپ میں آ گیا۔ اس کا قد کسی بھی طرح بیس فٹ سے کم نہیں تھا۔ یوسف کو دیکھتے ہی جبران ملک کے کارندے گولیاں چلانا بھول گئے اور بھوت بھوت چلا کر واپس بھاگنے لگے۔ مگر میں نے جیپ کو انتہائی رفتار میں بھاگنے والوں پر چڑھا دیا۔

اسی دوران یوسف کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے اور باقی بچنے والے کارندے اس کے دونوں ہاتھوں کی پلیٹ میں آ کر ہلاک ہو گئے۔

''یوسف ان سب کی لاشوں کو جبران ملک کی کوٹھی میں پہنچا دو.....'' جبران ملک کے سارے کارندے مارے جا چکے تھے۔ میں نے جیپ کو موڑا اور تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا جبران ملک کی حویلی میں جا پہنچا..... پوری حویلی سنسان پڑی تھی۔ میں نے تہہ خانے کا رخ کیا۔

جہاں جبران ملک شیطان کی پوجا کرتا تھا..... میں بروقت پہنچا تھا۔ کیونکہ جبران ملک ایک بڑے سے بت کے سامنے دو لڑکوں کو ذبح کرنے والا تھا مگر میری دخل اندازی کی وجہ سے وہ ایک دم گھبرا گیا اور بڑا سا خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

اسی وقت پجاری لہات اور وہی ایک آنکھ والا بونا ظاہر ہوا جو جنگل میں مجھے بُرے نتائج کی دھمکیاں دے چکا تھا۔

وہ پجاری لہات مسلسل کچھ پڑھنے میں مصروف تھا۔ جبران ملک نے مجھے غافل پا کر زمین پڑا ہوا خنجر اٹھایا اور میری طرف پھینک دیا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ خنجر میرے جسم سے آر

پار ہوتا۔ میرا وفادار دوست یوسف ظاہر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ ایک دم سے بڑھا کر خنجر کو رستے میں ہی پکڑ لیا۔

یوسف مسلسل مقدس آیات کا ورد کر رہا تھا تاکہ پجاری لہات کا جادو اس پر نہ چل سکے۔ یوسف نے اچانک ہی پجاری لہات پر حملہ کر دیا اور اس کی گردن کو اپنے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ وہ ایک آنکھ والا بونا یوسف پر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھا ہی تھا' کہ میں نے پوری قوت سے دوڑتے ہوئے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر اس کے سر پر رسید کی اور ایک ہی ٹھوکر سے وہ بونا پوری قوت سے جا کر دیوار سے ٹکرا گیا' اس کے بھیجا کھل چکا تھا اور اس کے سر سے نکلنے والا خون اردگرد کی جگہ کو رنگین کر رہا تھا' اس کے بعد میں نے جبران ملک کی طرف رخ کیا' مگر جبران ملک فرار ہو چکا تھا۔

''خاور چوہان اس شیطان کو جلانے کے لیے آگ کی ضرورت ہے۔'' یوسف کی آواز سنائی دی۔

میں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی اور کچھ ہی دیر میں مٹی کا تیل اور ماچس لیے اندر داخل ہوا' پجاری لہات ابھی تک یوسف کے ہاتھوں سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا' مگر یہ بات اس کے بس میں نہ تھی۔

میں نے مٹی کا تیل لہات کو اوپر چھڑک دیا اور یوسف کو کہا۔ ''جیسے ہی میں ماچس سلگاؤں تو اس کو چھوڑ دینا۔''

میں نے ماچس سلگائی اور بجلی کی تیزی سے لہات کے اوپر پھینک دی۔ میری تیزی کی وجہ سے لہات کو اتنا بھی موقع نہ مل سکا کہ وہ یوسف کے ہاتھوں سے آزاد ہونے کے بعد غائب ہو سکتا۔ ہمارے دو دشمن ہلاک ہو چکے تھے۔

میں نے بت کے سامنے پڑے دونوں جوانوں کو ہوش دلایا۔ ہوش میں آنے کے بعد پتہ چلا تھا کہ وہ حاجی امداد کے بیٹے ہیں۔

اس کے بعد میں نے تہہ خانے میں موجود دونوں بتوں کو توڑ ڈالا۔ پھر یوسف کو بولا کہ ہم سب کو جیپ سمیت حاجی امداد کی حویلی میں پہنچا دے۔ مگر اس کے لیے دونوں جوانوں کو ایک دفعہ پھر سے بے ہوش کر دیا گیا۔

کچھ ہی دیر میں حاجی امداد کو اطلاع مل چکی تھی کہ اس کے بیٹے واپس حویلی پہنچ چکے ہیں۔ وہ بھاگتا ہوا آیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ حاجی امداد نے بہت کوشش کی کہ میں کچھ دن اس کی حویلی میں رک جاؤں۔ مگر میرا کام یہاں پر پورا ہو چکا تھا۔ اس لیے معذرت کر کے واپس آ گیا۔

واپس ہم لوگ اسی سرائے میں پہنچ چکے تھے۔ جہاں پر پہلے قیام کیا تھا۔ کمرے حاصل کرنے کے بعد میں نے یوسف کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا' کہ سردار ذوالقرنین کو پجاری لہات کے مرنے کی خوش خبری سنا آئے۔

اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی' میں نے غسل کر کے نماز پڑھی' نماز پڑھ کر فارغ ہوا ہی تھا' کہ سردار ذوالقرنین اور یوسف کمرے میں ظاہر ہوئے' ذوالقرنین نے مجھے اور یوسف کو مبارکباد دی اور شیطان کے پجاری کے مرنے کی وجہ سے اطمینان کا اظہار کیا۔

''افسوس اس بات کا ہے کہ وہ بدذات جبران ملک بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔'' میں نے سردار ذوالقرنین کو کہا

''خاور چوہان جبران ملک کو میرے ساتھی جنات قابو میں کر چکے ہیں اور اب وہ میرے قبیلے میں قید ہے۔'' سردار ذوالقرنین نے بہت اچھی خبر سنائی تھی۔

''مگر سردار تم نے اس کو کہاں اور کیسے قابو کیا۔'' میں نے ذوالقرنین سے پوچھا۔

''خاور تم لوگوں سے شکست کھانے کے بعد وہ شیطانی معبد میں بھاگا تھا' مگر اس رستے میں میرے ساتھیوں کا پہرا تھا' تاکہ شیطانی حرکتوں پر نظر رکھی جا سکے' تو انجانے میں یہ میرے ساتھیوں کے رستے میں آ گیا۔ جب میرے ساتھیوں نے مجھے اطلاع دی تھی تو اس وقت یوسف بھی میرے پاس پہنچا تھا' تو اسی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جبران ملک کو پہچانا تھا تو ہم دونوں فوری طور پر تمہیں خوش خبری سنانے آ گئے۔ ویسے بھی میرے قبیلے والے تمہاری آمد کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔'' سردار ذوالقرنین نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا اور سرائے کے مالک کو کرایہ ادا کرنے کے بعد یوسف اور سردار کے ہمراہ قبیلہ یاشان کی طرف جا رہا تھا' میں ایک بار پھر قبیلہ یاشان میں آ چکا تھا' قبیلے کے جنات مجھ سے ملنے آتے رہے' سب سے ملنے کے بعد میں نے جبران ملک سے ملنے کے لیے کہا' تھوڑی دیر میں جبران ملک کو میرے سامنے لایا گیا۔ جبران ملک کا سارا تکبر جھاگ بن کر بیٹھ چکا تھا' وہ اپنے شیطان کو رو رو کر مدد کے لیے پکار رہا تھا' مگر شیطان تو ہمیشہ انسان کی بربادی پر ہی خوش ہوتا ہے' تو وہ اس کی مدد کرنے کیوں آتا۔ میں نے سردار ذوالقرنین کو اس کی گردن کاٹنے کا اشارہ کر دیا' پھر جبران ملک کا تکبر بھرا سر کچھ ہی دیر میں مٹی میں پڑا ہوا تھا اور اس کا باقی دھڑ ایک طرف گرا ہوا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے شیطان کے مقابلے میں عزت دی۔ اب میری اگلی منزل وہ شیطانی معبد تھا جس کے بارے میں سردار ذوالقرنین نے بتایا تھا' میں شیطان کو ہر طرح کی اذیت سے دوچار کرنا چاہتا تھا' کیونکہ وہ میرے رب کا دشمن تھا۔ میں نے یوسف اور سردار ذوالقرنین کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

دونوں ہی نے میرے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا' کہ خاور چوہان ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اللہ ہمیں شیطان کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائے گا۔

مجھے اور یوسف کو اس بار افریقہ کے گھنے جنگلوں میں سفر کرنا تھا۔ ایک جن زادے کے ہوتے ہوئے فاصلے میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھ رہے تھے۔ یوسف نے مجھے کچھ دیر میں میری مقررہ جگہ پر پہنچا دیا تھا۔ ہم لوگ گھنے جنگل کے تقریباً وسط میں پہنچ چکے تھے اور شیطان کا معبد زمین پر بوجھ بنا نظر آ رہا تھا۔ یہ معبد بھی سیاہ رنگ کا تھا' مگر اس پر تازہ خون بہتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ معبد کے داخلی دروازے کے باہر ایک ویسا ہی شیطانی مجسمہ نصب تھا جس کو میں پہلے توڑ آیا تھا۔ مگر یہ مجسمہ پتھر کی بجائے زندہ لگ رہا تھا۔ میں نے یوسف کو محتاط رہنے کا کہا اور مقدس آیات کا ورد کرتے ہوئے معبد کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔ ابھی تک کوئی بھی شیطانی ذریت نظر نہیں آئی تھی' میں ابھی رستے میں ہی تھا' کہ ایسا لگا جیسے زمین پھٹ گئی اور پھر میں نیچے کسی گہری کھائی میں گرنے لگا' میرے گرنے کی رفتار بہت تیز تھی اگر اسی طرح میں گر جاتا' تو یقینی بات تھی کہ میرے ہڈیاں بھی باقی نہ بچتیں' کہ اچانک میرا ہاتھ کسی نے تھام لے لیا' میں نے غور سے دیکھا تو یوسف تھا۔ یوسف نے بروقت مجھے تھاما تھا' پھر کچھ دیر میں ہم زمین پر کھڑے تھے' یہ کنواں نما کھائی بہت گہری تھی۔ صرف اور صرف اندھیرے کا راج تھا۔

میں نے یوسف سے کہا کہ مجھے لے کر اس جگہ سے باہر چلے۔

مگر یوسف کی جناتی صفات کام نہ آئیں اور چاہنے کے باوجود غائب نہ ہو پا رہا تھا' کچھ ہی دیر میں زمین کی سطح گیلی ہونی شروع ہو گئی ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے ہر طرف سے پانی اس کنویں میں داخل ہو رہا ہو۔ ہم لوگ جس کو پانی سمجھ رہے تھے دراصل وہ خون تھا اس میں سے عجیب بدبو آ رہی تھی اور اس جگہ یوسف کی جناتی صلاحیتیں بھی کام نہ کر رہی تھیں' اس کا مطلب تھا کہ ہم شیطانی چال میں پھنس چکے تھے۔ میرے لیے بدبو اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اپنے دماغ کو حکم دیا کہ سونگھنے کی صلاحیتوں کو فوری طور پر ختم کر دے۔ تاکہ میں اس بدبو سے چھٹکارا پا سکوں ورنہ میں بے ہوشی کی حالت میں اس خون میں ڈوب جاتا۔ یوسف کے حواس پوری طرح قائم تھے' اب ہم دونوں ہی اس گندے خون میں رنگ چکے تھے۔ خون کی سطح اب مزید بلند نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ جتنی تیزی سے خون اس کنویں میں پھیلا تھا اتنی ہی تیزی سے خون کی سطح کم ہوتی جا رہی تھی۔ خون کے ختم ہوتے ہی کنویں کی ایک

دیوار پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی' ایک عجیب الخلقت جاندار اندر داخل ہو رہا تھا' ہماری آنکھیں اتنی دیر اندھیرے میں رہنے کے بعد اس قابل ہو چکی تھیں' کہ اپنے گرد و نواح کی چیزوں کو آرام سے دیکھ سکیں۔ مزید میں نے اپنے دماغ کی مدد سے کام لیا تھا اور اندھیرے کے باوجود اپنے اردگرد اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اس عجیب الخلقت جاندار کا حلیہ بہت عجیب تھا۔ اوپری سر کسی مینڈھے کی طرح تھا اور سر پر مڑے ہوئے دو سینگ تھے' جب کہ باقی دھڑ اس کا انسانوں سے مشابہ تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے اور یوسف کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ یوسف کی جناتی طاقت بھی اس مینڈھے نما انسان کے مقابلے میں کام نہیں آ رہی تھی۔ ہم دونوں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر اس کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا نہ سکے۔ وہ ہم دونوں کو گھسیٹتا ہوا اس دیوار کے اندر کی طرف لیتا جا رہا تھا۔ میرے ذہن میں مقدس کلام کا کوئی بھی لفظ نہ آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میرا ذہن مذہب کے معاملے میں اپنی یاداشت چھوڑ چکا ہے۔

''خاور چوہان میں نے کوشش کی تھی کہ مقدس کلام پڑھ کر اس شیطان کو زیر کر سکوں' مگر مجھے مقدس کلام یاد نہیں آ رہا۔'' یوسف نے پریشان آواز میں مجھے کہا۔

''یوسف مقدس کلام تو میرے ذہن میں بھی نہیں آ رہا ہے' میں بھی کوشش کر چکا ہوں' میرے خیال میں ہمارے اجسام پر لگنے والے ناپاک خون کی وجہ سے ہماری یاداشت متاثر ہوئی ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو حالات پر چھوڑنا ہوگا' پھر جیسے ہی موقع ملے گا' ہم لوگ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کریں گے۔'' میں نے یوسف کے دماغ کو مخاطب کر کے اس سے دماغی رابطہ کرتے ہوئے کہا۔

تاکہ وہ شیطان ہماری بات نہ سن سکے۔

''ہا.....ہا.....ہا.....'' وہ جگہ ایک طویل قہقہے سے گونجنے لگی۔ میں نے غور کیا تو وہ قہقہہ اس مینڈھے نما شیطان کا تھا' وہ اپنی پھٹی ہوئی آواز میں مجھے کہہ رہا تھا۔ ''خاور چوہان یہاں سے نکلنا اب تمہارے بس میں نہیں ہے' تمہاری اور تمہارے جن دوست کی کوئی طاقت یہاں کام نہ آئے گی۔ تم نے شیطان کو بہت نقصان پہنچایا ہے' اب تمہیں اس کی عبرت ناک سزا ملے گی کہ کوئی بھی شیطان کے خلاف کام کرنے کا نہ سوچے گا۔ میں شیطانی دنیا میں بڑے شیطان کا نائب بوفمٹ ہوں۔ اب تم دونوں کو ہلاک کرنے کے بعد بڑا شیطان مجھے مزید کالی طاقتیں دے دے گا' اور انسانوں کو گمراہ کرنا اور ان کو موت کے گھاٹ اتارنا میرے لیے اور آسان ہو جائے گا' تمہارا کوئی بھی خیال اور کوئی بھی سوچ مجھ سے چھپ نہ پائے گی۔'' بوفمٹ نے ایک دفعہ پھر بھدا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے بوفمٹ کو میری بات چیت کا پتہ چل گیا تھا' جو میں نے یوسف کے دماغ میں مخاطب ہو کر کی تھی۔ میں نے یوسف کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

میں نے بوفمٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہ اس کا فیصلہ وقت کرے گا' کہ کس کے نصیب میں موت لکھی ہے۔''

بوفمٹ نے جواب میں پھر ایک اونچا قہقہہ لگایا اور میرا بازو زور سے کھینچ کر ایک طرف دھکا دے دیا۔ ہم لوگ ایک ایسے تہہ خانے میں آ چکے تھے' جس کی دیواروں پر ہر طرف شیطان کی تصویریں بنائی ہوئیں تھیں۔ بوفمٹ کی طاقت کے سامنے میں اور یوسف بالکل چھوٹے چھوٹے بچے لگ رہے تھے' یوسف نے کافی دفعہ کوشش کی تھی کہ بوفٹ پر حملہ کر سکے' مگر بوفمٹ نے یوسف کو اٹھا کر ایک دیوار پر پوری قوت سے مار دیا۔ یوسف بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆

سردار یاشان نے مجھے ایک بنیادی سبق دیا تھا کہ مایوسی کفر ہے' اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے اس لیے میں مایوس نہیں تھا' مجھے قوی امید تھی کہ میں شیطان پر اللہ کی مدد سے غلبہ پا لوں گا۔ بوفمٹ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اونچی اور نامعلوم آواز میں کوئی آواز دی تو ایک جانب سے کچھ لوگ سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں نمودار ہوئے' انھوں نے مجھے اور بے ہوش یوسف کو اٹھایا اور جدھر سے نمودار ہوئے تھے' اسی رستے پر واپس مڑ گئے' ہم دونوں کو جا کر سیاہ بانسوں کے ساتھ باندھ دیا گیا کہ میں اپنی گردن تک گھما کر اطراف میں دیکھ نہ سکتا تھا۔ ایک طرف شیطان کا بڑا مجسمہ نصب تھا اور اس کے عین سامنے آگ روشن تھی' یوسف اس دوران ہوش میں آچکا تھا' اس نے میں بھی پوری کوشش کی کہ اپنے آپ کو آزاد کرا سکے' مگر کامیاب نہ ہوا' ان لوگوں نے ہم دونوں کو بانسوں سمیت اٹھایا اور جا کر آگ کے سامنے لٹکا دیا۔ میری سمجھ میں آچکا تھا کہ وہ ہمیں زندہ جلانا چاہتے ہیں۔ اچانک آگ کے درمیان سے بوفمٹ ظاہر ہوا' اس کا رخ میری طرف تھا' میرے قریب پہنچ کر اس نے اپنا بھدا منہ میرے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان شیطان تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے' شیطان تمہیں اپنا نائب بنا کر تمہیں سب بڑی کالی طاقتیں دینا چاہتا ہے' شیطان تم سے متاثر ہو چکا ہے' وہ چاہتا ہے کہ تم اس کے ساتھی بن جاؤ اور اپنی روح اس کے حوالے کر دو' ایسا کرنے پر تمہیں اپنا نائب بنا لے گا ورنہ اب تک تم اندازہ کر چکے ہو کہ تم دونوں کو زندہ جلانے کا انتظام پورا کیا جا چکا ہے اور تمہارے ساتھی جن کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے اس کو ابھی اسی وقت زندہ جلایا جائے گا..... اور اگر تم شیطان سے سمجھوتا نہیں کرنا چاہتے تو تمہیں بھی جلا دیا جائے گا۔'' بوفمٹ نے بیک وقت لالچ اور دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا۔

یوسف چلا پڑا۔ ''شیطان کے چیلے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میں ایک سچے مذہب پر آ گیا ہوں' اس لیے مجھے اپنی پروا نہیں کہ تم مجھے زندہ جلاؤ۔'' یوسف جذباتی ہو گیا تھا۔

''یوسف تم خاموش رہو۔'' میں نے یوسف کو کہا۔ اور بوفمٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس بات کی ذرہ برابر فکر یا خوف نہیں کہ تم لوگ ہمیں مار دو گے' اس لیے تم اپنی دھمکیاں اپنے پاس رکھو اور رہی بات شیطان سے سمجھوتا کرنے کی تو سب سے پہلے تو میں یہ چاہتا ہوں' کہ مجھے کچھ وقت دیا جائے' میں اپنا فیصلہ سوچنے کے بعد سناؤں گا' اور اس وقت تک تم شیطان کے چیلے..... میرے دوست یوسف کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔'' میں نے بوفمٹ سے کہا۔

میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شیطان کا ساتھی بن جاؤں' مگر مجھے اپنی اور یوسف کی آزادی کے لیے وقت درکار تھا' اس لیے میں نے بوفمٹ سے سوچنے کی بات کی تھی' اور یہ سوچنے سے پہلے اپنے دماغ کو ہوشیار کر دیا تھا' کہ کوئی بھی طاقت میرے دماغ کے خیال کو اگر پڑھنے آئے تو اس کو میرے اصل مقصد کا علم نہ ہو سکے۔ بوفمٹ چند لمحوں تک میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورتا رہا جیسے میرے خیالات کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو' مگر میرے دماغ کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے اس نے رضامند ہوتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے' خاور چوہان تم ایک رات کا وقت دیا جاتا ہے' کل رات تک تمہارا جو بھی فیصلہ ہو گا اس کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔ کل تک تم دونوں اسی حالت میں رہو گے۔'' بوفمٹ نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر نامعلوم الفاظ میں کچھ کہا تو سیاہ لبادے والے سب لوگ غائب ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد بوفمٹ بھی ایک دیوار کے قریب جا کر ٹھوس دیوار کے اندر داخل ہو گیا۔ اب اس جگہ پر یوسف اور میں موجود تھے۔

میں نے یوسف کو کہا کہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرے' اس کے ساتھ ہی میں نے مقدس آیات کو یاد کرنے کے لیے کوشش شروع کر دی' کافی دیر تک کوشش کرنے کے باوجود مجھے کوئی لفظ یاد نہیں آ رہا تھا' اس کے بعد میں نے سردار ذوالقرنین سے رابطہ کرنے کے لیے کوشش کی' کچھ ہی دیر میں سردار

ذوالقرنین کے دماغ میں تھا' مگر اس وقت سردار ذوالقرنین نماز میں مصروف تھا۔ اس کا دماغ مقدس الفاظ دہرا رہا تھا۔

''اللہ اکبر.....''

اللہ اکبر کی آواز سنتے ہی ایسا لگ جیسے میرے ذہن سے کوئی سیاہ پردہ ہٹ گیا ہو۔ میں نے اپنے دماغ میں اللہ کے پاک نام کی تکرار شروع کر دی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس جگہ زلزلہ آ گیا ہو۔ میں نے اپنی پوری جسمانی طاقت لگا کر اپنے گرد بندھی ہوئی رسیاں توڑ دیں' اور پھر جلدی سے آگے بڑھ کر یوسف کو بھی آزاد کرا دیا۔

''یوسف تم ابھی جلدی سے جاؤ اور سردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کو مدد کے لیے بلا لاؤ' اور اللہ کے پاک نام کو دہراتے رہو' تمہاری جناتی صفات واپس آ جائیں گی۔'' میں نے یوسف کو جلدی جلدی کہا۔

یوسف مجھے چھوڑ کر جانے کے لیے راضی نہیں تھا' لیکن میرے اصرار پر وہ غائب ہو چکا تھا' یوسف کے غائب ہونے کے کچھ دیر کے بعد ہی بوفمٹ اپنی تمام تر شیطانی طاقتوں کے ساتھ بہت غصے میں ایک دیوار سے نکلا۔

''خاور چوہان تم نے دھوکہ کیا ہے' تمہارے دھوکے کے نتیجے میں تمہیں اب عبرت ناک موت دی جائے گی۔'' بوفمٹ کی آواز غصے سے اور بھدی ہو رہی تھی۔

''شیطان کی گندی طاقت کان کھول کر سن لے' میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا' میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب شیطان کو اس کے نائب سے محروم ہونا پڑے گا' اللہ کے پاک نام سے اور اس کی مدد سے شیطان کا یہ معبد مٹی میں ملا دوں گا۔'' میں نے بھی غصے میں بوفمٹ کو للکارا۔

بوفمٹ نے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے طاقتوں کو مجھے ہلاک کرنے کا حکم دے دیا۔ چاروں اطراف سے کالی طاقتوں نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لیے قریب پڑا ہوا سیاہ بانس اٹھا لیا جس کے ساتھ مجھے باندھا گیا تھا۔ میں نے زیر لب اللہ کا پاک نام جاری رکھا۔ میرا ذہن میں ابھی تک اللہ کے پاک نام کے علاوہ کوئی مقدس لفظ نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال میں نے اپنی طرف بڑھنے والے ایک سیاہ لبادے والے کے سر پر اللہ کا نام لے کر وہ بانس پوری قوت سے دے مارا۔ ایک بانس کے پڑتے ہی اس کا سر کھل گیا۔ سب طاقتوں نے ایک ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں بے بس ہو رہا تھا۔ مگر بوفمٹ کا کوئی جادو مجھ پر نہیں چل رہا تھا' کیونکہ میں مسلسل اللہ اللہ کا ورد جاری رکھے ہوئے تھا' مگر جسمانی لڑائی میں بوفمٹ کے چیلے مجھ پر حاوی ہو رہے تھے۔ میں اپنی پوری ہمت سمیٹے شیطان کے پیروکاروں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ میرا جسم لہولہان ہو چکا تھا' مگر میں اپنی آخری سانس تک شیطان اور اس کے پیروکاروں کے ساتھ اپنا جہاد جاری رکھنا چاہتا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں کی مدد کا منتظر تھا۔ مگر کافی دیر گزرنے کے باوجود بھی یوسف اور باقی جنات نہ پہنچے لیکن میں ناامید نہیں تھا' مجھے اپنے رب پر پورا بھروسا تھا۔ بوفمٹ کے کافی چیلے میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکے تھے' لیکن ان کی تعداد ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچ لیا جب مرنا ہی ہے تو کیوں نہ شیطان کے نائب بوفمٹ کو بھی مار کر مروں۔

یہ سوچ کر میں نے لڑتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے اپنا رخ بوفمٹ کی طرف کر لیا۔ بوفمٹ نے ابھی تک اس لڑائی میں حصہ نہ لیا تھا۔ وہ شیطان کے مجسمے کے نیچے کھڑا آنکھیں بند کر کے اونچی آواز میں کوئی جادو منتر پڑھ رہا تھا۔ میں جب بوفمٹ کے اتنا قریب آ گیا کہ اس پر حملہ کر سکوں' میں نے اپنے ہاتھ میں موجود بانس کو پوری قوت سے بوفمٹ کی طرف گھما دیا۔ بوفمٹ نے اپنی آنکھیں اچانک کھول کر بانس سے بچنے کے لیے سر جھکا دیا۔ مگر بانس پوری قوت سے اس کے ایک سینگ پر لگا اور پھر بانس اور سینگ کے ایک ساتھ ٹکڑے ہو گئے' بوفٹ کا سینگ ٹوٹ چکا تھا اور وہ زمین پر بیٹھ کر بری طرح چلا رہا تھا۔ اسی دوران مجھے محسوس ہوا جیسے ہوا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیز جھونکے اس کمرے میں داخل ہو گئے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے سردار ذوالقرنین کی پرجوش آواز میں اللہ اکبر کا ایک بلند نعرہ سنائی دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے ساتھی آچکے تھے' شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے اللہ نے مجھے مدد بھیج دی تھی۔ سردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھی اپنے جناتی روپ میں ظاہر ہو چکے تھے' اب ہر طرف شیطان کے چیلوں کی آہ و پکار جاری تھی۔ یوسف بھی اسی وقت اپنے جناتی روپ میں شیطان کے چیلوں پر آگ کے گولوں کی طرح برس رہا تھا۔ بوفٹ اب بھی زمین پر گرا چیخ و پکار کر رہا تھا' جنگ کا نقشہ اللہ کی مدد سے بدل چکا تھا' اب شیطان کے ذلیل اور خوار ہونے کی باری تھی۔ میں اب تک سمجھ چکا تھا' کہ بوفٹ کے سینگ اس کے لیے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں' اسی وجہ سے وہ شیطان بوفٹ درد سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا' یہ میرے لیے اچھا موقع تھا' میں نے اپنے زخمی جسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بوفٹ پر چھلانگ لگا دی اور اس کے دوسرے سینگ کو بھی اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔ بوفٹ اس اچانک حملے پر بوکھلا گیا تھا' اس نے ہاتھ بلند کر کے میری گردن اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ مگر میں نے اپنی پوری طاقت سینگ کو توڑنے میں صرف کر دی۔ سینگ تڑخ رہا تھا۔ بوفٹ کے ہاتھوں کی گرفت کمزور ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی گرفت سے میری گردن آزاد کر دی۔

''خاور چوہان رک جاؤ' چھوڑ دو میرا سینگ۔ تم جو کہو گے' تمہیں وہ مل جائے گا' دنیا کی تمام دولت تمہارے سامنے ڈھیر لگا دوں گا اور خوبصورت لڑکیوں کو تمہاری کنیزیں بنا دوں گا۔'' بوفٹ نے مجھے لالچ دیتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''شیطان کے چیلے' بدی کے سوداگر میں تیرے اور تیرے بڑے شیطان پر لعنت بھیجتا ہوں۔ کان کھول کر سن لے جب تک خاور چوہان زندہ ہے اس وقت تک شیطان اور اس کے چیلوں کو آسانی سے مسلمانوں کا شکار کرنے کے لیے نہیں آزاد نہیں چھوڑے گا' میرا اٹھنے والا ہر قدم اور ہر وار شیطان اور اس کے پیروکاروں کو برباد کرنے کے لیے اٹھے گا۔ اب تیرا وقت بھی آگیا ہے جہنم میں جانے کا۔'' میں نے سینگ کو پوری طرح مڑورتے ہوئے کہا۔

سینگ پر اب صرف کچھ ہی طاقت درکار تھی' کہ اچانک بوفٹ نے اٹھ کر ایک دیوار کی سمت کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ میں اس کا یہ وار سمجھ گیا' وہ اس طرح قوت سے مجھے دیوار کے ساتھ ٹکرانا چاہتا تھا' مگر وہ بھول چکا تھا' کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے' جیسے ہی دیوار قریب آئی میں نے ایک دم سے بوفٹ کے سینگ کو چھوڑا اور ہوا میں ایک قلابازی کھا کر بوفٹ کے پیچھے آکر اپنے پاؤں پورے زور سے بوفٹ کی کمر پر مار دیئے۔ بوفٹ پہلے ہی اپنے پورے زور سے بھاگ رہا تھا' اور پھر میری طاقتور ٹھوکر کھا کر اس کی رفتار بندوق سے نکلنے والی گولی کی طرح ہوگئی۔ بوفٹ نے پوری کوشش کی' کہ اپنا توازن برقرار رکھے مگر نتیجہ میری امید کے مطابق ہی ہوا' اور دیوار کے ساتھ زوردار دھماکے کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے بوفٹ کا دوسرا سینگ بھی ٹوٹ گیا اور بوفٹ کے خلق سے ذبح ہوئے بکرے جیسی خرخراہٹ کی آوازیں آرہی تھیں' میں نے آگے بڑھ کر بوفٹ کو ٹانگوں سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اس جلتی ہوئی آگ کے پاس لے گیا' جس میں وہ مجھے اور یوسف کو جلانا چاہتا تھا' بوفٹ کی تمام مزاحمت ختم ہو چکی تھی' اب اس کی حالت زمین پر رینگنے والے کینچوے سے بھی بدتر تھی۔

''خاور چوہان شیطان تم سے انتقام لے گا' تم شیطان کو نہیں جانتے۔ شیطان تمہیں عبرت ناک موت دے گا۔'' بوفٹ مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔

''بوفٹ تم اور تمہارا شیطان جب بھی اچھائی کے رستے میں آؤ گے' تو اللہ ہمیشہ اچھائی کو ہی جتائے گا' اور ذلالت تم شیطانوں کا مقدر بن جائے گی۔ میں اپنے رب کی خوشنودی پانے کے لیے شیطان کے اور اس کے پیروکاروں کے رستے میں اپنی آخری سانس تک لڑوں گا اور اب اس آگ میں جلنا تمہارا مقدر بن چکا ہے' دو اپنے شیطان کو آواز کہ اگر تمہیں بچانے کی ہمت رکھتا ہے تو آکر بچا کر دکھائے۔'' میں نے اونچی آواز میں اللہ کہتے ہوئے بوفٹ کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

بوفٹ کی خوفزدہ چیخوں سے پورا ماحول گونج رہا تھا۔

میں نے ایک بار پھر اللہ کا نام لیتے ہوئے بوفٹ کو زور سے آگ میں اچھال دیا۔ ہر طرف بوفٹ کی چیخوں کی آوازیں گونج رہی تھی۔ پھر چند لمحوں میں وہاں صرف بوفٹ کی جلی ہوئی راکھ ہی باقی رہ گئی۔ اس دوران سردار ذوالقرنین' یوسف اور باقی جنات شیطان کے باقی چیلوں کا خاتمہ بھی کر چکے تھے اور باقی چیلے اور شیطانی طاقتیں ڈر کر معبد چھوڑ کر بھاگ گئی تھیں۔

''خاور چوہان معبد تباہ کرنے کا یہ اچھا موقع ہے' کیونکہ اس وقت معبد میں کوئی بھی شیطانی طاقت موجود نہیں ہے' اور شیطانی طاقتیں اب ایک چاند پورا ہونے سے پہلے اس معبد میں واپس بھی نہیں آسکتیں۔'' سردار ذوالقرنین نے مجھے بتاتے ہوئے کہا۔

''میرا بیگ گم ہو چکا ہے' جس میں معبد کو اڑانے کے لیے بارود موجود تھا۔ کنویں میں گرتے وقت وہ بیگ کہیں گر گیا ہے۔'' میں نے سردار ذوالقرنین سے کہا۔

سردار نے اپنے ساتھیوں کو دیکھتے ہوئے بیگ کو ڈھونڈ کر لانے کا حکم دیا۔ ''خاور چوہان تمہیں آرام کی ضرورت ہے' تم شدید زخمی نظر آرہے ہو۔'' یوسف نے میرے زخموں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

سچ تو یہ تھا کہ اس وقت مجھ میں کھڑے ہونے کی بھی ہمت نہ تھی۔ میرے زخموں میں شدید درد ہو رہا تھا۔ مگر معبد کو تباہ ہوتے دیکھنا میرے لیے میرے درد سے بڑھ کر خوشی کا باعث تھا۔

''میرے عزیز دوست یہ جان اور یہ جسم تو میرے رب کی امانت ہے' یہ اللہ کی راہ میں جتنا زیادہ زخمی ہوگا' اتنا ہی میرے لیے خوشی کا سبب بنے گا۔'' میں نے یوسف سے کہا۔

''خاور چوہان میرے دوست میں نے اور سردار ذوالقرنین نے بہت کوشش کی تھی' کہ معبد کے اندر داخل ہو جائیں مگر کوئی انجانی طاقت ہمارا رستہ روکے ہوئے تھی۔ میرے دوست میں معذرت خواہ ہوں' کہ اس وقت تمہاری مدد کو نہ آسکا جس وقت تم اکیلے دشمن کے نرغے میں زخمی بھی ہو رہے تھے مگر شیطان کے چیلوں کو جہنم رسید بھی کر رہے تھے۔ مگر پھر اچانک ہی ہمارے سامنے کا رستہ کھل گیا اور ہم لوگ معبد میں داخل ہو گئے۔'' یوسف نے افسردہ لہجے میں اپنے دیر سے آنے کا سبب بتاتے ہوئے کہا۔

یوسف اور باقی جنات کے آنے کا وقت وہ ہی تھا جس وقت میرے وار سے بوفٹ کا سینگ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ میرے ساتھیوں کو معبد سے باہر رکھنے کے لیے کوئی شیطانی عمل کر رہا تھا' مگر میرے حملہ کرنے کی وجہ سے اپنا عمل جاری نہیں رکھ سکا اور جس کی وجہ سے میرے ساتھی جنات کو معبد میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

''یوسف افسردہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' بس اس پر خوشی کا اظہار کرو کہ اللہ نے ہم سب کو شیطان کے مقابلے میں فتح یاب کیا ہے۔'' میں نے یوسف کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں وہ جنات بھی واپس آگئے جو بیگ ڈھونڈنے گئے تھے' ان میں سے ایک جن نے آگے بڑھ کر بیگ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے بیگ کھولا اور بارود نکال کر معبد کے اندر مختلف جگہوں پر لگانے لگا' میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور شیطان کے مجسمے کے سر پر دے مارا' شیطان کا سر ٹکڑے ہو چکا تھا' میں نے بارود کو شیطان کے مجسمے میں بھی نصب کر دیا۔

اس کے بعد تمام جنات کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور یوسف کو بولا' جیسے ہی بارود کو آگ لگاؤں' مجھے لے کر اس جگہ سے دور ہو جائے۔

یوسف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر جب بارود کو آگ دکھا دی تو یکلخت یوسف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے لے کر غائب ہوگیا۔ اب ہم لوگ معبد سے کافی دور کھڑے معبد کی تباہی کا تماشا دیکھ رہے تھے' پورا معبد تباہ ہو رہا تھا' اور فضا شیطان اور اس کے چیلوں کے رونے کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ میں شیطان کو ایک اور ضرب لگا چکا تھا۔ میں اللہ کے دشمن کو بتا چکا تھا' کہ اللہ ہی سب سے طاقتور ہے۔ سب جنات نے مجھے مبارکباد دی۔ یہ واقعی ہی میں اللہ نے بڑی کامیابی دی تھی' کیونکہ یہ شیطان کا سب سے خفیہ معبد تھا' جہاں سے پوری دنیا کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیاطین جمع ہو کر منصوبے بناتے تھے اور ان کا منصوبہ ساز بوفمٹ مر چکا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور جنات کو واپسی کا اشارہ دے دیا' کچھ دیر میں ہم لوگ قبیلہ یاشان میں جمع تھے' میں غسل کر کے فارغ ہو چکا تھا' اور میرے زخموں کا علاج کر کے مجھے پرسکون نیند سونے کا مشورہ دے کر سب جنات چلے گئے' یوسف بھی جا چکا تھا' وہ بھی آرام کرنا چاہتا تھا' میں نے سونے سے پہلے شکرانے کے نفل پڑھے اور پھر اپنے دماغ کو شیطان کا ردعمل دیکھنے کے لیے اس جگہ جانے کا حکم دیا جہاں شیطان تھا۔ مگر ساتھ ہی دماغ کو یہ حکم بھی دے دیا۔ سب کام صرف اور صرف دیکھنے کی حد تک ہو' جیسے ہی خطرہ محسوس ہو فوری طور پر مجھے نیند سے جگا دے تاکہ میں اصل حالت میں آسکوں۔ کیونکہ میں بہت تھک چکا تھا اس لیے دماغ کو یہ ہدایات دی تھیں' ساتھ ہی دماغ کو یہ ہدایات بھی دے دیں' کہ پہلے دو گھنٹے کی نیند پوری کر لے اس کے بعد کوئی کاروائی کرے' دماغ کو ہدایات دینے کے بعد میں مقدس آیات کا ورد کر کے سو گیا۔

سونے کے دوران اب جو واقعات وقوع پذیر ہوتے تھے اب وہ مجھے ایسے ہی لگتے تھے جیسے میں عملی طور پر کوئی کام کرتا تھا' میں اس وقت ایک گھنے جنگل میں ایک دلدلی جگہ کے قریب موجود تھا' ہر طرف سے شدید بدبو اٹھ رہی تھی۔ اتنی بدبو میرا دم گھٹنے لگ پڑا' میں نے اپنے دماغ کو ایک بار پھر سے حکم دیا کہ میری سونگھنے کی حس کو وقتی طور پر ختم کر دے۔ میں چھپ کر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اچانک میرے کانوں میں ایک انتہائی بھدی آواز سنائی دی۔ وہ آواز اس وقت شدید غصے کے عالم میں تھی۔ ہر طرف سے چیخ و پکار کی آواز بلند ہونی شروع ہو چکی تھی۔ لیکن میں آواز کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا' میں نے اپنے دماغ کو مزید ہدایات دیں کہ اپنے علم کی وسعتوں کو بڑھا دے تاکہ میں اس آواز کے بے ربط جملوں کا مفہوم سمجھ سکوں۔ شروع میں مجھے کافی دشواری پیش آئی مگر پھر میں اس آواز کو سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ وہ بڑے شیطان کی آواز تھی جو اپنی ذریات پر غصہ دکھا رہا تھا اور وجہ تھی میری ذات۔ شیطان اپنے قدیم معبد کی تباہ کاری برداشت نہ کر پا رہا تھا۔

''خاور چوہان ایک انسان تم کالی طاقتوں کے بس میں نہیں آرہا اور تم سب نے میرا قدیم معبد چھوڑ کر اس انسان زادے کو میرا معبد تباہ کرنے دیا۔ اس کی سزا تم سب کو ملے گی۔'' شیطان کی طاقتوں نے اس کو منانے کی بہت کوشش کی مگر شیطان نے اپنی کالی طاقتوں کو خود ہی بھسم کر ڈالا' یہ بھی اللہ کا کرم تھا' کہ شیطان کے ہاتھوں اس کی ذریات کا خاتمہ ہو رہا تھا۔

میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

شیطان نے اپنی باقی سب طاقتوں کو بلا لیا اور سب کے ذمے مجھے مروانے کا کام سونپ دیا۔ ان میں سے جو سب سے دلچسپ معلومات میرے لیے تھی' وہ تھی ایک ہندو رام شنکر کی موجودگی جو شیطان کا پجاری تھا اور شیطان کے دربار میں بلند مرتبے پر تھا۔ شیطان نے رام شنکر کو خصوصی طور پر میرے قتل کا حکم دیا تھا۔

شیطان نے اچانک اپنی بھدی آواز میں چلانا شروع کر دیا۔ ''خاور چوہان تم یہاں تک آگئے ہو' اب بچ کر نہیں جا سکتے۔''

کچھ ہی دیر میں میرے نزدیک شیطان اور اس کی کالی دنیا کی تمام طاقتیں جمع ہو گئی تھیں۔ میں نے آج تک اتنا لعنت زدہ چہرہ کسی کا نہیں دیکھا تھا' جیسا چہرہ شیطان کا تھا' کالی رنگت اور لال انگارہ آنکھیں' اس کے چہرے کو اور مزید خوفناک بنا رہی تھیں' میں یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہہ سکتا ہوں' کہ جیسی پھٹکار شیطان کے چہرے پر تھی' ویسی دنیا کے کسی جاندار کے چہرے پر نہیں ہوسکتی۔ اوپر سے اس کے جسم سے اٹھنے والی بدبو بھی ناقابل برداشت تھی۔ میں نے جو وقتی طور پر اپنی قوت شامہ کو ختم کیا تھا' اس قدر تیز بدبو کی وجہ سے کچھ نہ کچھ بدبو کا حصہ پھر بھی میرے دماغ میں محسوس ہو رہا تھا۔ رام شنکر نے میری طرف اپنا ایک ہاتھ سیدھا کر کے جھٹکا دیا۔ اس سے پہلے مجھے کوئی نقصان پہنچتا' میرا دماغ میری دی گئی ہدایات کے مطابق مجھے ہوش کی دنیا میں واپس آ گیا۔ میں شیطان کے اگلے منصوبے سے آگاہ ہو چکا تھا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا' میں نے باقی جنات کے ساتھ نماز ادا کی' اور اس کے بعد سردار ذوالقرنین اور یوسف کو بلا کر ان سے شیطان کے منصوبے پر بات کی۔

''میں موت سے نہیں ڈرتا ہوں لیکن میری زندگی کا اب ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ میں شیطان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکوں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے کہ اب اگلا دشمن رام شنکر آئے گا۔ میں اس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے سردار ذوالقرنین اور یوسف کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان تم اس بارے میں بے فکر ہو جاؤ' میں آج ہی اس رام شنکر کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرلوں گا۔'' ذوالقرنین نے کہا۔

''مگر سردار تم اس بارے میں کیسے معلومات حاصل کرو گے' تم صرف اس کے نام سے واقف ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''خاور چوہان سردار یاشان نے کافر قبیلوں کی معلومات لینے کے لیے کچھ جنات کو مخبری کا کام سونپ رکھا تھا۔ وہ جنات ہمارے بہت کام آتے ہیں کیونکہ ان کی فراہم دی گئی معلومات کے مطابق ہم کفار کا آسانی سے مقابلہ کرنے کی منصوبہ بندی کر لیتے ہیں' اب بھی میں انھی جنات سے کام لوں گا' جو یقیناً کوئی ایسا طریقہ سوچ لیں گے جس پر عمل کرنے سے رام شنکر کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں۔'' سردار ذوالقرنین نے بتایا۔

''ٹھیک ہے سردار اب جتنی جلدی معلومات حاصل ہو جائیں گی' اتنی ہی جلد شیطان پر اگلی ضرب لگائی جا سکتی ہے' میں دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے مقصد میں جلد سے جلد کامیاب ہو جاؤ تاکہ شیطان کو مزید ذلیل اور رسوا کیا جا سکے۔ اس وقت تک یوسف کے ذمے میں ایک کام لگانا چاہتا ہوں۔'' میں نے سردار ذوالقرنین کو جواب دینے کے بعد یوسف کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''خاور یوسف ہر وقت تمہاری خدمت میں حاضر ہے۔'' یوسف نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''یوسف..... میں چاہتا ہوں' جب تک سردار معلومات حاصل کرتا ہے' تم ایسی جگہوں پر جاؤ' جہاں پر شیطانیت برپا ہوتی ہو۔ لوگ شیطان سے بچنے کے لیے اللہ کی رحمت کے منتظر ہوں' اور اس میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہوگی۔ ہم ہر اس انسان اور جن کی مدد کریں گے جو شیطانی طاقتوں سے پریشان ہو' تو میرے دوست اب تم اللہ کا نام لیتے ہوئے ایسی جگہوں کی تلاش میں جاؤ' جہاں پر تمہیں محسوس ہو کہ لوگوں کو شیطان سے بچانے کی ضرورت ہے۔ اور اس کام کے لیے تم اپنے ساتھ قبیلہ یاشان کے کچھ جن بھی ساتھ لے کر جاؤ گے' اور اس کے لیے سردار ذوالقرنین کی اجازت کی ضرورت ہے۔'' میں نے سردار ذوالقرنین سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا۔

''خاور چوہان مجھے یا میرے ساتھیوں کو تم جو بھی کام بولو گے ہم وہ کام آنکھیں بند کر کے کرنے کو تیار ہیں' کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم ہم لوگوں کو کوئی ایسا کام نہیں کہہ سکتے جو اسلام کے اصولوں سے ہٹ کر ہو' تمہارے ہر نیک کام میں ہم جنات تمہارے ساتھی ہیں' میں اپنے قبیلے کے سب جنات کو اکٹھا کر لیتا ہوں' پھر جو تم لوگوں کے کام میں زیادہ موزوں ہوں' تم ان کو یوسف کے ساتھ بھیج سکتے ہو۔'' سردار نے کہا۔

پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

''یوسف تمہارا کام سب سے اہم ہے۔ تم جب کسی ایسی جگہ پر جاؤ تو پہلے دیکھو کہ مخالف کتنا

طاقتور ہے۔ اگر تم اور تمہارے ساتھی اس کا مقابلہ کرنے کے اہل ہوں تو اللہ کا نام لیتے ہوئے اس دشمن کا صفایا کر کے اللہ کی مخلوق کو ظلم سے نجات دلوانا' اور اگر تمہیں لگے کہ مخالف تمہارے اوپر حاوی ہو سکتا ہے تو تمہارا کام ہے کہ مجھے اور سردار ذوالقرنین کو بروقت اطلاع دو' تاکہ اس دشمن سے بہتر طور پر نجات حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بنایا جا سکے۔'' میں نے یوسف کو پوری طرح سمجھاتے ہوئے کہا۔

''خاور اللہ کی مدد شامل حال رہی تو تم دیکھو گے کہ یوسف اللہ کے دشمنوں کا نام دنیا سے مٹا دے گا۔'' یوسف نے پرجوش لہجے میں کہا۔

☆☆☆

اتنی دیر میں سردار ذوالقرنین نے آ کر اطلاع دی کہ تمام جنات باہر اکٹھے ہو چکے ہیں' ہم سب سردار ذوالقرنین کے پیچھے چلتے ہوئے باہر آئے' باہر جنات کا ایک پورا گروہ موجود تھا' ہر کوئی جن یوسف کا ساتھی بننے کے لیے بے قرار تھا۔ میں نے سردار ذوالقرنین اور یوسف کے مشورے سے دس جنات کو علیحدہ کیا اور باقی جنات سے آئندہ کام لینے کا وعدہ کیا۔

دس جنات کو اور یوسف کو میں نے ایک بار پھر سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم سب کا مقصد صرف اور صرف شیطان کی طاقتوں کا خاتمہ ہے' مگر اللہ کی کوئی بھی مخلوق تم لوگوں سے تنگ نہیں ہونی چاہیے' اگر تم انسانوں کے علاقے میں جاؤ تو تمہیں چھپ کر رہنا ہوگا' تمہاری کسی بھی حرکت سے انسانوں کو تمہاری موجودگی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ یوسف تم سب کا امیر ہوگا' تم سب کو یوسف کی ہدایات کے مطابق کام کرنا ہوگا' باقی تمام ضروری باتیں یوسف کو بتائی جا چکی ہیں' اب تم لوگ کوچ کی تیاری کرو' تمہاری منزل طے شدہ نہیں ہے' بلکہ دنیا میں جس جگہ پر بھی اللہ کی مخلوق شیطانی طاقتوں سے پریشان ہوگی تمہارا کام اس جگہ کو شیطانیت سے پاک کرنا ہوگا۔'' میں نے ایک بار پھر سے ان سب کو باور کراتے ہوئے کہا۔

تو سب نے اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے غائب ہونا شروع کر دیا۔ یوسف اور اس کے ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد میں نے سردار ذوالقرنین سے کہا۔

''سردار جب تم معلومات حاصل کر چکو تو تمہارا کام ہوگا' اپنے قبیلے کے جنات کو اس طرح پوری دنیا میں پھیلاؤ کہ جہاں جہاں شیطانیت حد سے گزر چکی ہے وہاں کی خبریں مہیا ہو سکیں اور اپنے ساتھی جنات میں سے وہ جنات اس کام کے لیے چن لینا جو دل سے اس کام کے لیے راضی ہوں' اور اب تمہاری طرف سے معلومات ملنے تک میں اپنے دماغ کو مزید موثر بنانے کے لیے کچھ دن کے لیے عمل کروں گا۔'' میں نے ذوالقرنین کو بھی ہدایات دے دیں۔

اس کے بعد میں نے اپنی غار میں جا کر عمل شروع کر دیا۔ میرا یہ عمل صرف کچھ گھنٹے کا تھا' کیونکہ میں نے اپنی تمام مشقوں کو دہرانا تھا۔ میں اپنے عمل میں پوری طرح مگن ہو چکا تھا۔ اب میں اس عمل کو بھی حاصل کر لینا چاہتا تھا' کہ جس طرح میں خواب کی حالت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی پہنچ جاتا ہوں' اصل حالت میں بھی یہ کام کر سکوں۔ اس کے لیے مجھے اپنے دماغ کو پوری طرح کنٹرول کرنا تھا۔ عمل کے دوران میں نے کوشش کی کہ اس جگہ کو دیکھ کر آسکوں جدھر یوسف اور اس کے ساتھی گئے ہیں' مگر اس میں مجھے کامیابی حاصل نہ ہوئی' میں نے اپنے آنے والے دنوں میں اس عمل پر دسترس حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ یہ عمل میرے لیے سب سے مشکل ثابت ہوا تھا۔ مگر میں نے اللہ کی مدد سے اس عمل پر بھی عبور حاصل کر لیا۔ اس عمل کے شروع کرنے سے پہلے سردار ذوالقرنین سے میری تفصیل سے بات ہو گئی تھی۔ اس نے رام شنکر کے بارے میں مجھے پوری تفصیل بتا دی تھی' رام شنکر کا تعلق ہندوستان سے تھا اور اس نے وہاں انسانوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف ظلم کی انتہاء کر رکھی تھی' وہ بظاہر ایک بڑے مندر کا پنڈت تھا' اور ہندوؤں میں بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا کافی نام تھا' مگر وہ شیطان کا خصوصی چیلا تھا' اپنے مندر میں آنے والوں کو وہ غیر محسوس طریقے سے شیطان کا پیروکار بنا دیتا تھا۔ کتنے ہی مسلمان بچے اس نے شیطان کو خوش کرنے کے لیے شیطان کی بھینٹ چڑھا دیئے تھے اور شیطان نے بوفمٹ کے مرنے کے بعد اس رام شنکر کو اپنا نائب بنالیا تھا۔

میں نے ہندوستان جانے کا فیصلہ کرلیا' اب فاصلے میری راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتے تھے' میں نے سردار ذوالقرنین کو اپنا منصوبہ بتایا تو سردار ذوالقرنین نے خود بھی ساتھ جانے کی کوشش کی۔

مگر میں نے اس کو منع کردیا تاکہ جو کام اس کے سپرد کیا ہے اس میں خلل نہ آسکے۔

سردار ذوالقرنین نے کہا۔ ''ٹھیک ہے خاور چوہان' مگر تم میرے کچھ ساتھی جنات کو بھی اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے۔ تاکہ دشمن کے خلاف تمہاری بروقت مدد کرسکیں۔''

میں نے اپنے ساتھ کسی کو لے جانے کے لیے رضا مند نہ ہوا۔ ''سردار ذوالقرنین مجھے جب بھی ضرورت پڑی تو میں تم سب جنات سے دماغی طور پر رابطہ کرکے مدد طلب کرلوں گا فی الحال اس کام کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں' باقی جنات تمہارے کام میں معاون رہیں گے' جو کام تمہارے ذمے لگایا ہے۔ میرے واپس آنے تک مجھے امید ہے' کہ تم ان علاقوں کے بارے میں معلومات بہتر طریقے سے حاصل کر لوگے' جہاں شیطان نے اپنے ظلم کی انتہاء کررکھی ہے۔''

میں نے سردار ذوالقرنین کو منع کرتے ہوئے کہا۔

پھر اپنے عمل میں مصروف ہوگیا تاکہ ہندوستان کے لیے سفر کرسکوں۔ ہندوستان کی سرزمین جس کو محمد بن قاسم نے اللہ کے نام سے آشنا کیا تھا' یہ وہ سرزمین تھی جس پر کبھی مسلمان اللہ کا نام بلند کرتے تھے مگر پھر وقت کی گردش نے ان مسلمانوں کو دنیا کا دلدادہ بنادیا اور یہ سرزمین مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لی گئی۔

میں اس سرزمین پر آکر کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگیا تھا' کیونکہ اس سرزمین سے مسلمانوں کی یادیں وابستہ تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ مسلمانوں نے جب سے اسلام کا دامن چھوڑا تھا تب سے ہی مسلمان پوری دنیا میں رسوا ہوگئے ہیں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ پہلے تو مندر کا پورا جائزہ لوں گا اور پھر حالات کو دیکھتے ہوئے رام شنکر پر کاری ضرب لگاؤں گا' میں اسے اتنا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر وار کرسکے' اب میں بہت زیادہ جنون میں آچکا تھا' میں دشمن کے وار کرنے سے پہلے ہی اس کو ختم کردینا چاہتا تھا۔ اس لیے وقت برباد کیے بغیر میں مندر کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت ویسے بھی رات کا وقت تھا' اس لیے ہر طرف خاموشی اور اندھیرے کا راج تھا۔ میں نے مندر کے اندر جانے کا منصوبہ بنالیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ کام خطرناک ہوسکتا ہے اور اس میں مجھے نقصان بھی اٹھانا پڑسکتا ہے' مگر میں جیسا کہ آپ لوگوں کو بتاچکا ہوں کہ میں دشمن کو اس کے حملہ کرنے سے پہلے ہی ختم کردینا چاہتا تھا' اس وجہ سے میں نے انجام کی پرواہ کیے بغیر مندر کی سیڑھیوں پر قدم رکھا' مگر اس سے پہلے آیت الکرسی اور معوذتین پڑھ کر اپنے گرد حصار باندھ لیا تھا' اپنے دماغ کے ہر ہر حصے کو پوری طرح ہوشیار کردیا تھا۔ مندر کا احاطہ ایک بھیانک منظر پیش کررہا تھا' احاطے کے عین وسط میں کالی دیوی کی بھیانک اور قد آور مورتی لگی ہوئی تھی' اس کا سیاہ چہرہ اور منہ سے نکلی لال زبان دیکھ کر مجھے بے اختیار شیطان لعین یاد آگیا تھا' اس لعین کا چہرہ بھی اس کالے چہرے والی ہندوؤں کی دیوی سے ملتا تھا۔

☆☆☆

میں نے ارادہ کرلیا کہ جانے سے پہلے اس مورتی کا سر توڑ دوں گا۔ اسی وقت میرے دماغ نے مجھے ہوشیار کردیا' میں پوری طرح چوکنا ہوکر آنے والے خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا' کہ ایک طرف سے رام شنکر جیسے ہوا میں اڑتا ہوا آتا دکھائی دیا' اس خبیث کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔

''بالک ہم تو خود تمہارے راہ تک رہے تھے'

مگر تم نے اچھا کیا کہ تم خود ہی آگئے' تمہارے کارن شیطان کی ساری خوشیاں غارت ہورہی ہیں' اس لیے اب سے آگیا ہے کہ تمہارا خاتمہ کردیا جائے۔ تمہارے خون سے شیطان کو اشنان دیا جائے گا' اور تمہارے شریر کا ماس جانوروں کا بھوجن بنے گا۔ بالک تم ادھر آتو گئے ہو مگر یہ تمہارے جیون کی سب سے بڑی بھول ہے' اب اس مندر سے تمہاری آتما ہی باہر جائے گی۔'' رام شنکر نے عین میرے سامنے آتے ہوئے کہا۔

''رام شنکر موت کس کی آئی ہے اس کا اندازہ تجھے بہت جلد ہوجائے گا' مگر میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے جادو منتر آزمالے تاکہ تیرے دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔'' میں نے اس پنڈت کو غصہ دلانے کی کوشش کی تاکہ وہ غصے میں آکر اپنا دفاع بہتر طور پر نہ کرسکے۔ رام شنکر نے اپنے گلے میں پہنی ہوئی مالا نکالی اور اپنا ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا' تو اس میں ایک خنجر آگیا' اس نے خنجر کی نوک اپنی کلائی پر رکھی اور کلائی کو کاٹ دیا' اس کا گندہ خون تیزی سے بہنے لگا' اس نے اپنے بہتے ہوئے خون کو اپنے منہ سے لگالیا چند لمحوں تک اپنا خون پینے کے بعد اس نے مالا کو خون میں اچھی طرح مَل دیا۔ اس کا چہرہ خون لگ جانے کی وجہ سے عجیب سا ہورہا تھا' اس نے مالا کو اچانک میری طرف پھینک دیا اور اونچی آواز میں منتر پڑھنے لگا' مالا کے دانے میرے نزدیک گرے اور گرتے ہی مالا کے دانے الگ ہوکر بکھر گئے' مگر ہر دانہ میری طرف بڑھ رہا تھا' مالا کے دانے میرے نزدیک آکر ایک گول دائرے میں تیزی سے گھومنے لگے' دانوں کے درمیان سے دھواں اٹھنا شروع ہورہا تھا' ویسے ویسے پنڈت کی آواز بھی بلند اور تیز ہوتی جارہی تھی' اب دانوں کے درمیان دھواں اتنا گہرا ہوگیا تھا کہ دوسری جانب کچھ نظر نہ آرہا تھا' مالا کے دانے اب اتنی رفتار سے گھوم رہے تھے کہ ان پر نظر نہیں ٹک رہی تھی۔ اچانک وہ احاطہ ایک بلند اور اونچی آواز سے گونج اٹھا' تمام دانے توپ سے نکلے گولے کی طرح میری طرف بڑھے' میں بے فکر تھا کیوں کہ میں اپنے آپ کو حصار میں دے چکا تھا۔ اس لیے جیسے ہی وہ دانے میرے نزدیک آئے ان کو آگ لگ گئی اور وہ زمین پر گر کر جلنے لگے۔

☆☆☆

اب دھواں چھٹ رہا تھا' اس میں سے وہی مورتی والی دیوی دکھائی دے رہی تھی جس کا سر توڑنے کا ارادہ کیا تھا' کالی دیوی ایک جیتی جاگتی عورت کے روپ میں تھی' اس کے کئی ہاتھ اور سیاہ چہرہ' کسی بھی انسان کا دل دہلا دینے کے لیے کافی تھے' مگر دل میں اللہ کا خوف ہو تو یہ دنیاوی خطرے اس انسان کو خوفزدہ نہیں کرسکتے۔

کالی کے نظر آتے ہی رام شنکر نے جے کالی بول بول کر کالی کی جے جے کال کرنی شروع کردی۔ کالی دیوی کا ارادہ خطرناک لگ رہا تھا' اس نے میری طرف اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھا' اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ترشول میری طرف پھینک دیا۔ اس سے پہلے ترشول مجھے لگتا میں نے فوری طور پر اپنی جگہ تبدیل کر لی۔ کالی ایک ایک قدم بڑھاتی میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے تمام ہاتھوں میں خطرناک ہتھیار تھے' میں نے زمین پر گرا ہوا ترشول اٹھایا۔ اور تیزی سے پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ میں اپنے بچاؤ کے طریقے سوچ رہا تھا۔ کالی نے میرے اوپر حملہ کردیا' میں اچھل کود کر کے اس کے وار سے بچ رہا تھا۔

اچانک میرے کان میں سردار ذوالقرنین کی سرگوشی ہوئی' وہ کہہ رہا تھا۔ ''خاور چوہان اس کے مجسمے کو توڑ دو۔''

میں نے لڑتے ہوئے مجسمے کا رخ کیا اب میرے پیچھے کالی کا مجسمہ تھا اور میرے سامنے کالی اپنی بھیانک شکل لیے کھڑی تھی' میں نے ترشول کا وار کالی کے پاؤں پر کردیا' مگر ایسا لگا جیسے ترشول کو کسی لوہے پر مارا گیا ہو۔ کالی نے اپنا تلوار والا ہاتھ پوری زور سے گھمایا' مگر میں نے جھک کر اس کا وار خالی کردیا اور ساتھی ہی اپنے ترشول کو پوری قوت سے تلوار پر مارا' کالی اس حملے کے لیے تیار نہ تھی' اس لیے اس کا تلوار والا ہاتھ بجلی کی تیزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مجسمے کی ٹانگ پر پڑا اور تلوار اس مجسمے کی ٹانگ کو کاٹتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی' وہ احاطہ کالی کی بھیانک چیخوں سے گونج اٹھا کیونکہ کالی کی ایک ٹانگ اس کے جسم سے الگ ہو چکی تھا اور اس میں سے تیزی سے کالے رنگ کا خون نکل رہا تھا' میں نے ترشول کا ایک مزید وار کیا اور کالی کی مورتی کے دو ہاتھ توڑ دیئے' کالی مکمل طور پر بے بس ہو کر چلا رہی تھی' رام شنکر بھی کالی کی شکست پر بوکھلا گیا۔ اس سے پہلے میں کالی کی مورتی کا سر توڑتا' کالی کے گرد پھر سے دھواں چھا گیا اور جب دھواں چھٹا تو کالی غائب ہو چکی تھی' میں نے ترشول کا ایک بھرپور وار کالی کی مورتی کے سر پر کیا اور اس کا سر توڑ دیا۔ رام شنکر بھاگنے کے لیے پر تول رہا تھا' میں نے ترشول پھینک کر اس کو روک دیا' رام شنکر سہما ہوا لگ رہا تھا' اچانک اس نے زور سے چلانا شروع کر دیا۔

''دیکھ لو۔ رے سب۔ ایک مسلے نے کالی ماں کی مورتی کو توڑ دیا ہے۔''

میں اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا' اس لیے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ ابھی میں اس کا گلا دبا ہی رہا تھا' کہ پھر سے وہی بدبو آنی شروع ہو گئی جو شیطان سے آتی محسوس ہوئی تھی' اس کا مطلب تھا کہ شیطان بذات خود میرے مقابلے پر آ گیا ہے' میں نے سر گھما کر دیکھا تو میرے سے کچھ قدم کے فاصلے پر شیطان لعین موجود تھا۔

''خاور چوہان اب میرے طاقتیں تمہیں پاتال لے جائیں گی۔'' شیطان نے اپنے لعنت زدہ چہرے کو عین میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک جھٹکا دیا اور رام شنکر کی گردن کی گردن کی ہڈی توڑ کر اس کو زمین پر پھینک دیا۔ رام شنکر ختم ہو چکا تھا' میں نے شیطان کے ایک اور ساتھی کو جہنم واصل کر دیا تھا' مگر اب شیطان اپنی شیطانیت کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا۔

''ابلیس لعین تو میرے رب کا دشمن ہے' اور میرے رب کا دشمن میرا دشمن ہے' جب تک میری سانس چل رہی ہے' میرا ہر وار تجھے اور تیری ذریات کو خاک میں ملانے کے لیے اٹھے گا۔'' میرا لہجہ جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔

شیطان نے اپنی مکروہ آواز میں قہقہہ لگایا۔

''خاور چوہان تو سمجھتا ہے کہ اس حصار کے پیچھے چھپ کر تو مجھ سے بچ جائے گا' مزہ تو تب آئے گا' جب تو میری ذریات کا مقابلہ اپنے بازوؤں کے زور پر کرے گا' میں انسان سے شکست نہیں کھاؤں گا' اگر تجھ میں دم ہے تو حصار ختم کر' میں بھی اپنے کسی منتر سے کام نہیں لوں گا' اور میرا ایک غلام تجھ سے لڑے گا جو تیری طرح انسان ہے' اگر تو اس سے جیت گیا تو جو کہے گا وہ بات مان لوں گا۔''

شیطان کی آواز چغلی کھا رہی تھی' کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل نہیں کرے گا' اس کا مقصد میرا حصار ختم کرنا تھا تاکہ مجھ پر براہ راست حملہ کر سکے۔

''ٹھیک ہے ابلیس تو اپنے غلام کو بلا' میں اپنا حصار ختم کرتا ہوں۔'' میں نے رضامند ہوتے ہوئے کہا۔

میرا مقصد تھا کہ اب شیطان کا جو چیلا نمودار ہو' اس کو بھی مار دوں اس لیے میں حصار ختم کرنے پر رضامند ہو گیا تھا' مگر میں نے سوچ لیا تھا' کہ اگر شیطان نے شیطانیت کرنے کی کوشش کی تو اس کو کس طریقے سے روکا جائے گا۔

سردار ذوالقرنین میرے کان میں سرگوشی کر کے مجھے حصار ختم کرنے سے روک رہا تھا۔

مگر میں نے اپنے دماغ سے کام لیتے ہوئے سردار ذوالقرنین کو تسلی دے دی اور اس کو بولا کہ وہ تیار رہے' اگر شیطان نے شیطانیت کی تو میرا اٹھنے والا قدم شیطان کو بھاگنے پر مجبور کر دے گا' تو سردار کا کام ہو گا' کہ جو بھی شیطان کا غلام نمودار ہو' اس کا خاتمہ کر دے۔

سردار ذوالقرنین نے میرے فیصلے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ شیطان کا جو انسان چیلا ظاہر ہوا تھا' وہ اپنے انداز سے لڑنے بھڑنے والا لگ رہا تھا۔ میں نے حصار ختم کر دیا۔

مگر میرے حصار ختم کرتے ہی شیطان نے

تیزی سے ایک سمت اشارہ کیا اور سیاہ رنگ کی دھول تیزی سے میرے طرف پھیلنے لگی' شیطان اپنی شیطانیت پر قہقہے لگا رہا تھا' میں پرسکون تھا۔ میرا اگلا وار شیطان کو اس جگہ سے کوسوں دور پھینکنے والا تھا۔

میں نے شیطان کو کہا۔ ''تو نے اپنی شیطانیت ظاہر کر دی' اب سنبھل کے دکھا۔''

اس سے پہلے وہ سیاہ دھول میرے قریب پہنچتی۔

میں نے اونچی آواز میں اذان دینی شروع کر دی' اللہ اکبر کی بلند صدائیں مندر کے در و دیوار میں چھپے ہوئے ہر شیطان کو بھاگنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

سب سے آگے ان کا بڑا شیطان بھاگ رہا تھا' میں نے بھاگتے ہوئے شیطان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لیے سردار ذوالقرنین کو اشارہ کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سردار ذوالقرنین نے شیاطین کو زیر و زبر کرنا شروع کر دیا۔

شیطان اپنے پورے ٹولے کو چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ کچھ ہی دیر میں شیطانی ٹولہ اپنے انجام کو پہنچ گیا' یہ کام سردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھی جنات نے کیا تھا' میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سردار ذوالقرنین کو قبیلے کا رخ کرنے کا بولا اور خود بھی قبیلہ یاشان پہنچ گیا۔ میں نے سردار ذوالقرنین کی بروقت رہنمائی کا شکریہ ادا کیا جو اس نے کالی دیوی کے خاتمے کے لیے دکھائی تھی۔

''خاور چوہان اب تمہیں مزید محتاط رہنا ہو گا' شیطان اب پھر تم پر حملہ کرنے کی سوچے گا۔'' سردار نے سمجھایا۔

''اللہ مالک ہے۔'' میں نے کہا اور سونے کا ارادہ ظاہر کیا' کچھ دیر میں گہری نیند سو چکا تھا' مگر اس بار میں نے اپنے ذہن کو خصوصی ہدایات نہ دی تھیں' میں بہت تھک چکا تھا' اس لیے بس اب صرف کچھ گھنٹے سو کر اپنی تھکن دور کرنا چاہتا تھا' اس وجہ سے اپنے آپ کو مقدس آیات کے حصار میں دے کر دماغ کو محتاط رہنے کا کہہ کر سو گیا۔ میں کافی دیر سویا تھا' اتنے عرصے بعد اتنی پرسکون نیند سونے کے بعد جب سو کر اٹھا تو میں اپنے آپ کو پھر سے تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ نہا دھو کر میں نے اپنی رہائش گاہ سے باہر قدم رکھا ہر طرف پرسکون ماحول تھا۔ مجھے یوسف کا خیال آ رہا تھا۔ جب سے وہ گیا تھا اس کے بارے میں متوجہ ہونے کا مجھے بالکل وقت نہیں ملا تھا۔ اس لیے میں نے یوسف کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ کچھ ہی دیر میں میں یوسف کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ یوسف سے مل کر جو صورتحال معلوم ہوئی' اس کے مطابق یوسف اور اس کے ساتھی دو گروہوں میں مل کر کام کر رہے تھے اور جو بھی اہم معلومات ہوتیں ان کے بارے میں یوسف کو مطلع کر دیا جاتا تھا' ابھی تک انھوں نے ایشیا کے ایک ملک میں کام کیا تھا' جہاں پر شیطانی طاقتوں کی بھرمار تھی' زندگی کا عرصہ حیات ان پر تنگ کیا جا چکا تھا اور نوزائیدہ بچوں کو ہر ماہ کی تاریک راتوں میں شیطان کے مجسمے کے سامنے قربان کیا جاتا تھا۔ مگر یہ سب کام شیطانی طاقتیں کھلے عام کرنے کی بجائے بہت منظم طریقے سے کر رہی تھیں۔ اتنے بچوں کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے اس ملک کی پولیس بھی پریشان تھی' کافی کوششوں کے بعد بھی وہ کوئی ایسا طریقہ نہیں ڈھونڈ سکے' جس سے بچوں کو بچایا جا سکے۔ یوسف اور اس کے ساتھیوں نے ان شیطانی طاقتوں کا سراغ لگا لیا تھا' اب وہ ان کے خلاف کام کرنے کے لیے تیار تھے۔ یوسف پر اعتماد تھا کہ وہ اس کام کو با آسانی کم سے کم وقت میں سرانجام دے دے گا۔ میں نے یوسف کی معلومات پر خوشی کا اظہار کیا اور اس کو مزید کچھ ہدایات دیں۔

یوسف سے فارغ ہو کر میں نے سردار ذوالقرنین سے ملنے کا سوچا اور پھر سردار ذوالقرنین کی رہائش پر چلا گیا۔ سردار ذوالقرنین کی رہائش پر قبیلے کے کچھ جنات پہلے سے موجود تھے۔ سردار ذوالقرنین نے بتایا۔

''خاور چوہان یہ جنات دنیا کے مختلف حصوں میں تمہارے کہنے کے مطابق شیطان کے خلاف کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کررہے ہیں' میں نے اپنے قبیلے کے جنات کے مختلف گروہ بنا کر ان جنات کو ان کا امیر مقرر کیا ہے' اس وقت جو یہ دس جنات نظر آرہے ہیں' یہ دس گروہوں کے امیر ہیں' اور ہر گروہ میں پچاس جنات موجود ہیں۔ یہ سب امیر مہینے میں ایک دفعہ آکر اپنی اپنی کارگزاری سناتے ہیں۔ آج کارگزاری سنانے کا دن ہے' اس لیے یہ سب امیر موجود ہیں اور اب تک کی کارگزاری بہت تسلی بخش ہے' ہمارے ان اقدام نے شیطان اور اس کے چیلوں کو ہر جگہ سے بھاگنے پر مجبور کردیا ہے' مگر ایک امیر کی کارگزاری بہت توجہ طلب ہے' میں چاہ رہا تھا' کہ تمہیں بھی وہ کارگزاری سنا کر تم سے مشورہ کیا جائے۔'' سردار ذوالقرنین کا لہجہ آخر میں آکر کافی فکرمندانہ ہوگیا تھا۔

''سردار مجھے تمہاری صلاحیتوں اور تمہارے کام کو دیکھ کر یقیناً بہت خوشی ہوئی ہے۔ تم سردار یاشان کے صحیح جانشین ثابت ہورہے ہو اور اگر تم کسی کارگزاری سے پریشان ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کارگزاری واقعتاً ہی توجہ طلب ہے' اس لیے اے سردار میں پوری طرح ہمہ تن گوش ہوں' تم اپنی پریشانی کا اظہار کرو تاکہ اس کا سدباب کرنے کے لیے کوئی رستہ ڈھونڈا جاسکے۔'' میں نے سردار ذوالقرنین کے کام کی تعریف کرتے ہوئے اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی۔

''امیر زید تم اپنی کارگزاری ایک بار پھر سے دہراؤ' اور ہر واقعہ پوری طرح نمایاں کرو' کوئی بھی بات ادھوری نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ ہم سب کی زندگی کا یہ سب سے کٹھن مرحلہ ہوگا' کہ ہم اس میں کامیابی حاصل کریں۔'' سردار ذوالقرنین نے ایک جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

امیر زید نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''سردار کے حکم پر میں اور میرا گروہ ایک ایسے ملک میں کام کررہا ہے جس کو اگر شیطانی ملک کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس ملک کی ایک ایسی تنظیم ہے جس کے ممبران پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے کام کو بہت ہی تیزی سے بڑھا رہے ہیں' ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ شیطانی نظریات کو غیر محسوس طریقے سے پوری دنیا میں بسنے والے لاتعداد انسانوں کے ذہنوں میں اس طرح سے پہنچا دیا جائے کہ سب لوگ آہستہ آہستہ ان ہی نظریات کے حامل بن جائیں۔ اس کام کے لیے ان لوگوں کا پھیلایا ہوا جال بہت وسیع پیمانے پر کام کررہا ہے۔ بنیادی طور پر ان لوگوں نے دنیا میں ہونے والی جدید نشریات کو اپنے قابو میں کرلیا ہے' جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو جو سنانا یا دکھانا چاہتے ہیں' اس پر باآسانی عمل کرلیتے ہیں اور میرے ساتھی جنات کی تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے' کہ دنیا میں موجود لوگوں کی اکثریت اب ان کے پھیلائے ہوئے جال کی وجہ سے تقریباً ان کے نظریات کی حامی بن چکی ہے اور ایسا غیر محسوس طریقے سے ہورہا ہے۔ کہ لوگوں کو اپنے نظریات میں ہونے والی تبدیلیوں کا علم نہیں ہو پارہا۔ اس کے علاوہ اس تنظیم نے شیطان کے بہت سے معبد بنا رکھے ہیں جہاں پر بھولے بھٹکے لوگوں کو شیطانیت کی تعلیم دی جاتی ہے اور انسانوں کی دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کے لوگ اس تنظیم کے ممبران ہیں۔ یہ تنظیم گزرنے والے ہر وقت کے ساتھ ساتھ اور مضبوط ہوتی جارہی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ اس تنظیم میں شیطانی طاقتیں اور شیطان جنات بھی شامل ہیں جو شیطان کے مقصد کی تکمیل کے لیے اس تنظیم کی پشت پناہی کررہے ہیں۔ یہ تنظیم خصوصاً مسلمانوں کے خلاف کام کررہی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے شروع سے ہی بچوں کو اپنے قابو میں کرنے کا جو طریقہ اپنایا ہے' وہ بھی بہت منفرد ہے۔ بچوں کی پسند کے پروگراموں کو یہ اپنی مرضی سے بناتے ہیں اور اس میں کچھ ایسے غیر فطری کام دکھاتے ہیں جو عموماً بچوں کو شروع سے ہی اس تنظیم کے نظریات کا حامی بننے میں مدد دیتے ہیں۔ شیطان کا یہ منصوبہ بہت طویل ہے' مگر اس کے نتائج بہت ہی خطرناک ہیں اور اگر اب بھی اس کے خلاف کام نہ کیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ دنیا کی اکثریت مکمل طور پر شیطانی نظریات کی حامی ہوجائے۔ اس کے لیے میں نے اور میرے ساتھیوں نے کافی

کوشش کرکے اس تنظیم کے سربراہوں کا پتا لگا لیا ہے۔ ان کا سب سے بڑا سربراہ شیطان کا دست راست بنا ہوا ہے' شیطان کے منصوبوں کو پھیلانے میں اس کا سب سے بڑا ہاتھ ہے اور شیطانی دنیا میں وہ بہت طاقت رکھتا ہے۔'' امیر زید نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

امیر زید کی فراہم کردہ معلومات واقعی ہی ایسی تھیں کہ ان پر جتنا پریشانی کا اظہار کیا جائے اتنا کم تھا۔ ان معلومات نے مجھے بھی فکرمند کردیا تھا۔ اللہ کے دشمن' اس کی مخلوق کو بھٹکانے میں لگے تھے اور ہم اپنے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔

''تمہاری ان کاوشوں سے مسلمانوں کا بہت بھلا ہوگا' امیر زید' تم نے اور تمہارے گروہ نے واقعی ہی میں اس سازش کو بے نقاب کرکے مسلمان ہونے کا حق ادا کردیا ہے' اور اب اتنا ہی کافی نہیں ہے' اب ہم سب جدوجہد کرکے شیطان اور اس کے چیلوں کو اس بھیانک منصوبے پر عمل کرنے سے روکیں گے' چاہے اس کے لیے ہمیں اپنی جان بھی کیوں نہ قربان کرنی پڑے' مگر شیطان کو بڑھنے کا موقع نہیں دے گے۔'' میں نے امیر زید کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

''مگر اس کام کے لیے ہم لوگوں کو ایک طویل اور صبر آزما منصوبہ بندی سے کام لینا پڑے گا اور فتح اللہ کے حکم سے حق کے متوالوں کی ہوگی۔ سردار ذوالقرنین ہم سب کو انتہائی شدید جدوجہد کرنی پڑے گی' اس کے لیے مجھے تمہارے سارے قبیلے کی مدد بھی درکار ہوگی۔ اس لیے تم ایسا کرو' اپنے سارے قبیلے کے جنات کو اکٹھا کرو' میں ان سب سے خود پوچھنا چاہوں گا' کیونکہ ہوسکتا ہے اس جدوجہد میں ہم سب کی جان بھی چلی جائے۔'' میں نے سردار ذوالقرنین سے کہا۔

''خاور چوہان میں اور میرا قبیلہ پہلے ہی سے تمہارے ہر حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہیں۔ مگر تمہاری خواہش کے پیش نظر میں اپنے سارے قبیلے کے جنات کو ایک خالی میدان میں جمع ہونے کی ہدایات دیتا ہوں۔'' سردار ذوالقرنین نے کہا۔

اور پھر سردار اور اس کے ساتھ ہی باقی جنات بھی اٹھ کر کھڑے ہوگئے' میں نے سردار کی رہائش سے باہر آکر اپنی رہائش گاہ کی طرف رخ کیا۔ کافی دیر کے بعد سردار نے آکر بتایا کہ پورا قبیلہ جمع ہوگیا ہے' اور میرا انتظار کررہا ہے۔ میں سردار کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا سردار کی رہنمائی میں اس جگہ چل پڑا۔ ہر طرف جنات ہی جنات نظر آرہے تھے' عصر کی اذان کا وقت ہوچکا تھا' اس وجہ سے اس میدان میں ہی پہلے ہم سب نے نماز ادا کی' نماز کی ادائیگی کے بعد میں نے رب کے حضور رو رو کر مسلمانوں کی فتح کی دعا کی۔ جب دل کو سکون ہوگیا تو ایک بار پھر سے سب جنات کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے سب کو صاف صاف بتا دیا کہ اس جدوجہد کا آغاز جو ہم کرنے جارہے ہیں' اس میں جانیں جانے کا اندیشہ بہت زیادہ ہے' اور اس لیے جو جنات اس جدوجہد میں حصہ نہ لینا چاہتے ہوں' وہ اپنے گھروں کو لوٹ سکتے ہیں' مگر اللہ اکبر کے بلند نعرے نے جنات کی ثابت قدمی کو بیان کردیا۔ کوئی بھی جن اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہلنے کو تیار نہ تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا' اور سب کو تیاریاں مکمل کرنے کا کہہ کر خود سردار ذوالقرنین اور باقی دس امیروں کے ساتھ سردار ذوالقرنین کی رہائش گاہ پر چل پڑا' میں نے منصوبہ بنالیا تھا' اب اپنے منصوبے کو اپنے ساتھیوں سے مشاورت کرکے اس کی خامیاں دور کرنی تھیں۔ سردار ذوالقرنین کی رہائش گاہ میں سردار سمیت باقی امیر بھی میری طرف متوجہ تھے۔

''خاور چوہان اب اگلا قدم کیا ہوگا۔'' سردار ذوالقرنین نے پوچھا۔

''سردار میرا یہ منصوبہ ہے کہ ہم پہلے تو ان شیطانی معبدوں پر قبضہ کرلیں اور اگر اس میں شیطانی ذریات ہیں تو ان کو یا تو فنا کردیا جائے یا پھر بھاگنے پر مجبور کردیا جائے کہ وہ پھر سے اس معبد کا رخ نہ کریں' اس سے سب سے بڑا جو فائدہ ہوگا وہ یہ ہوگا' کہ شیطان اور ان لوگوں کے درمیان رابطہ ختم ہوجائے گا اور دوسرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام یہ ہوگا' کہ شیطانی نظام کو فروغ دینے کے لیے جو نشریات کا سلسلہ رائج ہے اس میں عین وقت پر اپنی مرضی سے کچھ اس طرح کی تبدیلیاں کی جائیں' کہ اس نظام کے بڑوں کو بھی نہ معلوم ہو سکے کہ ان کی مہیا کردہ معلومات میں کیا تبدیلی آئی ہے' اس کام کے لیے ایسے جنات کی ضرورت رہے گی' جو عقل کا استعمال بروقت کرنا جانتے ہوں اور پہلے کام کے لیے جنات کے گروہ ترتیب دیئے جائیں گے' جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے معبدوں سے شیطانی طاقتوں کا اس طرح خاتمہ کریں گے کہ کسی شیطانی طاقت کو اتنا وقت نہ مل سکے کہ وہ اپنا دفاع کر سکیں اور یہ حملہ تمام معبدوں پر ایک ساتھ ہوگا' پہلے ہر معلومات کا ذخیرہ اپنے پاس محفوظ کیا جائے گا' اس کے بعد پھر حملے کا وقت طے کیا جائے گا' اور تیسرا کام میں کروں گا' شیطان کے دست راست کو فنا کرنے کا کام۔ اس کے لیے امیر زید سے درخواست کروں گا' کہ مجھے اس کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی جائیں' جیسے اس کی شکل وصورت کے بارے میں تفصیل' اور اگر یہ ممکن ہو تو امیر زید مجھے اس کی شکل دکھا دیں' تاکہ پھر اپنے عمل سے اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر سکوں۔'' میں نے اپنے منصوبے کو واضح کرتے ہوئے کہا۔

'' خاور چوہان آپ آنکھیں بند کریں ابھی آپ کے ذہن میں اس کی شکل واضح ہو جائے گی۔'' امیر زید نے کہا۔

پھر واقعی ہی کچھ دیر میں اپنے اگلے دشمن سے آشنا ہو چکا تھا۔

'' سردار ذوالقرنین تمہیں یا باقی ساتھیوں کو میرے منصوبے میں اگر کوئی خامی نظر آتی ہے تو اس کی درستگی کے لیے مشورہ دے سکتے ہو' اور اگر تمہارے ذہنوں میں بھی کوئی حل ہے تو وہ بھی بتا سکتے ہو۔''

مگر میرے منصوبے کو سب نے تسلیم کیا' میں نے سردار کے ذمے گروہ بنانے کا کام لگایا' کہ اپنے ساتھی جنات کے اس طرح سے گروہ بنائے کہ شیطانی معبدوں اور شیطانی نشریات کے نظام کے خلاف موثر طور پر کام کیا جا سکے اور کچھ گروہ ایسے بھی بنائے' جو ضرورت پڑنے پر باقی گروہوں کی مدد کر سکیں۔ میں نے سردار ذوالقرنین سے کہا۔

مجھے معلوم تھا کہ یہ کام سردار بہتر طور پر سرانجام دے سکتا ہے۔ میں نے اپنے حصے پر کام شروع کرنے کے لیے باقی ساتھیوں سے اجازت طلب کی اور اپنی رہائش گاہ پر چلا گیا۔ مجھے اپنے اس کام میں یوسف کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی' اس لیے یوسف کے ساتھ رابطہ کر کے اس کو شیطانی طاقتوں کا خاتمہ کر کے جلد سے جلد واپس آنے کا کہا۔ یوسف نے بتایا کہ کام شروع ہو چکا ہے بس اب دو یا تین روز میں مکمل ہو جائے گا۔ میں نے اپنے مخصوص عملیات شروع کرنے کا ارادہ کیا' جو میرے کام میں میرے لیے کافی فائدہ مند ثابت ہوتے۔ میں آنکھیں بند کر کے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر عمل میں ڈوب گیا۔

میں کچھ دیر میں تمام معلومات حاصل کر چکا تھا۔ اس بار میرا منصوبہ کچھ طویل ضرور تھا مگر مجھے یقین تھا کہ میرے منصوبے پر عمل کر کے میں اپنی پسند کے نتائج حاصل کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے اب مجھے اپنے آپ کو ایک عام دنیاوی شخص ثابت کرنا تھا' اور اس ملک میں جا کر اس تنظیم سے وابستہ ہونے کی کوشش کرنی تھی۔ تاکہ جلد ہی اس مقام تک پہنچ سکوں۔ جہاں شیطان کو پھر سے بھرپور اذیت پہنچائی جا سکے۔

میں نے اپنے حصے پر عمل کرنے کے لیے رات کا وقت منتخب کیا اور جانے سے پہلے سردار ذوالقرنین کو پوری تفصیل بتا دی اور اس کے ساتھ ہی یوسف سے رابطہ کر کے کام مکمل ہو جانے کے بعد مجھ سے چھپ کر ملنے کی تاکید کی۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ میں اپنے عمل کی بدولت بہت جلد اس ملک میں پہنچ گیا تھا اور اب ایک خالی اور قدرے سنسان جگہ پر ٹھکانہ بنائے آگے آنے والے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

میں براہ راست شیطان کے نائب تک نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے مجھے ایک پائیدار منصوبے کی ضرورت تھی' مگر میرے ذہن میں کوئی بھی ایسی تجویز نہیں آ رہی تھی کہ اس پر عمل کر کے بالواسطہ اس تنظیم کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ میں سوچ سوچ کر تھک چکا تھا' اس وجہ سے اللہ کے حضور جھک کر نفل پڑھے تاکہ کوئی ایسا طریقہ سمجھ میں آ جائے جو مجھے باآسانی میرے راستے کے زینوں پر پہنچا دے۔ میں اس وقت آنکھیں بند کئے ایک درخت کے نیچے لیٹا آگے بڑھنے کا طریقہ سوچ رہا تھا۔ اچانک کسی نے میرے دونوں پاؤں کو پکڑ لیا۔ میں ابھی سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ ان دونوں ہاتھوں کی مضبوط پکڑ نے مجھے زمین کے اندر تیزی سے کھینچنا شروع کر دیا۔ میں تیز رفتاری سے زمین کے اندر اور اندر دھنستا چلا جا رہا تھا۔ میرا جسم زمین سے رگڑ رگڑ کا چھیلا جا رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد جب ان ہاتھوں نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کیا تو میں زمین کی نامعلوم کتنی گہرائی میں جا چکا تھا۔ میں نے آزاد ہوتے ہی اس جگہ سے چلنا شروع کر دیا تاکہ اس جگہ کا جائزہ لے سکوں۔ ہر طرف اندھیرے کا راج تھا اور کہیں کہیں آگ کے دریا جلتے نظر آ رہے تھے۔ مگر مجھے کوئی جاندار نظر نہ آیا۔ مگر ہر طرف سسکیوں اور آہوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ جیسے بہت سے لوگ مل کر کراہ رہے ہوں۔ میں اس اسرار کو جاننے کے لیے چلتا جا رہا تھا' مگر کراہوں کی آوازیں تو ہر جگہ سے گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ کافی چلنے کے بعد ایک جگہ لاتعداد لوگوں کا ہجوم سا نظر آیا۔ دیکھنے میں وہ سب انسان ہی لگ رہے تھے۔ میں نے اصل صورتحال جاننے کے لیے اس ہجوم کی طرف قدم بڑھائے اور ایک شخص کے کندھے کو ہاتھ سے ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر مجھے ایسے لگا جیسے میرا ہاتھ کسی ٹھوس چیز سے نہ ٹکرایا ہو۔ بلکہ میرا ہاتھ اس شخص کے جسم کے آر پار جا رہا تھا۔

میں نے ان لوگوں کو کافی آوازیں دے کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا' مگر میرے چلانے پر بھی کسی نے پلٹ کر میری طرف نہ دیکھا' جیسے ان کو کوئی آواز نہ آ رہی ہو۔ میں نے اب غور کیا تو فضاء میں سسکیوں اور آہوں کی آوازیں ان ہی لوگوں کی تھیں۔ وہ مسلسل بین کرنے لگے تھے۔ ان کے چہرے تکلیفوں سے مسخ ہو رہے تھے۔ میں نے اب اپنے دماغ سے کام لینے کے لیے سوچا۔ مگر اتنا بڑا ہجوم مجھے بغیر دماغ کے محسوس ہوا۔ کیونکہ میرے دماغ کی لہریں کسی کے بھی دماغ کو محسوس نہیں کر پا رہی تھیں۔ اچانک ہجوم نے ہم آواز ہو کر نامفہم آواز میں کچھ چلانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تکلیفوں سے مسخ شدہ چہرے اور تکلیف دہ ہو کر مسخ ہو گئے۔ میں نے کچھ غور کیا تو مجھے اس نامفہم آواز کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی۔ وہ لوگ کسی سے معافی طلب کر رہے تھے اور دوبارہ زندگی ملنے پر نہ بھٹکنے کا عہد کر رہے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ یہ سب لوگ مر چکے تھے اور یہ ان کی صرف ارواح باقی تھیں۔ میں ان لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ مگر مجھے کوئی ایسا طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان کے پچھلے حالات معلوم کر سکوں۔ میں نے کچھ سوچتے ہوئے اس جگہ سے کوچ کر کے دوسرے رستے دیکھنے لگا۔ اس بار کافی چلنے پر ایک غار سا نظر آیا۔ غار سے بھی ہلکے ہلکے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے غار کے اندر داخل ہو کر دیکھا تو ایک بوڑھے کو زمین پر اوندھے منہ گرا ہوا پایا۔ اس کا پورا بدن زخمی تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ وہ قریب المرگ ہے۔ میں نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو سہارا دے کر سیدھا لٹایا۔ اس کے چہرہ بھی اس قدر زخمی تھا کہ اس کے چہرے کو دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ میرے ہلانے پر وہ ہوش میں آ گیا۔

''تم کون ہو دوست..... اور اس حال میں اس جگہ کیسے پہنچے.....'' میں نے پوچھا۔

''مم..... میں مسلمان تھا مگر رستے سے بھٹک گیا اور شیطانی جال میں پھنس گیا۔ میں نے اپنا مذہب اپنے ہاتھوں شیطان کے ہاتھوں بیچ دیا۔ میں نے اپنی روح بھی چند روزہ زندگی کی خوشیوں کے لیے شیطان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے حوالے کردی تھی۔ آہ..... چند روزہ خوشیاں اتنی جلدی ختم ہوگئیں۔ میں اس دنیا کے لیے شیطان کا ساتھی بن گیا تھا' میں نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلی تھیں' کہ بہت زندگی باقی ہے۔ مگر افسوس..... کہ جوانی اتنی جلدی ختم ہوگئی اور بڑھاپا آگیا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو بھٹکا کر شیطان کا ساتھی بننے پر مجبور کیا تھا۔ مگر اسی شیطان نے میرے بوڑھے ہونے کی وجہ سے مجھے اس حال میں مرنے کے لیے یہاں چھوڑ دیا۔ آہ..... کاش میں نے شیطان کی بات نہ مانی ہوتی اور اپنے مذہب پر کاربند رہتا تو آج سکون سے قبر میں سوتا۔ میرا انجام بھی اب وہی ہے دہکتی ہوئی آگ..... مرنے کے بعد میری روح بھی ادھر موجود ان لوگوں کی روحوں کے ساتھ مل کر آہ و بکار کرے گی۔ جو میرے سے پہلے اپنی روحیں شیطان کے حوالے کرچکے ہین۔'' بوڑھے نے رونا شروع کردیا۔

''بابا آپ اب بھی توبہ کرلو..... سانس کے ٹوٹنے تک توبہ کے دروازے کھلے ہوتے ہیں' اب بھی وقت ہے کہ آپ اپنے سچے رب کو پکار لو اور اس کے سامنے سچی توبہ کرلو تو آپ عذاب سے بچ جاؤ گے.....'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''ت..... تو کیا رب مجھے بھی معاف کردے گا..... میں نے تو اس کو کبھی نہیں پکارا.....'' بوڑھے نے چونک کر کہا۔

''بابا..... اللہ تو غفور الرحیم ہے..... وہ تو چاہتا ہے کہ اس کا بندہ توبہ کرکے واپس اس کی بندگی میں آجائے.....'' میں نے ایک بار پھر نرم لہجے میں کہا۔

''میرے مالک میں توبہ کرتا ہوں۔ مجھ سے جرم ہوگئے..... تو مجھے معاف کردے۔ پھر سے میرا رب بن جا.....'' بوڑھے کے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح بہہ رہے تھے۔ وہ بس ایک ہی گردان کررہا تھا۔ ''معافی دے دے رب.....'' بوڑھے کی آواز دل کو چیر رہی تھی۔

میں بھی اپنے آنسو نہ روک پارہا تھا۔

''خاور حیات تو نے یہ..... یہ کیا کیا..... تو نے اس کو توبہ کا رستہ دکھا کر میرے ساتھ اپنی دشمنی کو اور بھی گہرا کردیا ہے۔'' اچانک شیطان لعین کی لعنت زدہ آواز میری سماعت کے پردے پھاڑنے لگی۔

''لعین تو پھر آگیا ہے' تجھے تیری پچھلی بار کی شکست بھول گئی ہے شائد.....'' میں نے شیطان کا تمسخر اڑایا۔

''خاور حیات..... یہ میرا اٹھکانہ ہے اب تیری موت ہی تجھے یہاں سے نکال سکتی ہے..... اس پاتال میں صرف میرا راج ہے اور اب سے تو اس پاتال کا قیدی ہے۔'' شیطان نے غصے سے چلایا۔

''میرے رب تیرا شکر.....'' اچانک بوڑھے کی آواز آئی۔

میں نے جب مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو بوڑھے کی گردن ڈھلک چکی تھی اور وہ اپنے اصل مالک کے پاس جاچکا تھا۔ میں نے رب کا شکر ادا کیا۔

''خاور حیات تیری وجہ سے میرا ایک قیدی عین موت کے وقت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ میں تم انسانوں سے نفرت کرتا ہوں' تم انسانوں کا ابدی ٹھکانہ بھی میرے ساتھ جہنم بنے گا۔ میں تم سب انسانوں کو بھٹکا کر اپنے ساتھ جہنم میں لے کر جاؤں گا۔'' شیطان غصے میں چیخ رہا تھا۔

''تو میرے رب کا دشمن ہے..... آج تجھے اس حال میں چیختے ہوئے دیکھ کر میری روح بھی مسرور ہورہی ہے..... میں تیری گرفت میں پھنسے ہر اس انسان کو اللہ کی طرف واپس بلاؤں گا۔ جس میں ایمان کی ذرہ برابر بھی کیفیت باقی ہوگی۔ نہیں تو تیرے ان چیلوں کو جہنم واصل کروں گا..... اب اپنی لعنت زدہ شکل یہاں سے گم کر..... نہیں تو پھر پچھلی بار کی طرح تجھے بھاگنا پڑے گا..... اور تو نے مجھے یہاں بلایا تو قید کرنے کے لیے ہوگا۔ مگر دیکھ لے میرے رب کا نظام..... تیرا مجھے یہاں بلانا' ایک انسان کی رہائی کا ذریعہ بن گیا اور تیری کیا اوقات تو مجھے یہاں روک سکے۔ میں تیرا یہ ٹھکانہ اب مٹی میں ملا کر ہی جاؤں گا۔'' میں نے شیطان پر

لعنت کرتے ہوئے کہا۔

''خاور حیات..... تو اب نہیں بچ سکتا.....'' شیطان کی آواز آئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کی چیخوں کی آوازیں آنے لگی اور شیطان ایک بار پھر سے فرار ہورہا تھا۔ کیونکہ میں نے زیر لب لاحول کا ورد شروع کردیا تھا..... جس کی وجہ سے شیطان چیختا ہوا بھاگ رہا تھا۔

☆☆☆

شیطان کے فرار کے بعد میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر اس بوڑھے کی لاش کو مذہب کے مطابق دفن کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ بہرحال کسی نہ کسی طریقے میں نے ایک قبر بنا کر بوڑھے کو اس کے حوالے کردیا۔

اب اس پوری جگہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ اگر کوئی ایسا اور انسان ملے تو اس کو بھی اللہ کی بندگی میں واپس لانے کی کوشش کی جاسکے۔ شیطان نے اپنی طرف سے مجھے اس زندان خانے میں قید کیا تھا۔ مگر یہ اللہ کی طرف سے میری مدد تھی' کہ شیطان نے اپنا ایک اور ٹھکانہ مجھے خود دکھا دیا تھا..... اور اب اس موقع سے میں پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے شیطان کے نائب تک پہنچنے کا جو طریقہ سوچ تھا۔ وہ بھی اب کامیاب نہ ہوسکتا تھا۔ کیونکہ شیطان مجھ سے اب غافل نہ تھا۔ وہ ہر جگہ پہنچنے کی کوشش کرتا تھا..... جہاں میں ہوتا تھا۔ اس لیے میں نے وہ سارا کام اسردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں پر چھوڑنے کا سوچ لیا۔ فی الوقت مجھے اس جگہ کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے میں اس وسیع و عریض دنیا کو دیکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ زمین کی گہرائیوں میں پیوست اس دنیا کا اسرار جان سکوں۔

میں زمین کی نا جانے کتنی گہرائی میں موجود تھا۔ میں نے اس بارے میں سوچنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی' بس مجھے یہ معلوم تھا کہ شیطان لعین کا جو ٹھکانہ مجھے معلوم ہوچکا ہے اس کو بھی شیطانیت سے پاک کرنا ہے۔ اس جگہ پر سورج بھی کبھی نہ چمکا ہوگا۔ ہر جگہ تاریکی کا راج تھا۔ میں نے قدم بڑھانے شروع کیے اور ایک انجانے رستے پر چل پڑا۔ شیطان لعین اور اس کی ذریات کہیں نظر نہ آرہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اب اس وسیع و عریض تاریک جگہ پر میں ہی اکیلا آدم زاد ہوں۔ میں کئی گھنٹوں سے پیدل چل رہا تھا' مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ میں چلتے چلتے تھک چکا تھا۔ اس لیے سوچا کہ رک کر کسی جگہ آرام کرلینا چاہیے۔

سب احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا اور پھر شیطان کو ڈھونڈنے کی غرض سے اس کے بارے میں سوچتا ہوا نیند کی گہری وادیوں میں گم ہوگیا۔

☆☆☆

ایک وسیع و عریض میدان تھا۔ بہت شور کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں جنگ کے میدان میں آگیا ہوں۔ اچانک ایک تیر برق رفتاری سے آکر میرے کندھے میں دھنس گیا۔ درد کی شدت سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا ناچ گیا۔ میں نے ایک ہاتھ تیر پر رکھ کر اس کو اپنے جسم سے نکالنے کے لیے زور لگایا ہی تھا کہ میری پشت پر جیسے چھریاں چل گئی تھیں۔ مجھ سے اب برداشت کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے دماغ کو فوری طور پر ہوش کی دنیا میں لے جانے کو کہا۔ دوسرے لمحے میں اسی زیر زمین پاتال میں موجود تھا۔ میرے کندھے اور پشت سے نکلنے والے خون نے میرے کپڑے خون میں رنگ دیئے تھے۔ میرے اوپر بار بار غشی سی طاری ہورہی تھی۔ پھر میں بے ہوش ہوگیا۔

نا جانے کتنا وقت گزر چکا تھا مجھے ہوش کی دنیا کو الوداع کیے ہوئے کہ مجھے اپنے کندھے کے زخم میں شدید درد کا احساس ہوا..... وہ درد مجھے ہوش کی دنیا میں واپس لے آیا۔ میرے کندھے میں ایک دم سے پھر ٹیس اٹھی۔ میرا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ شیطان اپنا وار کرنے میں اس بار کامیاب ہوگیا تھا۔ مگر میں اللہ کی ذات سے ناامید نہیں تھا۔ مجھ میں ہلنے کی طاقت بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی اور پھر کچھ لمحوں کے بعد کندھے کے زخم میں ٹھیس اٹھتی تھی۔ جس سے میری آنکھوں کے گرد اندھیرا سا آجاتا تھا۔

اچانک میرے کانوں میں بہت ہی باریک اور مدھم ہنسی کی آواز آئی۔ ''اے آدم زاد تیرا گوشت اور خون تو بہت لذیذ ہے۔'' ایک بار پھر سے ہنسی کی مدھم آواز آئی۔

مگر یہ بات سن کر مجھے ایک دم سے بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔

''آہ.....'' اچانک میرے منہ سے انتہائی شدت کے درد کی وجہ سے بلند چیخ نکل گئی۔ درد بالکل بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''اے اجنبی آدم زاد تو نے ہمارے آقا کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مگر اب بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے۔'' وہی باریک اور مدھم آواز سنائی دی۔

''کون ہے۔ سامنے آؤ۔'' میں چیخ پڑا۔

''تمہارے سامنے ہی تو ہم سب مل کر تمہارے کندھے کے گوشت کو کھا رہے ہیں۔'' وہی آواز سنائی دی۔ مگر اس بار اس آواز میں سفاکی ہی سفاکی تھی۔

میں نے اپنی پوری ہمت کو سمیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں کندھے کے زخم پر لے گیا اور اپنے ہاتھ سے اپنے کندھے کو جھاڑا۔

''اجنبی آدم زاد تو نے ہم سے نہیں لڑ سکتا۔ تیری بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگوں کو چپ کر کے تیرا گوشت کھانے دے۔'' اس بار آواز میں شدید غصہ جھلک رہا تھا۔

تیر اب بھی میرے کندھے میں دھنسا ہوا تھا۔ میں نے اب بغور اپنے کندھے پر دیکھا تو میرے کندھے پر تو انتہائی چھوٹے چھوٹے انسانوں کا جہاں آباد ہوا تھا جو پوری رغبت سے میرے کندھے کے زخم سے گوشت کو کھانے میں مصروف تھے۔ اس دہشت زدہ کر دینے والی صورتحال سے میرے جسم کے ہر مسام سے پسینہ خارج ہونے لگا۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ کیا چاہتے ہو۔''

اس بار کوئی جواب نہیں ملا۔ میری خالت اتنی مخدوش ہو چکی تھی کہ میں اپنے سب عمل بھول چکا تھا۔ میری آنکھوں کے گرد اندھیرا پھر سے چھا رہا تھا۔ پھر میں اوندھے منہ نیچے گر پڑا تھا۔

آخری احساس جو میرے دل میں آیا تھا کہ میں اللہ کے دشمن کو شکست نہ دے سکا اور اس کا شکار ہو گیا۔ اپنی حالت کے پیش نظر مجھے یہ لگ رہا تھا کہ اب میں دوبارہ اس دنیا میں آنکھیں کھول سکوں گا۔ میں بے ہوش ہو گیا۔

☆☆☆

مگر میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ درد کی ایک شدید لہر پھر سے مجھے ہوش میں لانے کا سبب بن چکی تھی۔ مگر میں لاچار ہو چکا تھا۔ کندھے سے بازو تک صرف سفید ہڈی ہی باقی نظر آرہی تھی۔ گوشت کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ اپنے بازو کی حالت دیکھ کر میری چیخ نکل گئی تھی۔

میرا بازو جو اپنے مقابل کے لیے کبھی موت کا پھندا ثابت ہوتا تھا۔ اب وہی بازو گوشت سے محروم ہونے کے بعد ایک بھیانک اور بے کار شے بن کر رہ گیا تھا۔

میں نے سب سے پہلے تو اپنے حواس کو قائم کیا اور پھر اپنے دماغ کو حکم دیا کہ درد کو محسوس کرنے والے حصوں کو تاریک کر دے۔ مجھے اپنے بازو کا بہت افسوس تھا۔ مگر اللہ کے رضا میں میری خوشی تھی۔ اب وہ بونے شیاطین نظر نہیں آرہے تھے۔ میری حالت بہت خراب تھی۔ مگر اب درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اب ادھر سے نکل لینا چاہیے۔ اس سے پہلے وہ شیطان بونے پھر سے آجائیں۔

میں نے چلنا شروع کیا۔ مگر ایک جانی پہچانی آواز نے میرے قدم روک لیے۔

''خاور چوہان..... بھاگ رہے ہو۔ ہاہاہا۔ تمہاری موت ہی اب تمہیں یہاں سے لے کر

جائے گی۔'' وہ آواز نخوت سے بھرپور تھی۔

میں پہچان چکا تھا کہ یہ شیطان لعین کی آواز ہے۔ میں نے شیطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لعین مردود۔ بزدل تو تو ہے جو بھاگ جاتا ہے اور دھوکے سے وار کرتا ہے۔ مگر اب بھی خاور چوہان میں اتنی طاقت ہے کہ تجھے اور تیرے چیلوں کو عبرت کی وادیوں میں دھکیل سکتا ہے۔'' شیطان کو دیکھ کر میرا غصہ عود آیا تھا۔

''ہاہاہا۔'' جواب میں شیطان مردود نے پھر سے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

''شابوس اب تمہیں یہاں سے نہیں جانے دیں گے۔ تم ان کے ایک ماہ کی خوراک ہو۔ ایک ماہ کے اندر وہ تمہارے جسم کا سارا گوشت کھالیں گے اور مزے کی بات یہ ہے کہ تم اپنے روشنی کے کلام سے بھی ان کو زیر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ زیر زمین مخلوق ہے۔ میری ذریات نہیں ہیں۔ مگر یہ مجھے اپنا آقا مان چکے ہیں۔ ان کو شکست دینے کے لیے تمہیں ان سے جنگ لڑنی پڑے گی۔'' شیطان نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''شابوس..... اگر تمہارا یہ شکار بچ نکلا تو تم سب کو میں فنا کر دوں گا۔'' شیطان نے اچانک ایک جانب نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں آقا۔ ایسا نہیں ہوگا۔'' جواب میں وہی باریک اور مدھم آوازیں سنائی دیں۔

میں سمجھ چکا تھا کہ اب مقابلہ کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ میں نے اللہ کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''اللہ مالک ہے۔ اللہ کے لیے اس کی راہ میں لڑتے ہوئے اگر مارا بھی گیا تو مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے اپنی جان اللہ کے بتائے ہوئے کام میں خرچ کی ہے۔'' پھر ایک قدم آگے بڑھا۔

''خاور چوہان..... میں تمہیں محسوس کر رہا ہوں۔ مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم کدھر ہو۔'' ایسا لگا جیسے تپتے صحرا میں مجھے ٹھنڈے پانی کا چشمہ مل گیا ہو۔ میں اپنے دوست کی آواز نہ پہچانوں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ بلاشبہ میرا دوست جو مسلمان ہو کر یوسف بن چکا تھا جو اپنے دشمنوں پر ایک ہیبت طاری کر دیتا تھا۔ میرا دوست میرے دماغ میں مجھے سے مخاطب تھا۔

''یوسف میرے دوست میں ایک مشکل میں پڑ چکا ہوں۔ مجھے خود نہیں پتا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ مگر یہ شیطان کا خفیہ ٹھکانہ ہے جو زمین کے اندر نا جانے کتنی گہرائی میں موجود ہے اور اس وقت شیطان لعین اپنی ذریات کے ساتھ میرے مقابل موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میری زندگی کا آخری مقابلہ ہو۔ کیونکہ میں شدید زخمی ہوں اور اپنے آپ میں لڑنے کی طاقت بھی نہیں پا رہا ہوں۔ مگر اپنی سانس کے بند ہونے تک شیطان کو زک پہنچاؤں گا۔'' میں نے جلدی جلدی یوسف کو ساری صورتحال بتاتے ہوئے کہا۔

ادھر شیطان نے شابوس کو مجھے پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ لاکھوں کی تعداد میں شابوس بونے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے پاس کوئی ایسا ہتھیار نہ تھا کہ ان پر حملہ کر سکوں۔

''آقا تم فکر نہ کرو۔ تمہارا غلام تمہارے دشمنوں پر قہر کا بادل بن کر برسے گا۔ ان پر خون کی بارش کر دے گا..... جو ہاتھ میرے آقا کی طرف بڑھے گا اس کو کاٹ دوں گا۔ میں جلد ہی تمہارے سامنے ہوں گا۔ میں فوری طور پر سردار ذوالقرنین کے پاس جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لے گا۔ تاکہ میں تمہارے پاس پہنچ سکوں۔'' یوسف کی آواز غصے کی وجہ سے بھرا سی گئی تھی۔

اسی وقت شابوس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے انسان بہت خطرناک تھے۔ وہ میرے پاؤں سے چمٹ گئے تھے اور میرے جسم پر چڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے نوکیلے دانت میرے جسم میں دھنسا رہے تھے۔ بے شک میرے دماغ نے درد کی شدت محسوس کرنے والے حصوں کو جامد کر دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود ایسے محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے جیسے چھوٹی چھوٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برچھیاں میرے جسم کو چھلنی کر رہی ہوں۔ شیطان قہقہے لگا رہا تھا۔

میں نے اچانک ایک سمت میں دوڑنا شروع کر دیا۔ میں اپنی پوری طاقت سے بھاگ رہا تھا۔ میرے ساتھ چمٹے ہوئے بونے ہوا میں ادھر ادھر گرنے لگے۔

میں اپنا منصوبہ سوچ چکا تھا۔

بھاگتے بھاگتے میں اچانک رکا۔ شابوس بھی تیز رفتاری سے میری طرف بھاگ رہے تھے۔ میں نے رکتے ہی اپنا رخ بدلا اور پھر شابوس بونوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں دیوانوں کے انداز میں چیخ رہا تھا۔ ان بونوں کے قریب پہنچتے ہی میں نے تیز رفتاری سے بھاگتے ہوئے اپنے جسم کو زمین پر گرا دیا۔ جس کی وجہ سے انتہائی بھیانک انداز میں لڑھکتا ہوا ان بونوں کے اوپر گزر گیا۔ کتنے ہی بونے میرے نیچے آ کر کچلے گئے تھے۔ ان کی ڈری ڈری آوازیں میرے کانوں کو تسکین پہنچا رہی تھیں۔

میں نے اپنے لڑھکتے ہوئے جسم کو سنبھالتے ہوئے پھر سے اٹھ کر دوڑ لگا دی۔ میرا ارادہ پھر سے یہی تھا کہ بھاگتا ہوا آ کر پھر ان بونوں کو کچل دوں۔ میں نے جیسے ہی پھر سے بھاگتے ہوئے اپنے جسم کو زمین پر گرایا۔ ان بونوں نے اپنے منہ کھول دیئے۔ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ جنھوں نے اردگرد کی زمین اور مجھے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ میرا حملہ نا صرف ناکام ہو چکا تھا بلکہ میرا جسم بھی جھلس گیا تھا۔ میں زمین پر بے حس پڑا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ اب مجھے سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ شیطان کے قہقہے اچانک مزید بلند ہو گئے تھے۔ شیطان نے اپنی ہر طرح کی ذریت کو بلا لیا تھا۔ تاکہ وہ آ کر خاور چوہان کی بے بسی اور موت کا تماشہ دیکھیں۔ پورا شیطانی ٹولہ اس پاتال میں جمع ہو چکا تھا۔ ”میں اتنی آسانی سے نہیں مروں گا۔ نہیں مروں گا۔“ میں چلایا۔

”اوہ مردود تو نے اچھا کیا کہ اپنی پوری شیطانی ٹولے کو بلا لیا۔ جب تک خاور چوہان کی ایک بھی سانس باقی ہے۔ اس وقت تک تیرے ٹولے کے لیے موت ہی ثابت ہوں گا۔“ میں سب شیطانوں کو دیکھ کر اپنے تمام زخم بھول چکا تھا۔ مگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ مگر مجھے اپنے رب پر بھروسا تھا۔ میرا ایک ہاتھ پہلے ہی ناکارہ ہو چکا تھا۔

اپنے زخموں کو بھول کر میں ایک دفعہ پھر سے اپنے ہمت جمع کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا تھا۔

اب میرے سامنے شیطان اور اس کی لاتعداد ذریت موجود تھی۔ جہاں تک نظر جا رہی تھی۔ شیطان کی ذریت ہی نظر آ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے تمسخر تھا۔

میں ایک منصوبہ بنا چکا تھا۔ مجھے مرنا تو تھا ہی مگر مرتے مرتے بھی شیطان کی طاقتوں کو جہنم واصل کرنے کا طریقہ سوچ لیا تھا۔

میں نے ایک بار پھر سے پوری طاقت سے ڈورنا شروع کر دیا۔ مگر اس بار میرا رخ شیطان کے ٹولے کی طرف تھا۔ شابوس کے قریب پہنچتے ہی ایک اونچی چھلانگ لگائی اور ان کے اوپر سے گزرتا ہوا شیطان کے ٹولے قریب جاتے ہی اپنا رخ بدلا اور پھر شابوس کی طرف رخ کر کے لڑھکنے لگا۔ شابوس نے ایک بار پھر سے اپنے منہ سے آگ کے شعلے پھینکنے شروع کر دیئے۔ مگر اس بار شیطان کے ٹولے کی چیخیں بھی ساتھی بلند ہوئی تھیں۔ کیونکہ لڑھکتے ہوئے میں نے اپنا رخ پھر سے شیاطین کی طرف کر لیا تھا اور اتنی ہی رفتار سے شابوس نے بھی اسی طرف رخ کر کے آگ کے شعلے پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔ میں اب بالکل بے دم ہو چکا تھا۔ شیطان کے ہزاروں چیلے آگ کے شعلے لگنے سے جھلس کر راکھ بن رہے تھے۔

مگر اب بھی لاکھوں کی تعداد میں لشکر باقی تھا۔ میرا جسم جل رہا تھا۔ میں نے زمین پر لوٹ لگا کر اپنے اوپر لگی آگ بجھانے کی کوشش کی۔ شیطان اور اس کے چیلوں کی مجھ پر ہنسی کی آوازیں دم توڑ گئی تھیں۔ کیونکہ

میں نے ایسی حالت کے باوجود شیطان کو کاری نقصان پہنچا دیا تھا۔

میں اب کھڑا ہونے کی سکت کھو چکا تھا۔ شابوس بونے میرے جسم پر چڑھ چکے تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ اب میرا جسم بھی بازو کی طرح گوشت سے خالی ہونے والا ہے۔ مگر مجھے خوشی تھی کہ میں نے مرتے ہوئے بھی شیطان کو بھاری گزند پہنچا دیا ہے۔ میرا دماغ سارے سکھائے گئے سبق بھول رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اب میں درد کی شدت محسوس کرنے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مجھے کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہو۔ میں نے سوچ لیا کہ اب موت کا وقت آ گیا ہے تو میں نے رب کو یاد کیا اور کلمہ پڑھ لیا۔ میں اپنی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

”خاور چوہان۔ میں آ گیا ہوں آقا.....“ یوسف کی ڈھارتی ہوئی آواز آئی۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ یوسف اپنی اصل حالت میں انتہائی غصے کے عالم میں آ رہا تھا۔ شیطان کے ٹولے میں یوسف کو دیکھ کر خوف پھیل گیا تھا۔ کیونکہ یہ وہ ہی یوسف تھا جو اکیلا شیطان کے قبیلے میں گھس کر شیاطین کو مار آیا تھا۔

اچانک یوسف نے ایک بڑے نیولے کا روپ دھار لیا اور میرے جسم پر چمٹے ہوئے شابوس اس کے خونخوار دانتوں میں آ کر مرنے لگے۔

شیطان نے اپنے شیطانوں کو یوسف پر حملہ کرنے کا کہا اور خود پچھلی صفوں میں جا کر چھپ گیا۔

یوسف پر حملہ کرنے والے شیطانوں نے سانپوں کی شکل اپنائی تھی اور یوسف پر حملہ کر دیا تھا۔ مگر یوسف نے ان کے حملوں کا جواب دینے کی بجائے میرے جسم پر چمٹے شابوس کا خاتمہ جاری رکھا۔

”یوسف اپنے آپ کو بچاؤ۔ دوست میری فکر مت کرو۔“ میں نے چلا کر یوسف کو کہا۔

مگر یوسف نے سنی ان سنی کر کے اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی۔ کچھ ہی لمحوں میں شابوس ایک بڑی تعداد مرنے والوں کی میرے جسم پر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔

اسی دوران ایک سانپ نے نیولے کی ٹانگوں کو اپنے پھن کی گرفت میں لے لیا اور باقی سانپوں نے اس کی گردن کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔

شیاطین کی ایک بہت بڑی تعداد شور و غل کر کے اپنے سانپ بنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ نیولا زمین پر گر چکا تھا۔

”یوسف.....“ میں چلایا اور زمین پر اپنے جسم کو گھسیٹتا ہوا ان سانپوں کے پاس جا کر اپنے بائیں ہاتھ سے یوسف کی گردن میں پڑے سانپ کا پھن پکڑ کر ایک جھٹکے سے علیحدہ کر کے اس کا پھن اپنے دانتوں میں لے کر اس کو ادھیڑ کر زمین پھینک دیا جو زمین پر گر کر راکھ میں تبدیل ہو گیا۔

یوسف پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنے پاؤں سے لگے ہوئے سانپ کے پھن کو اپنے نوکیلے دانتوں میں لے کر چبا ڈالا اور پھر اس کے ساتھ ہی اپنے اصل روپ میں آ گیا۔

شیاطین نے چاروں طرف سے یوسف پر حملہ کر دیا۔ میں بے بس لیٹا دیکھ رہا تھا۔ مجھ میں ہمت نہ تھی کہ اٹھ سکوں۔

”اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر.....“ سردار ذوالقرنین کی پرجوش آواز نے اس ظلمت کدے کی دیواروں کو لرزایا اور کافروں پر ہیبت طاری کر دی۔ اس کا مطلب تھا کہ خدا کی مدد آ پہنچی۔

سردار ذوالقرنین بروقت اپنے عظیم لشکر کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ سردار ذوالقرنین کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ایک تلوار سردار یاشان کی تھی جو اس نے مجھے لڑنے کے لیے دی تھی۔ سردار ذوالقرنین بجلی بن کر یوسف کے گرد جمع شیاطین پر چمک پڑا اور چند لمحوں میں یوسف شیاطین کی قید سے آزاد سردار ذوالقرنین کے لشکر کے ساتھ کھڑا شیطانی لشکر کو گھور رہا تھا۔

شیطانی لشکر بھاگنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر میں نے فوراً چلا کر سردار ذوالقرنین سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سردار حملہ کردو۔ ایک بھی بچنا نہیں چاہیے۔" شیطان اپنے لشکر چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہوگیا تھا مگر باقیوں کو بھاگنے کا موقع نہیں ملا۔

سردار اور اس کے ساتھی ہاتھوں میں بھالے اور تلواریں لیے دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔

جنات کی دو جنگیں میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ مگر اس وقت جنگ میں جو شدت تھی۔ وہ دنیا کی مخلوق کو لرزانے کے لیے کافی تھی۔ ایک طرف حق کے متوالے تھے اور دوسری جانب شیطان کے ماننے والے تھے۔ مگر شیطان اپنے ماننے والوں سے بھی وفا نہیں کرتا۔ اس لیے وہ کب کا فرار ہو چکا تھا اور اس کے ماننے والوں کے پاس کیونکہ اب فرار کے سب راستے بند ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کے پاس لڑنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔

یوسف روپ بدل بدل کر دشمن کو ہراساں کیے مجسم موت بنا نظر آرہا تھا۔ سردار ذوالقرنین کی تلوار کی تیزی شیاطین کے سروں پر چمکتی تھی اور اس چمک میں شیطان اپنے سر کھو کر بے جان لاشے بن جاتے تھے۔ مجھ میں شدید خواہش بیدار ہوئی کہ میں ابھی شیطان کے خلاف اس جنگ میں اپنا حصہ ڈالوں۔ سردار ذوالقرنین کے ساتھیوں کے ایک گروہ نے مجھے اپنے حفاظتی حصار میں لیے ہوا تھا۔ تاکہ دشمن مجھ پر حملہ نہ کر پائیں۔ مجھے اب محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ میرا آخری وقت آگیا ہو۔ مگر میرا ضمیر مطمئن تھا۔ کیونکہ میں نے شیطان اور اس کے ساتھیوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا اور اب میرے ساتھی شیطانی ذریات کو فنا کر رہے تھے۔ میں شدید خواہش کے باوجود اپنی جگہ سے ہل نہیں پا رہا تھا۔ میرا ایک بازو ویسے ہی بے جان ہو کر جسم کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ شدید ترین چوٹوں کی وجہ سے میرا دماغ سکھائے ہوئے سب سبق بھول چکا تھا۔ مگر اللہ کا بندہ بن کر شیطان سے بدلہ لینے کا عزم اب بھی میری آنکھوں میں سرخی قائم رکھے ہوئے تھا۔

☆☆☆

اس دوران شیاطین کا ایک گروہ میرے محافظ بنے جنات پر حملہ آور ہوا۔ حملہ کچھ اس شدت کا ہوا تھا کہ ایک شیطان دائرہ توڑتے ہوئے مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میرے نزدیک پہنچ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں میری ٹانگیں پکڑ کر مخالف سمت میں زور لگایا ہی تھا کہ مجھے لگا' میرا جسم اب ٹکڑوں میں بٹنے لگا ہے۔ میں نے آخری بار اپنی طاقت کو جمع کیا اور اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں کی ہڈیاں پکڑتے ہوئے دائیں ہاتھ کی ہڈیوں سے اس شیطان کے ناک اور آنکھ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے اوپری جسم کو زور سے آگے کی طرف ہولا دے کر اپنا جسم اس شیطان کے چہرے تک بلند کرتے ساتھ ہی اپنی ہڈیاں اس کی آنکھوں میں مار دیں۔ شیطان کے حلق سے اس قدر بھیانک چیخ بلند ہوئی کہ مجھے ایسے لگا۔ جیسے میرے کان کے پردے پھٹ گئے ہوں۔ اس نے ایک جھٹکے سے مجھے زمین پر پھینکا اور خود بھی اوندھا ہو کر گر پڑا۔ مگر اپنے آپ کو چھڑانے کے چکر میں میری ٹانگیں کچھ زیادہ ہی چر چکی تھیں۔ درد کی شدید لہریں میرے پورے جسم میں اٹھ رہی تھیں۔ مگر میری خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے اس شیطان کو جہنم واصل کردوں۔ اس لیے میں گھسٹتا ہوا اس کے چہرے کی طرف بڑھا۔ اس شیطان کا بھالا اس کے پاس ہی گرا ہوا تھا۔ میں نے وہ بھالا لیٹے لیٹے اٹھایا اور اللہ اکبر کی صدا پورے زور سے بلند کر کے وہ بھالا اس شیطان کے گلے میں اتار دیا۔

میں اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ اب کیا رہ گیا تھا باقی۔ اپنی زندگی اپنے رب کے دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے گزار کر اس کے راستے میں مر رہا تھا۔

"آقا..... آقا....." یوسف کی بلند آوازیں میرے قریب سے آرہی تھیں۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا۔ یوسف میری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پاتال شیطانوں کا مدفن بن چکا تھا۔ حق کے متوالے جیت چکے تھے اور بہت بڑی تعداد میں شیطان کی ذریات کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جو تھوڑے بہت باقی بچ گئے تھے۔ وہ جان

بچانے کے لیے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ مگر سردار ذوالقرنین اور اس کے ساتھی کسی ایک کو بھی زندہ چھوڑنے پر راضی نظر نہ آرہے تھے۔ یہ دل کو خوش کردینے کا منظر دیکھ کر اب میری نگاہوں کو کچھ اور دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اب مر کر اپنے شفیق استاد سردار یاشان سے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔ یوسف کی آواز مدھم ہوتی جارہی تھی۔ پھر میں ہر احساس سے عاری ہوگیا۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ جب بھی میں نے موت کے سامنے ڈٹ کر موت کو اپنی طرف بڑھنے دیا ہے۔ موت فرار ہوگئی ہے۔ اس بار بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

☆☆☆

"خاور چوہان..... میرے قابل اعتماد دوست۔ مجھے تمہارے اوپر فخر ہے۔" یہ آواز سردار یاشان کی تھی۔ میں نے آنکھیں ایک دم کھول دیں۔ میرے سامنے سردار یاشان کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"سردار یاشان..... استاد محترم..... میں نے شیطان سے انتقام لے لیا ہے۔ اپنے رب کی مخالفت کرنے کا انتقام۔" میں نے سردار یاشان کو دیکھتے ہی خوشی سے لبریز لہجے میں کہا۔

اور ساتھ ہی کھڑا ہونے کی کوشش کی مگر چند لمحوں کے لیے بھول گیا تھا کہ میری ٹانگیں اس حد تک چر چکی ہیں کہ میں اب کھڑا نہیں ہو سکتا۔

"خاور چوہان..... بس اب کچھ دیر اور انتظار کرلو..... پھر تمہارا جسم ہر درد سے نجات حاصل کر کے پھر کبھی نہ ختم ہونے والے سکون کو اپنا لے گا۔ میرے دوست تم نے اپنی زندگی کا حق ادا کردیا ہے۔ اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا کردیا ہے۔" سردار یاشان نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے تھامتے ہوئے کہا۔

"شیطان اس وقت اپنے قریب ترین ساتھیوں سے محروم ہو چکا ہے۔ مبارک ہو تمہیں کہ تم نے اپنے دشمن کو بہت بھاری نقصان پہنچا دیا ہے۔ رب تمہاری اس کوشش کے بدلے تمہیں جنتی نہ تم ہونے والی جنت دے گا اور تمہارا مرتبہ بھی ان لوگوں کا ہوگا۔ جن کے بارے میں ہے کہ موت ان کو ڈھونڈتی رہ جاتی ہے اور مگر ان کو نہیں آپاتی۔ تم نے بہت کام کر لیا ہے' اب تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ اب بس کچھ دیر اور انتظار کرو۔ پھر ہم تمہیں پوری شان وشوکت سے لینے آئیں گے۔" سردار یاشان نے محبت سے لبریز لہجے میں کہا۔

☆☆☆

اچانک درد کی ایک تیز لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ سردار یاشان غائب ہو چکا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں خواب میں سردار یاشان سے محوِ گفتگو تھا۔

میرے گرد یوسف اور سردار ذوالقرنین کے علاوہ قبیلہ یاشان کے جنات موجود تھے۔ میرے جسم کی جو حالت تھی اس میں اب کوئی بھی دوا کارگر نہ تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنے دوست یوسف کی طرف دیکھا۔ یوسف ایک دم تڑپ کر میرے گلے سے لگ گیا۔ سردار ذوالقرنین کی آنکھیں بھی اشک بار تھیں۔

"ایک انسان کا حوصلہ دیکھ کر آج یقین ہو چلا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ تمہاری جدوجہد نے شیطان کو رونے پر مجبور کردیا ہے۔ خاور چوہان..... کاش میں اپنی زندگی دے کر تمہارا دفاع کر پاتا۔ میں اپنے آقا کی حفاظت سے غافل ہوگیا۔" یوسف کا لہجہ بھرا گیا۔ میں نے یوسف کے مضبوط ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ "یوسف مجھے خوشی ہے کہ رب نے مجھے تم جیسا ساتھی دیا۔ جس کی بہادری نے شیطان اور اس کے لشکر کو تہہ وبالا کردیا۔ پر میرے دوست ہر ایک کو اپنا کام ختم کرنے کے بعد اس دنیا سے جانا ہے۔ میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں۔ اب میرے جانے کا وقت آگیا ہے۔ میرا رب مجھے بلا رہا ہے۔ میرا رب میرے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول رہا ہے۔ میرے رب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مجھے بخش دیا.....'' میری آواز اکھڑنے لگی تھی۔
''سردار ذوالقرنین میں تمہارا بھی شکر گزار ہوں۔ تمہارے مفید مشوروں کی بدولت میں اپنا سفر جاری رکھ سکا۔ میرے دوست' تمہارے ان ساتھیوں کا کیا ہوا جو کفر کے نظام کے خلاف لڑ رہے تھے۔ میری تمہیں یہ وصیت ہے کہ دشمنوں کی نشریات اور سوچ کو مسلمانوں پر حاوی نہ ہونے دینا۔ تاکہ مسلمان اس شیطان لعین کے رستے پر نہ چل سکیں اور ناکام زندگی گزارنے سے بچ جائیں۔ مجھے تمہاری فراست اور دوراندیشی پر پورا بھروسا ہے۔ ہم لوگوں نے مل کر جو کام کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا کہ دنیا میں جہاں کہیں مسلمان شیطان کے شکنجے میں ہوگا۔ اس کو آزاد کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ میرے دوست اپنا یہ کام پوری دیانت داری سے کرتے رہنا۔'' میری آواز کمزور پڑ رہی تھی۔
''خاور چوہان..... ذوالقرنین اور قبیلہ یاشان تم سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم مسلمانوں کی حفاظت کرنے کے لیے ہر وہ طریقہ اپنائیں گے۔ جس سے شیطان لعین کو نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس کے لیے چاہے ہم سب کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔'' سردار ذوالقرنین نے گلوگیر آواز کے ساتھ کہا۔
''سردار ذوالقرنین میں اپنی زندگی کی کہانی لکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری کہانی ہر مسلمان تک پہنچے تاکہ وہ سمجھ سکے کہ چند روزہ زندگی میں بقا نہیں۔ بقا تو اللہ کے نام کو بلند کرنے میں ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اس لیے اپنا یہ آخری وقت میں اپنی کہانی لکھوانے میں گزارنا چاہتا ہوں۔''
سردار ذوالقرنین نے فوراً ہی قلم اور کاغذ کا بندوبست کیا اور میرے بولے ہوئے ہر ہر لفظ کو لکھنے لگا۔

☆☆☆

''میرے محترم۔ سردار یاشان تم آگئے۔ میں تیار ہوں چلنے کے لیے۔'' خاور چوہان کی مدھم سی کلمہ پڑھنے کی آخری آواز قبیلہ یاشان کے جنات کے کانوں میں گونج رہی تھی۔
یہ خاور چوہان کی آخری آواز تھی..... جو ہم جنات نے سنی تھی۔ اس کی آواز میں جو خوشی تھی اور چہرے پر جو مسکراہٹ تھی۔ اس کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ میں سردار ذوالقرنین اپنے دوست خاور چوہان کی تمام زندگی کو قلم بند کر چکا ہوں۔ میرا دوست خاور چوہان اپنے رب سے ملنے جا چکا ہے۔ اپنی زندگی کو اللہ کی راہ میں قربان کر چکا ہے کیونکہ میرے دوست کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ سب سے سچا خیر خواہ اللہ رب العزت ہی ہے..... اور جو اس کے رستے میں آتا ہے۔ وہ نہ ختم ہونے والی خوشیاں پالیتا ہے۔ اس وجہ سے میرا دوست خاور چوہان جو اپنی زندگی انتقام کی راہ میں گزارنا چاہتا تھا۔ ایک رہنمائی ملنے کے بعد اس بات پر دل سے یقین کر بیٹھا' کہ اللہ کا نام ہی بلند ہے اور زندگی گزارنے کا صحیح انداز بھی یہی ہے کہ اللہ کے نام کو ہر وقت بلند کیا جائے اور اللہ کے دشمن شیطان لعین کے خلاف جدوجہد ہر لمحے کی جائے۔
اس وجہ سے خاور چوہان اپنی زندگی اللہ کی محبت میں اس کے دشمن شیطان لعین سے لڑتے ہوئے گزار کر واپس خوش وخرم اپنے اللہ کے پاس چلا گیا اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی موت خاور چوہان سے ڈر کر بھاگ گئی تھی اور اب کبھی بھی خاور چوہان کو اپنا شکار نہیں بنا سکتی تھی۔ کیونکہ خاور چوہان موت کو شکست دے کر شہادت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔
میں' یوسف اور قبیلہ یاشان کے تمام جنات آج بھی خاور چوہان سے کیے گئے وعدے پر قائم ہیں اور شیطان کا رستہ روکنے کے لیے ہر ممکن جدوجہد کر رہے ہیں۔ تاکہ جب ہم بھی اپنے دوست کے پاس جائیں تو فخر سے جائیں کہ شیطان کو بھاری نقصان پہنچا کر آئے ہیں۔

ختم شد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk